قصص القرآن

محمد احمد جاد المولیٰ　　محمد ابو الفضل ابراہیم
علی محمد البجاوی　　السیّد شمامۃ
(مِن علماء الازہر الشریف ـ مصر)
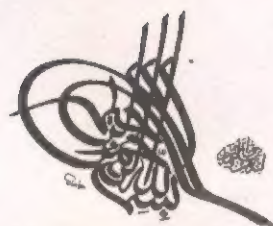
قرآنِ مقدس کے بیان کردہ واقعات، مستند اور قابلِ اعتماد
ماخذوں سے تفصیلات ۔ دلچسپ اندازِ بیان حکمت و موعظت
اور پند و نصائح کا معتبر مجموعہ۔

مؤلفین

محمد ابوالفضل ابراہیم — محمد احمد جاد المولیٰ

السید شمامۃ — علی محمد البجاوی

ترجمہ:

(الاستاذ) ظفر اقبال کلیار

(فاضل بھیرہ شریف)

فہرست

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

سیدنا آدم علیہ السلام

اللہ رب العزت نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا۔ سطح زمین پر بلند و بالا پہاڑ کھڑے کیے' اس میں برکتیں رکھیں اور بنی آدم کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے اسباب مہیا کیے۔ اس (زمین کی تخلیق اور تزئین) میں چار دن صرف ہوئے۔ ان اسباب کو کام میں لاکر رزق حاصل کرنا سب طلبگاروں کے لیے یکساں ہے۔

پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی۔ وہ دھواں تھا۔ آسمان اور زمین کو حکم دیا کہ طوعاً و کرھاً اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں۔ انہوں نے زبان حال سے عرض کی کہ مولا ہم خوشی حاضر ہیں۔

پھر وہ عرش پر متمکن ہوا (جس طرح اس کی شان کے لائق ہے) اور سورج اور چاند کو پابند حکم بنادیا۔ ہر ایک مقررہ مدار میں رواں ہے۔ پھر فرشتوں کو وجود بخشا جو حمد و ثنا کرتے ہیں اس کے نام کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اخلاص سے فریضہ عبادت بجا لاتے ہیں۔

تخلیق کائنات کے بعد اس کی مشیت اور حکمت نے آدم خاکی کی تخلیق کا ارادہ فرمایا۔ تاکہ وہ زمین میں رہ کر اسے آباد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنے اس ارادے سے آگاہ فرمایا کہ میں ایک ایسی مخلوق پیدا کر رہا ہوں' زمین جن کی جولانگاہ ہو گی۔ وہ اس کے اطراف و جوانب میں پھیل جائیں گے۔ زمین کی نباتات ان کی خوراک ہو گی اور سینہ ارض سے انواع و اقسام کی فصلیں اگائیں گے۔ اور ان سے زمین نسل در نسل آباد ہوتی رہے گی۔

فرشتے ایسی مخلوق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی بندگی کے لئے خاص کر رکھا ہے۔ انہیں گوناگوں نعمتیں عطا کی ہیں۔ انہیں خصوصی انعام و اکرام سے نوازا ہے اور اپنی رضا کے حصول کی کامل توفیق بخش رکھی ہے۔ (اس مرتبہ و کمال کی وجہ سے) انہیں یہ بات پسند نہ آئی کہ اللہ کریم عبادت کے لئے کسی اور مخلوق کو پیدا فرمائیں وہ ڈر گئے اور سوچنے لگے کہ کہیں ان سے اللہ تعالیٰ کی بندگی میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہو گئی یا وہ کسی حکم کی مخالفت تو نہیں کر بیٹھے۔ فوراً تسبیح و تہلیل کی اور بارگاہ رب العزت میں عرض پرداز ہوئے۔ اے اللہ! ہمارے سواء عبادت کے لئے کسی اور کی تخلیق کی کیا وجہ ہے؟ کیا ہم سے کوئی تقصیر ہو گئی ہے؟ ہم تو ہر وقت تیری تحمید میں رطب اللسان ہیں۔ اور صبح و شام تیری پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ الٰہی (جنوں کی طرح) یہ تو زمین میں دنیاوی مصلحتوں پر ایک دوسرے سے اختلاف کریں گے اور دنیاوی نعمتوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے۔ بار الٰہ! وہ زمین میں فساد برپا کر دیں گے' بے تحاشا سفاکی کا مظاہرہ کریں گے۔ اور معصوم و بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلیں گے۔

(اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ)؟

ترجمہ:۔ "کہنے لگے کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا اس میں اور خونریزیاں کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں تیرے لیے"

فرشتوں کی یہ گفتگو کسی اعتراض کی بنا پر نہیں تھی بلکہ وہ چاہتے تھے کہ دلوں پر چھائے شک وارتیاب کے بادل چھٹ جائیں نیز اس آرزو اور تمنا کا اظہار بھی مقصود تھا کہ خلافت ارضی کی نعمت سے انہیں سرفراز کیا جائے کیونکہ وہ نئی مخلوق کی نسبت نعمت خداوندی کے زیادہ قدر دان ہیں اور اللہ کریم کے حقوق کا زیادہ خیال رکھنے والے ہیں۔ ان کا استفسار فعل ربانی کے انکار پر مبنی نہیں تھا' نہ تو اس حکمت ایزدی میں شک تھا اور نہ وہ بنی آدم اور آدم علیہ السلام کی تنقیص شان کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ تو اللہ کریم کے محبوب اور مکرم بندے ہیں۔ وہ خدائی فیصلے کو کیسے ٹال سکتے ہیں اور اس کے حکم سے کیسے سرتابی کر سکتے ہیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ جواب دیا جس سے انہوں نے دلوں میں ٹھنڈک اور طمانیت محسوس کی اور سارے وسوسے سارے شکوک و شبہات ختم ہو کر رہ گئے۔ فرمایا

(اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ)(البقرہ ۳۰)

ترجمہ :۔ "بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"

یعنی میں آدم کی نیابت کی حکمت کو جانتا ہوں مگر تم اس راز سے ناواقف ہو۔ پس میں اپنی حکمت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے آدم خاکی کو پیدا کروں گا اور اپنی خلافت کا تاج اسی کے سر پر رکھوں گا۔ اور پھر تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ تم اس کے جوہر سے ناواقف رہے اور اس کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے۔

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ (الحجر:۲۹)

"تو جب میں اسے درست کر دوں اور پھونک دوں اس میں خاص

روح اپنی طرف سے تو گر جانا اسکے سامنے سجدہ کرتے ہوئے"

اللہ تعالیٰ نے آدم کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔ پھر اس میں اپنی روح پھونکی تو اس میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور وہ بے عیب بشر بن گیا۔

جب آدم پیدا ہو چکا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ تمام فرشتے عاجزی وانکساری سے امر الٰہی کو بجا لائے۔ آدم کے سامنے اپنی پیشانیاں زمین پر رکھ دیں اور سجدہ تعظیمی بجا لائے۔ مگر ابلیس نے حکم عدولی کی

سرکشی کی راہ پر چل دیا اور فخر و غرور کی دلدل میں پھنستا چلا گیا۔

رب قدوس نے ابلیس سے سجدہ نہ کرنے، حکم سے سرتابی اور سرکشی کی وجہ پوچھی فرمایا۔

مَامَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ٥

کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے۔ کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے۔(ص :۷۵)

ابلیس نے جواب دیا کہ وہ آدم خاکی سے اصل کے اعتبار سے بہتر اور جوہر کے اعتبار سے فائق ہے۔ ابلیس سمجھ رہا تھا کہ شاید کائنات میں قدر و منزلت میں کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں۔

اس کا مرتبہ تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے۔

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ٥

"میں بہتر ہوں اس سے۔ تو نے پیدا کیا ہے مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے۔(ص :۷۶)

بدبخت نے اپنی سرکشی کا برملا اظہار کر دیا وہ بہتان تراشی اور مخالفت پر اتر آیا۔ اس ظالم نے اطاعت الٰہی کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور نخوت و غرور کی وجہ سے آدم کو سجدہ نہ کیا۔ حالانکہ آدم دست قدرت کی تخلیق تھے۔ اس طرح ابلیس کافروں کے زمرے میں شمار ہونے لگا۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو سرکشی اور مخالفت کی سخت سزا دی اور اسے حکم دیا۔

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ وَّ اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

"نکل جا جنت سے بیشک تو پھٹکارا گیا اور بیشک تجھ پر میری لعنت برسے گی قیامت تک"۔(ص :۷۸)

ابلیس نے پوچھا کہ الٰہی اتنی کڑی سزا کیوں۔ فرمایا تیری نافرمانی کی وجہ سے۔ عرض کی تو پھر قیامت تک میری رسی ڈھیلی چھوڑ دے۔ اور حشر تک میری زندگی کو

طوالت کر دے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی اور حکم صادر ہوا۔

فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْم

"بیشک تو مہلت دیے جانے والوں میں سے ہے۔ (یہ مہلت) مقررہ وقت کے دن تک ہے۔" (ص: ۸۱)

جب ابلیس کی درخواست منظور ہو گئی اور اس کی خواہش کے مطابق قیامت تک کے لئے اسے مہلت مل گئی تو اس نے تشکر و امتنان کے بجائے کفر و انکار کی راہ اختیار کی اور فضل خداوندی کا انکار کر دیا۔ اور چیلنج کیا کہ۔

فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْم۔ (الاعراف: ۱۶)

ترجمہ :۔ اس وجہ سے کہ تو نے مجھے (اپنی رحمت سے) مایوس کر دیا میں ضرور تاک میں بیٹھوں گا ان کو گمراہ کرنے کے لئے تیرے سیدھے راستے پر"

یعنی ان کی تاک میں بیٹھوں گا اور انہیں راہ راست سے بھٹکانے کی کوشش کروں گا۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ

"پھر میں ضرور آؤں گا ان کے پاس (بہکانے کے لئے) ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے۔ اور تو نہ پائے گا ان میں سے اکثر کو شکر گزار" (الاعراف: ۱۷)

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور اس کی حسرتوں کو طول دے دیا اُسے کھلی چھٹی دے دی کہ اپنے اختیار کردہ راستوں پر چلتا جا اور شر و فساد کی روش پر بڑھتا جا۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ

"اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان میں سے اپنی آواز (کی فسوں کاری) سے اور دھاوا بول دے ان پر اپنے

گھوڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جا ان کے
مالوں میں اور اولاد میں۔(بنی اسرائیل : ۶۴)

ان سے جھوٹے وعدے کیے جا اور جھوٹی امیدوں کے سہارے انہیں ورغلائے جا۔ لیکن میرے بندوں حسن اعتقاد رکھنے والوں اور عزیمت کی راہ چلنے والوں پر تیرا بس نہیں چلے گا۔ میری توفیق ان کی دستگیری کرے گی میری معیت خاصہ ان کے شامل حال ہو گی۔ ان کا دل تیری طرف ہرگز ہرگز مائل نہیں ہو گا اور وہ تیری بات پر ہرگز کان نہیں دھریں گے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھ۔ تو نے لوگوں کو گمراہ کرنے اور آزمائش میں ڈالنے کا جو عزم کر رکھا ہے اس کی تجھ سے باز پرس ہو گی اور اپنے کیے کی تجھے سخت سزا ملے گی۔

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ

"میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرماں
برداروں سے"(ص : ۸۵)

ملائک نے آدم کے حضور سجدہ کیا اس کی فضیلت کا اعتراف کیا اور اقرار کر لیا کہ آدم مقام و مرتبہ میں ان سے فائق اور بارگاہ الٰہی میں ان سے زیادہ قربت رکھتا ہے۔

شاید ابھی تک بھی وہ اپنے آپ کو علم و معرفت اور فہم و فراست میں آدم سے فائق سمجھ رہے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کو علم لدنی سے نوازا' ان کے دل میں نور عرفان بھر دیا اور پوری کائنات کی تمام اشیاء کے نام انہیں سکھا دیئے پھر فرشتوں سے دریافت فرمایا۔

اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

"بتاؤ تو مجھے نام ان چیزوں کے اگر تم (اپنے اس خیال میں) سچے
ہو"(البقرہ : ۳۱)

تاکہ ان پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے کہ وہ علم کے میدان میں بھی آدم سے پیچھے ہیں اور اس علمی برتری کی وجہ سے وہ خود نہیں بلکہ آدم خلافت ارضی کا زیادہ مستحق ہے۔ اور اس کی خلافت کا انکار بلاوجہ ہے۔

آدم علیہ السلام کی وسعت علم کو دیکھ کر فرشتے ششدر و حیران رہ گئے۔ ذرا گریبان میں جھانک کر اپنی بے بضاعتی کو دیکھا تو سراپا حیرت بن گئے۔ جب جواب دینے کی کوشش کی اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ تو اپنے عجز کا اقرار کر لیا اور یہ اعتراف کر لیا کہ آدم علیہ السلام کے علم و آگہی کے سامنے ان کے علم کی کوئی حقیقت نہیں۔

قَالُوْا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ٥

ترجمہ :۔ عرض کرنے لگے ہر عیب سے پاک تو ہی ہے۔ کچھ علم نہیں ہمیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا۔ بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے" (بقرہ : ۳۲)

جب آدم علیہ السلام نے فیض الٰہی سے جرعہ کشی کی اور علم ربانی سے اکتساب فیض لیا تو بارگاہ الٰہی سے حکم ملا کہ جس چیز کی پہچان فرشتے نہیں کر سکے انہیں اس چیز سے آگاہ کر دو۔ اور جس حقیقت کا وہ سراغ نہیں لگا سکے انہیں اس حقیقت سے باخبر کر دو۔ تاکہ ان پر عیاں ہو جائے کہ آدم خاکی کتنی فضیلتوں کا مالک ہے۔ اور اللہ کریم نے کس وجہ سے اسے منصب خلافت پر متمکن فرمایا ہے۔

پس آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو راز درون خانہ سے آگاہ کر دیا۔ ایسے میں اللہ کریم نے فرشتوں کو مخاطب فرمایا اور کہا۔

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ

"کیا نہیں کہا تھا میں نے تم سے کہ میں خوب جانتا ہوں سب چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو"۔ (البقرہ : ۳۳)

اس طرح فرشتوں پر آدم کی فضیلت، تخلیق کا راز اور خلافت کے استحقاق کی وجوہات ظاہر ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اپنے کیے کی سزا دی اور اپنی عطا کردہ نعمت اس سے واپس لے لی۔ آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت میں ٹھہرایا اور انہیں وحی کے ذریعے بتا دیا کہ میری نعمت کا شکر کرو۔ میں نے تمہیں بدیع فطرت پر پیدا کیا ہے اور اپنی مشیت کے تحت تمہیں حسین و جمیل صورت بخشی ہے پھر تم میں اپنی روح پھونک کر

فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور تمہیں اپنے علم خاص سے نوازا ہے۔ دیکھو ابلیس میری رحمت سے محروم ٹھہرا ہے اور لعنت کا مستحق ہوا ہے صرف اس وجہ سے کہ اس نے میری حکم عدولی کی ہے۔ جنت دار الخلد ہے۔ یہ تمھاری منزل اور ٹھکانا ہے۔ اگر تم اطاعت پر کمر بستہ رہے تو تمھیں اس نیکی کا صلہ ملے گا اور جنت کی ابدی بہاریں ہمیشہ تمھارے لئے ہونگی۔ اور اگر عہد کو توڑ دیا تو تمہیں اس گھر سے نکال دوں گا اور جہنم کی تیار شدہ آگ سے تمھیں عذاب دوں گا۔ یہ بات مت بھولنا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ کہیں تمہیں جنت سے نکال نہ دے اور تم شقاوت کے سزاوار بن جاؤ۔

میں نے جنت کی ہر نعمت تمھارے لئے مباح کر دی ہے۔ جہاں سے چاہو جنتی میوے توڑ کر کھاؤ مگر ان بے شمار درختوں کے درمیان میں سے صرف ایک درخت کے قریب جانے سے تمہیں روک رہا ہوں۔ اللہ کریم نے درخت کا تعین کر دیا اور اشارے سے بتادیا کہ شجر ممنوعہ یہ ہے۔ تاکہ کوئی شک اور ابہام نہ رہے۔ آدم اور حوا کو تنبیہ کر دی کہ اگر وہ اس درخت کے قریب گئے تو ان کا شمار بھی ظالموں میں ہو گا۔ اور اگر اللہ کے حکم پر ثابت قدمی سے عمل کرتے رہے تو اس کے صلے میں انہیں کئی اور نعمتوں سے بھی نوازا جائے گا۔ یعنی جنت میں نہ انہیں بھوک ستائے گی نہ پیاس محسوس ہو گی نہ انہیں ستر چھپانے کا اہتمام کرنا پڑے گا اور نہ ہی اکتاہٹ اور تھکاوٹ محسوس کریں گے۔

اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (بقرہ : ۳۵)

”رہو تم اور تمہاری بیوی اس جنت میں اور دونوں کھاؤ اس جنت سے جتنا چاہو جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے اپنا حق تلف کرنے والے“

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى۔

”بیشک تمھارے لیے یہ ہے کہ تمہیں نہ بھوک لگے گی اور نہ تم ننگے ہو گے۔ اور تمہیں نہ پیاس لگے گی یہاں اور نہ دھوپ ستائے گی“۔ (طٰہٰ : ۱۱۹)

آدم علیہ السلام جنت میں رہنے لگے۔ جس چیز کی خواہش کرتے اسی سے متمتع ہوتے۔ اور جنت کی ابدی نعمتوں سے اپنی آنکھوں کو لطف اندوز کرتے۔ شاید وہ جنت کے باغوں میں سیر کرتے ہونگے اور درختوں کی گھنی اور فرحت بخش چھاؤں میں بیٹھتے ہونگے۔ جنت کے پھل توڑ کر کھاتے ہونگے اور میٹھے پانی سے سیراب ہوتے ہونگے۔ باغ و بہار میں پھول بھی کھلتے ہیں شاید وہ پھولوں کی مہک سے مشام جاں کو معطر کرتے ہونگے۔ وہ اکیلے نہیں تھے۔ ان کی بیوی بھی جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ایک طویل مدت تک وہ جنت کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

ابلیس بھلا آدم علیہ السلام کے اس قدر آرام و آسائش کو کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اسے جنتی بہاروں سے لطف اندوز ہوتے دیکھ کر جل بھن جاتا۔ وہ تو رحمت خداوندی سے محروم ہو گیا تھا۔ وہ آدم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جنت سے دور ہو گیا تھا۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ آدم علیہ السلام کی قدر و منزلت اور سعادتوں کو ختم کروائے گا اور اس کے ہاتھ سے یہ نعمت گراں مایہ سلب کروائے گا۔

کیا یہ وہی آدم خاکی نہیں جس کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے وہ راندۂ درگاہ ہوا ہے۔ اور ہمیشہ کیلئے اللہ کی نعمتوں اور اس کی رضا کے حصول سے محروم ٹھہرا ہے۔ ہاں اسی انسان کی بدولت ہی تو مسترد ہوا ہے۔ اسے سجدہ نہ کر کے اس کی تعظیم سے انکار کر کے وہ ہمیشہ کے لئے لعنت کا مستحق قرار پایا ہے۔ وہ آدم سے انتقام لے گا۔ وہ اس کی عزت کو داغدار کرے گا جس کے سامنے سجدہ ریزی اور جس کی فضیلت کے اعتراف پر اسے مجبور کیا گیا ہے۔

شیطان چپکے سے جنت کو گیا اور وسوسہ اندازی کر کے آدم اور حوا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ ان کا خیر خواہ ہے۔ انہیں مخلصانہ نصیحت کرنا چاہتا ہے۔ آدم و حوا کو بہکانے کے لئے اس نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا مکر و فریب کا کوئی ایسا طریقہ نہ چھوڑا جسے کام میں نہ لایا ہو۔ اور دجل و تلبیس اور مکر و فریب کا کوئی دروازہ نہ تھا جس پر دستک نہ دی ہو۔ ان کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کیا انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ اگر انہوں نے اس کی شفقت بھری نصیحتوں پر عمل نہ کیا تو یہ دولت ان سے چھن جائے گی بڑے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

مَانَهٰاکُمَا رَبُّکُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَا مَلَکَیْنِ اَوْ تَکُوْنَا مِنَ الْخَالِدِیْنَ

”نہیں منع کیا تمہیں تمھارے رب نے اس درخت سے مگر اس لیے کہ کہیں نہ بن جاؤ تم دونوں فرشتے یا کہیں نہ ہو جاؤ ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے“ (الاعراف : ۲۰)

جب اس لعین نے محسوس کیا کہ آدم اور ان کی بیوی اس کی باتوں میں نہیں آرہے اور مخالفت پر اڑے ہوئے ہیں تو اس نے قسم اٹھا کر کہا کہ وہ ان کا خیر خواہ ہے۔ ان کا دشمن نہیں۔ وہ تو صرف انہیں نقصان سے بچانا چاہتا ہے۔ شیطان نے حیلوں بہانوں سے اپنے مقصد کی صحت اور رائے کے صائب ہونے کا یقین دلایا۔ ہاں وہ ہے بھی تو بڑا حیلہ ساز فریب کار کہنے لگا ذرا اس درخت کی رنگت تو دیکھو کتنی خوبصورت رنگت ہے۔ اس کی خوشبو سے مشام جاں کو معطر کر کے تو دیکھو۔ ذرا چکھو تو اس کا ذائقہ کتنا اچھا ہے۔ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے‘ خوبصورت لفظوں سے‘ میٹھے وعدوں سے ورغلانے اور گمراہ کرنے کی پوری کوشش کی۔ آخر آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی اس مردود کی باتوں میں آگئے اور اس کے کہنے سے اس کی بات مان لی اور ان سے لغزش ہو گئی آدم اور حوا علیھما السلام نے جب حکم ربانی کو نظر انداز کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت سلب کر لی اور انہیں جنت کی ابدی نعمتوں سے محروم کر دیا پھر ارشاد ہوا۔

اَلَمْ اَنْهٰکُمَا تِلْکُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّکُمَا اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ

”کیا نہیں منع کیا تھا میں نے تمہیں اس درخت سے اور کیا نہ فرمایا تھا تمہیں کہ بلا شبہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے“۔ (الاعراف : ۲۲)

آدم اور حوا علیھما السلام حضور باری تعالیٰ میں حاضر ہوئے‘ اپنی غلطی پر ندامت اور شرمندگی کا اظہار کیا اور بصد تضرع عرض کرنے لگے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَّلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ

”دونوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخشش

فرمائے تو ہمارے لئے اور نہ رحم فرمائے ہم پر تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیچے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے آخر

اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور انہیں معاف فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ کی اس بخشش سے آدم اور حواء علیہما السلام کے سینے ٹھنڈے ہو گئے اور آنکھوں میں سکون و قرار چھا گیا۔

دل میں پھر سے جنت اور جنت کی نعمتوں کا خیال آیا۔ اور یہ آرزو مچل اٹھی کہ کاش وہ نوازش پھر ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کی آرزوؤں کو جانتا تھا اور ان کے ارادوں سے واقف تھا حکم دیا زمین میں اتر جاؤ۔ انہیں پھر سے خبردار کر دیا کہ ابلیس اور انسان کے درمیان عداوت ہے۔ یہ عداوت قیامت تک باقی رہے گی۔ خبردار اس کی فتنہ پردازی سے بچنا اور اس کے دام تزویر میں نہ آجانا۔

اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰی۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کی زندگی میں آدم علیہ السلام کے لئے کئی ضرورتیں رکھ دیں اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے کا داعیہ بھی فطرتاً ودیعت کر دیا اسے بتادیا کہ راحت و آرام کا دور اختتام کو پہنچا۔ جنت سے نکلنے کے بعد اب تمہیں ایک نئی طرز زندگی کا سامنا ہے۔ تمہیں دو راستوں میں سے ایک راستے کا انتخاب کرنا ہوگا۔ ہدایت کا راستہ یا گمراہی کا راستہ ایمان اور فلاح کی راہ یا کفر اور خسارے کی راہ۔ جو صراط مستقیم پر گامزن ہوگا اور اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرے گا وہ تو وساوس شیطانی اور مکر و فریب سے محفوظ رہے گا۔ اور جو ان اصولوں سے روگردانی کرے گا اور شیطان کے قدم بقدم چلے گا اس کی زندگی کا جامہ تنگ ہو جائے گا اور اس کا شمار ان بدبختوں میں ہونے لگے گا جن کی ساری تگ و دو کا مرکز دنیاوی زندگی کی آسائشیں ہوتا ہے۔ جنہیں شعور کی نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور جو زندگی کی حقیقتوں سے منہ موڑ کر سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہے یہی صحیح اور فلاح کا ضامن ہے۔

"آدم علیہ السلام کی اولاد"

نظام حیات تکمیل کے مراحل طے کرنے لگا۔ حوا میں بچے پیدا کرنے کی استعداد پیدا ہو گئی۔ گلشن انسانیت میں پہلی کلی کھل اٹھی باد بہاری کا پہلا جھونکا آچکا۔ حوا علیھا السلام کو جب حمل کی گرانی محسوس ہوئی تو اپنے خاوند کے ساتھ خوش خوش رہنے لگیں۔ میاں بیوی کے دل میں بچوں کی محبت اور الفت کروٹیں لینے لگی۔ وہ سراپا انتظار بن گئے کہ وہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو روئے زمین پر کب دیکھیں گے۔ وہ کب زمین کے اطراف وجوانب میں پھریں گے۔ وہ عالم تخیل میں دیکھنے لگے کہ زمین ان کی اولاد سے آباد ہو جائے گی۔ وہ مشرق اور مغرب میں چلیں گے۔ اللہ کے عطا کردہ رزق کو حاصل کرنے کے لئے زمین کا سینہ شق کریں گے۔ یہاں جنت کی سی بہاریں نہ سہی لیکن اولاد کی وجہ سے آدم علیہ السلام بہت خوش تھے اور حوا بچے کے تصور سے پھولے نہ سمار ہی تھی۔ حمل کے ایام میں ماں کو طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن ماممتا کا جذبہ اور بچوں کی محبت ان تمام تکلیفوں کو بھلا دیتی ہے۔ ماں بچوں کی پیدائش کا سن کر خوش ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اولاد تو ہے ہی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا قرار۔ حوا علیھا السلام کے بطن سے بچوں کے دو جوڑے پیدا ہوئے یعنی قابیل اور اس کی بہن' ھابیل اور اس کے ساتھ بہن دونوں بھائی والدین کی کفالت میں عہد شباب کو پہنچے۔ حتی کہ

زندگی کی شادابی ان کے جسموں میں بھر گئی اور قوت شبابہ اپنے عروج کو جا پہنچی۔ دونوں بچیاں بھی بلوغت کی عمر کو پہنچ گئیں۔ اب ھابیل اور قابیل زمین میں رزق کی تلاش میں تگ ودو کرنے لگے۔ قابیل زمینوں پر محنت کرتا اور ان سے فصلیں اگاتا اور اس کا بھائی ھابیل ریوڑ چراتا اور گلہ بانی کرتا۔

دونوں ابھی اپنے والدین کے ساتھ خوشی اور مسرت سے رہ رہے تھے۔ یہ مختصر سا خاندان امن وچین سے زمین کی آباد کاری میں مصروف تھا وقت گزرتا گیا اور موت پنجے پھیلائے انسانیت کے شکار کے لئے گھات لگائے بیٹھی تھی۔ دونوں بھائیوں میں قوت مردمی عروج پر پہنچ گئی اور انہیں شادی کی ضرورت محسوس ہونے لگی تاکہ وہ اپنی بیویوں سے فرحت وسکون حاصل کر سکیں اور ان کی صحبت سے تسلی اور اطمینان پائیں۔ یہ شہد کی سی میٹھی آرزو ان کے دلوں میں پیوست ہو گئی۔ ان کی کوششوں اور مساعی کا دائرہ کار اسی امید پر آکر ختم ہو تا تھا۔ شروع سے مشیت ایزدی نے انسان کو مال اور اولاد سے آزمایا ہے۔ جس شخص سے قدرت امتحان لینا چاہتی ہے اس کا مال بڑھ جاتا ہے اور اولاد کی نعمت اسے عطا ہو جاتی ہے۔ زمین کی بہاریں اور خزانے اس کی جھولی میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ قدرت کو شاید یہ منظور تھا کہ اولاد آدم ایک امت نہ رہے۔ بلکہ وحدت کثرت میں بدل جائے اور رائے اور سوچ میں' نوعیت اور خلقت میں' سعادت اور شقاوت میں تنوع اور نے رنگی آجائے۔ اللہ تعالیٰ نے ابو البشر آدم کو وحی کی ان میں سے ہر ایک کی شادی دوسرے کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے کر دی جائے۔ آدم علیہ السلام نے حکم خداوندی سے بچوں کو مطلع کیا۔ آدم علیہ السلام کو امید تھی کہ ان کا فیصلہ بلا چون وچراں مان لیا جائے گا۔ اگر انسان کا نفس شریر نہ ہوتا تو وہ انسان کو کبھی بھی ہلاکت اور بربادی کی اتھاہ گہرائیوں میں نہ گراتا۔ اور والد کی تمنا پوری ہوتی۔

انسانی طبیعت کا قوام حرص وطمع ہے۔ جس نے اپنی شہوت کی سرکشی کو روکا اور اس کی سطوت کے گھوڑے کو لگام دی اور ہوس پر عقل کا پہرہ بٹھا دیا وہ دنیا اور آخرت میں تکریم کا مستحق قرار پایا۔ مگر جس نے شہوانی خواہشات کی رسی ڈھیلی چھوڑ دی اور عقل کی باگ ہوس کے ہاتھ میں دے دی' اس کے اعمال ضائع ہو گئے اور اس

کی ساری کوششیں اکارت چلی گئیں۔ حالانکہ وہ سوچ رہا ہوتا ہے کہ اس کی کوششیں ثمر بار ہوں گی۔

طبیعت انسانی کا مسخ ہونا اور نفس کا سرکش ہو جانا دنیا میں امتحان ہے۔

جب آدم علیہ السلام نے اپنے ارادے سے بچوں کو آگاہ کیا۔ تو قابیل آگ بگولا ہو گیا اور اپنے والد کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اس کے ساتھ پیدا ہونے والی بچی خوبصورت اور ھابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بچی حسن صورت میں دوسری بہن سے کم تھی۔ وہ اس فیصلے پر راضی نہ ہوا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے شادی کرے۔

حسن ظاہری شروع سے منہ زور طوفان کی مانند نفس بشری سے کھیلتا رہا ہے اور انسان کو ہلاکت اور فلاکت کے گڑھے میں گراتا آیا ہے۔

یہی حسن ظاہری اور جمال خلقی دونوں بھائیوں میں دوری نفرت اور عداوت کا سبب بنا۔ ایک نے اپنے والد گرامی کی اطاعت سے انحراف کیا اور اللہ سے کیا ہوا وعدہ توڑ ڈالا۔ اور پہلا عہد شکن ٹھہرا۔ قابیل کے انکار سے آدم علیہ السلام گویا تند و تیز ہواؤں کی لپیٹ میں آ گئے۔ انہوں نے اس قدر غم و اندوہ کا تو خلد میں سوچا بھی نہیں تھا۔ ان کی ذات دونوں بچوں میں تقسیم ہو گئی۔

۔وہ دونوں کی سلامتی اور بقا چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس مشکل سے نکلنے کا طریقہ بتا دیا اس سے غم و اندوہ کی یہ منہ زور آندھی چھٹ گئی۔ اللہ کریم نے حکم دیا کہ دونوں بھائی میری رضا کی خاطر قربانی دیں۔ جس کی قربانی قبول ہو جائے گی وہی اپنے ارادے اور خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ ھابیل نے اپنے اونٹ کی قربانی دی اور قابیل نے اپنے کھیت سے گندم کی قربانی پیش کی۔ دونوں کے دلوں میں امید کے چراغ جل اٹھے۔ ہر ایک سوچ رہا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گا۔ اور اس کی امید پوری ہو جائے گی۔

ھابیل بہت خوش قسمت اور راستباز تھا۔ اس لئے اس کی قربانی قبول ہو گئی۔ لیکن قابیل کی قربانی رد ہو گئی کیونکہ اس نے اپنے والد گرامی کے حکم سے سر تابی کی تھی اور قربانی دیتے ہوئے اللہ کی رضا کی نیت نہیں کی تھی۔

قابیل کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ امید کے سارے چراغ گل ہو گئے۔ وہ بغض وکینہ کی تصویر بن گیا۔ اس کی سرکشی پھوٹ پڑی۔ اور غصہ انتہاؤں کو چھونے لگا۔ اپنے بھائی کو دھمکی دی اور کہا: کچھ بھی ہو میں تمہیں قتل کر کے دم لوں گا۔ تاکہ تمہیں ایک بدبخت کے ساتھ رہنے کی تکلیف نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ تو تو خوش بخت ہے۔ مجھے اس بھائی چارے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے اندر سے رشتوں کا تقدس رخصت ہو چکا ہے اور میرا دل بہت اداس ہے۔ ھابیل نے حسرت بھرے لہجے میں بھائی کو نصیحت کی اور کہا: میرے بھائی بہتر تو یہ ہے کہ تم اصل بیماری کا سراغ لگاتے اور اس کا کوئی علاج کرتے۔ تمہیں تو امن وسلامتی کا جویندہ ہونا چاہیے تھا تاکہ تم اس راہ پر گامزن ہو کر اللہ کی رضا حاصل کرتے۔ قربانی صرف ان کی منظور ہوتی ہے جن کے دل تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ھابیل کو جسمانی اور عقلی خوبیوں سے خوب اچھی طرح مزین کر رکھا تھا۔ ان میں ان لوگوں کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں جنہیں امانت کا امین بنایا جائے تو وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ انہیں حکمت و دانائی کی صلاحیتوں سے نوازا جائے تو وہ ان میں اور نکھار پیدا کرتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد اللہ کی خوشنودی کا حصول ہوتا ہے۔ وہ والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کو سعادت دارین خیال کرتے ہیں۔ وہ اپنے رب کی تقسیم پر راضی ہوتے ہیں۔ وہ اس نقطے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ دنیوی زندگی ڈھلتی چھاؤں اور عارضی مقام اور بے ثبات مال ہے۔ ھابیل اپنے بھائی کو بہت چاہتا تھا۔ وہ اسے برابر نصیحت کرتا رہا اور اسے سمجھاتا رہا کہ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد تو نہ توڑو قابیل کی دھمکی کا اسے کوئی خوف نہیں تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک قوت خاص سے نواز رکھا تھا۔ اس کے اندر الٰہی قوت موجود تھی۔ وہ جانتا تھا کہ قابیل شیطان کے دھوکے میں آگیا ہے۔ وہ انتقام کی آگ میں جل رہا ہے اور سرکشی کی راہوں پر سرپٹ دوڑ رہا ہے۔ ھابیل نے سب کچھ تقدیر پر چھوڑ دیا۔ سوچا مشیت ایزدی نے اگر اس کے بھائی کے لئے یہی راہ متعین کر دی ہے تو وہ تقدیر سے لڑ تو نہیں سکتا۔ لیکن اس کے دل میں ایک لمحے کے لئے بھی یہ خیال نہ آیا کہ وہ اپنے بھائی کو نقصان پہنچائے یا اسے تکلیف دے۔ کیونکہ ازل سے اللہ نے اس کی پیشانی پر سعادت کا لفظ لکھ دیا تھا۔ اور اس کے اندر خوف خدا ودیعت ہو چکا تھا۔

ھابیل نے ازراہ شفقت و محبت پھر سے قابیل کو نصیحت کرنا شروع کی۔ اس نے ایسی گفتگو کی جس میں قابیل کے زخموں کا مرہم تھا۔ اس کے بغض و کینہ کی دوا تھی۔ فرمایا: اے میرے بھائی۔ بیشک تو جور و جفا کی راہ پہ چل نکلا ہے۔ اور صراط مستقیم سے بہت دور نکل گیا ہے۔ اپنے عزائم میں تو گناہ گار ہے اور اپنی رائے میں جادہ حق سے بہت دور ہے۔ تمھارے لئے بہت ہی مناسب تھا کہ تم اپنے گناہوں سے توبہ کرتے اور فسق و فجور سے باز آجاتے۔ لیکن جب تو نے میرے قتل کا پختہ عزم کر لیا ہے اور ہر حال میں تو اس گناہ کو کر گزرنے پر تلا ہوا ہے تو میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں کہ کہیں میں بھی گناہ کی روش اختیار نہ کر بیٹھوں یا اللہ کی نافرمانی کا داغ میرے دامن کو داغدار نہ کر دے۔ پس گناہ کا بوجھ تجھے ہی مبارک۔ اس کا انجام بہت برا ہے۔ تیرا شمار جہنمیوں میں ہو گا اور سرکشوں کو جہنم کی سزا ہو گی۔

قابیل کے سینے میں دہکتی آگ کو اخوت کا رشتہ بھی سرد نہ کر سکا۔ اور نفرت و عداوت کے یہ شعلے' محبت' رحمت' شفقت اور مہربانی کے چھینٹوں سے بھی سرد نہ ہو سکے۔ قابیل نے نہ تو خوف خداوندی کا کچھ احساس کیا اور نہ والدین کی محبت اور شفقت کی رعایت کی۔ سراسر نفس کی اطاعت پر کمربستہ ہو گیا اور یوں دنیا میں سرکشی اور برائی کرنے والا پہلا شخص قرار پایا۔

آخر وہ وقت آہی گیا جس میں ایک سرکش نے انتہائی اقدام کرنا تھا۔ ھابیل اپنے بھائی کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اور حماقت' جہالت اور انتقام کا پہلا شکار ٹھہرا۔

اپنے جوان بھائی کی کھلتی کلی کو مسخ کر ڈالا۔ اور اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ ھابیل کا ستارہ اس افق سے غائب ہو گیا جس افق سے اس کا باپ اس کو طلوع ہوتے دیکھا کرتا تھا۔ آدم علیہ السلام تنہائی اور وحشت سی محسوس کرنے لگے۔ ھابیل انہیں رہ رہ کر یاد آنے لگا۔ بہت کوشش کی کہ کہیں سراغ ملے لیکن بے سود۔ قابیل سے بھائی کے متعلق پوچھا لیکن اس نے غصے اور طیش کے لہجے میں یہ جواب دیا کہ وہ اس کی نگہداشت پر تو مقرر نہیں۔ وہ اس کا رکھوالا اور نگہبان تو نہیں۔ آدم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس نے بھائی کو قتل کرنے کا شنیع جرم کر لیا ہے۔ وہ مہربلب' غم والم کی تصویر بنے اپنے بیٹے کی جدائی کے غم کو سینے میں چھپائے قابیل پر شفقت کرتے رہے۔

اَقُوْلُ لِلنَّفْسِ تَاَ سَاءً وَتَعْزِيَةً
اِحْدَیٰ یَدَیَّ اَصَابَتْنِیْ وَلَمْ تَرِد

میں حسرت ویاس اور افسوس میں اپنے دل سے کہتا ہوں۔

میرے ایک ہاتھ نے مجھے تکلیف دی ہے اور میں اسے اپنے آپ سے الگ نہیں کر سکتا۔ ھابیل زمین پر قتل ہونے والا پہلا شخص تھا۔ قابیل کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔ اسے بوری میں ڈالے کندھے پر اٹھائے پھرتا رہا۔ وہ بہت پریشان اور مضطرب تھا۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا اور جگر پاش پاش ہو چکا تھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ اس کے نفس نے شفقتوں اور محبتوں کا گلہ گھونٹ دیا تھا۔ پورا دن پھٹی پھٹی نظروں سے، حیران و پریشان چلتا رہا۔ رات آئی تو وہی بے چینی اور پریشانی تھی۔ عذاب کی ایک دلدل تھی کہ کسی پہلو قرار نہ تھا۔ خجالت اور شرمندگی، غم و حزن میں کروٹیں بدلتے رات گزر گئی۔

لاش میں تعفن پیدا ہوا۔ اب وہ اسے نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن کیا کرے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

ایسے میں ضروری تھا کہ رحمت خداوندی اپنے پاکباز بندے کی لاش کی نگہداشت کرتی، مخلوق کو ایک دائمی ضابطہ مہیا کرتی اور آدم اور اس کی اولاد کی عزت و تکریم کو باقی رکھنے کا اہتمام کرتی۔ اور یہ بھی ضروری تھا کہ ایک سرکش اور گمراہ شخص کو سخت تنبیہ کی جاتی اور اسے درس عبرت دیا جاتا۔ وہ وحی خداوندی اور الہام باری تعالیٰ کے لائق تو تھا نہیں اس لئے اسے ایک کوے کے تلمذ کی ذلت اٹھانا پڑی۔ تاکہ اس کی دانائی ایک حقیر کالے اور کمزور حیوان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے۔ اور اتنی ذلت اور رسوائی کے ساتھ حاصل کیے گئے درس کے ذریعے اس کی انا کو فنا کی نیند سلا دیا جائے۔ تاکہ وہ ہمیشہ ذلت اور نکبت میں مبتلا رہے۔

اللہ تعالیٰ نے دو کوے بھیجے۔ دونوں نے قابیل کے سامنے لڑائی کی۔ ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ پھر اپنی چونچ سے گڑھا کھودا۔ اور مردہ کوے کے جسم کو دفن کر دیا۔ اسے دیکھ کر قابیل بہت نادم اور شرمندہ ہوا اور کہہ اٹھا۔

یَاوَیْلَتَا أَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْاَةَ اَخِیْ۔

"ہائے افسوس کیا قاصر رہا میں کہ ہوتا اس کوے کی مانند تو چھپا دیتا لاش اپنے بھائی کی" (المائدہ: ۳۱)

”حضرت نوح علیہ السلام“

قوم نوح عرصہ دراز تک صنم پرستی میں مبتلا رہی۔ وہ بتوں کو خدا سمجھتے تھے اور انہیں مشکل کشا اور حاجت روا یقین کرتے تھے۔ وہ انہیں خیر و شر کا مالک خیال کرتے اور انہیں مختلف ناموں سے پکارتے تھے۔ کسی بت کا نام ”ود“ تھا کسی کا ”یغوث“ کسی کو ”سواع“ اور کسی کو ”یعوق“ اور کسی کو ”نس“ کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ سب جہالت کا شاخسانہ اور ہوس پرستی کا نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھی بت پرستوں کی طرف حضرت نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ نوح علیہ السلام نہایت فصیح البیان اور فتیق اللسان مقرر تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے انہیں عقل و خرد، حلم و بردباری جیسی صفات سے بھی نواز رکھا تھا۔ وہ مشکلات میں نہایت صابر تھے۔ انہیں اپنی بات منوانے اور دلائل سے بات کرنے کا ڈھنگ آتا تھا۔ وہ دور اندیش اور سمجھدار شخصیت کے مالک تھے آپ علیہ السلام نے ان بت پرستوں کو پیغام حق دیا لیکن انہوں نے پیٹھ پھیر لی۔ انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ دی اور آنکھیں موند لیں۔ انہیں نیکی کی ترغیب دی لیکن انہوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور تکبر کرنے لگے۔ اس کے باوجود بھی حضرت نوح علیہ السلام انہیں سمجھاتے رہے ان سے جھگڑتے رہے۔ ان کے رویے کو صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے اور نہایت شیریں لہجے میں

انہیں سمجھاتے رہے آپ ان کے ایمان لانے کے بارے پر امید تھے۔ دل میں ناامیدی کا شائبہ تک نہ تھا۔ اسلوب بدل بدل کر وعظ و نصیحت کرتے' ہر ہر ڈھب سے ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے صبح و شام جلوت و خلوت میں ان کی ہدایت کے لئے دعا کرتے۔ انہیں بتاتے کہ ذرا اس وسیع کائنات اور اس کے حسن و جمال کو دیکھو' یہ سیاہ رات اور آسمان پر بے شمار قندیلیں' فضاؤں میں تیرتا چاند اور چمکتا سورج' یہ زمین اور اس کے مطلع پر پھیلا ہوا دن کا اجالا۔ اس کی سنگلاخ زمینوں سے اگتی سینکڑوں قسم کی پھل اور فصلیں۔ یہ سب فصیح زبان میں' قطعی دلائل کے ساتھ اس ذات کے وجود کا پتہ دے رہے ہیں جو اللہ واحد ہے جس کی قدرتوں کی انتہاء نہیں۔

نوح علیہ السلام یونہی وعظ و نصیحت کے موتی لٹاتے رہے اور فصاحت و بلاغت کا جادو جگاتے رہے۔ اللہ کے وجود اور وحدانیت پر دلائل و براہین کے وہ جوہر لٹائے کہ لوگ ششدر اور حیران رہ گئے۔ آپ کے وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر چند خوش قسمت ایمان لے آئے۔ اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنے لگے اور آپ کی رسالت کی تصدیق کی مگر جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی ایمان نہ لائے اور جنہیں بدبختی نے لپیٹ رکھا تھا ہدایت حاصل نہ کر سکے۔ یہ بدبخت قوم کے شریف لوگ شمار ہوتے تھے۔ ان کا قوم میں رعب اور دبدبہ تھا اور انہیں لوگوں میں ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ انہوں نے ایکا کر لیا۔ آپ کی مخالفت کرنے لگے اور آپ کی تعلیمات کا تمسخر اڑانے لگے۔

وہ کہنے لگے تو ہماری طرح کا ایک انسان ہی تو ہے اور ہمارے خاندان کا ایک فرد۔ اگر خدا کو کوئی قاصد بھیجنا مقصود تھا تو وہ کسی فرشتے کو بھیج دیتا۔ ہم اس فرشتے کی دعوت پر لبیک کہتے اور اس کا کہا مان لیتے۔ پھر یہ کمینے اور ذلیل لوگ جنہوں نے تیرے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان کا معاشرے میں مقام ہی کیا ہے۔ وہ تو پرلے درجے کے بے وقوف اور جاہل ہیں۔ ان کے پیشے دیکھو۔ کوئی شخص بھی تو عزت و تکریم کا حامل پیشہ نہیں رکھتا۔ سب خسیس اور کمی ہیں۔ ان ذلیلوں نے بے سوچے سمجھے تیری بات مان لی ہے اور ایک لمحے کے لئے بھی غور و فکر نہیں کیا۔ آپ کی بات میں اگر ذرا برابر بھی سچائی ہوتی اور آپ کے دین میں اگر کچھ بھی خوبی ہوتی تو ہم جو فطانت اور ذکاوت کی معراج پر

فائز لوگ ہیں اور معاشرے میں خرد مندی اور ذہانت کے چرچے رکھتے ہیں سب سے پہلے ہم تجھ پر ایمان لاتے اور تیری اقتداء کرتے۔

یہ بد بخت بحث و تمحیص میں لگ گئے اور دجل و فریب کے جال بچھانے لگے کہنے لگے: اے نوح آپ اور آپ کے ساتھی کس چیز میں ہم سے فائق ہیں۔ کیا آپ لوگوں کو عقل و فکر کے میدان میں ہم پر برتری ہے یا دنیاداری اور دور اندیشی میں ہم پر فوقیت؟ ہمارا خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو۔

نوح علیہ السلام نے نہایت ہی متانت اور سنجیدگی سے کام لیا اپنے حلم و بردباری کی چمک دمک کو ان کی بد زبانی سے ماند نہ پڑنے دیا۔ اور اپنی رائے اور فکر میں ذرا برابر بھی فرق نہ آنے دیا۔ آپ نے انہیں جواب دیا تمھارا کیا خیال ہے۔ اگر میں اپنے رب کے بتائے ہوئے راستے پر ہوتا اور میرا دعویٰ نبوت سچا ہوتا تو میرے پاس مال و دولت کے انبار ہوتے۔ اگر تمھارا یہ خیال ہے تو تم نے غلط سوچا ہے حقیقت سے تم ناواقف رہے ہو۔ تم نے اپنے ہاتھوں سے سورج کی روشنی کو روکنے کی کوشش کی اور ستاروں کی چمک کو ہاتھوں سے مخفی رکھنا چاہا۔ میں تمہیں الزام نہیں دے سکتا۔ میں تو اللہ کا پیامبر ہوں۔ میں تمہیں ہدایت اور یقین دینے کی طاقت نہیں رکھتا صرف تمہیں حقیقت سے باخبر کر سکتا ہوں۔

کہنے لگے: اے نوح! اگر تو ہماری ہدایت اور توفیق کا خواہاں ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ ہم تیری مدد کریں اور عزت سے پیش آئیں تو پھر ان کمیوں اور غریبوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ترک کر دے اور انہیں بتادے کہ وہ آئندہ تیری محفل میں آنے کی کوشش نہ کریں۔ ان چھوٹے اور بے وقعت لوگوں کی حمایت اور دستگیری کا خیال دل سے نکال دے۔ ہم ان کے ساتھ نہیں چل سکتے اور ان کے رہن سہن کے طریقوں کو نہیں اپنا سکتے۔ جو ان کا عقیدہ ہے ہم اس کو اپنانے کے لئے تیار نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اس دین کو اس نظریے کو قبول کر لیں جس کی نظر میں شاہ و گدا برابر ہیں اور آقا و غلام یکساں ہیں۔

نوح علیہ السلام نے جواب دیا: میری دعوت عام ہے۔ تم تمام میرے مخاطب ہو۔ میرے دین میں بڑے چھوٹے سب برابر ہیں۔ امیر و غریب یکساں ہیں۔

آقا و غلام ایک جیسے ہیں۔ یہاں چھوٹے بڑے خاص و عام امیر و غریب اور خادم و مخدوم میں کوئی امتیاز نہیں۔

اگر میں تمھاری بات مان لوں اور اپنے ماننے والوں کو چھوڑ دوں تو دین کی نشر و اشاعت اور اپنے پیغام کی تائید میں پھر کس پر بھروسہ کروں۔ میں ان وفا شعاروں کو کیسے چھوڑ دوں جنھوں نے میرا اس وقت ساتھ دیا جب تم نے مجھے مایوس کر دیا تھا۔ جنھوں نے اس وقت میری دعوت کو تہہ دل سے تسلیم کیا جب تم کفر اور انکار کر رہے تھے۔ میرے یہ غریب دوست تو دین پر سختی سے قائم ہیں اور شب و روز دعوت الی اللہ کا فریضہ سر انجام دے رہے ہیں۔ کل قیامت کے دن اگر انہوں نے رب قدوس کے حضور نالش کی اور حضور باری میں میری شکایت کی تو میں کیا جواب دوں گا۔ اگر انہوں نے کہہ دیا کہ بار الٰہی نوح نے نیکی کے بدلے برائی اور احسان کے بدلے انکار کو ترجیح دے دی تو میری کیا حالت ہو گی۔ اے سرداران قوم تم تو بڑے کودن ہو۔

جب نوح علیہ السلام اور زعماء قوم کے درمیان بحث و جدل شدت اختیار کر گئی اور اختلافات کی خلیج وسیع تر ہو گئی تو کافر مایوس ہو گئے۔ اور نوح علیہ السلام کے متعلق دلوں میں تنگی محسوس کرنے لگے اور کہہ اٹھے۔

يَانُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ

"اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور اس جھگڑے کو بہت طول دیا (اس مباحثے کو رہنے دو) اور لے آؤ ہمارے پاس جس (عذاب) کی تم ہمیں دھمکی دیتے رہتے ہو۔ اگر تم سچے ہو"۔ (ھود: ۳۲)

نوح علیہ السلام نے انہیں جھنجوڑا اور فرمایا: بیشک تم نے جہالت کی حد کر دی ہے اور حماقت کی انتہاؤں کو چھو لیا ہے۔ میں کون ہوتا ہوں تمہیں عذاب میں مبتلا کرنے والا یا عذاب سے بچانے والا۔ میں تو تمھاری طرح ایک انسان ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ بیشک تمھارا معبود تو وہ یکتا ذات ہے۔ میں تو اللہ کا پیغام تم تک پہنچانے آیا ہوں میں تو جنت کی بشارت دینے اور کبھی عذاب خداوندی سے ڈرانے آیا ہوں۔ ہر چیز تو اللہ کے دست قدرت میں ہے۔ اگر وہ کرم کرے تو تمہیں ہدایت دے

چاہے تو تمہیں فوراً سزا سے دوچار کر دے وہ چاہے تو تمھاری زندگی دراز کر دے تاکہ تمہیں سخت سزا سے دوچار ہونا پڑے اور چاہے تو اپنے کرم سے تمہیں عذاب کی شدت سے بچالے۔ رسالت کے فرض کو پوری طرح ادا کرنے کے لئے اللہ کریم نے انبیاء علیھم السلام کو عزم وہمت اور صبر واستقلال جیسی خوبیوں سے نوازا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں وحی کے اخذ کرنے اور اپنی ذات پر کامل بھروسہ رکھنے کی خصلتوں سے بھی مالامال کیا ہے۔ تاکہ ان کی تشریف آوری کے بعد لوگوں پر حجت تمام ہو جائے اور کسی کافر کو کفر پر ڈٹے رہنے کا عذر نہ رہے۔

نوح علیہ السلام بھی اولوالعزم رسولوں میں سے تھے۔ آپ ساڑھے نوسو سال کے طویل عرصہ تک فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہے۔ اپنی قوم کی ایذارسانیوں پر صبر کرتے رہے۔ ان کے طعن و تشنیع کے تیروں کو برداشت کرتے ہوئے امید کی ایک کرن لیے صراط مستقیم کی طرف بلاتے رہے۔ وہ اپنی قوم کی ہدایت کے لئے بہت بے تاب تھے۔ ان کی دلی آرزو تھی کہ ان کے مطلع حیات پر ایمان کی بجلی چمکے اور ان کے دل کے ویرانے میں باد نسیم کے ایک جھونکے کا گزر ہو۔ لیکن آئے دن ان کی سرکشی بڑھتی گئی۔ اور وعظ و تلقین سے ان کی نفرتوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ جب ان کا یہ رویہ دیکھ کر امید ورجاء کی رسی کمزور ہو گئی تو حضرت نوح علیہ السلام نے شاکی اور ملتجی لہجے میں حضور باری تعالیٰ میں عرض کی کہ مولا میری مدد فرما اور انہیں ہدایت کی توفیق بخش دے۔ میں تو انہیں نصیحت کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ میرے دل میں ان کے ایمان کی امید نہیں رہی تو ہی رحم فرما۔ رب قدوس نے آپ کو وحی کی۔

اِنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔

کہ نہیں ایمان لائیں گے آپ کی قوم سے بجز انکے جو ایمان لا چکے۔
اس لئے آپ غمگین نہ ہوں اس سے جو وہ کرتے ہیں۔ (ھود: ۳۶)

جب نوح علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ نے فیصلہ صادر کر دیا ہے اور وحی نے ان کے ایمان نہ لانے کا حکم سنادیا ہے۔ اور اب وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے' ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں تو صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور

بارگاہ ایزدی میں نبوت کے ہاتھ اٹھ گئے۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا

"اے میرے رب نہ چھوڑیے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار' ناشکر گزار ہو گی" (نوح:۲٦)

اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور حکم دیا

اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُغْرَقُوْنَ

"کہ بنایئے ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کیجئے مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا وہ ضرور غرق کر دیے جائیں گے"

آپ نے آبادی سے ذرا ہٹ کر مکان بنایا۔ کشتی کی تیاری شروع ہو گئی تختے اور کیل تیار کیے اور اللہ کی ہدایت کے مطابق کشتی تیار ہو رہی ہے لوگ مذاق کرتے' آوازیں کستے اور استہزاء کا طوفان برپا کرتے۔ کہتے اے نوح! پہلے تو تم نبی تھے۔ آج بڑھئی بن گئے۔ نبوت کے کاروبار سے دستکش ہو کر بڑھئی کا پیشہ کیوں اختیار کر لیا؟ کبھی کہتے۔ تمھاری اس کشتی کا کیا فائدہ یہاں تو پینے کو پانی نہیں ملتا۔ آخر تم نہروں اور دریاؤں سے اتنی دور کشتی بنا کر کیا کرو گے۔ کیا اس کشتی کو بیل کھینچیں گے یا ہوائیں اٹھائیں گی؟ لیکن آپ نے ان خرافات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ صرف ان کی استہزاء اور مذاق کے جواب میں اتنا فرمایا۔

اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (ھود:۳۹)

اگر تم مذاق اڑاتے ہو ہمارا تو (ایک دن) ہم بھی تمھارا مذاق اڑائیں گے جس طرح تم مذاق اڑاتے ہو۔ سو تم جان لو گے کہ

کس پر آتا ہے عذاب جو رسوا کر دے گا اسے اور (کون ہے) اترتا
ہے جس پر عذاب ہمیشہ رہنے والا۔

یہ کہہ کر آپ کشتی کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ تختوں کو ایک دوسرے سے جوڑا، میخیں اور کیل لگائے اور اس طرح ایک مضبوط کشتی تیار ہو گئی۔

اب انہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار تھا۔ اچانک حکم ہوا: جب ہمارا حکم آجائے اور عذاب کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو خود بھی کشتی میں سوار ہو جانا اور اپنے ماننے والوں اور گھر والوں کو بھی سوار کر لینا۔ اور ہر چیز کے دو دو جوڑے نر اور مادہ اپنے ساتھ سوار کر لینا یہاں تک کہ امر الٰہی پہنچ جائے۔

آسمان کے دروازے کھل گئے، موسلادھار بارش ہونے لگی۔ زمین کے چشمے بھی ابل پڑے اور ایک سیلاب تند و تیز کی صورت اختیار کر گئے۔ پانی ٹیلوں کو ڈبوتا ہوا پہاڑوں کی چوٹیوں کو چھونے لگا۔ یہ دیکھ کر نوح علیہ السلام خود بھی کشتی میں سوار ہو گئے۔ اور جن چیزوں کو ساتھ لینے کا حکم ملا تھا انہیں بھی سوار کر لیا۔ اس کشتی میں انسان، حیوان، چرند، پرند اور نباتات سب ذی روح موجود تھے۔ کشتی پانی پر تیرنے لگی۔ قدرت خود اس کی نگہبانی کر رہی تھی۔ اس کا چلنا اور رکنا امر رب پر موقوف تھا۔ کچھ دیر بعد بارش کے ساتھ ساتھ ہوا چلنے لگی اور پھر ہوا ایک طوفان کی شکل اختیار کر گئی۔ سیلاب کی موجیں کافروں کو لقمہ تر بنا رہی تھیں، جھاگ ان کی لاشوں کے لئے کفن کا کام دے رہا تھا۔ وہ موت سے بچنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے لیکن موجیں انہیں دبوچ کر فنا کی گھاٹ اتار دیتیں۔ وہ موت سے بچنے کی ہزار کوششیں کرتے لیکن موت انہیں اپنے آہنی پنجے میں دبوچ لیتی اور ان کی زندگی کا صحیفہ لپیٹ دیتی۔

حضرت نوح علیہ السلام کشتی پر کھڑے عذاب الٰہی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اچانک نظر کنعان پر پڑی۔ کنعان آپ علیہ السلام کا بیٹا تھا۔ اس کی پیشانی پر شقاوت لکھی تھی۔ وہ آپ سے الگ رہا تھا۔ اور آپ کے دین کو قبول نہیں کیا تھا۔ نوح علیہ السلام نے بیٹے کو ڈوبتے دیکھا۔ وہ منہ زور اور ہلاکت خیز موجوں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ہاتھ پاؤں مار رہا تھا کہ کسی طریقے سے بچ نکلے۔ کوئی رسی اس کے ہاتھ لگ جائے جس کے سہارے وہ نجات پائے یا کسی ٹیلے پر قدم ٹک جائیں اور محفوظ

رہے۔ لیکن موت لحہ بہ لحہ اس کے قریب آ رہی تھی۔ اور وہ غرقابی منہ کھولے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ نوح علیہ السلام کے دل میں جذبہ پدری کروٹیں لینے لگا۔ بچے کی محبت اور شفقت نے بے قرار کر دیا۔ رقت طاری ہو گئی اور چیخ اٹھے: اے کنعان! اے میرے لخت جگر! تو اللہ کی قدرت اور فیصلے سے بھاگ کر کہاں جائے گا۔ اگر تجھے جان عزیز ہے تو اے میرے بیٹے آ اور ایمان کی دولت کو سینے سے لگا لے۔ تیری جان بھی بچ جائے گی اور خوشیاں بھی لوٹ آئیں گی۔ اگر گھر والوں کے ساتھ سعادت دارین کا خواہاں ہے تو آ۔

يَابُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِيْنَ

"بیٹا سوار ہو جاؤ ہمارے ساتھ اور نہ ملو کافروں کے ساتھ"

(ھود: ۴۲)

نوح علیہ السلام سوچ رہے تھے شاید یہ آواز اس کے دل کی تہوں تک پہنچ جائے گی اور وہ ایمان لے آئے گا۔ یہ چیخ اس کے شعور سے ٹکرائے گی اور غفلت کے سارے پردے تار تار ہو جائیں گے لیکن یہ کلمات یہ مخلصانہ نصیحت اس کے نہاں خانہ دل تک نہ پہنچ سکی بلکہ دل پر پڑے پردوں میں اٹک کر رہ گئی۔ وہ اب بھی یہی سوچ رہا تھا کہ وہ بچ جائے گا اور قدرت کے ہاتھوں کو ناکارہ کر دے گا۔ اپنے باپ کے جواب میں کہنے لگا رہنے دو۔

سَآوِیْ اِلٰی جَبَلٍ يَعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاءِ

میں پناہ لے لوں گا کسی پہاڑ کی چوٹی پر وہ بچا لے گا مجھے پانی سے"

(ھود: ۴۳)

نوح علیہ السلام بیٹے کی سرکشی دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ حزن و ملال کے لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی اور فرمایا۔

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ

"آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے" (ھود: ۴۳)

پھر نوح علیہ السلام اور کنعان کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی۔ اور وہ باپ کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ وہ پھر اپنے لخت جگر، نور نظر بیٹے کو نہ دیکھ پائے۔ دل کا شیشہ چور چور ہو گیا۔ اپنے مالک کی طرف متوجہ ہوئے جو بے کسوں کا ملجا اور مصیبت زدوں کا سہارا ہے اور عرض کی۔

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ

"میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی تو میری اہل سے ہے" (ھود: ۴۵)

بار الٰہ! تو نے وعدہ فرمایا ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے کہ تو مجھے اور میرے ایماندار گھر والوں کو بچائے گا۔ الٰہی تو احکم الحاکمین ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے نوح یہ تیرے اہل بیت میں سے نہیں۔ اور نہ تیرے خاندان سے اس کا کوئی تعلق رہا۔ وہ شقی اور بد بخت ہے اس نے میری قدرتوں کا انکار کیا ہے۔ تیرے اہل بیت تو وہ تمام مؤمن ہیں۔ جنہوں نے تیری رسالت کی تصدیق کی۔ اور تیری دعوت پر لبیک کہا ہے۔ صرف انہیں کا تیرے اہل بیت میں شمار ہو گا اور صرف انہیں کی نجات اور انہیں کی زندگی کو باقی رکھنے کا میں نے وعدہ کیا ہے۔

وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ

"اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے اہل ایمان کی امداد فرمانا" (الروم: ۴۷)

مگر جس نے تیری رسالت کا انکار کر دیا اور آیات الٰہی کی تکذیب کی وہ تیرے اہل بیت سے خارج ہے۔ ایسے بد بخت کے لئے تمہیں شفاعت کی اجازت نہیں چاہے کتنا ہی قریبی ہو۔ ایسا نا ہنجار موت کی گھاٹ اترے گا۔ اس کی زندگی کا چراغ ضرور گل ہو گا۔ وہ چاہے کتنی ہی مضبوط رسی کو تھامے، کتنی بڑی قوم کا سہارا لے وہ قضاو قدر کے ہاتھوں مجبور عذاب الٰہی چکھے گا۔ اے میرے پیغمبر! ایسی چیز کے متعلق مت پوچھیں جس کی حقیقت سے تم واقف نہیں۔ اور ایسے امر سے متعلق مجھ سے مت جھگڑیے جس کا تمہیں ادراک نہیں۔

اِنِّیْ أَعِظُكَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ

"میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نہ ہو جانا نادانوں سے" (ھود: ۴۶)

فوراً نوح علیہ السلام کو احساس ہوا کہ جذبہ پدری نے اس کے قدم ڈگمگا دیے ہیں اور بچے کی محبت نے انہیں راہ مستقیم سے بیگانہ کر دیا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر شکر کرتے کہ اس نے ان کو اور ان کے پیروکاروں کو نجات دی ہے اور ان کے دشمنوں کو ہلاکت اور بربادی سے دوچار کر دیا ہے مگر وہ ایک کافر کے لیے دعا مانگ رہے ہیں۔ فوراً اللہ کے حضور جھک گئے۔ اپنی خطا پر اشک بہائے اور اللہ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے استغفار کیا۔ اور اعتراف کرتے ہوئے عرض کی۔

رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْاَلَكَ مَالَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ
وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ

"میرے پروردگار! میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے کہ میں سوال کروں تجھ سے ایسی چیز کا جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں ہو جاؤں گا زیاں کاروں سے" (ھود: ۴۷)

پھر ایک موج اٹھی اور اس نے باپ بیٹے کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدائی کر دی۔ کنعان ہلاک ہو گیا۔ اور نوح کشتی کے عرشے پر کھڑے یہ سب منظر دیکھتے رہے۔

جب مقصد پورا ہو گیا اور ظالم قوم کا صحیفہ حیات ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا تو بارش تھم گئی' زمین نے سارے پانی کو نگل لیا اور کشتی جودی پہاڑ پر رک گئی۔ اور ایک آواز آئی۔

(بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ).

"برباد ہو جائے وہ قوم جو ستم شعار ہے" (المؤمنون: ۴۱)

ارشاد ربانی ہوا۔ اے نوح! اپنے ہم سفروں کو لیکر سلامتی سے کشتی سے اتریے۔ اب تم پر برکتوں کی بارش ہو گی۔ اب عنایت ربانی تمھاری نگہداشت کرے گی۔ اور فضل خداوندی تمھاری حفاظت کرے گا۔

"سیدنا ھود علیہ السلام"

قوم عاد کا مولد و مسکن احقاف تھا۔ یہ علاقہ یمن اور عمان کے درمیان واقع ہے۔ قوم عاد آرام و آسائش اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ اللہ کریم نے انہیں بے بہا نعمتوں اور بے شمار احسانات سے نواز رکھا تھا۔ میٹھے اور شیریں پانی کے چشمے تھے جن سے یہ لوگ اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے تھے اور طرح طرح کے باغ لگاتے تھے۔ بلند و بالا محلات تھے جن کی مضبوطی اور تزئین دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ لوگ بڑے کڑیل اور صحت مند تھے۔ الغرض انہیں وہ نعمتیں میسر تھیں جو روئے زمین پر کسی اور قوم نے دیکھی بھی نہ ہوں۔ لیکن یہ سب چیزیں کس نے تخلیق کیں، یہ سب نعمتیں کس ذات نے عطا فرمائیں انہوں نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ ان کی سوچ اس سطح تک گر گئی تھی اور ان کی فکر اس قدر بانجھ ہو گئی تھی کہ انہوں نے بت بنا کر ان کے سامنے پیشانیاں رگڑنا شروع کر دی تھیں۔ وہ یہ بھی نہ سوچتے کہ یہ ہمارے منتخب کردہ اور ہمارے اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ پتھر ہیں۔ ان کے سامنے جبین فرسائی کرتے اور خیر و شر کا انہیں مالک یقین کرتے۔ جب کوئی نعمت میسر ہوتی تو اللہ کو چھوڑ کر ان بتوں کا شکر ادا کیا جاتا اور کوئی تکلیف پہنچتی تو بھی انھی پتھروں کے سامنے گڑ گڑا کر دعائیں کرتے۔

اسی پر بس نہیں۔ انہوں نے زمین میں فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا طاقتور نے کمزور کو دبا رکھا تھا بڑے نے چھوٹے کو اپنی گرفت میں کس رکھا تھا۔ اللہ کریم نے ایسے میں۔ طاقتوروں کی ہدایت' غریبوں کی تسلی' جہالت زدوں کی تہذیب اور غفلت کے پردوں کو چاک کرنے کے لئے۔ انھی میں سے ایک ذی شان رسول بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ اور رسول کا یہ فرض منصبی قرار دیا کہ وہ اپنی قوم کو انہی کی مادری زبان میں سمجھائے۔ ان سے انہی کے اسلوب میں خطاب کرے اور انہیں معرفت الٰہی کی طرف راغب کرے۔ وہ انہیں بتائے کہ ان بتوں کی عبادت جہالت کی انتہاء ہے۔ اور اللہ کا کرم اور اس کی رحمت سے انہیں روشناس کرائے۔ حضرت ھود علیہ السلام حسب و نسب میں اعلیٰ و ارفع' عادات و خصائل میں پوری قوم سے بلند تر' حلم و بردباری کے میدان میں سب سے آگے اور وسعت نظری اور کشادہ دلی میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ اللہ کریم نے انہیں رسالت کا امین اور دعوت حق کا پاسبان بنادیا۔ اور انہیں علم حق بلند کرنے کا حکم دے دیا کہ شاید یہ گم کردہ راہ فکر ہدایت پائیں اور مسخ شدہ ضمیر بیدار ہو جائیں۔ ھود علیہ السلام نے حق کا پرچم بلند کر دیا اور اپنی رسالت کا ڈھنڈورا پیٹ دیا۔ میدان میں اُترتے ہی انبیاء کا معروف اسلحہ زیب تن کر لیا یعنی عزم جو پہاڑوں کو ہلا دے اور حلم جو جہالت کے جھنڈے کو سرنگوں کر دے۔ میدان میں نکل کر للکارا یہ سب خدا باطل ہیں میں ان کی خدائی کا انکار کرتا ہوں۔ ان کی عبادت اور سجدہ ریزی سب سفاہت اور جہالت کی انتہاء ہے۔

وعظ و تلقین کرتے ہوئے فرمایا: اے میری قوم کے فرزندو! یہ پتھر جنہیں تم اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو۔ پھر ان کے سامنے جبین نیاز جھکاتے ہو۔ یہ کیا ہیں؟ ان کا سود و زیاں' ان کا نفع و نقصان یہ سب کج فہمی اور جہالت ہے؟ یہ تمہیں کوئی نفع نہیں دے سکتے' کسی شر سے نہیں بچا سکتے۔ بت پرستی تمہاری ذہنی اختراع ہے اور انسانیت کی اس سے بڑھ کر تذلیل اور کیا ہو گی کہ وہ بتوں کو سجدہ کرتا پھرے۔ ہاں کائنات خود بخود بھی نہیں بن گئی۔ ایک حقیقی معبود بھی ہے۔ وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اس اللہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ بے بس اور بے جان نہیں۔ وہ تمہیں موت کی نیند سلاتا ہے۔ اسی نے تمہیں زمین میں اقتدار بخش رکھا ہے۔ وہ تمہارا رب ہے جو اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ تم

اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ وہی تمہیں رزق دیتا ہے۔ اسی نے تمہیں تخلیق فرمایا ہے۔ وہی تمہیں موت دے گا۔ اسی نے تمہیں زمین میں اقتدار بخشا ہے۔ زمین کی کھیتیاں اور گوناگوں جانور اور مطیع و فرمانبردار حیوانات یہ سب اسی کی کرم فرمائی ہے۔ اے میری قوم کے لوگو۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور حق سے آنکھیں بند کرنے سے بچو۔ اس کے حضور میں نخوت و تکبر کا رویہ اختیار نہ کرو۔ ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہو گا جو قوم نوح کا ہوا۔ ان کا عہد تم سے کچھ زیادہ دور نہیں۔ تقریر ختم ہوئی۔ ھود علیہ السلام کو امید تھی کہ یہ کلمات ان کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ جائیں گے اور وہ ایمان لے آئیں گے۔ انہیں توقع تھی کہ یہ نصیحت ان کے عقل و فکر پر دستک دے گی اور وہ سوچ و سمجھ سے کام لیکر حق کی آواز پر لبیک کہیں گے۔ لیکن کافروں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور یہ عجیب و غریب کلام سن کر وہ تصویر حیرت بن گئے۔ کیونکہ ایسا کلام انہوں نے پہلے کبھی نہ سنا تھا۔ وہ ایسے نظریات سے کلیتاً نابلد تھے۔

ھود علیہ السلام کے جواب میں کہنے لگے: یہ کیا بے ہودہ باتیں ہیں۔ یہ سوچ کتنی لغو ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم تیری باتوں میں آکر صرف ایک خدا کی عبادت کریں اور اس کے شرکاء کو چھوڑ دیں۔ ہم ان بتوں کی پرستش بلاوجہ نہیں کرتے۔ یہی بت تو قربت خداوندی کا وسیلہ ہیں اور عند اللہ ہماری شفاعت کرتے ہیں۔

ھود علیہ السلام نے پھر وعظ و تلقین کا سلسلہ جوڑ دیا۔ اور فرمایا: اللہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ صرف اسی کے سامنے جھکنا ہی عبادت کا جوہر اور اصل ہے۔ وہ تم سے دور نہیں بلکہ بہت قریب، رگ جاں سے بھی قریب ہے۔ یہ بت جن کی تم عبادت کرتے ہو، جنہیں تم قرب کا ذریعہ اور بخشش کا وسیلہ سمجھتے ہو، تمہیں منعم حقیقی سے دور کر رہے ہیں۔ یہ قرب و بخشش کا ذریعہ نہیں بلکہ محض وہم و گمان کی کرشمہ سازی اور جہالت و غفلت کی سحر آفرینی ہے۔

لوگ سیخ پا ہو گئے اور چیخ اٹھے: ھود تیرا دماغ خراب ہے۔ شاید کسی عارضے کی وجہ سے تیری عقل رخصت ہو گئی ہے۔ تو ہمارے خداؤں کو برا کہہ رہا ہے اور ہمارے مذہب پر نکتہ چینی کی جسارت کر رہا ہے۔ اسی مذہب پر ہمارے اسلاف صدیوں کاربند رہے ہیں۔ تو کوئی اجنبی نہیں۔ ہمارا بھائی ہے۔ ہماری قوم کا ایک فرد۔ تو کیسے نبی

بن گیا؟ تو ایک بشر ہے۔ ہماری طرح کھاتا پیتا ہے۔
ہماری طرز زندگی رکھتا ہے۔ تجھے نبی بنانے کی کوئی وجہ ؟ تجھے منصب رسالت پر فائز کرنے کا کوئی سبب ؟ تو نبی نہیں بلکہ تو نے ایک پکھنڈ بنا رکھا ہے۔

ھود علیہ السلام نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اے میری قوم! میرا دماغ خراب نہیں' میں ہرگز احمق اور بے وقوف نہیں۔ میں نے تمہارے درمیان ایک عرصہ گزارا ہے۔ تم مجھ سے خوب واقف ہو۔ کیا تم نے مجھ میں کوئی برائی دیکھی۔ کبھی تم نے میری زبان سے حماقت اور بے عقلی کی گفتگو سنی۔ اس میں تعجب کی کون سی بات ہے کہ اللہ کریم پوری قوم میں سے کسی ایک خوش نصیب کا انتخاب کر کے بار امانت اس کے سپرد کر دے۔ اور اس کو رشد و ہدایت کا فریضہ سونپ کر پوری قوم کے لئے خوشی بختی کا سامان مہیا کر دے؟ حیرانی تو اس بات پر ہونی چاہیے کہ کسی قوم کو بے لگام' بغیر کسی رسول کے چھوڑ دیا جائے۔ کہ نہ انہیں کوئی سمجھانے والا ہو اور نہ برائیوں پر ٹوکنے والا۔ تمہاری اس سرکشی اور ہٹ دھرمی کے باوجود بھی میں مایوس نہیں ہوں۔ تمھاری ترش روئی میرے سینے کو تنگ نہیں کر سکتی۔ ذرا سوچو تو' چشم بصیرت وا کر کے کائنات کو ایک نظر دیکھو تو۔ یہ حیرت افزا نظام' یہ تعجب خیز مخلوق' سینہ افلاک پر چلتے چاند اور سورج اور چمکتے دمکتے کروڑوں' اربوں بلکہ بے شمار ستارے سبھی تو اس کی وحدانیت کے گیت الاپ رہے ہیں۔

وَفِیْ كُلِّ شَیْءٍ لَهٗ آیَةٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ الْوَاحِدُ

ہر شے میں اس کے وجود کی کوئی نہ کوئی نشانی ہے۔ ہر ایک چیز کہہ رہی ہے کہ وہ یکتا ہے۔

اس ذات بے ہمتا پر ایمان لے آؤ اور اس کی جناب میں اپنی خطاؤں کی معافی مانگو۔ جو تم پر موسلادھا بارشیں برساتا ہے۔ تمہیں فراوانی سے رزق مہیا کرتا ہے۔ تمہیں طرح طرح کی قوتیں اور طاقتیں عطا کرتا ہے۔ اسے اپنا خالق اپنا رازق مان لو۔ اور جرم کی روش اختیار نہ کرو۔

کان کھول کر سن لو۔ تمہیں مر کر پھر زندہ ہونا ہے۔ جو نیکی کرے گا تو خود صلہ پائے گا۔ برائی کرے گا تو بھی خود سزا اور عذاب کاٹے گا۔

عقل سے کام لو اور ابھی سے آخرت کے لئے زاد راہ لے لو۔ میں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ میری ڈیوٹی صرف یہ ہے کہ تمہیں آنے والے حالات سے پوری طرح آگاہ کر دوں۔

سامعین پھر چیخ اٹھے: ہاں! ہمارے کسی بت نے تمہیں نقصان سے دوچار کر دیا ہے۔ اس کی ناراضگی کی وجہ سے تمھاری عقل چل گئی ہے۔ تو خود نہیں بول رہا بلکہ تیرے اندر کسی شیطانی قوت نے بسیرا کر لیا ہے۔ اسی لیے تو یہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ تیری باتوں میں کوئی سچائی نہیں۔ یہ تیری اپنی سوچ ہے اور تیری فکر کی کرشمہ سازی ہے۔ اگر تیری عقل ٹھکانے ہوتی تو تو ایسی باتیں کرتا؟ اللہ ہمیں بارشوں سے سیراب کرتا ہے۔ ہمیں مال و اولاد سے نوازتا ہے اور قوت و شوکت سے سرفراز کرتا ہے تو اس پر استغفار کے کیا معنی؟ تو کس اخروی زندگی کی بات کرتا ہے؟ جب ہماری ہڈیاں گل سڑ کر خاک سیاہ بن جائیں گی تو اس کے بعد پھر زندگی! اس منطق کی ہمیں سمجھ نہیں آئی۔ تیرے وعدوں اور تیرے ظن و تخمین کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ زندگی تو صرف اسی دنیا تک محدود ہے۔ ہم نیست سے ہست ہوئے اور وقت پھر ہمیں عدم کے سفر پر روانہ کر دے گا۔

تو کس عذاب کی بات کر رہا ہے؟ کون سا عذاب آنے والا ہے؟ ہم آپ کی باتوں پر یقین نہیں کرتے۔ ہم اصنام پرستی کو خیر باد نہیں کہیں گے۔ اگر تو سچا ہے تو لے آ عذاب جس کی تو بات کرتا ہے۔

جب ان کا عناد اور ہٹ دھرمی حد سے گزر گئی تو آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ میں نے تمہیں سمجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ساری امکانی کوششیں صرف کر دیں ہیں۔ میں یہ فریضہ اب بھی ادا کروں گا۔ یہ جہاد اب بھی جاری رکھوں گا۔ مجھے تمہاری جمعیت کی کوئی پرواہ نہیں۔ تمہاری مخالفت میرا راستہ نہیں روک سکتی۔ میرے خلاف جتنا تمہارا جی چاہے سازشیں کر لو۔ تم سب ملکر مجھے ستا لو۔ میں اللہ کریم پر بھروسہ

رکھتا ہوں جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ کوئی ذی روح ایسا نہیں جس کی باگ ڈور اس کے
ہاتھ میں نہ ہو۔ بیشک میرا رب راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔
آپ مسلسل فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہے لیکن قوم اعراض اور انحراف کرتی
رہی۔ ایسے میں کالی گھٹا اٹھی جس نے پورے آسمان کو لپیٹ میں لیا۔ لوگ اس گھٹا کو نظر
اٹھا کر دیکھنے لگے۔ وہ بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ یہ سحاب رحمت ہے۔ ابھی بارش ہو
گی۔ بارش کا استقبال ہونے لگا۔ کھیتوں کو بارش کے پانی سے خوب سیراب کرنے کے
لیے کیاریاں بنائی جانے لگیں۔ لیکن ھود علیہ السلام نے خبردار کیا۔ یہ سحاب رحمت
نہیں۔ موت کا پیامبر طوفان ہے تمھی تو کہتے تھے کہ کہاں ہے وہ عذاب؟ اب دیکھو یہ
ہوا۔ اس میں تمھارے لئے دردناک عذاب ہے۔
جب آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹے تو دیکھا کہ طوفان اتنا تند و تیز ہے
کہ گھر کا سامان اور صحرا میں چرنے والے مویشی اڑائے لے جاتا ہے ان پر خوف طاری
ہوا۔ لگے تھر تھر کانپنے اور گھروں کو دوڑے کہ اندر بیٹھ کر محفوظ رہیں لیکن یہ طوفان
عام تھا۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ صحرا کی ریت اڑ اڑ کر فضا میں بکھر رہی تھی۔ یہ طوفان آٹھ
دن اور سات رات رہا۔ جب ہوا رکی تو پوری قوم مردہ پڑی تھی۔ آج اس قوم کا نام و
نشان مٹ چکا تھا۔ ان کے محلات کھنڈر بن چکے تھے۔ اور تاریخ میں وہ عبرت کا نشان بن
کر رہ گئے تھے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ
اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ برباد کردے بستیوں کو ظلم سے حالانکہ
ان میں بسنے والے نیکوکار ہوں (ھود : ۱۱۷)

اہل ایمان نے ھود علیہ السلام کی پناہ لی۔ وہ اپنے گھروں میں اطمینان سے بیٹھے
رہے۔ ہوائیں ان کے گھروں کے آس پاس شور برپا کرتی ہیں اور ریت کے ذروں سے
کھیلتی رہیں لیکن وہ خدا کی پناہ میں محفوظ رہے۔ یہاں تک کہ ہوا تھم گئی۔ موسم صاف
ہو گیا تو اہل ایمان نقل مکانی کر کے حضر موت کو چلے گئے اور باقی عمر وہیں بسر کی۔

”حضرت سیدنا صالح علیہ السلام“

قوم عاد جب اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہو گئی تو ان کی زمینوں اور گھروں کی وارث اور جانشین قوم ثمود ٹھہری۔ ثمودیوں نے بھی اس سر زمین کو خوب آباد کیا۔ نہریں نکالیں' باغ لگائے اور محلات تعمیر کیے۔ انہوں نے پہاڑوں کو کھود کر ایسے مضبوط گھر بنائے جو حوادث زمانہ سے انہیں بچا سکیں۔ اور وقت کی چیرہ دستیوں سے ان کی حفاظت کر سکیں۔ عیش و آرام کے سب اسباب میسر تھے اور ناز و نعم کے سب ذرائع مہیا۔ لیکن انہوں نے بھی تشکر و امتنان کی راہ اختیار نہ کی۔ اللہ کے فضل و احسان پر اس کی حمد و ستائش نہ کی۔ بلکہ زمین میں فتنہ و فساد کو ہوا دی حق و صواب سے اعراض اور روگردانی کی۔ خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش شروع کر دی اور انہیں خدا کا ساجھی بناڈالا۔ کائنات میں کھلی آیات ربانی کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور اس زعم باطل میں گرفتار ہو گئے کہ دنیا کی یہ نعمتیں ابدی ہیں۔ اور وہ ہمیشہ داد عیش دیتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے صالح علیہ السلام کو بھیجا جو سب میں اعلیٰ واشرف، حلم میں اوسع وارفع اور عقل و فکر میں سب سے آگے اور سب سے فائق تھے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں عبادت خداوندی کی دعوت دی۔ اور توحید باری تعالیٰ کی تلقین کی۔ انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ہے۔

ان سے زمین کو آباد کیا اور انہیں زمین پر اپنی خلافت کے شرف سے نوازا ہے۔

اسی ذات نے انہیں ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کی ہیں۔ پھر یہ اسی ذات کا حکم ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا نہ کی جائے کیونکہ یہ نہ تو نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ اور یہ بے جان بت انہیں اللہ کے عذاب سے کبھی نہیں بچا سکیں گے۔

انہیں بتایا کہ میں کوئی اجنبی نہیں۔ تمہارا اپنا ہوں۔ انہیں خاندانی روابط یاد دلائے اور نسبی تعلقات کا تذکرہ کیا۔ انہیں بتایا کہ تم میرے ہی خاندان کے سپوت ہو اور میری قوم کے فرد ہو۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ میں تمھاری بھلائی کی کوشش کر رہا ہوں۔ تمہارے نقصان' تمہاری تکلیف کے بارے تو سوچ بھی نہیں سکتا۔ پھر انہیں پیار سے سمجھایا۔ اعتراف گناہ کر لو۔ جو تم نے قصور کیے ہیں ان پر اشک ندامت بہالو۔ تم سے جو خطائیں سرزد ہوئی ہیں ان پر توبہ کر لو۔ وہ رگ جان سے بھی قریب تر ہے۔ وہ دعاؤں کو سنتا ہے اور طلب سے سواء دیتا ہے۔

لیکن بہرے کان کیا سنیں' غافل دل کیا سمجھیں اور اندھی آنکھیں کیا دیکھیں۔ ان بد نصیبوں نے صالح علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا۔ اور ان کی نصیحت کو استہزاء میں اڑا دیا۔ یہ گمان کر بیٹھے کہ صالح راہ حق سے بھٹک گیا ہے۔ اور سچائی سے بہت دور نکل گیا ہے۔ پھر انہیں ملامت کرنے لگے اور دل سے آپ کو ناپسند کرنے لگے۔ صالح نہایت زیرک' صائب الرائے اور سنجیدہ فکر انسان تھے۔ لیکن قوم نے سنا شروع کر دیا۔ صالح! ہم تو تجھے عقل مند سمجھتے رہے۔ تجھے دانا خیال کرتے رہے۔ تیری پیشانی سے خیر کا نور ٹپکتا تھا اور فطانت کی علامات ظاہر ہوتی تھیں۔ ہم زمانے بھر کے مسائل تیرے پاس لاتے اور تو تاریکیوں کو اپنے عقل کے نور سے روشن کر دیتا۔ تو چشم زدن میں اپنی عقل اور فکر سے لاینحل عقدے کھول کر رکھ دیتا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ مصائب و آلام میں تیرا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور تو اپنی بصیرت کے بل بوتے پر ہماری رہنمائی کرے گا۔ لیکن آج تو تو خود بے تکی باتیں کر رہا ہے اور خرافات بک رہا ہے۔ تو ہمیں کس بات کی دعوت دے رہا ہے! ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے اسلاف کرتے آئے ہیں اور آج تک ہم خود ان کی عبادت کر رہے ہیں؟ ہم انھی کی عبادت کرتے جوان ہوئے ہیں۔ جس بات کی تو دعوت دے رہا ہے اس میں ہمیں

شک ہے اور اس کے حق ہونے کے بارے ہمارے ذہن مطمئن نہیں ہیں۔ ہم آپ کی بات سے اتفاق نہیں کرتے۔ اور آپ کے پیغام کی سچائی پر یقین نہیں کرتے۔ صالح کان کھول کر سن لو۔ ہم ہرگز ہرگز ان بتوں کی پرستش نہیں چھوڑیں گے جن کی پرستش ہمارے آباؤاجداد کرتے آئے ہیں۔ اور آپ کی امیدیں اور خواہشات کبھی ثمربار نہیں ہونگی۔

صالح علیہ السلام نے حق کی مخالفت کے برے انجام سے انہیں ڈرایا۔ انہیں بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ دیکھو اللہ نے تم پر کتنے احسانات کیے ہیں۔ انہیں عذاب خداوندی سے ڈرایا اور بتایا کہ میری دعوت کا مقصد دنیوی منافع نہیں۔ میں تمہاری دولت نہیں چاہتا۔ مجھے سرداری مطلوب نہیں۔ میں رشد و ہدایت پر کوئی اجر' کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ مجھے اس نصیحت اور خیر خواہی کے بدلے کسی انعام کی ضرورت نہیں۔ مجھے اجر دینے والا تو رب العالمین ہے۔ آپ علیہ السلام نے ان کے شبہات اور دلوں میں کھٹکنے والے شکوک کو دور کرنے کی پوری کوشش کی۔

قوم کے چند غریب لوگ ایمان لے آئے۔ لیکن زیادہ لوگ کبر و نخوت میں آگئے اور محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے کفر پر ڈٹے رہے۔ یہ گم کردہ راہ' بتوں کے پجاری الزام تراشی پر اتر آئے۔ کہنے لگے۔ کہ تیری عقل جاتی رہی ہے اور تو پاگل ہو گیا ہے۔ لگتا ہے تجھ پر کوئی شیطان مسلط ہے یا کسی نے تجھ پر جادو کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے تو بے تکی باتیں کر رہا ہے اور بعید از قیاس منطق الاپ رہا ہے۔ تو ہے کیا؟ صرف ایک بشر۔ نہ تو نسب میں ہم سے بہتر ہے اور نہ حسب میں ہم سے افضل' نہ تو مال و دولت کے میدان میں ہم سے آگے ہے اور نہ معاشرتی عزت و وقار میں ہم سے فائق۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنانا ہوتا اور رسالت کا شرف عطا کرنا ہوتا تو ہم میں کئی لوگ نبوت اور رسالت کے تم سے زیادہ مستحق اور اس بار امانت کو اٹھانے کے زیادہ لائق تھے۔ تمہیں اس رستے پر چلنے کو کس نے کہا ہے؟ کس چیز نے تمہیں اس راہ پر ڈال دیا ہے؟ ہاں تو ذاتی عزت و توقیر کا بھوکا ہے۔ تو چاہتا ہے کہ پوری قوم تیری چودھراہٹ کو قبول کرلے۔

قوم نے آپ کی مخالفت کی ٹھان لی اور آپ کو دین سے روکنے اور دعوت سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش شروع ہو گئی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید ان کی اتباع کر کے وہ جادہ حق سے بھٹک جائیں گے اور صراط مستقیم کی مخالفت کر بیٹھیں گے۔ آپ نے ان کی بہتان تراشیوں سے اعراض فرمالیا اور ان کے شور و غوغا کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور انہیں بتایا: اے میری قوم! اگر چہ میں اپنے رب کے بتائے ہوئے طریقے پر ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت میرے پاس آچکی ہے۔ پھر بھی تمھارے سنگ تمھارا رفیق سفر ہوں اور اپنے رب کی نافرمانی کروں تو کون ہے جو مجھے اس کے عذاب سے بچالے؟ کون ہے جو اس کے عذاب کو روک سکے۔ سن لو تم محض افتراء بازی کر رہے ہو۔

جب انہیں یقین ہو گیا کہ صالح اپنی رائے پر ڈٹ گیا ہے اور کسی صورت حق کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں تو کبر و نخوت کے یہ پیکر خوف سے کانپ گئے۔ سوچنے لگے۔ صالح کے ماننے والے زیادہ ہو جائیں گے وہ اس کی پشت پناہی کریں گے۔ یہ سوچ کر وہ لرز گئے کہ اگر دعوت و تبلیغ کا یہ سلسلہ چند دن اسی طرح چلتا رہا تو پھر خیر نہیں۔ صالح تو قوم کا لیڈر بن جائے گا پھر لوگ مصیبتوں میں انھی کی طرف رجوع کریں گے۔ یہ شخص قوم کے مطلع پر روشن ستارہ بن کر چمک اٹھے گا۔ لوگ اندھیروں میں انھی سے اکتساب نور کریں گے۔ صالح کی مقبولیت سے ان کی سرداری کا چراغ گل ہو جائے گا۔ وہ ہر کام میں صالح سے مشورہ لیں گے۔ ہر مشکل گھڑی میں ان کے دروازے پر دستک دیں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کا قطعًا یہ مقصد نہیں تھا۔ وہ تو انہیں اس راہ کی طرف بلا رہے تھے جو اللہ سے ملاتا ہے اور اس راہ سے روک رہے تھے جو اس کی رحمتوں سے دور لے جاتا ہے۔ وہ سمجھ نہ سکے اپنی امارت کے چھن جانے سے ڈر گئے۔ اور بادشاہت کے زوال پذیر ہونے سے خوف کھا گئے۔ سوچا لوگوں کے سامنے صالح کا عجز ظاہر کیا جائے۔ اسی لیے مطالبہ کیا کہ اے صالح! کوئی معجزہ کوئی کرامت دکھاؤ جس سے ہمیں پتہ چلے کہ تیری دعوت میں صداقت ہے اور تو واقعی اللہ کا رسول ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جواب دیا: تم معجزہ چاہتے ہو تو لو یہ اونٹنی ہے۔ ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہو گی اور ایک مقررہ دن تمہاری باری۔ تم اس اونٹنی کو چھوڑ دو کہ یہ اللہ کی زمین میں چرتی رہے۔

ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک اونٹنی خود بخود مقررہ دن پر پانی پینے آئے گی اور عام دنوں میں کسی کے روکے بغیر گھاٹ کی طرف رخ تک نہیں کرے گی۔ صالح علیہ السلام کو یقین تھا کہ یہ کفر پر مصر رہیں گے اور باطل سے الگ نہیں ہونگے۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ جب یہ معجزہ ظہور پذیر ہوگا اور دلیل و برہان کا جواب نہیں بن پڑے گا تو ان کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہیں رہے گی اور وہ اس اعجاز نما اونٹنی کو قتل کر دیں گے۔ اس لئے آپ نے انہیں خبردار کیا اور فرمایا: اس اونٹنی کو کوئی تکلیف نہ دینا ورنہ اللہ کا عذاب فوراً تمہیں آلے گا۔

یہ اونٹنی ایک عرصہ تک احقاف کی سرزمین میں اپنی اعجاز آفرینیاں دکھاتی رہی۔ ایک دن پانی کو آتی اور پانی پی کر چراگاہ کو چل پڑتی اور پھر باری کے دن تک ادھر کا رخ نہ کرتی۔ ایسا کھلا معجزہ دیکھ کر لوگ جوق در جوق صالح علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے کیونکہ وہ سمجھ چکے تھے کہ صالح واقعی اللہ کا فرستادہ ہے۔ اور اس کا پیغام اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے۔ صالح علیہ السلام کی کامیابی سے امراء و زعماء ڈر گئے کہ اب تو دولت ہاتھوں سے چھن جائے گی۔ ہماری عزت اور وقار خاک میں مل جائے گا۔ اب وہ صالح علیہ السلام کے پیروؤں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے پوچھا۔ ذرا یہ بتاؤ کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اللہ کا رسول ہے؟ وہ جن کے دلوں میں نور ایمان چمک رہا تھا۔ جن کے سینے انوار الٰہی کے گنجینے بن چکے تھے۔ جواب دیا! اس میں کوئی شک نہیں۔ ہم اس کی دعوت کی صداقت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ حقیقت کا کھلا اعتراف سن کر بھی ان کے دل نہ پسیجے اور ان کے سینوں کی کدورت کم نہ ہوئی بلکہ اپنے کفر کا برملا اظہار کر دیا اور چیخ چیخ کر اہل ایمان کی تکذیب کرنے لگے اور کہنے لگے: بیشک جسے تم مان رہے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

شاید یہ اونٹنی جسامت اور شکل و صورت میں دوسری اونٹنیوں سے مختلف اور ممتاز تھی۔ اسی لئے دوسرے مویشی اس سے بدکتے اور خوف کھاتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے۔ جب وہ پانی کو آتی تو دوسرے اونٹ پیاس کے باوجود تتر بتر ہو جاتے اور پانی کی طرف رخ نہ کرتے۔

جب کافروں نے دیکھا کہ یہ اونٹنی تو دلوں میں انقلاب پیدا کرنے کا سبب بن رہی ہے لوگ صالح کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور ایمان سے مشرف ہو رہے ہیں تو ڈر گئے کہ کہیں یہ تعداد بڑھ نہ جائے اور صالح کے ماننے والے اور مدد کرنے والے زیادہ نہ ہو جائیں۔ اس لئے دلوں میں چھپا شر و فساد کا جذبہ انہیں اس معجزہ کے اخفاء پر مجبور کرنے لگا اور اس دلیل اور برہان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی طرف راغب کرنے لگا۔

ان تمام خدشات کے پیش نظر انہوں نے اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالنے کا ارادہ کر لیا تاکہ یہ صحراء میں تڑپ تڑپ کر مر جائے۔ حالانکہ صالح علیہ السلام نے انہیں ڈرایا تھا کہ اگر انہوں نے اونٹنی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی یا اسے قتل کرنے کے درپے ہوئے تو انہیں سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

لیکن یہ اونٹنی ان کے لئے بہت بڑا خطرہ تھی۔ اس کی موجودگی میں وہ اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے بہت غور و فکر کیا کافی سوچ وچار کی لیکن اس سے جان چھڑانے کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ اسے مار ڈالا جائے۔ بس پوری قوم اس کی ہلاکت کے درپے ہو گئی۔ جب بھی اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے نکلتے خائب و خاسر واپس آ جاتے۔

ہر شخص سوچتا کہ ہو سکتا ہے اس کام میں کوئی نقصان ہو جائے اور عذاب سے دوچار ہونا پڑے۔ کوئی بھی جرأت نہیں کر رہا تھا کہ اونٹنی کو ہلاک کرے۔ اس لئے انہوں نے عورتوں کا تعاون حاصل کیا۔ جنہوں نے لوگوں کو ورغلایا۔ مال و دولت کا جھانسا دیا۔ اپنے حسن و جمال کے جال میں پھنسانے کی کوشش کی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ عورت جو حکم دیتی ہے تو لوگ اس کی بات ٹال نہیں سکتے۔ اور جب وہ کسی چیز کی تمنا کرتی ہے تو جوان اس کی آرزو کی تکمیل کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ یہاں بھی ایک ایسی حسینہ موجود تھی جس کے اشارہ ابرو پر سب کچھ قربان ہو سکتا تھا۔ یہ ذی صدوق بنت محیا تھی۔ اس کے پاس مال بھی تھا اور جمال بھی۔ اس نے مصدع بن مہرج کو کہا کہ اگر وہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹ دے جو ایک واضح معجزہ ہے اور حق و صداقت کی دلیل قاطع ہے تو وہ اسے اپنا لے گی۔ ایک اور بوڑھی عورت جس کے جمال سے کبھی چاند شرما جاتا تھا اور قدار بن سالف

جسے ایک نظر دیکھنے کے لئے بے تاب رہتا تھا۔ اس بوڑھی کافرہ کا نام عنیزہ تھا۔ اس نے قدار بن سالف کو اپنی جوان خوبرو بیٹی دینے کا وعدہ کیا کہ اگر وہ صالح کی اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالے جو دلوں کو کھینچے جاتی ہے اور دلوں میں ایمان کی چنگاریاں سلگا رہی ہے۔ تو وہ اپنی اس بیٹی کے بدلے نہ مال و دولت کی خواہاں ہے نہ کسی اور معاوضے کی طالب۔

مصدع اور قدار کو اس پیش کش نے نڈر کر دیا۔ حسن و جمال کی رغبت ان کے دلوں میں کروٹیں لینے لگی۔ سوچا اپنی جرأت اور بہادری کا سب سے بڑا انعام ملنے والا ہے۔ اس لئے فوراً اونٹنی کے قتل پر تیار ہو گئے۔ کوشش کر کے سات بدبخت اور ساتھ ملا لیے۔ انہوں نے بھی مصدع اور قدار کا ساتھ دینے کا اقرار کر لیا اور مدد کے لئے تیار ہو گئے۔ نیزے تلواریں اور تیر کمان لیکر اونٹنی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ جب اونٹنی پانی پینے گھاٹ پر آئی تو ان کی نظر پڑ گئی۔ واپس لوٹ رہی تھی کہ مصدع نے جو گھات لگائے بیٹھا تھا تیر کھینچ مارا جو اس کی پنڈلی سے آر پار ہو گیا۔ قدار بن سالف نے فوراً آگے بڑھ کر تلوار کا وار کیا اور کوچیں کاٹ ڈالیں۔ اونٹنی زمین پر گر پڑی۔ قدار نے نیزے سے سینے کو چھید ڈالا اور اسے ذبح کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہوا۔ اور کندھوں سے ایک بڑا بوجھ اتار پھینکا دونوں خوش و خرم اپنی قوم کی طرف لوٹے۔ لوگوں نے ان کا اس طرح استقبال کیا جس طرح ایک کامیاب قائد اور فاتح بادشاہ کا استقبال کیا جاتا ہے۔ انہیں پھولوں کے گلدستے پیش کیے گئے اور ان کی تعریف و توصیف کے گن گائے گئے۔

یہ ظالم اونٹنی کی کوچیں کاٹ چکے تھے اور اپنے رب کی نافرمانی کر چکے تھے۔ وہ گویا بتا چکے تھے کہ وہ کیا ہیں۔ ہٹ دھرمی دیکھیے کہ اللہ کے عذاب کو ہلکا سمجھتے ہوئے اللہ کے نبی کے سامنے اتنا کہنے کی بھی جسارت کر دی کہ اے صالح اگر تو اللہ کا رسول ہے تو جس عذاب سے ڈراتا تھا لے آ اسے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تمہیں کہا تھا کہ اونٹنی کو تکلیف نہ دینا اور اس کے درپے آزار نہ ہونا۔ لیکن تم نے جسارت کی اور اس گناہ کا ارتکاب کر دیا۔ اب تین دن تک گھروں میں زندگی سے لطف اٹھا لو تین دن کے بعد عذاب ہو جائے گا اور تمہیں اپنے کیے کا انجام بد دیکھنا ہو گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جس میں ذرا برابر بھی جھوٹ نہیں۔

تین دن کی مہلت شاید اس لیے تھی کہ ہو سکتا ہے ان کے دلوں میں انابت کا جذبہ جاگ اٹھے اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ پیغام حق کو تسلیم کر لیں۔ لیکن دلوں میں شک کا کانٹا ابھی تک موجود تھا۔ اور سینے کا میل کچیل دور نہیں ہو پایا تھا۔ آپ کی وعظ و تلقین نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ بلکہ ان کے نزدیک یہ سب وعدے، سب ڈراوے جھوٹ کا پلندا تھے۔ محض افتراء بازی اور بہتان تراشی توہم پرستی کا نتیجہ تھے۔ ابھی تک وہی رویہ تھا۔ وہی استہزاء اور مذاق تھا۔ بار بار کہتے کہ صالح وہ عذاب کیا ہوا۔ تم کس سزا اور عقاب کی بات کرتے تھے۔ لو ہم نے او نٹنی کو قتل کر دیا۔ لیکن عذاب تو ابھی تک نہیں آیا۔ آپ نے ان کو جواب دیا۔ اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے۔ تم معافی مانگ لو، یقیناً اللہ کریم تمھارا یہ گناہ بخش دے گا۔ لیکن وہ سرکشی کی راہ پر سرپٹ دوڑتے رہے اور شر و فساد کے سامنے جھکتے چلے گئے۔ گستاخی کے لہجے میں بولے :

اے صالح تو اور تیرے ساتھی ہمارے لئے بدبختی کا نشان ہیں۔ پوری قوم اکٹھی ہوئی اور یہ قرار داد پاس کی کہ رات کے اندھیرے میں تلوار بے نیام کر کے انہیں سوتے میں قتل کر دیا جائے۔ لیکن اس حملے کی کسی کو خبر نہیں ہونی چاہیے۔ پوری قوم نے پختہ عہد کیا کہ اس راز کو راز رکھا جائے گا اور اس محفل سے اٹھنے کے بعد اس موضوع پر گفتگو نہیں ہو گی۔

ساری رات قتل کی سازش کرتے رہے اور صالح اور ان کے گھر والوں کو موت کی نیند سلانے کے لئے عملی اقدام کی کوشش کرتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ انہیں قتل کر کے ہم عذاب سے بچ جائیں گے اور عقاب و سزا کے نزول سے چھٹکارا مل جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں زیادہ مہلت نہ دی اور ان کے مکر و فریب کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ وہ صالح علیہ السلام اور ان کے اہل بیت کو قتل کرنے کی فکر میں تھے۔ اللہ کریم نے اپنے ان بندوں کو بچا کر ہلاکت اور بربادی خود ان ظالموں پر ڈال دی۔ مومن اپنے ایمان کی بدولت محفوظ تھے۔ اور کافر عذاب میں مبتلا ہو چکے تھے۔ یہ اس بات کا بین ثبوت تھا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا تھا اور صالح علیہ السلام اللہ کے مقبول بندے تھے اور انہیں اللہ کی مدد حاصل تھی۔ ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا ملی۔ ایک چنگھاڑ نے انہیں آلیا اور اس کی شدت سے وہ اپنے گھروں میں عدم کی نیند سو گئے۔

نہ بلند و بالا محلات کام آئے اور نہ مال و دولت۔ نہ وسیع و عریض باغات نے کچھ فائدہ دیا اور نہ پہاڑوں میں کھودے گئے گھروں نے محفوظ رکھا۔ صالح علیہ السلام نے نظر اٹھا کر دیکھا تو کافروں کے جسم ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ ان کی بلند و بالا عمارتیں زمین بوس ہو چکی تھیں۔ آپ نے چہرہ مبارک پھیر لیا۔ دل میں اداسی چھائی تھی' آنکھوں سے حسرت جھانک رہی تھی۔

وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّىْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لاَّ تُحِبُّوْنَ النَّاصِحِيْنَ

(اور بصد حسرت) کہا اے میری قوم! بیشک پہنچادیا میں نے تم کو پیغام اپنے رب کا اور میں نے خیر خواہی کی تمھاری لیکن تم تو پسند ہی نہیں کرتے (اپنے) خیر خواہوں کو"۔ (الاعراف: ۷۹)

"حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام"

ابراہیم علیہ السلام اور حیات اخروی کے ثبوت کے لئے صدور معجزہ :

اہل بابل بڑے تزک و احتشام اور ناز و نعم میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن اللہ کی عطا کردہ ان نعمتوں کے باوجود ظلمتیں اور تاریکیاں ان کا مقدر اور علم و معرفت سے دوری ان کی زندگی کا حاصل تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں سے بت تراشتے انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے بنتا دیکھتے پھر انھیں خدا' اپنا اللہ بنا لیتے۔ انہی ہاتھوں سے تراشیدہ پتھروں کی عبادت کرتے اور اپنے خالق جس نے ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نواز رکھا تھا اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیتے۔

بابل کی زمام اقتدار نمرود بن کنعان بن کوش کے ہاتھ تھی۔ وہ اس خطے کا مطلق العنان بادشاہ تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ ملک میں مال و دولت کی فروانی ہے' اسے بلا شرکت غیرے حکومت اور جاہ و حشمت میسر ہے۔ پھر یہاں کے باسی بھی جاہل اور مردہ ضمیر ہیں تو اس نے اپنی خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اور لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دے ڈالا۔ وہ انہیں اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کیوں نہ کرتا۔ کیوں نہ ان سے اپنی عبادت اور تعظیم کا مطالبہ کرتا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ ان میں سوچنے کی قوت دم توڑ گئی ہے اور

فاسد عقائد نے ان کی قوت فکر کو بانجھ کر دیا ہے۔ جب وہ ہاتھ سے تراشیدہ بتوں کو خدا مان رہے ہیں تو ایک مطلق العنان صاحب سطوت و جبروت بادشاہ کی خدائی کا انکار کیسے کریں گے۔ جب وہ اندھے گونگے' بے ضرر اور بے فیض بتوں کے سامنے اپنی جبین نیاز جھکا کر خوش ہیں تو وہ ایسے بادشاہ کی عبادت پر کیا اعتراض کریں گے جو بول سکتا ہے۔ غور و فکر کی صلاحیت رکھتا ہے۔ محسوس کرتا ہے' شعور رکھتا ہے۔ انہیں نفع دے سکتا ہے۔ تکلیف دور کر سکتا ہے۔ جو ایک غریب کو امیر اور عزت دار کو ذلیل کر سکتا ہے۔ جسے یہ اختیار ہے کہ طاقت ور کو کمزور بنا دے اور کمزور کو طاقت ور کر دے۔ ایسے صاحب قوت' صاحب سطوت کے سامنے پیشانی جھکاتے ہوئے انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

اس بگڑے ہوئے معاشرے میں' بابل کی سلطنت کے ایک چھوٹے سے شہر فدام آورم میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام ابراہیم تجویز ہوا۔ اس بچے کا کفیل اس کا چچا آذر تھا۔ اللہ کریم نے اس بچے کو رشد و ہدایت کی دولت سے نوازا۔ اس نے اپنی روشن خیالی اور فہم و فراست سے بتوں کی خدائی کا انکار کر دیا اور وحی الٰہی سے اس حقیقت کا ادراک پا گیا کہ معبود حقیقی تو ذات یکتا ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے میں اس کی جلوہ نمائی ہے۔ عالم تمام پر اسی کی گرفت اور قبضہ ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ بت جن کی لوگ عبادت کرتے ہیں۔ یہ مورتیاں جنہیں ہاتھوں سے تراشتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ نہیں رکھ سکتیں اور نہ اس سے کچھ فائدہ دلوا سکتی ہیں۔ یہ سوچ کر اس نے عزم مصمم کر لیا کہ وہ ضرور بضرور توحید کی تبلیغ کرے گا' اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ ہر حالت میں اپنی قوم کو شرک کی لعنت سے نجات دے گا۔ اس نے اسے اپنی منزل مقصود بنا لیا کہ وہ گمراہی سے قوم کو باز رکھے گا اور انہیں بے راہ روی میں بھٹکتا نہیں چھوڑے گا۔

ابراہیم علیہ السلام کا دل نور ایمان سے لبریز تھا۔ انہیں اپنے خالق کی قدرت پر کامل یقین اور پختہ وثوق تھا۔ وہ اس حقیقت کو دل کی گہرائیوں سے مانتے تھے کہ موت کے بعد ایک دوسری زندگی ہے۔ اخروی زندگی میں انسان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ لیکن اس کامل یقین اور وحی خداوندی کی روشنی کے باوجود وہ چاہتے تھے کہ

ایقان کی یہ دولت اور بڑھے۔ بصیرت کا یہ نور اور زیادہ ہو اور ایمان کی شمع کی روشنی میں اور اضافہ ہو۔ وہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے' وہ یوم النشور کی کیفیتوں کا مشاہدہ کرنے کے آرزو مند تھے۔ اس لئے بارگاہ خداوندی مین درخواست کی کہ مولاذرا دیکھوں تو انسانوں کو مار کر کیسے زندہ فرمائے گا؟ جب ان کے جسم فنا ہو چکے ہونگے تو توانہیں کیسے اٹھائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَوَ لَمۡ تُؤۡمِنۡ قَالَ بلٰی

"فرمایا (اے ابراہیم!) کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے۔ عرض کی ایمان تو ہے" (البقرہ: ۲۶۰)

الٰہی تو نے وحی کے ذریعے تو مجھے بتادیا ہے کہ دوسری زندگی ہے۔ میں مانتا ہوں اور اس حقیقت کی بہ دِل و جان تصدیق کرتا ہوں۔ لیکن میرا دل مشاہدہ کا آرزو مند ہے اور میری آنکھ اس کیفیت کو بے پردہ دیکھنا چاہتی ہے۔ تاکہ اطمینان قلب کی کیفیت نصیب ہو اور یقین میں اور اضافہ ہو۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام اطمینان قلبی اور یقین کامل کے متمنی تھے اس لئے اللہ کریم نے ان کی درخواست منظور کرلی اور انہیں حکم دیا کہ چار پرندے پکڑو اور انہیں ایک ساتھ اکٹھا کرو۔ تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ یہ کونسے پرندے ہیں تاکہ پھر پہچاننے میں غلطی نہ ہو۔ پھر ان پرندوں کو ذبح کر کے ان کی بوٹیاں بکھیر دو اور سامنے کے ان تمام پہاڑوں پر ایک ایک بوٹی رکھ آؤ۔ پھر یہاں کھڑے ہو کر انہیں آواز دو۔ پھر دیکھو کہ کس طرح وہ ذبح شدہ پرندے دوبارہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔ یہ سب میری قدرت سے ہو گا۔

جب حضرت ابراہیم نے ایسا کیا تو ہر ایک جزا اپنے دوسرے اجزاء سے جڑ گیا جگہ جگہ سے ٹکڑے اکٹھے ہو گئے اور فوراً مردہ جسم میں حیات دوڑ گئی۔ اور پرندے اللہ کی قدرت اور ارادے سے دوڑ کر بغیر کسی دیر کے آپکے پاس پہنچ گئے ابراہیم اللہ کی یہ قدرت کاملہ اور آیت بینہ کھڑے دیکھ رہے تھے۔ یہ اس ذات کی اعجاز آفرینی تھی جسے زمین اور آسمانوں کی کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی۔

یہ وہی پرندے تھے جنہیں کچھ دیر پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پکڑا تھا۔ پھر انہیں ذبح کر کے ان کے گوشت کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنائی تھیں۔ پھر ان

بوٹیوں کو آپس میں ملا دیا تھا۔ پھر خود انہیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھا تھا وہ سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جب آواز دی تھی تو پل جھپکنے میں بوٹیاں یک جا ہو کر پرندوں کے قالب میں ڈھل گئی تھیں اور ان کے دیکھتے ہی ان کے مردہ جسموں میں روح عود کر آئی تھی۔ کیا ایسا ہو سکتا تھا کہ اس معجزہ کو کوئی اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور پھر بھی حیات اخروی میں شک کرتا۔ یا اسے حیات بعد الموت کے بارے اللہ کی قدرت پر کوئی انکار ہوتا۔ کہ اللہ قادر مطلق ہے۔ جب وہ کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو کوئی بھی اسے روک نہیں سکتا وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام اپنے کفیل آذر کو حکمت بھرے لہجے میں تبلیغ کرتے ہیں :۔

آذر بت پرست تھا۔ بلکہ بت تراش اور بت فروش تھا۔ آذر ابراہیم علیہ السلام کا کفیل اور بہت قریبی تھا۔ اس لئے وہ رہنمائی اور نصیحت کا سب سے زیادہ مستحق تھا۔ آذر کے ساتھ نیکی کا بہترین طریقہ یہ تھا کہ اسے راہ مستقیم کی طرف ہدایت کی جائے۔ پھر اس وجہ سے بھی آذر کی رہنمائی ضروری تھی کہ وہ ان بتوں کو نقش دیتا اور تراشتا تھا اور ان بتوں کی عبادت کا داعی تھا۔ اس لئے وہ صرف بت فروش اور بت تراش ہی نہیں گناہ کا داعی اور اس فتنے کا سبب تھا۔ ایسے شخص کی رہنمائی اللہ کی رضا کا موجب تھی۔ ایسے بت فروش کو روشنی کی ایک کرن دکھانا شر کی بیخ کنی کے مترادف تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر کو دعوت دیتے ہوئے بات بتوں کی تنقیص سے شروع نہیں کی۔ کیونکہ خدشہ تھا کہ اس سے اسکی نفرتوں میں اضافہ ہوگا' وہ بات سننے سے انکار کر دے گا اور حق و صداقت پر دھیان نہیں دے گا۔ بلکہ نہایت شائستہ لہجے میں' ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بات شروع کی۔ پہلے اسے بتایا کہ میں کوئی غیر نہیں تیرا بیٹا ہوں۔ تاکہ اس کے اندر شفقت و محبت کا جذبہ بھڑک اٹھے اور وہ دل کی گہرائیوں سے اس کی بات سننے کو تیار ہو جائے۔ پھر پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ وہ ان بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے اور ان کی عبادت بجا لاتا ہے حالانکہ یہ بے جان ہیں نہ تو سائل کی آواز سنتے ہیں اور نہ ان کی عبادت کا شعور رکھتے ہیں۔ نہ وہ پجاریوں کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ان کے خشوع و خضوع کا احساس رکھتے ہیں۔ نہ ان میں مصیبت زدوں کی

مصیبت دور کرنے کی سکت ہے اور نہ سائل کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ کر اسے کچھ دینے کی طاقت۔

سوچا کہیں مجھے چھوٹا سمجھ کر میری اس بات پر آذر کوئی دھیان نہ دے اور میری رائے کو ہنسی مذاق میں ٹال دے اس لئے فرمایا۔ اے میرے باپ۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسا علم عطا کیا ہے جس سے آپ ناواقف ہیں۔ اور جو بصیرت مجھے عطا ہوئی ہے وہ آپ کو عطا نہیں ہوئی۔ اس لئے میری بات ماننے سے انکار نہ کیجئے اور میرے ساتھ چلنے سے اعراض نہ فرمایئے اگرچہ میں دنیاوی اعتبار سے تجھ سے ہیچ ہوں اور عمر میں کمسن ہوں لیکن جو فہم و فراست کی دولت میرے پاس ہے کسی اور کے پاس نہیں۔ پھر آذر کو سمجھایا کہ میرے سنگ چلو اور میری رہنمائی میں زندگی کا یہ سفر طے کرو۔ یہی صراط مستقیم اور منزل تک پہچانے والی راہ ہے۔

پھر ارادہ فرمایا کہ اسے بتوں کی محبت اور بتوں کی پوجا سے دور کر دے۔ اس لئے اسے باور کرانے کی کوشش کی کہ بتوں کی پرستش اور ان کے سامنے نیاز مندی شیطان کی عبادت ہے۔ بتوں سے امید وابستہ کرنا شیطان سے وابستگی کی دلیل ہے۔ شیطان ہمارا کھلا دشمن ہے۔ اس ظالم نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور چیلنج کیا کہ لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ وہ کبھی بھی نیکی کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتا۔ اس کا مقصد صرف ہلاکت اور شرارت ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے اسے برے انجام اور عذاب الیم سے ڈرایا۔ لیکن یہاں یہ تصریح نہیں کی کہ وہ بت پرست ہے لہذا وہ بھی عذاب کا مستحق ہے اور دوزخ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کیونکہ آذر ان کا چچا تھا اور لازمی تھا کہ وہ ان کے ساتھ نیکی کرتے۔ ان کی تعظیم بجالاتے اور ان سے محبت کے لہجے میں بات کرتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے یہ نصیحت کی اور اس حقیقت سے اسے روشناس کرایا تو اس نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا آج سے تو میرا بیٹا نہیں۔ اب تو ہمیشہ کیلئے میری محبت اور شفقت سے محروم ہو چکا ہے۔ آذر نے تیوری چڑھالی اور ابراہیم علیہ السلام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا کہ تیری یہ جرأت! تو مجھے نصیحت کرنے لگا! اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں کا منکر تو نہیں بن گیا؟ کان کھول کر سن لے! اگر تو اس گمراہی سے باز نہ آیا اپنی ان حماقتوں کو نہ چھوڑا اور اسی ڈگر پر چلتا رہا

تو تجھے پتھر مار مار کر ختم کر دوں گا۔ اور تجھے ان خرافات کی وہ سزا دوں گا کہ دنیا یاد رکھے گی۔ مجھ سے بچ جا اور میرے غیض و غضب کی آتش کو اور ہوا نہ دے۔ جا چلا جا۔ میرے گھر میں تیرے لئے کوئی جگہ نہیں۔ آج سے میرے دل میں تیرے لئے کوئی محبت نہیں۔ تجھ پر احسانات کا سلسلہ آج سے بند۔

ابراہیم علیہ السلام نے آذر کی اس دھمکی کو وسعت قلبی سے لیا اور اس کی ناراضگی اور وعید پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ نہایت اطمینان سے جواب دیا جس سے اخلاص اور نیکی کا جذبہ ٹپک رہا تھا۔

> سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا۔ وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْ رَبِّيْ عَسٰٓى اَلَّا اَكُوْنَ بِدُعَاءِ رَبِّيْ شَقِيًّا
>
> "سلام ہو تم پر میں مغفرت طلب کروں گا۔ تیرے لیے اپنے رب سے۔ بیشک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے۔ اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا۔ (مریم: ۴۸)

ابراہیم علیہ السلام نے آذر کو الوداع کہا اور چل دیے۔ آج وہ بہت اداس تھے۔ بہت مغموم۔ کیونکہ ان کے چچا نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا۔ وہ آذر سے الگ ہو گئے کہ کہیں اس کا شمار کفر پر تعاون کرنے والوں میں سے نہ ہو جائے اور کہیں وہ بھی انہیں شرک میں دیکھ کر گناہ گار نہ ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی

جب آپ کے چچا آذر نے ہی آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو آپ کو بہت دکھ ہوا۔ آپ تو اسے بھلائی کی راہ دکھانا چاہتے تھے لیکن وہ نہ مانا۔ آپ اسے صراط مستقیم پر گامزن دیکھنے کے متمنی تھے لیکن بے سود۔ چچا کی بے رخی اور ترش روئی انہیں دعوت الی الحق سے باز نہ رکھ سکی۔ وہ برابر قوم کو شرک اور بت پرستی سے روکتے رہے دل میں یہ تہیّہ کر لیا کہ وہ ان عقائد فاسدہ کو مٹا کر دم لیں گے اس راہ میں چاہے انہیں کتنی ہی تکلیفیں اٹھانا پڑیں اور کتنے ہی کلفتوں کے پل عبور کرنے پڑیں۔

ابراہیم علیہ السلام روشن خیال اور ذہین و فطین شخص تھے۔ آپ نے فوراً محسوس کر لیا کہ لفظی دلیلیں اور زبانی حجتیں کتنی ہی واضح اور قاطع کیوں نہ ہوں اس بنجر زمین میں بھلائی کی فصل کا سبب نہیں بن سکتیں۔ اس لئے سوچا کیوں نہ انہیں اندر جھانکنے کا اہتمام کیا جائے اور انہیں اپنے عقیدوں پر سوچنے کا موقع فراہم کیا جائے اور انہیں کسی طریقے سے دعوت فکر دی جائے کہ میری تبلیغ کا مقصد اور مدعا کیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس طریقہ سے سیدھی راہ پر آجائیں اور ہٹ دھرمی اور سرکشی کی راہ چھوڑ دیں۔

اب دیکھیے کہ وہ کس طرح مشرکین سے مباحثہ اور مناظرہ کے رنگ میں بات چیت کرتے ہیں۔ آپ ان سے پوچھتے ہیں۔ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ مشرکین اپنے بتوں کے بارے بتاتے ہیں اور تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔ اور بڑے خوش ہو کر احترام اور تعظیم کے جذبوں کو یکجا کر کے کہتے ہیں: ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور انھی کے سامنے جھکتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا سوال الہامی تھا۔ اس گفتگو میں اللہ کی توفیق ان کے شامل حال تھی۔ وہ ایک قاضی تھے جو مجرم سے اعتراف جرم کی کوشش کرتا ہے اور اسے گناہ کے ارتکاب کے اقرار پر ابھارتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اسی لئے تو ان کا گھیرا تنگ کر رہے تھے۔ اور صرف اسی نکتہ پر باری باری سوال اٹھا رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جب انہیں یقین ہو جائے گا کہ ہمارا عقیدہ تو بالکل بودا ہے۔ اور اس کی بنیادیں تو بالکل کمزور ہیں اور یہ بت پرستی محض ایک دھوکہ ہے تو پھر وہ اپنی دلیل سے انہیں

حقیقت سے روشناس کرائیں گے۔ پھر ان کے لئے اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہو گا اور انہیں لامحالہ بت پرستی سے باز آنا ہو گا۔

آپ علیہ السلام ایک بار پھر ان کی طرف پلٹتے ہیں۔ اور ان کے غلط عقائد اور فاسد خیالات کو باطل قرار دے دیتے ہیں۔ سوال کرتے ہیں کہ جب تم ان کی عبادت کرتے ہو تو کیا یہ تمہارے حمدیہ اور دعائیہ کلمات سن رہے ہوتے ہیں؟ کیا جب تم ان کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے ان کے بت خانوں میں جاتے ہو تو یہ تمہیں دیکھ لیتے ہیں؟ کیا ان میں نفع و نقصان کی طاقت ہے بھی؟

تقلید بھی کیا بری چیز ہے۔ یہ دام فریب بھی کس قدر ہلاکت خیز ہے کہ انسان اپنے آباؤ اجداد کی پیروی میں حقیقتوں کو بھلا دے۔ اور کفر و بت پرستی جیسا گھناؤنا جرم کرنے لگے۔ یہ شیطان ظالم اور فریبی ہے۔ اس نے اہل بابل کو بھی بت پرستی میں گرفتار کر رکھا تھا اور مورتیوں کی عبادت ان کے دلوں میں نقش کر دی تھی۔ وہ ان بے جان پتھروں کے سامنے سر خم کرتے اور نہیں اپنا کارساز یقین کرتے۔ وہ کتنے کور چشم تھے کہ ہاتھوں سے تراشیدہ بتوں کو خدا سمجھ بیٹھے تھے۔ بلکہ وہ اس مذہب کی معاونت پر کمربستہ تھے اور اہل حق سے جھگڑتے تھے۔ ان کی یہ بات کتنی بے معنی تھی کہ۔

وَجَدْنَا آبَاءَ نَا لَهَا عَابِدِيْنَ

"پایا ہے ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو کہ وہ ان کے پجاری تھے۔"

(الانبیاء : ۵۳)

انہیں اعتراف تھا کہ یہ بت دعا کرنے والے کی آواز نہیں سنتے اور کسی کو نفع اور نقصان نہیں دے سکتے۔ انہیں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں تھا کہ ان کے مذہب کی اگر کوئی بنیاد ہے تو صرف یہ کہ انہوں نے اپنے آباو اجداد کو بت پرستی کرتے دیکھا ہے۔ محض پہلے لوگوں کا عمل اور ان کے نظریات ہی اس عمل کی اساس ہیں۔ چونکہ وہ اسلاف کی اندھی تقلید کرتے تھے اور ان کے نظریات اور عقائد کے خلاف سوچنا ان کی عزت و تکریم کے منافی سمجھے تھے اس لئے ان کی فکر بانجھ اور ان کی سوچیں اپاہج ہو کر رہ گئی تھیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا :۔

لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ

"بلاشبہ مبتلا رہے ہو تم بھی اور تمھارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں" (الانبیاء : ۵۴)

جھٹ بول اٹھے۔ ابراہیم تو ہمارے خداؤں کی تنقیص شان کر رہا ہے اور انہیں گالیاں دے رہا ہے۔ کیا واقعی تیرا یہی نظریہ ہے یا تو خوش طبعی کی باتیں کر رہا ہے۔؟

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ میں یہ باتیں مذاقاً نہیں کر رہا بلکہ میں سنجیدگی سے ان کی خدائی کا انکار کر رہا ہوں۔ میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا دین قویم لے آیا ہوں۔ میں تمہاری ہدایت کی ذمہ داری لیکر اللہ کا رسول بن کر حاضر ہوا ہوں۔ میں حق وصداقت کا پیامبر ہوں۔ عبادت کے لائق صرف وہ خدا ہے جو زمین اور آسمانوں کو وجود بخشنے والا ہے۔ وہ جو دنیا و مافیھا کے امور کی تدبیر کر رہا ہے اور کائنات کا انتظام وانصرام فرما رہا ہے۔ یہ بت جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تو اپنے نفع ونقصان کے بھی مالک نہیں۔ یہ گونگے پتھر ہیں۔ حقیر لکڑی کے ٹکڑے ہیں۔ تم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دو۔ ان کے سامنے ماتھا رگڑنے سے باز آجاؤ۔ شیطان کی چالوں میں اور اس کے دھوکے میں نہ آؤ۔ کچھ تو عقل سے کام لو۔ اپنی آنکھوں کو ذرا وا کرو ہو سکتا ہے حقیقت تم پر عیاں ہو جائے۔

لو! سب سے پہلے میں ان کی عبادت سے دستکش ہو چکا ہوں۔ دیکھو میں نے تم سے پہلے ان سے تعلق توڑ لیا ہے۔ اگر ان میں نقصان پہچانے کی قدرت ہوتی تو سب سے پہلے میری گردن مروڑتے۔ اگر انہیں کچھ بھی احساس ہوتا تو مجھ سے ساری نعمتیں واپس لے لیتے۔

پھر آپ نے خوبصورت انداز میں اللہ کی صنعت گری اور قدرت کاملہ کو بیان فرمایا۔ تاکہ انہیں حقیقت حال سے آگاہی ہو اور انہیں پتہ چل سکے کہ آپ کے اور ان کے عقائد میں کتنا فرق ہے۔ جس خدا کی بات آپ کرتے ہیں اور جن خداؤں کی پرستش وہ کر رہے ہیں دونوں میں کس قدر فرق اور امتیاز ہے۔

فرمایا جن بتوں کی تم عبادت کر رہے ہو یا تمہارے آباؤاجداد کرتے رہے ہیں کیا ان کی حقیقت کے بارے میں کبھی غور و فکر کرنے کی زحمت گوارا کی ہے ؟ کبھی سوچا ہے کہ۔

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ اِلَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ۔ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۔ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ وَالَّذِيْ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَلِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ۔

"پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔ جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) وہ میری رہنمائی کرتا ہے اور وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے اور وہ جو مجھے مارے گا۔ پھر مجھے زندہ کرے گا اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دے گا میرے لیے میری خطا کو روز جزا کو" (الشعراء : ۷۷ تا ۸۲)

جب ابراہیم علیہ السلام کی دلیلوں نے اور ان کے وعظ و نصیحت نے انہیں فائدہ نہ دیا اور وہ راہ کا پتھر بنے رہے' دعوت حق سے اعراض کرتے رہے اور ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے کان حق بات سننے سے بہرے ہو چکے ہیں۔ ان کے دلوں پر پردے پڑ چکے ہیں اور یہ توہم پرستی کو گلے سے لگائے بیٹھے ہیں اور بتوں کی پوجا کو سینے پر سجائے پھرتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے بتوں سے دودو ہاتھ کرنے کی ٹھان لی اور قسم اٹھائی کہ وہ بتوں کا وہ حشر کریں گے کہ خود ان کے ماننے والے بھی کہیں گے کہ یہ نہ تو نقصان دے سکتے ہیں اور نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ وہ کہہ اٹھیں گے کہ ان میں تو اتنی سی طاقت بھی نہیں کہ اپنے آپ کو نقصان سے بچا سکیں۔ جب وہ خود نقصان سے نہیں بچ سکتے تو اپنے پجاریوں کو کیا بچائیں گے۔ جب ان میں اتنی سکت نہیں تو ان کی عبادت ترک بھی کردیں تو یہ کیا نقصان دیں گے۔ اور اگر ہم ان کی عبادت کرتے رہے اور خلوص سے ان کے حضور سر تسلیم خم کرتے رہے تو بھی یہ ہمیں کیا فائدہ دیں گے۔

اہل بابل ہر سال بتوں کا ایک تہوار بڑی دھوم سے مناتے تھے۔ وہ پورا دن شہر سے باہر گزار دیتے۔ کھیل تماشے ہوتے۔ مندروں میں بتوں کے سامنے انواع واقسام کے لذیز کھانے ڈھیر کر دیے جاتے اور کھیل کود سے واپس آکر بتوں کے سامنے رکھا ہوا یہ کھانا تبرک سمجھ کر بڑی خوشی اور عقیدت سے کھاتے۔

عید کے روز جب آدمی شہر سے باہر جانے لگے تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی دعوت دی کہ آؤ ہمارے ساتھ چلو۔ شہر سے باہر کھیلیں گے اور عید کی خوشیوں میں شریک ہونگے۔ لیکن آپ علیہ السلام نے ان کے ساتھ جانے اور عید منانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ آج وہ ان کے خداؤں کے محل کو منہدم کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔ وہ ان کے معبودوں کے عرش کو زمین بوس کرنا چاہتے تھے۔

آپ نے بیماری کا بہانہ بنایا اور کمزوری کی وجہ سے ساتھ نہ دینے سے معذرت کی۔ لیکن انہیں کوئی بخار نہ تھا۔ وہ بالکل بیمار نہ تھے۔ ہاں آپ کی روح میں ایک درد تھا۔ آپ کا دل بہت پریشان تھا آپ کا جگر اپنی قوم کو شرک میں مبتلا دیکھ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا چاہتا تھا۔ وہ غم وغصے سے پھٹے جاتے تھے کیونکہ اپنوں نے ان کی ندا پر لبیک نہیں کہا تھا۔ اور ان کی نصیحت آموز دعوت کو پرکاہ کی حیثیت نہیں دی تھی۔

چونکہ آرامی بیماریوں سے ڈرتے تھے اور وباء سے دور بھاگتے تھے اس لئے ابراہیم کو چھوڑ دیا اور ساتھ لینے پر اصرار نہ کیا۔ وہ آپ کے شہر ٹھہرنے پر راضی ہو گئے معذرت قبول کر لی۔ اور خوشی خوشی عید منانے کیلئے شہر سے باہر چل دیے۔

"از" کا پورا شہر خالی ہو چکا تھا۔ مرد وزن بوڑھے بچے سب عید منانے شہر سے باہر جا چکے تھے۔ بت خانہ بھی ویران و سنسان پڑا تھا۔ یہاں بھی کوئی پجاری کوئی پروہت موجود نہیں تھا تمام شہر سے باہر رنگ رلیوں میں مصروف تھے۔ اب ابراہیم علیہ السلام تھے اور یہ شہر اور بت خانہ تھا۔

جب فضا جاسوسوں سے خالی ہو گئی جو ہر وقت طاق میں رہتے تھے اور شہر میں ایک آنکھ بھی تاڑنے والی نہ رہ گئی تو ابراہیم علیہ السلام بتوں کی طرف گئے اور بڑے مندر میں داخل ہو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ پورا مندر مورتیوں سے بھرا پڑا ہے۔ ہر طرف بت ہی بت ہیں۔ ان کے سامنے ڈھیروں کھانا پڑا ہے۔ آپ نے نفرت اور

حقارت کے لہجے میں پوچھا: کیا یہ کھانے نہیں کھاؤ گے! لیکن جواب میں صرف خاموشی تھی۔ ایک لفظ بھی بتوں کی زبان سے ادا نہ ہو سکا۔ آپ نے فرمایا: تم بولتے کیوں نہیں؟ وہ تو گھڑے ہوئے پتھر تھے کیا جواب دیتے۔ تراشیدہ لکڑی کے ٹکڑے تھے انہیں کیا خبر کہ کوئی مخاطب ہے؟

آپ کسی بھی طریقہ سے قوم کی جہالت اور تراشیدہ بتوں کی اصلیت کو واضح کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے مکوں اور پاؤں کی ٹھوکروں کی بارش کر دی یہ دراصل دینی حمیت تھی اور اللہ کے لئے غیض و غضب کی انتہاء تھی۔ کلہاڑا لے لیا اور ٹوٹ پڑے اور انہیں ریزہ ریزہ کرنے لگے۔ اس وقت تک کلہاڑا چلاتے رہے جب تک کہ سب بت نہ ٹوٹ چکے۔ لیکن بڑا بت ابھی تک سلامت تھا۔ آپ نے اسے نہ توڑا۔ تاکہ وہ واپس آکر اس سے پوچھ سکیں کہ بت شکنی کی جسارت کس نے کی ہے۔ کس نے معبد اعظم کی بے حرمتی کر کے اپنی بدبختی کو آواز دی ہے۔ درحقیقت ابراہیم علیہ السلام انہیں باور کرانا چاہتے تھے کہ بت بول نہیں سکتے اور نہ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان میں تو اپنے آپ کو بچانے کی بھی طاقت نہیں۔ ان کا خیال تھا کہ شاید وہ راہ راست پر آجائیں اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دیں۔

آپ علیہ السلام نے تمام بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ اب معبد میں مورتیاں نہیں بلکہ لکڑی اور پتھر کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام معبد سے نکلے۔ بہت خوش تھے دل میں سکون اور آنکھوں میں ٹھنڈک تھی۔ کیونکہ آج انہوں نے آتش کدہ شہر بجھا ڈالا تھا اور شرک و بت پرستی کی بنیادیں اکھیڑ ڈالی تھیں۔ گھر جا کر بیٹھ گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ انتظار کرنے لگے کہ کیا ردعمل کا اظہار ہوتا ہے۔ تیر نشانے پر لگتا ہے یا پوری قوم کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

دن گزر چکا۔ لوگ واپس شہر میں پہنچ گئے۔ جب بتوں کی بپتا اپنی آنکھوں سے دیکھی تو سکتے میں آگئے اور زمین پاؤں تلے سے نکل گئی۔ تمام مورتیاں ٹوٹ چکی تھیں تمام بت بکھرے پڑے تھے۔ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ بدتمیزی کس نے کی ہے؟ وہ تو یقیناً بڑا ظالم شخص ہے۔

ایک شخص نے بتایا۔ سنا ہے ابراہیم نامی ایک لڑکا ہمارے بتوں پر تنقید کرتا ہے اور ان کی عبادت کے خلاف ہے۔ یہ جسارت اسی نے کی ہو گی۔ اسی نے یہ بت توڑے ہونگے۔

جب انہیں پتہ چلا کہ ان کے خداؤں پر دست تطاول کس نے بلند کیا ہے اور ان کے معبودوں کو کس نے توڑا ہے تو قرار داد پاس کی کہ اس شخص کو اتنی ہی بڑی سزا دی جائے گی جتنے بڑے جرم کا اس نے ارتکاب کیا ہے۔ پوری قوم غیض و غضب سے بھڑک اٹھی اور چیخ چیخ کر مطالبہ کرنے لگے کہ ایسے بت شکن پر سر عام مقدمہ چلایا جائے اور پوچھا جائے کہ اس نے یہ جسارت کیوں کی ہے۔ تاکہ جرم ثابت ہونے کی صورت میں اس سے قصاص لیا جاسکے۔

ابراہیم بھی تو یہی چاہتے تھے کہ پوری قوم کسی ایک جگہ اکٹھی ہو تاکہ وہ ان تمام کے غلط عقیدے پر دلیل قائم کر سکیں اور ان کی بت پرستی کے باطل ہونے کی شہادت دے سکیں۔

لوگ جوق در جوق ایک میدان میں اکٹھے ہونے لگے اور یہ اجتماع لمحہ بہ لمحہ بڑھتا چلا گیا۔ ہر شخص ابراہیم سے قصاص لینے پر تلا ہوا تھا۔ ہر شخص کی یہ دلی تمنا تھی کہ اس بت شکن کو سخت سے سخت سزا دی جائے مردوزن کی زبان پر یہی بات تھی کہ ایسے مجرم کو لوگوں کی آنکھوں کے سامنے سخت سزا دی جائے۔ کیونکہ انتقام کی آگ کو بجھانے کا صرف یہی طریقہ تھا۔ اسی میں ان کے دلوں کا سکون تھا اور یہی ان کا مطمع نظر تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر اس مجمع عام میں لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ اور لوگوں کے سامنے ان پر جرح شروع کر دی گئی۔ یہ سب لوگ ابراہیم کے دشمن تھے۔ تمام کے دلوں میں نفرتوں اور عداوتوں کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ آپ پر سوال ہوا۔ اے ابراہیم ہمارے بتوں کے حضور یہ جسارت آپ نے کی ہے؟

اسی وقت کا تو آپ کو انتظار تھا۔ اسی منزل تک تو آپ پہنچنا چاہتے تھے۔ آپ نے ایک دوسرے رنگ میں بات کرنے کی ٹھان لی۔ انہیں گھیر کر ایک ایسے نقطے پر لے آئے جس پر حجت تمام ہو سکتی تھی۔ اور امید کی جاسکتی تھی کہ وہ اس مقام سے نہیں بھاگ سکیں گے اور ضرور راہ راست کو پلٹ آئیں گے۔ آپ نے فرمایا۔

بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هٰذَا فَاسْئَلُوهُمْ اِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ

"بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی۔ سو ان سے پوچھو اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہوں" (الانبیاء : ۶۳)

کیا غضب کی دلیل تھی۔ اس دلیل نے انہیں چونکا دیا اور غفلت اور بے خبری کی نیند سے انہیں جگا کر ان کی آنکھیں کھول دیں۔ وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا۔ ہم بھی کتنے ظالم ہیں کہ ان خداؤں کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے نہ کوئی پہرے دار تھا اور نہ کوئی رکھوالا۔

پھر حیران و ششدر ساکت و صامت اپنے سروں کو جھکائے غور کرنے لگے اور جامد ذہنی قوتوں کو کام میں لا کر سوچ وچار کرنے لگے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام سے کہا : اے ابراہیم تو اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ بت کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔ ان سے جواب کی توقع عبث ہے۔ تو پھر کیوں تو ہمیں ان سے پوچھنے کا کہتا ہے۔ ؟ اور ان کی گواہی کی بات کرتا ہے ؟ گویا انہوں نے اس حقیقت کا اقرار کر لیا کہ یہ بت ان کے سوال اور دعا کو نہیں سن سکتے۔ اور انہوں نے اس بات کا اعتراف کر لیا کہ ان میں یہ طاقت نہیں کہ انہیں ارد گرد کے حالات کا علم ہو یا ان پر جو واقع ہو اس کا انہیں شعور ہو۔ گویا انہوں نے اپنی زبانوں سے کہہ دیا کہ اگر کوئی ان پر ظلم ڈھائے یا انہیں توڑ دے تو یہ اس بت شکن کا ہاتھ تک نہیں پکڑ سکتے۔

آپ تضنع ان کی حماقت پر رونے لگے اور حق کے واضح ہونے کے باوجود باطل پر ڈٹے رہنے اور چمٹے رہنے پر افسوس کرنے لگے۔ طلوع صبح کے باوجود ان کی غفلت اور ہٹ دھرمی پر آپ پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔ پھر انہیں ابھارا کہ ذرا غور تو کریں وہ کیا کہہ رہے ہیں اور دیکھیں کن بے جان بتوں کی عبادت کر رہے ہیں۔

اَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

"کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان (بے بس بتوں) کی جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر نیز ان بتوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ

کے سوا۔" (الانبیاء: ٦٦، ٦٧)

ان بد بختوں کی آنکھوں پر پردے تھے اس لئے وہ کھلی حقیقتوں کو بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ان کے کانوں میں بوجھ تھا۔ وہ کچھ نہیں سن رہے تھے۔ ان کے دلوں پر غلاف تھے۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھے۔ جب وہ بات چیت میں عاجز آ گئے۔ اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب تو بت پرستی کا پول کھلتا ہے اور اب اصنام پرستی کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل اور حجت باقی نہیں رہی تو ابراہیم علیہ السلام سے بحث مباحثہ سے اعراض کر گئے اور قوت کے استعمال کا ارادہ کر لیا تا کہ ان کی شکست کا پردہ چاک نہ ہو اور اپنے باطل کو عیاں نہ کر بیٹھیں۔ چیخ اٹھے۔

حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ

"جلا ڈالو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو" (الانبیاء: ٦٧)

ابراہیم نار نمرود میں

مشرکین نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ اس جرم کی پاداش میں ابراہیم کو آگ میں جلا دیا جائے۔ ابراہیم علیہ السلام کا گناہ تھا تو صرف اتنا کہ وہ کہتے تھے۔ میرا رب اللہ ہے۔ اس کا جرم تھا تو صرف یہ کہ وہ ان کے بتوں کے خلاف تھے ان بے جان مورتیوں کی پوجا پاٹ کا انکار کرتے تھے اعلان توحید نے اور خدا کی یکتائی کی دعوت نے بت پرستوں کو بے قرار کر دیا اور سرکشوں کی زندگی کی خوشیوں کو مکدر کر کے رکھ دیا۔ ابراہیم علیہ السلام انہیں بتوں کی غلامی اور بندگی سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ اور ان پر بت پرستی کی قباحتوں کو واضح کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس طرح تو لوگ سرداروں اور مذہبی اجارہ داروں کا ساتھ چھوڑ جاتے اور ان کی مجلسوں کی رونقیں ختم ہو جاتیں۔ اور لوگ غلامی کے سارے قلادے گردنوں سے اتار کر آزاد ہو جاتے۔ اس سے ان کی سلطانی خطرے میں پڑ جاتی اور ان کی چودھراہٹ کا چراغ گل ہو جاتا۔

ان کے دلوں میں ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کی خواہش جوش مار رہی تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ انہیں جلائیں تو جلائیں کیسے۔ یہ بت شکن ہے توحید کی باتیں کرتا

ہے اسے دہکتی آگ کے شعلوں کی نذر کیا جائے۔ تاکہ ان کے دلوں کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہو سکے۔ صرف ایک چنگاری سے پورا شہر جل سکتا ہے۔ اس کے ہزاروں باسی خاکستر ہو سکتے ہیں۔ لیکن نہیں ابراہیم کے لئے شعلہ زن آگ چاہیے۔ ایندھن اکٹھا کیا جانے لگا۔ آج ابراہیم کو جلانے کے لئے لکڑیاں لانا سب سے بڑی نیکی تھی۔ بتوں کی قربت کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ حتیٰ کہ ایک مریضہ نے منت مانی کہ صحت یاب ہوئی تو شکرانے کے طور پر ابراہیم کو جلانے کے لئے بتوں کے حضور لکڑیاں پیش کرے گی۔

ایک مدت تک ایندھن جمع ہوتا رہا یہاں تک کہ لکڑیوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اور اب مزید لکڑیاں رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ ایک باڑ بنائی گئی اور اس کو آگ لگا دی گئی۔ آگ بھڑک اٹھی۔ تھوڑی دیر میں آگ پھیل گئی اور شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ انگار دہکنے لگے۔ گرمی کی حدت دور دور تک محسوس ہونے لگی۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کو حقارت اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے آگ کے حوالے کر دیا گیا۔ کافروں کے چہرے کھل اٹھے کہ بت شکن شعلوں کی نظر ہوا۔

ابراہیم کا دل ایمان و یقین کی دولت سے لبریز تھا۔ انہیں قدرت خداوندی پر کامل بھروسہ تھا۔ وہ مقام رضا پر فائز تھے انہیں نجات کی پوری امید تھی۔ اس لئے دہکتی آگ کے شعلوں کے سامنے بھی خندہ زن تھے۔ ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی تھی۔ حزن و ملال کا دل میں کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ بلکہ کھلے سینے اور مطمئن دل کے ساتھ آگ میں کود گئے۔

ابراہیم بھڑکتے شعلوں کے درمیان پہنچ چکے تھے۔ دھوئیں نے انہیں لوگوں کی نظروں سے چھپا لیا تھا۔ شعلے بلند سے بلند تر ہو رہے تھے۔ ان کی آواز پر شعلوں کے بھڑکنے کی آواز غالب آگئی تھی۔ لیکن آگ نے ابراہیم کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

جس رسی سے ابراہیم کے ہاتھ پاؤں بندھے تھے وہ جل چکی تھی ان کے ہاتھ پاؤں کھلے تھے اور وہ بالکل آزاد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آگ سے اس کی حدت چھین لی تھی اور اس کی تپش کو اٹھا لیا تھا۔ اور اس کے شعلوں سے ابراہیم علیہ السلام کو بچا لیا تھا یہ آگ آگ نہیں رہی تھی بلکہ ٹھنڈک اور سلامتی کا گہوارہ بن چکی تھی۔

جب آگ کی روشنی ماند پڑ گئی، دھواں چھٹ گیا اور حدت ختم ہو گئی تو تماشائی کیا دیکھتے ہیں کہ ابراہیم زندہ و سلامت ہیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں جل گئی ہیں اور وہ بالکل آزاد ہیں۔ ابراہیم کی اس حالت کو دیکھ لوگ متعجب ہو گئے اور ان کی نجات پر انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے غصے اور نفرت سے منہ پھیر لیا اور ندامت اور شرمندگی سے منہ چھپانے لگے۔

اس طرح ایک عظیم معجزہ اور صداقت کی بڑی علامت سامنے آگئی مشرکین جدل و تکرار میں اگرچہ غالب آگئے لیکن اپنی آرزوؤں کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہے۔ انہوں نے قوت و طاقت کا سہارا لیا لیکن ان کا کیا دھرے کا دھرا رہ گیا۔ انہوں نے آپ کو آگ میں جلانے کی ٹھانی لیکن اللہ کریم نے آگ سے اس کی طبیعت سلب کر لی۔ اور اس کی تپش کی تکلیف کو اپنے خلیل سے دور کر دیا۔ انہوں نے سازش کی لیکن اللہ نے ان کی سازشوں کو ناکام بنا دیا۔

لوگ یہ عظیم معجزہ دیکھ کر سکتے میں آگئے حتیٰ کہ لگتا تھا کہ وہ اپنی باگ ڈور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ تھما دیں گے اور اپنی قیادت آپ کے سپرد کر دیں گے۔ اور اس بات کے امکانات پر اکٹھے ہو جائیں گے اور صاد کر لیں گے۔ لیکن کچھ لوگوں نے زندگی کی راحت و آرام کو اور دنیاوی جاہ و حشمت کو چن لیا تو کچھ لوگوں نے اس ڈر سے آپ کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا کہ کافروں اور ملحدوں کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے بہت کم خوش نصیبوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ لیکن اہل ایمان بھی موت کے خوف اور مشرکین کی ایذا رسانیوں کے اندیشے سے ایمان کا اظہار نہ کر سکے۔

حضرت ابراہیم اور نمرود

جس نور کی چمک سے اہل "ار" کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئی تھیں اس نور کی ایک شعاع نمرود تک بھی پہنچ گئی۔ اور اس سیل بلاخیز کی ایک موج اس کے محل میں بھی داخل ہو گئی۔ ابراہیم علیہ السلام اور اس کے معجزے کی خبر اڑتی اڑتی اس تک پہنچی تو وہ یہ خبر سن کر آتش زیرپا ہو گیا اور جل بھن کر رہ گیا۔ کیا وہ اہل ار کے خداؤں میں سے ایک نہیں تھا۔ پھر کیوں ابراہیم ان کے معبودوں پر تنقید کی جرأت کر رہا تھا۔ کیوں وہ ان کی عبادت کو برا بتا رہا تھا؟

اس نے حکم دیا کہ فوراً ابراہیم کو حاضر کیا جائے۔ آپ علیہ السلام بغیر کسی خوف کے تشریف لے گئے۔ نمرود نے تیز نظروں سے آپ کو دیکھا اور پوچھا یہ تو نے کیا فتنہ کھڑا کر دیا ہے اور یہ کیسی آگ لگا دی ہے ؟ تو کس خدا کی طرف بلاتا ہے ؟ کیا میرے علاوہ بھی تیری نظروں میں کوئی خدا ہے ؟ کوئی ایسا ہے کیا جس کی عبادت کی جا سکے ؟ مجھ سے بڑا کون ہے ؟ کون مجھ سے زیادہ قدرت کا حامل ہے ؟ کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ میں ہی تمام امور میں تصرف کرتا ہوں۔ سارے فیصلے میری تدبیر سے انجام پاتے ہیں۔ حل و عقد کا سارا اختیار میرے ہاتھ میں ہے۔ یہاں میرا حکم نافذ ہوتا ہے۔ اور میرے فیصلے کے خلاف کسی کو دم مارنے کی اجازت نہیں۔ میں ہی لوگوں کا ملجا و ماویٰ ہوں روئے زمین پر کوئی میری مخالفت نہیں کر سکتا۔ کون میرے حکم سے سرتابی کی جسارت کر سکتا ہے ؟ آخر تجھے کیا ہوا؟ تو کیوں پوری دنیا کی مخالفت پر تل گیا ہے ؟ کیوں تو ان خداؤں سے روگرداں ہے ؟ تو کس خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہے ؟ ذرا بتا تو کون ہے وہ اللہ جس کی عبادت کی تو بات کرتا ہے ؟؟؟

ابراہیم علیہ السلام نے نہایت ہی اطمینان اور جچے تلے الفاظ میں جواب دیا:
میرا رب وہ ہے جو زندگی دیتا ہے اور روح چھین لیتا ہے۔ میرا رب وہ ہے جس کے بغیر نہ کوئی زندگی دے سکتا ہے اور نہ موت۔ وہی مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور عدم کی نیند سلاتا ہے۔ یہ کائنات رنگ و بو اسی کی صنعت گری ہے۔ اور ایک دن اسی کے ایک کلمہ کن سے یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ یہ جواب سن کر نمرود ساکت و صامت ہو گیا گویا اس

دلیل قاطع نے اس سے قوت گویائی سلب کر لی ہو لیکن نمرود کو اس کی عزت و توقیر نے گناہ پر مائل کر دیا۔ وہ بڑائی میں آگیا اور باطل طریقے سے بحث و تمحیص شروع کر دی۔ کہنے لگا میں ایک شخص کو معاف کر کے اسے زندگی دے سکتا ہوں اور اسے پھانسی کا حکم ہو جانے کے باوجود زندگی سے ہمکنار کر سکتا ہوں۔ جس بدنصیب پر زندگی کے دروازے بند ہو چکے ہوتے ہیں اور متاع حیات کے چھن جانے پر حسرتوں سے دل ریزہ ریزہ ہو چکا ہوتا ہے میرے لب ہلتے ہیں اور وہ زندگی کی پر کیف ہواؤں میں سانس لینے لگتا ہے۔ اسی طرح میں جسے چاہتا ہوں حکم دیکر مروا دیتا ہوں۔ میرے اشارے پر اس کی روح اس کے جسم سے الگ کر دی جاتی ہے اور وہ زندگی سے محروم ہو جاتا ہے۔ تیرا رب کوئی انوکھا کام تو نہیں کرتا۔ وہ مارنے اور زندہ کرنے میں مجھ سے زیادہ طاقت تو نہیں رکھتا۔

نمرود بحث و مباحثہ میں فریب اور چالاکی دکھانے لگا۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے خلق پیدائش اور موت و زندگی کی بات کر کے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ لیکن وہ بڑا چالاک تھا چپ نہ رہا اور دجل و فریب کا سہارا لینے لگا۔ لیکن یہ جاہل مغرور کہاں تک بھاگتا۔ نبوت کے عزم صمیم کا سامنا کوئی آسان کام تو نہیں تھا۔

ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: سورج اللہ کے حکم کا پابند ہے۔ رب قدیر نے اس کے لئے ایک نظام مقرر کیا ہے۔ وہ اس نظام سے ذرا برابر بھی ادھر ادھر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے۔ اگر تو قدرت کا دعوے دار ہے اور اپنی خدائی کا تجھے زعم ہے تو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام میں ذرا سی تو تبدیلی کر دکھا۔ وہ اسے مشرق سے طلوع کرتا ہے۔ تو مغرب سے طلوع کر کے دکھا۔

یہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ کیوں کہ اسے اپنی گمراہی کا یقین ہو گیا تھا۔ اس پر اپنا کذب و افتراء واضح ہو گیا تھا۔ اس پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی تھی کہ علم نبوت کے سامنے وہ جاہل مطلق ہے۔ حجت بالغہ نے اس سے قوت سماعت چھین لی تھی۔ اور معجزہ الٰہی نے اس کے ہونٹوں پر مہر خاموشی ثبت کر دی تھی۔ وہ لرز اٹھا کہ بادشاہت چھن نہ جائے اور ملک کی بنیادیں کھوکھلی نہ ہو جائیں۔ اب ابراہیم علیہ السلام اس کی نظروں میں دنیا بھر کے انسانوں سے زیادہ ناپسندیدہ اور سب سے بڑا دشمن تھا۔ سوچا۔

اب اس مصیبت سے بچ تو کیسے بچے۔ ابراہیم جو نیا دین لایا ہے اس کی سچائی وہ ایک واضح معجزے سے ثابت کر چکا ہے۔

نمرود کے دل و دماغ پر ابراہیم ہمہ وقت چھائے ہوئے تھے۔ وہ خوف زدہ تھا کہ کہیں ابراہیم اس کے ملک کی اینٹ سے اینٹ نہ بجادیں اور اس کی حکومت کا خاتمہ کر ڈالیں۔ نمرود کو ڈر تھا کہ اگر وہ علانیہ دشمنی شروع کر دے اور اپنی نفرتوں کا اظہار کر دے تو اسے نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس لئے اس نے تعرض نہ کیا۔ اور مناسب حالات کا انتظار کرتا رہا۔ وہ اس تاک میں تھا کہ اس پر ہاتھ ڈالنے کا کوئی مناسب موقعہ مل جائے۔ اس نے پورے ملک میں جاسوسوں کا جال بچھادیا۔ جاسوسوں کو حکم دیا کہ لوگوں کو ابراہیم کی اطاعت سے روکیں اور انہیں اس کے قریب نہ جانیں دیں۔ ابراہیم علیہ السلام قوم کے رویہ سے بہت پریشان تھے۔ وہ بت پرستی کی اس وادی میں گھٹن محسوس کر رہے تھے وہ اب زیادہ دیر تک ٹھہرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے ہجرت کی ٹھان لی۔ اس بنجر زمین کو خیرباد کہنے کا ارادہ کر لیا جس سے اگنے والی نباتات پر کلیاں نہیں کھلتیں۔ اور جس کے درخت بار آور نہیں ہو سکتے۔ آپ نے اپنے دین کی خاطر رخت سفر باندھا اور ایک ایسی سرزمین کی راہ لی جس میں دعوت کے پروان چڑھنے کے امکانات موجود تھے۔ جہاں دعوت وارشاد کے پودے پھل پھول سکتے تھے اور ان کا بویا پھل دے سکتا تھا۔ اذن خداوندی کے بعد آپ نے اپنا وطن اور اپنی قوم کو الوداع کہہ دیا کیونکہ ہدایت آچکنے کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائے تھے اور معجزات کے ظہور کے باوجود بھی وہ انکار کی راہ پر چلتے رہے تھے۔ آپ محو سفر رہے حتی کہ سرزمین فلسطین میں آکر اترے۔

"ابراہیم ایک مقالمہ کی صورت میں اپنی قوم کی رہنمائی فرماتے ہیں"

ابراہیم علیہ السلام اپنے ملک اور قوم کو چھوڑ کر دین کی خاطر نکلے اور حران میں ڈیرے ڈال دیے۔ شاید کہ دوسرے ملک اور غیر قوم کے یہ لوگ ان کی بات کو غور سے سنیں۔ ان کے پیغام پر سنجیدگی سے غور کریں اور تعصب وہٹ دھرمی سے الگ تھلگ ہو کر حق کو پہچاننے کی کوشش کریں۔ آپ علیہ السلام اہل حران میں رہنے

لگے۔ چند دنوں میں ہی ان پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ یہاں کہ لوگ بھی گم کردہ راہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ستاروں کی پوجا کرتے ہیں۔ آپ نے انہیں اس خطاء پر تنبیہ کرنے کی ٹھان لی۔ اور انہیں یہ بات بتانے کا ارادہ کر لیا کہ ان کا عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ آپ نے اس مقصد کے لئے فکر و نظر کا راستہ اختیار کیا۔ انہیں دعوت غور و فکر دی تاکہ حق و صداقت کی راہ ان پر واضح ہو جائے اور رشد و ہدایت کی منزل کی طرف چل نکلیں۔ وہ ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر آپ کی آواز کو غور سے سنیں اور آپ کی دعوت کی اتباع کر سکیں۔

جب رات ہو گئی۔ ہر سو اندھیرا چھا گیا تو آپ نے سر مبارک اٹھا کر اس ستارے کو دیکھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے ارد گرد کھڑے لوگوں کو دعوت فکر دیتے ہوئے ان کے نظریے کو دُہرایا اور فرمایا "یہ میرا خدا ہے"

اس طرح کی باہمی گفتگو میں بھی ایک حکمت تھی۔ آپ نے ان کے عقائد کے بارے نہایت حکیمانہ اور مدبرانہ طریقہ سے گفتگو شروع کر دی۔ آپ نے ان سے اختلاف نہ کیا۔ انہیں کم عقلی کا طعنہ نہ دیا اور نہ ہی ان کے خداؤں کی تنقیص شان کی۔ جب آپ نے یہ فرمایا کہ یہ میرا خدا ہے تو لوگ ہمہ تن گوش ہو گئے۔ اور آپ کی بات کی طرف توجہ مبذول کر دی۔ آپ نے جب انہیں متوجہ پایا تو فوراً اصل مقصد کی طرف آئے اور ان کی سفاہت اور بد عقیدگی کو بیان کرنا شروع کیا۔ لیکن ایسے مخفی طریقے سے کہ وہ ان باطل عقائد سے دور ہو جائیں اور ان کی آنکھیں کھل جائیں۔ جب یہ ستارہ غروب ہو گیا اور افق کے نیچے غائب ہو گیا۔ تو آپ نے اسے دیکھنے کی کوشش کی لیکن اسے نہ پایا' اسے تلاش کیا اور نہ دیکھا تو فوراً بول اٹھے : میں ایسے خدا کو پسند نہیں کرتا جو ایک حالت میں نہیں رہ سکتا' کبھی وہ ادھر نظر آتا ہے تو کبھی ادھر۔ پھر ان کے بتوں کو ان مشرکین پر پیش کیا اور ان کا خوب بطلان کیا۔ اور اعلان کیا کہ میں ان خداؤں کو ناپسند کرتا ہوں اور ان کی محبت سے بری ہوں۔

چاند طلوع ہو رہا تھا۔ اس کی روشنی اس ستارے کی روشنی سے کہیں زیادہ تھی۔ وہ حجم میں بھی نسبتاً بہت بڑا تھا۔ اور لگتا تھا کہ اس کے فائدے اور منافع بھی زیادہ ہونگے تو فرمایا: "یہ میرا رب ہے" مقصد یہ تھا کہ انہیں آہستہ آہستہ قریب لایا جائے

اوران کے دلوں کو ٹٹول کر بیماری کا صحیح علاج کیا جائے۔

جب یہ چاند بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا روشنی ماند پڑ گئی اور ہر سو اندھیرا چھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

لَئِنۡ لَّمۡ یَهۡدِنِیۡ رَبِّیۡ لَاَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّیۡنَ

"اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا رب تو ضرور ہو جاتا میں بھی اس گمراہ قوم سے" (الانعام: ۷۸)

یہ اس حقیقت کا بیان تھا کہ صرف خدائے واحد ہی ہدایت کا سرچشمہ ہے اور صرف اسی کی توفیق سے ہی شک وارتیاب کے اندھیرے چھٹ سکتے ہیں۔

جب آپ نے دیکھا کہ بتوں کی تنقیص سن کر یہ بالکل خاموش ہیں اور اس تحقیر اور لعن طعن پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کر رہے تو آپ نے اس سے بھی زیادہ فصیح وبلیغ اسلوب اختیار کیا۔ اور ظاہر یہ کیا کہ گویا ان کا دل مطمئن نہیں وہ تذبذب کا شکار ہیں اور ابھی حق کی راہ اس کو نصیب نہیں ہوئی۔ اور وہ نہیں جانتا کہ رشد وہدایت کا راستہ کونسا ہے آپ علیہ السلام نے جان بوجھ کر دعا کرنا شروع کر دی کہ الٰہی مجھے اس گمراہی سے بچا اور اس تاریک رات کو میرے لیے روشن کر دے۔ یہ خدا جن کی یہ عبادت کرتے ہیں بے وقعت مخلوق ہے جو نہ اپنے نفع کی مالک ہے اور نہ نقصان کی۔

سورج طلوع ہوا۔ اس کا نور چمکنے لگا اور اس کی شعاعیں پھیلتی چلی گئیں۔ ہر طرف حسن وجمال بکھر گیا زمین زندگی اور رونق سے معمور ہو گئی۔ سورج کی روشنی نے کائنات کے کونے کونے میں نور وضیاء کی چادر سی پھیلا دی تھی۔ آپ نے اسے دیکھا تو فرمایا "یہ ہے میرا رب"۔ یہ تمام کواکب سے بڑا ہے' سب سے زیادہ نفع بخش اور سب سے زیادہ شان کا مالک ہے۔ جب وہ بھی دوسرے کواکب کی طرح غروب ہو گیا اور ان لوگوں سے چہرہ چھپا لیا جو اسے خدا کا ساجھی یقین کرتے تھے اور اس وجہ سے کفر میں مبتلا ہو کر رہ گئے تھے تو آپ نے فرمایا۔ میں تمہاری ان مشرکانہ باتوں سے بری ہوں۔ یہ سیارے جو کبھی ایک جگہ تو کبھی دوسری جگہ کبھی کس حال میں ہیں تو کبھی کس حال میں۔ ان سیارگان کا کوئی خالق ضرور ہوگا۔ ان کے پیچھے کوئی ذات ضرور ہے جو انہیں چلا رہی ہے اور ان کے لئے نظام مقرر کر رہی ہے۔ کوئی خدا ضرور ہوگا جو انہیں طلوع کرتا

ہے اور حرکت عطا کرتا ہے۔ یہ معبود نہیں ہو سکتے۔ یہ بزرگی کے مستحق نہیں بن سکتے۔ ان کی تعظیم روا نہیں ہو سکتی۔ ان کے الہٰوں سے اعراض اور ان کے معبودوں سے برأت کا اعلان کر کے آپ نے اس معبود حقیقی کے متعلق بات شروع کر دی جو اکیلا ہی عبادت اور خضوع و خشوع کے لائق ہے۔ فرمایا۔

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝

"بیشک میں نے پھیر لیا اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو یک سو ہو کر۔ اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے" (الانعام: ۸۰)

آپ کے اس طرح پینترہ بدلنے سے وہ سٹپٹا گئے اور آپ کی دعوت پر آپ سے جھگڑنے لگے۔ انہیں امید تھی کہ شاید یہ ان کا ہم خیال ہو جائے اور اپنے نظریات کو چھوڑ کر ان کے نظریے کو قبول کر لے۔ آپ نے فرمایا تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کے بارے جھگڑتے ہو حالانکہ اللہ نے مجھے تو سیدھی راہ دکھادی ہے اور طریق قویم کی طرف میری رہنمائی کر دی ہے۔

انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ڈرایا کہ خبردار ہمارے خداؤں کی پکڑ میں آجاؤ گے۔ ان کی مخالفت سے تمہارا نقصان ہو جائے گا۔ اگر تم اسی طرح ان کی عبادت سے انکار کرتے رہے تو مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ لیکن آپ نے ان کی نصیحت پر کوئی توجہ نہ دی اور انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ آپ حیران تھے کہ یہ مجھے ایسی چیزوں سے ڈرا رہے ہیں جن میں نقصان کا خدشہ تک نہیں۔ نہ انہیں نفع کی طاقت اور نہ نقصان کی سکت۔ اور حیرانی ہے کہ وہ خدا کے ساتھ بتوں کو بغیر کسی دلیل کے شریک کر کے خوف زدہ نہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ خود اللہ سے ڈرتے اور اس کے عذاب سے بچنے کی کوشش کرتے۔ کیونکہ یہی تو سب سے بڑے گناہ میں مبتلا ہیں۔ سب سے بڑے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ لیکن الٹا یہ مجھے ڈرا رہے ہیں کہ بت نقصان دیں گے۔ ایسے عقل کے اندھوں کی سزا یہ ہے کہ وہ جہنم رسید ہوں۔ جو کہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام مصر میں

قحط سالی نے ڈیرے ڈال دیئے اور ہر طرف ویرانی ہی ویرانی نظر آنے لگی۔ شام کی سرزمین میں زندگی کی راہیں تنگ ہو گئیں تو ابراہیم علیہ السلام نے مصر کی طرف رختِ سفر باندھ لیا۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ بھی آپ کے ساتھ تھی۔ جن دنوں آپ مصر پہنچے تو عنان حکومت ایک عمالقی عرب کے ہاتھ میں تھی جس کا خاندان ایک عرصے سے اس ملک کا انتظام و انصرام سنبھالے ہوئے تھا۔ یہ خاندان مطلق العنان تھا اور ان کی حکومت کا رنگ آمرانہ تھا۔

حضرت سارہ حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھیں۔ کسی بدمعاش درباری نے بادشاہ کے سامنے حضرت سارہ کے حسن و جمال کی چغلی کھائی اور بہت تعریف کی۔ اس بد طینت نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ وہ سارہ کو حرم میں داخل کر لے۔ بادشاہ کو یہ مشورہ پسند آیا اور اس نے حضرت سارہ کو بیوی بنانے کی ٹھان لی۔ ابراہیم علیہ السلام کو بلایا گیا۔ آپ دربار میں تشریف لائے۔ بادشاہ نے پوچھا اے جوان تمھارے ساتھ جو خاتون ہے اس کا تمھارے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ ابراہیم معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے۔ اور اندازہ لگا لیا کہ بادشاہ کیا چاہتا ہے۔ سوچا اگر میں نے سچی بات بتا دی کہ سارہ میری بیوی ہے تو بادشاہ سر قلم کر دے گا اور اس طرح راہ صاف کر کے سارہ کو حرم میں داخل کر لے گا۔ اسی خدشے سے آپ نے (توریے سے کام لیتے ہوئے) فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ ظاہر ہے سارہ دینی' لسانی اور انسانی حوالوں سے ابراہیم کی بہن تھیں۔ بادشاہ کو جب یقین آ گیا کہ سارہ کنواری ہے تو حکم دیا کہ اسے محل میں بادشاہ کے خاص کمرے میں پہنچایا جائے۔ حضرت ابراہیم اپنی بیوی حضرت سارہ کے پاس آئے اور انہیں ساری کہانی سنا دی۔ آپ نے حضرت سارہ سے یہ بھی فرمایا کہ وہ بھی ہاں میں ہاں ملا دیں اور اللہ پر بھروسہ کریں اللہ پاک خود ان کی عفت و عصمت کی حفاظت فرمائے گا۔ اور خود ہی ان کی امانت کو داغدار ہونے سے بچائے گا۔

حضرت سارہ محل میں پہنچ گئیں۔ خلعت فاخرہ زیب تن کر دی گئی' قیمتی زیورات پہنا دیے گئے۔ لیکن سارہ نے لباس فاخرہ اور چمکتے موتیوں کی طرف کوئی

دھیان نہ دیا۔ اردگرد بے بہا نعمتیں تھیں۔ لعل وجواہر بکھرے تھے لیکن کسی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔ اللہ کے نبی کی وفاؤں کو بھلانا آسان تو نہ تھا۔ دین سے بے زاری ممکن ہی نہ تھی۔ حزن وملال کی تصویر بنی بیٹھ گئیں۔ سب سے الگ' سب عورتوں سے دور۔

بادشاہ کمرے میں آیا تو آپ کو مغموم اور محزون پایا۔ بہت کوشش کی کہ ان کے دل سے غم کا بوجھ ہٹ جائے اور وہ خوش ہو جائیں۔ لیکن بے سود ادھر ادھر کی باتوں سے دل بہلانا چاہا لیکن آپ نے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ بادشاہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ بہت پریشان تھا اور اپنے دل ہی میں انجانا خوف محسوس کر رہا تھا۔ وہ دوبارہ لوٹا کہ سارہ کو تسلی دے اور اسے سمجھانے کی کوشش کرے لیکن اضطراب اور پریشانی نے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔ سارہ کے متعلق اسے طرح طرح کے خیال آرہے تھے۔ اسی اضطراب اور پریشانی میں وہ بستر پر لیٹ گیا اور فوراً ہی اسے نیند نے دبوچ لیا۔ اس نے ایک خواب دیکھا اس پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ سارہ شادی شدہ ہے۔ اور ابراہیم کی بہن نہیں بلکہ بیوی ہے۔ اور اسے آگاہ کر دیا گیا کہ یہ ایک نبی کی اہلیہ محترمہ ہے اس کی راہ روکنا ہلاکتوں کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ وہ اسے جانے دے اور اسے اذیت نہ پہنچائے۔

بادشاہ جب نیند سے بیدار ہوا تو سوچا سارہ کو آزاد کرنا ہو گا۔ اپنی ایک لونڈی ہاجرہ ان کے ساتھ کی اور انہیں حضرت ابراہیم کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ ا؎

یہ ایک بہت بڑا امتحان اور بہت بڑی آزمائش تھی۔ اس سے بڑے امتحان اور آزمائش کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ایک شخص مسافر ہے۔ رزق کی تلاش میں دوسرے ملک جاتا ہے۔ اس سے اس کی بیوی چھین لی جاتی ہے اور دونوں میں جدائی کر دی جاتی ہے۔ لیکن جس ذات نے آگ سے ابراہیم کو نجات دی تھی۔ جس نے شعلوں سے ان کی حدت چھین لی تھی وہ یہ سب ماجرہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے آج پھر اپنے بندے کو شرمندگی سے محفوظ رکھا اور ظلم وتعدی سے اسے بچالیا۔

ابراہیم علیہ السلام مصر میں رہے جتنا اللہ کو منظور تھا۔ آپ حلم وبردباری خوش خلقی نرم مزاجی اور مہمان نوازی جیسے خصائل حمیدہ سے متصف تھے۔ اللہ نے آپ کو محنت کرنے کا سلیقہ بھی عطا کر رکھا تھا۔ ان اوصاف حمیدہ کی وجہ سے روز بروز

رزق میں فروانی آنے لگی۔ مویشی بڑھتے گئے اور ریوڑ پر ریوڑ بنتے گئے۔ ان کی خوش خلقی اور امارت کی دھوم مچ گئی۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک پردیسی کو اس قدر مقبولیت حاصل ہو۔ آپ کے خلاف سازشوں کے جال بچھنے لگے۔ اور قدم قدم پر تکلیفوں کے پہاڑ کھڑے کر دیے گئے۔ آخر آپ نے یہاں سے کوچ کا ارادہ فرمالیا۔ اور فلسطین کی راہ لی۔ یہ وہی مقدس سرزمین تھی جسے اس سے قبل بھی آپ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا تھا۔ اور ایک عرصہ تک جہاں قیام فرمایا تھا۔ آپ اپنے مویشی لیکر محو سفر ہوئے حتی کہ سرزمین فلسطین میں پہنچ گئے اور ہمیشہ کے لئے اسے وطن بنالیا۔

حواشی

(حضرت ہاجرہ' حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہیں۔ آپ مصر کے بادشاہ کی لونڈی نہیں بلکہ بیٹی ہیں) ان کا عبرانی نام "ہاغار" ہے فرعون مصر نے حضرت سارہ کی کرامت دیکھ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ میری بچی اس پاکیزہ عورت کی خدمت میں رہے گی۔ اس کی بادشاہ زادی کی حیثیت سے کسی دوسرے گھر میں رہنے سے بہتر ہے کہ وہ اس خاندان میں خادمہ کی حیثیت سے رہے۔ ھبہ کے بعد آپ کا نام آجر ٹھہرا پھر جب اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد انہیں وادی غیر ذرع میں تنہا چھوڑ دیا گیا تو ان کا اسم گرامی ہاجرہ (تنہاء چھوڑی ہوئی) پڑا۔ (رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان) یہودیوں کے نزدیک بھی حضرت ہاجرہ لونڈی نہیں بلکہ آزاد فرعون مصر کی بیٹی ہیں کتاب پیدائش باب ۱۶ کی تفسیر میں تورات کا مشہور مفسر ابی شلو مو اسحٰق لکھتا ہے (ترجمہ) وہ فرعون کی بیٹی تھی جب اس نے کرامات کو دیکھا جو بوجہ سارہ واقع ہوئی تھیں تو کہا کہ میری بیٹی کا اس گھر میں خادمہ ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے"
(براھین باہرہ فی حدیثۃ ہاجرہ مولوی غلام رسول چڑیا کوٹی)

حدیث پاک میں فاحدمھا ہاجر کے الفاظ لونڈی پر دلالت نہیں کرتے بلکہ خدمت کے لیے آتے ہیں۔ علمائے اسلام نے ان کی یہی توضیح بیان کی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے اسی مفہوم کی ایک حدیث صحیح بخاری کتاب الہبہ حضرت ابو ہریرہ (صحیح بخاری عن ابن عباس کتاب الانبیاء) سے بھی مروی ہے۔ اس میں بھی اس مفہوم کی نشاندہی ہوتی ہے۔

"سیدنا اسماعیل علیہ السلام"

ہجرت فلسطین کے وقت آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ اور ان کی خادمہ حضرت ہاجرہ بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ مصر سے آپ بہت سے اونٹ اور مال و متاع ساتھ لائے تھے۔ آپ اپنے اہل و عیال میں اور اپنے پیرؤں میں خوشی خوشی رہنے لگے۔ سارہ بانجھ تھیں۔ ان کے ہاں کوئی بچہ نہ ہوا۔ اسی وجہ سے آپ غمگین رہتی تھیں۔ سوچتی کہ وہ اپنے وفادار خاوند کو اولاد جیسی نعمت نہیں دے سکیں۔ اور اب تو عمر کے اس حصے میں پہنچ گئی ہیں جہاں بچوں کی امید نہیں رہتی۔ یہ عمر یاس تھی۔ اس لئے آپ نے اپنی خادمہ حضرت ہاجرہ ابراہیم کو ھبہ کر دی کہ وہ ان سے اولاد پیدا کرے۔ ہاجرہ بہت وفادار' فرماں بردار اور امانت دار خاتون تھیں۔ سارہ نے سوچا کہ ممکن ہے ہاجرہ کے بچہ ہو جائے جو میاں بیوی کی زندگی میں روشنی بھر دے اور تنہائی اور وحشت میں خوشی اور مسرت کا اجالا پھیلا دے۔

ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا اور ہاجرہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

کچھ عرصہ بعد ہاجرہ کے بطن مبارک سے ایک خوبصورت بچہ پیدا ہوا۔ یہ بچہ تاریخ کے صفحات پر اسماعیل کے نام سے مشہور ہوا۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام

کی پیدائش ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ بچے کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے لگے۔ شاید ان خوشیوں میں سارہ نے بھی ابراہیم علیہ السلام کا ساتھ دیا اور انہیں مبارک باد پیش کی۔ لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کے سارہ کے دل میں غیرت کا جذبہ جاگ اٹھا۔ بلکہ ذہن میں حزن و ملال کی آندھیاں برپا ہو گئیں۔ اور قلق و اضطراب بڑھتا چلا گیا۔ سارہ آرام و سکون سے محروم دکھائی دینے لگیں۔ دل ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گیا۔ غم و اندوہ کے بادلوں نے دل کو گھیر لیا۔ اب تو وہ بچے کو ایک نظر دیکھ بھی نہیں سکتی تھیں انہیں ہاجرہ سے بھی نفرت سی ہو گئی تھی۔ وہ انہیں دیکھ بھی نہیں سکتی تھیں۔ سارہ غم و اندوہ کی تصویر بن کر رہ گئیں۔ حسرتوں اور مایوسیوں نے دل میں ڈیرے ڈال دیے۔ حزن و ملال حد سے بڑھ گیا۔ اس بیماری کا علاج سارہ کے نزدیک کچھ نہ تھا۔ ان کی نظروں میں اس بیماری سے شفایابی کا کوئی امکان نہ تھا۔ اگر علاج تھا تو صرف یہ کہ اسماعیل اور ان کی والدہ کو دربدر کر دیا جائے۔ ان ماں بیٹوں کو اس کی آنکھوں سے دور کر دیا جائے۔ سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ انہیں دور کسی ایسی جگہ پر جا کر چھوڑ آئے۔ جہاں سے ان کی آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ اور انہیں دیکھ کر اپنی آنکھوں میں تنکا سا محسوس نہ کر سکے۔

ابراہیم علیہ السلام نے یہ مطالبہ مان لیا۔ شاید اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو وحی کر دی تھی کہ سارہ کی بات مان لیں۔ اور اس کی یہ تمنا پوری کریں۔ ابراہیم علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہوئے' ہاجرہ اور اسماعیل کو ساتھ لیا۔ اور ارشاد خداوندی اور ہدایت الٰہی کی رہنمائی میں چل پڑے۔ اس سواری کی حدی خوان عنایت ربانی تھی یہ مختصر مگر مقدس قافلہ کئی دن تک سفر کرتا رہا۔ راستہ پر پیچ اور لمبا تھا۔ حضرت ابراہیم کی سواری وہاں آکر رک گئی جہاں اب بیت اللہ شریف کی عمارت ہے۔ ہاجرہ اور اسماعیل اس بے آب و گیاہ میدان میں اتر پڑے۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اس ویرانے میں چھوڑ دیا کمزور عورت اور ایک چھوٹا سا معصوم بچہ۔ ہاتھ میں کچھ نہیں۔ نہ کھانے کے لئے کھانا اور نہ پینے کے لئے پانی۔ صرف ایک تھیلی میں تھوڑا سا کھانا ہے اور مشک میں تھوڑا سا پانی۔ اگر ان کے پاس کچھ تھا تو دولت ایمان تھی جس سے ان کے دل آباد تھے۔ انہیں

کسی چیز کی کوئی پرواہ بھی نہ تھی کیونکہ دل عشق الٰہی کی آماجگاہ بن چکے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور اسماعیل کو اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر چھوڑ کر وطن واپس آگئے۔ ہاجرہ نے ابراہیم علیہ السلام کو واپس لوٹتے دیکھا تو دوڑ کر ان کا دامن تھام لیا پھر گھوڑے کی لگام تھام کر عرض کرنے لگیں: ابراہیم یہ بے رخی کیوں۔ ہمیں اس ویرانے کے حوالے کر کے کیوں جارہے ہیں؟؟

ہاجرہ نے اسماعیل کی طرف اشارہ کیا اور عرض کی کہ میرے لئے نہیں تو اپنے اس معصوم اسماعیل کے لئے ہمیں ساتھ لے چلو اور اپنے سے دور نہ کرو۔

ابراہیم! ایک کمزور وناتواں عورت اس لق ودق صحراء میں قاتل بھوک اور موت کے مترادف پیاس کا کیسے مقابلہ کر سکے گی۔ کون اس کا پرسان حال ہوگا۔ وہ کس طرح اپنے بچے کو بھوک اور پیاس سے تڑپتا دیکھ پائے گی۔ بڑی آہ وزاری سے ابراہیم علیہ السلام کے جذبہ پدری کو ابھارنا چاہا۔ پھر رحمت طلب نظروں سے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور پوچھا۔ مجھے بھیڑیوں سے کون بچائے گا؟ کون درندوں کے حملوں سے میری حفاظت کرے گا۔ یہاں تو کوئی سایہ بھی نہیں۔ ہم ماں بیٹا سورج کی قیامت خیز گرمی کا کیسے مقابلہ کریں گے؟ کیسے وہ موسم کی چیرہ دستیوں کا سامنا کریں گے؟ ہاجرہ نے اشکوں کے نذرانے ابراہیم کے پاؤں پر لٹادیے۔ اور اس قدر روئیں کہ پتھروں کے دل بھی پاش پاش ہونے لگے۔ ہاجرہ کو امید تھی کہ وہ ان کی حالت زار پر ضرور ترس کھائیں گے اور ان کی درخواست کو منظور کر لیں گے۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام نے ان کی آہ وبکا پر کوئی توجہ نہ دی اور ان کی دل دوز چیخوں کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اب ہاجرہ سمجھ گئیں کہ یہ سب امر خداوندی ہے اور ابراہیم کی خاموشی اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ لہذا اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہی کرنا پڑے گا اور اس کے حکم کو بجا لانا ہوگا۔ جب انہیں یقین آگیا کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی ہے تو وہ خاموش ہوگئیں اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا لیا۔ اور اللہ کی رحمت اور بھروسہ پر بیٹھ گئیں۔ انہیں یقین تھا کہ اللہ کریم ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔

ادھر ابراہیم نے گھوڑے کو ایڑ لگادی اور اس ٹیلے سے ادھر نکل گیا۔ انہیں خوف تھا کہ کہیں جذبہ پدری پاؤں کی زنجیر نہ بن جائے۔ ہاجرہ اور اسماعیل کا خیال آتا تو

خود بخود گھوڑے کی لگام پر گرفت مضبوط ہو جاتی لیکن ایمان اور اللہ پر ایقان پھر مہمیز کا کام دیتے آپ اس صحراء کو پیچھے چھوڑتے ہوئے نکلتے چلے گئے۔ ابراہیم کا دل سوز عشق اور غم محبت سے کرچی کرچی ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ اسماعیل کو بے آب و گیاہ صحراء کی ہلاکتوں کے حوالے کر چکے تھے۔ اپنی اس بیوی کو اپنے آپ سے الگ کر کے آرہے تھے جس نے زندگی میں ان سے کمال وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔ جس نے ابراہیم کی آنکھ میں اس وقت سرمہ لگایا تھا جب وہ بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی زندگی کی بہاریں بیت چکی تھیں۔ جدائی کی یہ آگ تیز سے تیز ہوتی گئی اور آنسو کانٹا بن کر گلے میں اٹک گئے لیکن ابراہیم اللہ کے فرمانبردار بندے تھے۔ انہیں نبوت کی دولت سے نوازا جا چکا تھا۔ انہیں ان مصائب پر صبر کرنا تھا اور قضاو قدر کے ان فیصلوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرنا تھا۔ اس لئے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور اپنے وطن کو چل دیئے۔ وہ دور صحراؤں اور ویرانوں میں اپنے جگر کا ٹکڑا چھوڑ آئے تھے۔ ان کی زبان پر یہ دعا تھی۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ یَشْکُرُوْنَ

"اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لیے تاکہ وہ قائم کریں نماز پس نرم کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں"۔ (ابراہیم: ۳۷)

بئر زمزم

ہاجرہ نے اللہ تعالیٰ کے اس اٹل فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا اور صبر جمیل سے کام لیا۔ جو کچھ پاس تھا اسے تناول فرماتی رہیں اور مشک کے پانی سے پیاس بجھاتی رہیں۔ حتی کہ تھیلے میں جو تھوڑی سی خوراک تھی ختم ہو گئی اور مشک میں پانی بھی نہ رہا۔ کچھ دنوں بعد بھوک سے نڈھال ہو گئیں اور شدت پیاس سے حلق خشک ہو گیا۔ لیکن یہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ بھوک اور پیاس کو صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ اور اس وقت تک اسی جگہ ٹھہری رہیں جب تک چھاتی میں دودھ کی ایک بوند بھی موجود رہی۔ مگر کب تک۔ چھاتی کا دودھ بھی خشک ہو گیا۔ اسی دودھ پر تو اسماعیل کی زندگی کا دارومدار تھا۔ نہ دودھ ہے اور نہ پانی کی ایک بوند کہ بچے کے ہونٹ تر کر سکیں۔ بچہ بھوک اور پیاس سے بلک اٹھا۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔ وہ چیخنے لگا اور لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اسے دیکھ کر ماں کا کلیجہ منہ کو آنے لگا اور آنسو رخساروں پر بہنے لگے۔ لگتا تھا کہ ہاجرہ شاید آنسوؤں سے بچے کی پیاس بجھانا چاہتی ہیں اور پیاس کی ہلاکت خیزیوں کا مداوا کرنا چاہتی ہیں لیکن ایسا ممکن نہ تھا۔

مشک کو الٹا کیا کہ شاید کوئی ایک قطرہ پانی کا دستیاب ہو تو بچے کے ہونٹ تر کر لے لیکن نہیں۔ مشک کا چمڑہ بھی شدت گرمی سے خشک ہو چکا تھا۔ وہ بچے کو یوں تڑپتا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ وہ اسے آنکھوں کے سامنے مرتا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ انہوں نے بچے کو تڑپتے بلکتے۔ چھوڑ دیا اور جدھر منہ آیا چل پڑیں۔ وہ کہیں بھاگتیں اور کہیں تیز تیز قدموں سے چلتیں۔ بچے کی بھوک اور پیاس نے ان کے دل میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اسماعیل کی آہ و بکا نے ان کے جگر کو پاش پاش کر دیا تھا۔

پانی کی تلاش شروع کر دی۔ کھانے کی جستجو میں نکل کھڑی ہوئیں۔ اسی تلاش و جستجو میں صفا پہاڑ کی چوٹی پر پہنچیں، پھر گھبرا کر اور ڈر کے مارے کہ نور نظر اکلوتے کو کوئی گزند نہ پہنچے مروہ کی طرف لوٹیں۔ مروہ کے نزدیک پانی نظر آیا۔ دوڑیں لیکن پانی نہیں تھا بلکہ سراب تھا۔ پھر پہلے ہدف کی طرف لوٹیں۔ پھر وہاں سے دوسرے ہدف کو ہولیں۔ اس طرح صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔ بچہ چیختا

رہا، چلاتا رہا۔ بچے کی چیخ و پکار سے ہاجرہ کا کلیجہ شق ہوا جاتا تھا اور دل کی گہرائیوں میں یہ چیخیں آہوں میں بدلتی جاتی تھیں۔

اے میرے پالن ہار رحم کر! اس معصوم کا تو اب حلق بھی خشک ہو گیا ہے شدت پیاس سے اب تو اس کی آواز بھی مدہم پڑ گئی ہے۔ بھوک کی شدت نے اس کی رہی سہی قوت بھی ختم کر دی ہے۔ اب تو اس کی سانسیں بھی اٹک اٹک کر آ رہی ہیں۔ ذرا تصور کیجئے۔ ایک ماں اپنے اکلوتے بیٹے کو آخری سانس لیتے ہوئے دیکھ رہی ہے۔ وہ تڑپ تڑپ کر جان دے رہا ہے۔ لیکن وہ پاس بیٹھی ہے سوائے آنسو بہانے کے کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ کوئی یار و مددگار نہیں۔ کوئی نہیں جو تسلی کے دو حرف کہہ سکے۔ بچہ اب زمین پر ایڑیاں رگڑنے لگتا ہے۔ اور پتھریلی زمین پر پاؤں کی ہلکی ہلکی ٹھوکریں پڑتی ہیں۔ شاید کہ یہ پتھر اس کی حالت زار دیکھ کر نرم ہو جائیں جبکہ کسی انسان کا دل نہیں پسیجا۔ ہو سکتا ہے ان چٹانوں کو رحم آ جائے جبکہ تمام اپنے ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ بچہ ایڑیاں رگڑ تا رہا حتیٰ کہ پتھر کا سینہ شق ہو گیا اور قدموں کے نیچے سے پانی رسنے لگا۔ اسماعیل کی ٹھوکروں سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا بیشک کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں۔

ہاجرہ نے دیکھا کہ رحمت خداوندی نے اسے دامن میں لے لیا ہے۔ اور عنایت ربانی نے اسے سایہ مہیا کر دیا ہے۔ آپ تھکی ماندی بیٹھ گئیں۔ پیشانی سے پسینے کے قطرے بہہ رہے تھے۔ بچے پر غم و الم کی تصویر بنی جھکی بیٹھی تھیں۔ ہاتھ کی کوک سے بچے کو پانی پلایا۔ اس کے ہونٹوں کو تر کیا۔ اور یہ دیکھ کر چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی کہ بچے میں زندگی کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ اور وہ وارفتگی اور شوق میں اپنی ماں کو دیکھ رہا ہے۔ ماں نے بچے کو اٹھایا اور فرط محبت سے اپنے سینے سے چمٹا لیا اور ہاتھ کی تھپکی دینا شروع کر دی اپنے آنچل سے بچے کے آنسو پونچھے اور اسے خوش کرنے کی کوشش میں لگ گئیں۔ بچہ ماں کی چھاتی سے لگ کر گویا سب کچھ بھول گیا ہو۔ ہاجرہ جب بچے کی طرف سے مطمئن ہو گئیں اور انہیں یقین آ گیا کہ بچے کی زندگی بچ گئی ہے اور خوشیاں دامن میں سمٹ آئی ہیں تو خود بھی پانی پیا۔ پانی پینے سے گویا جان میں جان آ گئی۔ غم کا سیاہ بادل چھٹ گیا۔ یہ سب اللہ کا فضل و کرم تھا۔

اسماعیل کی ٹھوکروں سے جاری ہونے والا چشمہ آج بئر زمزم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ چشمہ قیامت تک جاری رہے گا اور حجاج اس سے تشنگی کا مداوا کرتے رہیں گے۔ اور اللہ کے بندے ایک قطرہ آب زمزم کے لئے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں گے۔ ایک قطرہ آب کا حصول عبادت کا حصہ اور سعادتوں کا ضامن یقین کیا جاتا رہے گا۔

چشمہ پھوٹتے ہی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ کھچے چلے آئے۔ وہ اردگرد منڈلانے لگے۔ اور حلقہ باندھ کر اڑنے لگے۔ بنی جرہم کا قبیلہ اس جگہ کے قریب کہیں سفر کر رہا تھا۔ انہوں نے پرندوں کو اترتے اور حلقہ بنا کے منڈلاتے دیکھا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہاں ضرور پانی ہے۔ ایک آدمی کو بھیجا کہ جا کر پتہ کرے کہ پانی کہاں ہے۔ اور انہیں صورت حال سے آگاہ کرے۔ جب وہ آدمی چشمے کے قریب پہنچا تو پانی موجود تھا۔ دوڑتا ہوا گیا اور اپنے قبیلہ کے لوگوں کو خوشخبری دی۔ لوگ بہت خوش ہوئے اور یکے بعد دیگرے چشمہ پر پہنچ گئے۔ قبیلہ کے کچھ لوگوں نے ڈیرے ڈال دیے اور اسی جگہ کو مسکن اور وطن بنا لیا۔ حضرت ہاجرہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ ان کے پڑوس کی وجہ سے آپ مطمئن ہو گئیں۔ اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس ذات نے لوگوں کے دلوں میں جذبہ محبت ڈال دیا ہے کہ قبیلہ کے لوگ ان کی عزت کر رہے ہیں اور ماں بیٹے سے بڑی محبت اور عقیدت سے پیش آ رہے ہیں۔

اسماعیل ذبیح

ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو نہ بھولے۔ آپ وقتاً فوقتاً ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے۔ اور ان سے کبھی کبھار ملتے رہے۔ وہ اپنے بچے کو دیکھ کر خوش ہوتے اور اس کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کرتے۔ جب اسماعیل ذرا بڑے ہوئے اور بھاگنے دوڑنے اور کام کاج کی عمر کو پہنچ گئے تو ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا۔ خواب میں بچے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ انبیاء کے رویا حق اور ان کے خواب سچے ہوتے ہیں۔

امتحان پر امتحان اور ایک آزمائش کے بعد فوراً دوسری آزمائش۔ ایک بوڑھا عمر رسیدہ شخص زندگی کی کئی بہاریں دیکھ چکا ہے۔ جو زمانے کے سارے نشیب و فراز سے واقف ہے۔ وقت کی رفتار نے اسے ہم عمروں سے جدا کر دیا ہے۔ اس خزاں رسیدہ عمر میں جبکہ وہ پوری عمر بچے کی امید کے سہارے جیتا رہا اور اسی امید میں چراغ سحری بن کر رہ گیا۔ اللہ نے اسے اکلوتے بیٹے سے نوازا ہے۔ جسے دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئی ہیں اور اس کے دل میں بہار آگئی ہے۔ اسے اچانک حکم ملتا ہے کہ اپنے اس اکلوتے بیٹے کو وادی غیر ذی زرع میں جا کر بسا دو۔ اور اسے اور اس کی ماں کو لق و دق صحراء کے حوالے کر دو۔ جہاں نہ کوئی ان کا مونس ہو نہ غم خوار۔ وہ بوڑھا شخص اللہ کے اس حکم کی اطاعت کرتا ہے۔ اور انہیں ویرانے میں اللہ کے بھروسہ پر چھوڑ کر آجاتا ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ وہ اپنے بندوں کی خود نگہداشت کرتا ہے اس لئے اطاعت و فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ کر واپس آجاتا ہے۔ اللہ اپنے دونوں بندوں کی خود نگہداشت فرماتا ہے اور اس مشکل سے نکلنے کا راستہ مہیا کر دیتا ہے۔ اور انہیں وہاں سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے انہیں گمان بھی نہیں ہوتا۔ پھر اس بوڑھے شخص کو حکم ملتا ہے کہ اپنے اس عزیز بچے کو ذبح کر ڈالو۔ ایک ہی بچہ ہے اس کے علاوہ اور کوئی اولاد نہیں۔ وہ اکلوتا ہے۔ ایسے امتحان سے تو مستحکم پہاڑوں کے کلیجے بھی شق ہو جاتے لیکن نہیں بڑوں کے حوصلے بھی بہت بلند ہوتے ہیں۔ یقیناً ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش بھی ان کے علو مرتبت' ثبات یقین اور کمال ایمان کے مطابق ہونا ضروری تھی۔

ابراہیم علیہ السلام نے سر جھکا دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھان لی۔ وہ اطاعت و فرمانبرداری کی راہ میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ فوراً چل دیے حتی کہ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے اس چٹیل میدان میں پہنچے جہاں اسماعیل اور ہاجرہ کی رہائش تھی۔ اپنے بیٹے سے ملاقات کی۔ اور فوراً اسماعیل کو وہ خبر دی جو پہاڑوں پر بھی لرزہ طاری کر دے۔ اور سینوں سے دل کھینچ لے۔ اسماعیل کو بتایا: اے میرے بیٹے۔ میں نے خواب دیکھا ہے جس میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اب بتا تیری کیا رائے ہے؟

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر کو اس لئے آگاہ کر دیا کہ وہ قربانی کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو جائے ابراہیم علیہ السلام ایسا بھی تو کر سکتے تھے کہ بچے کو زبردستی پکڑ کر لٹائیں اور ذبح کر دیں۔ لیکن نہیں وہ جانتے تھے کہ اسماعیل مقام رضا کا بندہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے کیونکر انحراف کر سکتا ہے۔

اسماعیل علیہ السلام نے سر اطاعت جھکا دیا۔ اور اللہ کے حکم پر عمل کرنے کی حامی بھر لی۔ بصد ادب و احترام والد گرامی کی خدمت میں عرض کی: اے ابا جان آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے کر گزریے انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ اسے کہتے ہیں بڑی نیکی۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بہت بڑی توفیق۔ اس کا نام ہے ایمان و یقین۔ یہ ہے نفس مطمئنہ۔ یہ ہے مقام رضا کہ جو فیصلہ ہوا گردن جھک گئی۔ جو حکم ملا بلا چون و چراں تسلیم کر لیا گیا۔ پھر اسماعیل علیہ السلام نے والد کو تسلی دیتے ہوئے اور اس مقصد کو پورا کرنیکا آسان طریقہ بتاتے ہوئے عرض کی۔ ابا جان! میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیجئے۔ تاکہ میں حرکت نہ کر سکوں۔ میری قمیص بھی اتار پھینکئے مبادا لہو کی کوئی چھینٹ اسے آلودہ کر دے اور میرا اجر کم کر دے۔ اور میری ماں اس قمیص کو دیکھ کر غم والم میں مبتلا ہو جائے اور صبر نہ کر سکے۔ اپنی چھری کو تیز کر لیجئے اور تیزی سے میری گردن پر پھیر ڈالیے تاکہ مجھے زیادہ تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ کیونکہ موت سخت چیز ہے اور اس کا واقع ہونا تکلیف دہ ہے۔ ابا جان میری ماں کو میرا سلام کہنا اور انہیں یہ قمیص دے دینا۔ ہو سکتا ہے اسے دیکھ کر ان کے غم واندوہ میں کچھ کمی آجائے اور مصیبت اور تنہائی میں انہیں تسلی دے۔ ابا جان میری قمیص دیکھ دیکھ کر وہ مجھے یاد کیا کریں گی اور اس کی خوشبو سے ان کی ماملتا کے جذبے کو تسلی ہو گی۔ وہ میری خوشبو پا کر مجھے اپنے سینے سے چمٹا خیال کریں گی اور ان کی وحشتوں میں ان کی تنہائیوں میں کچھ تو کمی آئے گی۔ جب وہ مجھے تلاش کریں اور نہ پائیں گی۔ جب میرا انتظار کرتے کرتے تھک جائیں گی اور میں نہیں آؤں گا تو وہ اس قمیص کو سینے سے چمٹا لیا کریں گی اور اس کی خوشبو سے مشام جان کو معطر کریں گی۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں میرے بیٹے تو نے اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں میری مدد کی ہے۔ میں تجھ سے بہت خوش ہوں۔ اسماعیل کو سینے سے

لگالیا۔ انہیں چوما اور دیر تک باپ بیٹا ایک دوسرے کو پیار و محبت کی نظروں سے دیکھتے رہے اور روتے رہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے اور پہلوٹھے بیٹے کو زمین پر لٹادیا۔ انہیں دائیں پہلو پر کیا۔ مشکیں کس دیں اور چھری ہاتھ میں تھام لی۔ ابراہیم علیہ السلام کی نظریں اپنے بیٹے کے چہرے پر گڑی ہیں۔ پھر وہ نظر چرا لیتے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ لگتا ہے ان آنکھوں کے پیچھے آنسوؤں کا کوئی سیلاب ہے۔ اللہ کے حکم کو بجالاتے ہوئے چھری اسماعیل کے حلق پر رکھ دیتے ہیں اور ہاتھ فوراً حرکت میں آجاتا ہے۔ چھری چل رہی ہے۔ ہاتھ حرکت میں ہے لیکن گلہ کٹتا نہیں۔ چھری سے تیزی چھین لی گئی ہے اور اس کی دھار کند ہو گئی ہے۔

اسماعیل علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔ اے والد گرامی! مجھے منہ کے بل لٹا دیجئے۔ شاید میرے چہرے کو دیکھ کر آپ کا ہاتھ کانپ رہا ہے اور اللہ کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری میں رکاوٹ آرہی ہے۔ اسماعیل کو منہ کے بل لٹادیا گیا۔ چھری ان کی گدی پر رکھ دی گئی اور زور سے چلائی لیکن چھری نے پھر بھی کام نہ دکھایا۔ گردن بالکل محفوظ تھی۔ ابراہیم علیہ السلام حیران تھے۔ چھری کیوں نہیں چل رہی؟ بہت پریشان کہ اطاعت گزاری میں فرق آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مولا اس مشکل کو آسان فرما دے۔ اللہ کریم نے ان کے بڑھاپے پر نظر رحمت فرمائی اور ان کی دعا مستجاب ہو گئی۔ دل سے سب گرد و غبار ہٹ گیا اور آواز آئی۔

اَنْ یَا اِبْرَاھِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَااِنَّا کَذَالِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ

اے ابراہیم! (بس ہاتھ روک لو) بیشک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو۔ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو" (الصفت: ۱۰۴، ۱۰۵)

باپ بیٹا اس کامیابی پر بہت خوش ہوئے۔ دونوں موت کے ہاتھوں اللہ کی عطا کردہ نجات پر مسرور ہوئے۔ انہوں نے اللہ کی عطا کردہ اس نجات اور مشکل کشائی پر حمد و ثنا کی۔ آج انہیں بہت بڑا ثواب مل گیا تھا۔ انہیں اطاعت گزاری کی بہترین جزاء دے دی گئی تھی۔ اس امتحان سے ان کے دلوں میں کمال صفائی آگئی تھی۔ ایمان میں

ثبات پیدا ہو گیا اور یقین میں رسوخ آ گیا تھا۔ بیشک یہ بہت بڑا امتحان تھا۔

اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کے بدلے ایک عظیم قربانی عطا کر دی۔ قریب ہی ایک جانور نظر آیا۔ ابراہیم نے اسے پکڑ کر لٹا دیا اور اس کی گردن پر چھری رکھ دی۔ وہ چھری جو ایک معصوم بچے کا گلہ نہ کاٹ پائی تھی اتنی تیز دھار نکلی کہ آن واحد میں مینڈھے کی گردن تن سے جدا ہو گئی۔ اور زمین اس کے خون سے رنگین ہو گئی۔ یہ قربانی اسماعیل کے خون کا فدیہ تھی۔ اور ان کی جان کا بدلہ۔ اسی دن سے قربانی واجب قرار پائی جسے مسلمان ہر سال ادا کرتے ہیں۔ یہ عید قربان ذبح اسماعیل کی یاد میں منائی جاتی ہے۔ یہ اس نعمت کا شکر ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کو بچا کر ایک جانور کو ان کے بدلے منظور کر لیا گیا۔

اسماعیل علیہ السلام اور بنی جرہم

زمین کے اس خطے پر جہاں چشمہ پھوٹا تھا پرندے منڈلانے لگے۔ پانی دیکھ کر کئی قافلے یہاں رکے۔ اس ویرانے میں زندگی کی چہل پہل شروع ہو گئی۔ قافلے آتے۔ ڈیرے ڈالتے چند دن ٹھہر کر آگے بڑھ جاتے۔ بنی جرہم کا بھی اسی ویرانہ سے گزر ہوا۔ وہ پہلے بھی کئی بار اس صحراء میں سفر کر چکے تھے۔ یہاں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ ایک جگہ خیمے گاڑ کر ٹھہر گئے۔ اچانک فضا میں پرندے منڈلاتے نظر آئے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہاں پانی ہے۔ فوراً مشورہ کیا کہ ایک آدمی کو بھیج کر پتہ تو کریں کہ پانی کہاں سے نکل آیا ہے ایک آدمی پانی کی تلاش میں بئر زم زم تک پہنچا اور واپس جا کر قبیلے کے لوگوں کو پانی کی خوشخبری دی۔ لوگ شاداں و فرحاں دوڑے چلے آئے۔ پانی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ہاجرہ کو دیکھ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ڈیرے ڈالنے کی اجازت مانگی اور عرض کی کہ قافلے کو پانی مہیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں اجازت ہے لیکن تمھاری حیثیت ایک مہمان کی ہو گی غاصب کی نہیں۔

وہ مان گئے اور مہمان کی حیثیت سے ڈیرے ڈال دیے۔ چند دن گزرے تو اہل و عیال کو بھی یہاں بلا لائے۔ وہ تمام خوشی خوشی یہاں پہنچ گئے اور اس طرح اس چشمے کے اردگرد ایک شہر کی بنیاد پڑ گئی۔

اسماعیل علیہ السلام عالم شباب کو پہنچے۔ جسم میں بلا کی طاقت تھی۔ حسن ظاہری میں اپنی مثال آپ اور باطن آئینے کی طرح اجلا اور صاف۔ پورے قبیلے میں اس جوان رعنا کی شہرت پھیل گئی اور ہر جگہ ان کے حسن اخلاق کے چرچے ہونے لگے۔ اسماعیل بنی جرہم میں گھل مل گئے' ان کی زبان سیکھ لی اور ان سے انھی کی زبان میں بات چیت کرنے لگے۔ آپ نہ صرف عربی زبان سمجھتے تھے بلکہ اسے کمال فصاحت و بلاغت سے بول بھی لیتے تھے۔ بنو جرہم کے ایک معزز گھرانے کی لڑکی سے شادی بھی فرمائی اور اس طرح اس قبیلے کے ایک فرد کی حیثیت سے ان میں رچ بس گئے۔ یہ تعلق بہت مضبوط تعلق تھا۔ بنو جرہم آپ کو اپنے بیٹے کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ہاجرہ نے جب اسماعیل کو شادی کے جوڑے میں دولہا بنتے دیکھا ہو گا تو وہ کتنی خوش ہوئی ہو نگی۔ انہوں نے اپنی سابقہ زندگی پر ایک نظر کی ہو گی۔ اور اللہ کی پے در پے نعمتوں کو نظر تخیل سے دیکھ کر سجدہ شکر بجالایا ہو گا۔ اسماعیل بھی بہت خوش تھے۔ بنو جرہم اسے اپنوں جیسا پیار دے رہے تھے۔ والدہ کی نظروں میں خوشی کی چمک دیکھ کر ان کے دل میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہو گی۔ لیکن وقت نے ایک اور کروٹ لی۔ موت کے بے رحم پنجوں نے اسماعیل سے ممتا کا پیار چھین لیا۔ ماں کی موت اسماعیل پر بہت گراں گزری اور آپ کا دل اس جانکاہ سانحہ پر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ وہ ماں جس نے اسماعیل کو اپنی گود میں کھلایا تھا۔ بچپن میں آپ کی دیکھ بھال کی تھی۔ جوانی میں انہیں محبت کا سایہ عطا کیا تھا۔ جس نے مشکلات میں انہیں تسلی دی تھی' مصائب و آلام میں ان کے ساتھ رہی تھی آج وہ ان سے جدا ہو گئی تھی۔

ابراہیم اپنے لخت جگر کو کیسے بھول سکتے تھے۔ وہ اس کی جدائی کو کب تک برداشت کر سکتے تھے۔ وہ اس ویرانے میں کئی بار آئے جہاں اسماعیل اور ہاجرہ کو چھوڑا تھا۔ ایک دن آپ علیہ السلام اپنے بیٹے کے مکان پر گئے۔ گھر میں اسماعیل علیہ السلام کی بیوی تھی۔ آپ نے اسماعیل کے متعلق پوچھا۔ بتایا گیا کہ رزق کی تلاش میں باہر نکلے ہوئے ہیں۔ پھر آپ کے سامنے اپنی غربت و افلاس کا رونا رویا۔ اس کے لہجے سے شکایت اور تقریر کے لہجے پر غصہ ٹپک رہا تھا۔ ابراہیم سمجھ گئے کہ یہ خاتون میرے بیٹے کے لئے مناسب نہیں۔ کیونکہ وہ اس کی مشکلوں میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتی اور

غربت و افلاس کی اس زندگی پر شاکی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ناپسندیدگی سے منہ پھیر لیا اور پیغام دیا کہ جب اسماعیل آئے تو میرا سلام کہنا اور اسے بتا دینا کہ باپ کا یہ حکم ہے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر لو۔ یہ اشارہ تھا کہ اس عورت کو طلاق دیکر کسی اور نیک بخت عورت سے شادی کر لو۔

اسماعیل جب گھر واپس آئے تو دروازے پر ہی اسے انسیت اور اپنائیت کی خوشبو آنے لگی۔ آپ نے بیوی سے پوچھا گھر میں کیا کوئی آیا تھا۔ عورت نے بتایا کہ ہاں ایک بوڑھا مہمان تشریف لایا تھا۔ جس کی شکل و شباہت ایسی ایسی تھی۔ عورت نے بتایا کہ اس بوڑھے نے آپ کے متعلق پوچھا تو میں نے تیرے بارے میں بتایا۔ بوڑھا بہت مہربان تھا۔ آپ کے لئے سراپا شفقت تھا۔ آپ کے متعلق باتیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ ہم تنگ دستی اور افلاس کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اسماعیل نے پوچھا انہوں نے کوئی نصیحت بھی کی تھی۔ عورت نے بتایا کہ ہاں۔ وہ آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور حکم دے رہے تھے کہ گھر کی چوکھٹ بدل لو۔ اسماعیل علیہ السلام نے بیوی کو بتایا کہ وہ بوڑھے مہمان میرے والد گرامی تھے۔ ان کی نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ میں تجھے چھوڑ کر کسی اور عورت سے شادی کر لوں۔ اسماعیل نے بغیر کسی افسوس کے بیوی کو طلاق دے دی۔

کچھ عرصہ بعد ابراہیم شفقت پدری کے ہاتھوں مجبور پھر اسماعیل کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ حضرت اسماعیل کی بیوی سے اسماعیل علیہ السلام کے متعلق پوچھتے رہے۔ اس نیک بخت نے کوئی شکایت نہ کی اور اپنے خاوند کی بہت تعریف کی۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اپنے سُسر کو بتایا کہ اللہ نے ہمیں بے بہا نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ اس کا ہم پر خصوصی فضل و احسان ہے۔ کسی چیز کی کمی نہیں۔ اللہ کا دیا سب کچھ میسر ہے۔ ابراہیم نے جب یہ باتیں سنیں تو بہت خوش ہوئے اور مطمئن ہو گئے کہ اسماعیل کی بیوی بھی ان کی طرح راضی برضا۔ قانعہ' مومنہ اور شاکرہ ہیں اور دونوں بہت خوش اور پر مسرت زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے خاوند کو سلام کہنا اور بتانا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ کی حفاظت کریں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام مکہ سے شام کو واپس آ گئے۔

حسب معمول شام کے وقت اسماعیل گھر لوٹے اور ادھر ادھر کی باتیں شروع ہوئیں تو بیوی نے آپ کو بتایا کہ آج ہمارے گھر ایک بزرگ تشریف لائے۔ بہت نورانی چہرہ تھا۔ شکل و صورت میں اپنی مثال آپ تھے۔ نہایت باوقار' بہت بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بزرگ دیر تک یہاں تشریف فرما رہے۔ آپ کے متعلق پوچھتے رہے۔ میں نے بتایا کہ ہم بہت خوش ہیں۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ جاتے ہوئے انہوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ نصیحت کی ہے کہ اپنے گھر کی چوکھٹ کو سلامت رکھنا۔ اسماعیل نے بیوی کو بتایا کہ وہ میرے والد گرامی اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ تجھے اپنے سے جدا نہ کروں اور زندگی بھر تجھے بیوی بنائے رکھوں۔ اسی خوش بخت عورت سے حضرت اسماعیل کی نسل چلی۔

تعمیر کعبہ

ابراہیم علیہ السلام ایک عرصہ تک اپنے بیٹے سے دور فلسطین میں قیام پذیر رہنے کے بعد انہیں ملنے کے لئے مکہ تشریف لائے۔ پہلے کی طرح صرف پرسش احوال مقصود نہ تھا۔ اب کی بار صرف خیر و عافیت پوچھنے نہیں آئے تھے۔ صرف شوق لقا اور جذبہ شفقت کا تقاضا پورا کرنا مقصد نہیں تھا۔ بلکہ ایک عظیم مقصد ایک بڑا کارنامہ سر انجام دینا مقصود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کعبہ (لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے گھر) کی تعمیر کا حکم دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کے جذبے سے سرشار ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ کوئی خوف' کوئی حزن و ملال دامن گیر نہ ہو سکا۔ دن رات سفر کر کے حجاز میں پہنچے اور اسماعیل علیہ السلام کی تلاش شروع کر دی۔ جہاں پانی مل سکتا تھا وہاں تلاش کیا۔ مختلف قبائل کے ٹھکانوں پر گئے۔ شکار گاہوں کے چکر لگائے آخر بڑی مشکل کے بعد اسماعیل علیہ السلام کو پالیا۔ اسماعیل کہیں دور نہیں تھے۔ بلکہ مکہ کے قریب آب زم زم کے چشمے کے قریب بڑے سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے تیروں کے پھل تیز کر رہے تھے۔

اسماعیل نے خلیل اللہ علیہ السلام کو آتے دیکھ لیا۔ تیر چھوڑ کر استقبال کے لئے دوڑ پڑے اپنے لخت جگر کو دیکھ کر ابراہیم علیہ السلام کا چہرہ مبارک چمک اٹھا۔ بدن

میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی اور دل سرشار ہو گیا۔ اسماعیل نے گرم جوشی سے والد گرامی کا استقبال کیا۔ انہیں والہانہ انداز میں خوش آمدید کہا۔ اور فرط محبت سے والد سے لپٹ گئے۔ ابراہیم نے بھی دل کھول کر شفقت لٹائی اور محبت کا اظہار فرمایا۔ بچے نے والد کی عزت و تکریم میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جب جذبہ شوق قدرے ٹھنڈا ہوا اور فراق کا شعلہ ماند ہوا تو دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ ایک عجیب منظر تھا۔ دونوں بہت خوش تھے۔ ایک نیک بخت بچہ اپنے رحیم اور شفیق والد کو مل کر کس قدر خوش ہوا ہو گا کس قدر اسے فرحت و انبساط اور راحت و سرور نصیب ہوا ہو گا اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

باتیں کرتے بہت دیر ہو گئی۔ لیکن محسوس تک نہ ہوا کہ اتنا وقت گزر گیا ہے۔ جب جی بھر کر محبت اور پیار کی باتیں ہو چکیں تو ابراہیم علیہ السلام نے مدعا بیان کیا۔ اپنے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اللہ کے اس راز سے آگاہ کیا فرمایا:

اے میرے بیٹے اللہ نے مجھے یہاں اپنا گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایک سطح زمین سے اٹھی ہوئی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ اسماعیل علیہ السلام جو اللہ کے حکم کے سامنے ہمیشہ سر فگن رہتے تھے ان کا جواب اطاعت و فرمانبرداری کے بغیر اور کیا ہو سکتا تھا۔

دونوں اس ٹیلے کی طرف چل پڑے۔ ایک امید ان کی رہنمائی کر رہی تھی اور اس کام میں الٰہی قوت کار فرما تھی۔ توفیق ایزدی پشتیباں تھی اور عنایت ربانی حوصلوں کو بڑھا رہی تھی۔ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے گینتیاں لیکر بنیادوں کی کھدائی شروع کر دی۔ اور اللہ کے گھر کی بنیادوں کو اٹھانے لگے۔ کام بھی کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ التجا بھی ہو رہی تھی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم ۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم

"اے ہمارے پروردگار! قبول فرما ہم سے (یہ عمل) بیشک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! بنا دے ہم کو فرماں بردار اپنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو۔ اور بتا دے

ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر (اپنی رحمت
سے) بیشک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا
ہے" (البقرہ: ۱۲۷'۱۲۸)

تھوڑی دیر میں بنیاد مکمل ہو گئی اور دیوار سطح زمین سے بلند ہو گئی۔ اسماعیل پتھر اور تعمیر کا دوسرا سامان لاتے جاتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں کو اپنے دست اقدس سے ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر دیوار چنتے جاتے تھے یقیناً کوئی غائبی ہاتھ مدد کر رہا تھا۔ ابراہیم اور اسماعیل کیسی مہارت کا ثبوت دے رہے تھے اور ابراہیم بڑھاپے میں انہیں دیوار کی صورت میں چنتے جاتے تھے۔ دیوار بلند ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ اب ابراہیم کا ہاتھ نہیں پہنچ رہا تھا۔ اور پتھر رکھنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ آپ نے اسماعیل علیہ السلام کو آواز دی: اسماعیل کوئی پتھر تلاش کرو جس پر کھڑے ہو کر میں کام کر سکوں۔ اور دیوار کے سرے کو دیکھ سکوں۔ بیٹا! میں چاہتا ہوں کہ جس کام کو ہم نے شروع کیا ہے اسے پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔

اسماعیل علیہ السلام نے تھوڑی سی کوشش کے بعد ایک بڑا سا کالا پتھر تلاش کر لیا اور اٹھا کر ابراہیم علیہ السلام کے قدموں میں رکھ دیا۔ آپ اس پر کھڑے ہو گئے اور دیواریں چننے لگے۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر اور گارا اٹھا کر دے رہے تھے۔ اور ابراہیم ایک سے دوسری دیوار اور ایک کونے سے دوسرے کونے کی طرف بڑھنے لگے۔ حتیٰ کہ اس گھر کی تعمیر مکمل ہو گئی جس کی تعمیر کا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا۔ اور جسے قیامت تک کے لوگوں کے لئے اجر و ثواب کا ذریعہ ہونا تھا۔ آج اہل ایمان کی روحیں پروانہ وار اس گھر کا طواف کرتی ہیں اور دل کھنچے چلے آتے ہیں یہ دراصل ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کی مقبولیت کی واضح علامت ہے جو آپ نے تعمیر کے وقت کی تھی۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ
لَعَلَّهُمْ یَشْکُرُوْنَ

"پس کردے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی
طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ تیرا شکر
ادا کریں (ابراہیم: ۳۷)

"سیدنا لوط علیہ السلام"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب مصر کی طرف رخت سفر باندھا تھا تو حضرت لوط علیہ السلام بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ مصر سے واپسی کے وقت ان کے پاس بہت زیادہ دولت اور کئی ریوڑ تھے۔ دونوں اکٹھے ارض مقدس فلسطین میں عرصہ دراز تک مقیم رہے۔ لیکن جب اونٹوں اور بکریوں کی کثرت سے یہ زمین تنگ ہو گئی تو لوط علیہ السلام اپنے چچا ابراہیم علیہ السلام سے دور سدوم کے ایک شہر میں اقامت گزین ہو گئے۔ سدوم کے لوگ اخلاق فاسدہ اور اعمال شنیعہ میں مبتلا تھے۔ نہ تو خود وہ معصیت سے باز آتے اور نہ ہی کسی دوسرے کو برائی پر ٹوکتے تھے۔ وہ فسق و فجور کے گرویدہ اور نہایت ہی برے چال چلن کے مالک تھے۔ ڈاکہ زنی اور چوری ان کا روز کا معمول تھا۔ وہ راہ گیروں کی تاک میں رہتے۔ اگر کوئی مسافر ہاتھ لگ جاتا تو اس کے پاس جو کچھ ہوتا چھین لیتے۔ اور اسے آہ و بکا کرتے چھوڑ دیتے۔ وہ اپنے مال کے چھن جانے اور دولت کے ضائع ہو جانے پر واویلا مچاتا لیکن اس کی دادرسی کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ ان برے کرتوتوں پر کوئی قدغن لگانے والا نہ تھا۔ نہ انہیں دین اس سفاکی سے باز رکھتا' نہ حیا آڑے آتی اور نہ کسی شخص کی نصیحت کارآمد ثابت ہوتی۔ وہ کسی کی نصیحت پر کان دھرنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔

گویا ان کے ضمیر گناہ کے پیاسے تھے۔ اور یہ بدکاریاں بھی ان کی پیاس کا مداوا کرنے سے قاصر تھیں۔ ان کے دل جرم کے خوگر تھے اور وہ صرف اپنے جرائم پر اکتفا کرنے پر راضی نہیں تھے۔ اس بگڑی ہوئی معاشرت میں صرف ڈاکہ زنی اور چوری ہی نہیں تھی بلکہ انہوں نے ایسی قباحتوں کا ارتکاب شروع کر دیا تھا جن کا ان سے پہلے کسی نے سوچا تک نہیں تھا۔ یہ بدبخت ہم جنس پرستی کے عادی تھے۔ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوانی جذبات کی تسکین چاہتے تھے۔ عورتوں کو ہاتھ تک نہ لگاتے جو بقائے نسل انسانی کا اصل ذریعہ تھیں۔ وہ بے چاری مردوں کے لئے ترس گئی تھیں۔ کاش وہ اپنی برائیوں پر پردہ ڈالتے۔ کاش وہ اس جنسی بے راہ روی اور فعل بد کے ارتکاب سے باز آنے کی کوشش کرتے لیکن مردہ ضمیر یہ لوگ اپنے گناہوں کی تشہیر کرتے۔ لوگوں کو برائی کی خود دعوت دیتے۔ خود ہی کنویں سے پانی نکالنے کی ترغیب دیتے۔ وہ اس برائی میں اس قدر آگے نکل گئے تھے کہ اس برائی نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ہر سو یہی بدمعاشی' ہر طرف یہ گناہ تھا۔ لگتا تھا کہ ان کے دل مسحور ہیں یا انہوں نے کسی برائی کی شراب سی پی رکھی ہے۔

جب قوم ہلاکت کے گڑھے کے کنارے پہنچ گئی' گمراہی کو ہدایت کے مقابلے میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جانے لگا' لوگ بدکاری کو نیکی پر ترجیح دینے لگے شیطان نے ان پر اس طرح تسلط حاصل کر لیا کہ جس برائی کی طرف اشارہ کیا چل دیے' شہوات کو ان کے دلوں میں اس قدر محبوب اور پسندیدہ بنا دیا کہ زندگی کی ساری تگ ودو کا محور شہوت رانی اور ہوس پرستی ہو کر رہ گئی۔ تو ایسے میں اللہ تعالی نے لوط علیہ السلام کو وحی کی کہ وہ اس قوم کو عبادت خداوندی کی طرف دعوت دیں۔ اور انہیں ارتکاب جرم سے روکیں۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی دعوت کا اعلان کر دیا۔ اور ان کے درمیان اپنی رسالت کا چرچا شروع کر دیا۔ لیکن کان بوجھل ہو گئے' آنکھیں اندھی ہو گئیں اور دلوں پر پردے پڑ گئے۔ وہ اپنی سرمستیوں میں مخمور رہے فسق وفجور پر ڈٹے رہے۔ اور گناہ اور سرکشی میں بڑھتے چلے گئے۔ وہ ہدایت کی باتیں سن کر بھی اپنی سرکشی سے باز نہ آئے بلکہ ان کے ہوس پرست نفسوں نے ان کے گمراہ اور فاسد عقلوں نے اور شر و فساد کے عادی ضمیروں نے انہیں مجبور کیا اور اکسایا کہ وہ اللہ کے

فرستادہ کو اپنی بستی سے نکال دیں۔ ان بد بختوں نے حضرت لوط اور ان کے ماننے والوں کو دھمکی دی کہ اگر وہ اپنی تبلیغ اور نیک نیتی سے باز نہ آئے تو انہیں شہر بدر کر دیا جائے گا۔ اگرچہ ان کا کوئی جرم نہیں لیکن یہ جرم کیا کم ہے کہ وہ نیکی کی بات کرتے ہیں۔ وہ ہمیں ہوس پرستی سے باز رکھنے کی کوشش میں ہیں۔ وہ ہمیں برے طریقوں سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور ہمیں نیکی، صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ گناہ بھی ہمارے معاشرے میں کوئی چھوٹا گناہ تو نہیں ہے۔

جب آپ نے محسوس کیا کہ یہ لوگ تو میری اطاعت کرنے پر راضی نہیں ہیں تو انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ لیکن ان پر اس تخذیر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ان کے نزدیک عذاب کی یہ باتیں کوئی وقعت نہیں رکھتی تھیں۔ آپ نے انہیں سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔ انہیں وعظ و تلقین کرتے رہے۔ اس برائی سے باز رکھنے کے لئے جتن کیے۔ انہیں اس کے بُرے انجام سے ڈرایا۔ انہیں بتایا کہ میں تمھاری بھلائی چاہتا ہوں لیکن کسی نے ایک نہ سنی۔ وہ گناہ سے باز نہ آئے۔ بلکہ برائی اور گناہ کی اس پر فریب دنیا میں بہت آگے بڑھ گئے۔ انہوں نے لوط علیہ السلام کو چیلنج کیا کہ اگر تو سچا ہے تو عذاب لے آ۔ جس برے انجام کے ہم مستحق ہیں اسے نازل کر دے۔

لوط علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دست سوال دراز کیے کہ خدایا! ان نافرمانوں کے مقابلے میں میری مدد فرما اور ان ستم پیشہ لوگوں پر عذاب الیم نازل کر۔ انہیں انکار اور عناد کے برے انجام میں مبتلا کر اور بغاوت اور فسق و فجور کی انہیں دردناک سزا دے۔ الٰہی! یہ لوگ تو انسانی معاشرے کے لئے ایک ناسور ہیں۔ اس برائی کے پھیلنے کا خدشہ بڑھ گیا ہے۔ ان کی حیثیت ایک بیمار عضو کی ہے جسے کاٹ دینا ضروری ہوتا ہے۔ الٰہی! تو انہیں نیست و نابود کیوں نہیں کرتا۔ کیا انہوں نے زمین میں فساد برپا نہیں کر رکھا۔ کیا وہ لوگوں کو تیری راہوں سے نہیں روک رہے۔ کیا انہوں نے بھلائی کی آواز سننے سے کان بند نہیں کر لیے۔ کیا یہ نیکی کی راہ سے بہت دور نہیں نکل گئے ؟؟؟

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سن لی اور اس التجا کو قبول فرما لیا۔ ظالموں کی اس بستی میں اپنے فرشتوں کو بھیجا تاکہ وہ ان بد بختوں کو عذاب میں مبتلا کریں۔ اور انہیں

اپنے کیے کی سزا دیں۔ یہ فرشتے پہلے ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ علیہ السلام سمجھے یہ کوئی مسافر ہیں۔ آپ نے ان کی خوب خاطر مدارت کی۔ لیکن انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ تک نہ بڑھایا اور کھانے سے انکار کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام حیران ہوئے اور ڈر گئے کہ کہیں کوئی دشمن تو نہیں لیکن فرشتوں نے آپ کو تسلی دی اور کہا: کہ ڈریے مت۔ وہ فرشتے آپ کے ساتھ کچھ وقت اور ٹھہرے اور ایک سعادت مند بچے کی انہیں بشارت دی۔

یقیناً ابراہیم علیہ السلام ان کی باتیں سن کر مطمئن ہو گئے ہونگے اور ان کے دل سے خوف وہراس جاتا رہا ہو گا۔ اسی لئے تو آپ نے فرشتوں سے استفسار کیا کہ وہ کیا ارادہ رکھتے ہیں اور کہاں جانا چاہتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: اے اللہ کے فرستادو! زمین پر کیسے آنا ہوا؟ فرشتوں نے جواب دیا: ہمیں اس قوم کی طرف بھیجا گیا ہے جس نے لوط علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ وہ لوگ مجرم ہیں۔ ہم ان پر دردناک عذاب اور شدید ترین ہلاکت نازل کریں گے۔ یہ ان کے کرتوتوں کی سزا ہو گی اور ان کی شرارتوں کا بدلہ ہو گا جن کا وہ ارتکاب کرتے آئے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام بہت افسردہ خاطر ہوئے اور قوم لوط کے بارے فرشتوں سے جھگڑنے لگے۔ آپ نے سفارش کی کہ ان کی سزا میں تاخیر کی جائے۔ ہو سکتا ہے وہ اللہ پر ایمان لائیں اور اپنے گناہوں سے دستکش ہو جائیں ابراہیم علیہ السلام کے دل میں یہ آرزو تھی کہ وہ برائی اور بے حیائی سے رک جائیں اور راہ مستقیم کو اختیار کر لیں ہو سکتا ہے ابراہیم علیہ السلام کے دل میں یہ اندیشہ ہو کہ ان بد طینت لوگوں کے ساتھ اللہ کے مقبول بندے لوط علیہ السلام کو بھی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ حالانکہ وہ تو انہیں گناہوں سے روکتے ہیں۔ اور ان کی سرکشی اور ہٹ دھرمی کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ اس لئے وہ تو عذاب کے مستحق نہیں ہیں اور انھیں تو کسی صورت سزا نہیں ملنی چاہیے۔ فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام کو تسلی دی اور کہا کہ آپ خاطر جمع رکھیں۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ بس آپ ان مجرموں کی سفارش نہ فرمائیں کیونکہ یہ ہٹ دھرمی اور سرکشی کی تمام حدود پھلانگ گئے ہیں اللہ کے محبوب بندے لوط کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ وہ خود بھی اور ان کے گھر والے بھی عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ ہاں ان کی بیوی

جس کی ہمدردیاں اس نافرمان قوم کے ساتھ ہیں اور اس کی رائے اس بدبخت قوم کے تابع ہے وہ ہلاک ہو گی۔ جب فرشتے ابراہیم علیہ السلام سے رخصت ہوئے تو سدوم کی سرزمین کی طرف تشریف لے گئے۔ خوب صورت نوخیز جوانوں کی شکل وصورت اپنا کر شہر میں داخل ہونے کے لیے تیار ہوئے شہر کے پھاٹک پر انہیں ایک دوشیزہ ملی جو گھر والوں کے لئے پانی لینے آئی تھی۔ نوجوانوں نے اس سے کہا کہ وہ انہیں مہمان کی حیثیت سے اپنے گھر ٹھہرائے۔ بچی ڈر گئی کہ شہر کے لوگ ان کے در پے آزار ہو جائیں گے۔ وہ جانتی تھی کہ ایک ناتواں سی دوشیزہ ان کی حمایت نہیں کر پائے گی۔ لڑکی نے سوچا کیوں نہ اپنے گھر والوں کو اس کار خیر کے لئے تیار کرے۔ دوشیزہ نے جوانوں سے مہلت مانگی تاکہ گھر والوں سے مشورہ کرے۔ وہ اپنے باپ کے پاس دوڑی دوڑی آئی اور عرض کی: اے والد گرامی چند نوجوان شہر کے پھاٹک پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں ابا جان اتنے رعنا اور خوبصورت لوگ ہماری قوم میں نہیں ہیں۔ اگر لوگوں نے انہیں دیکھ لیا تو وہ ان کی بے عزتی کرنے کی کوشش کریں گے۔

یہ دوشیزہ اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹی تھی لوط یقیناً اس خبر سے پریشان ہوئے ہونگے۔ اپنی بچی سے ان کے بارے پوچھنے لگے۔ اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کیلئے مشورہ کرنے لگے۔ آپ انہیں ملنے سے ہچکچا رہے تھے اور ان کی مہربانی سے خوف سا محسوس کر رہے تھے۔ سوچنے لگے کیوں نہ کسی شخص کو بھیج کر معذرت کر لوں یا پھر انہیں حقیقت حال سے آگاہ کر دوں۔ تاکہ وہ ان کے خلاف میری مدد کریں۔ یا چاہیں تو مجھے ان کے حوالے کر کے الگ ہو جائیں۔ لیکن جذبہ جود وسخا نے انہیں جھنجوڑا اور مروت آڑے آگئی۔ اب ان کی نظروں میں یہ مشکل حقیر ہو کر رہ گئی اور قوم کی طرف سے جن سختیوں کا اندیشہ تھا وہ ہلکی نظر آنے لگیں۔ آپ چپکے سے نکلے۔ لوگوں کی نظروں سے چھپتے تیز تیز قدم اٹھاتے پھاٹک کی طرف چل دیے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس سے پہلے کہ لوگ اس کو راستے میں ملیں اور ان کا راستہ روکیں اسے مہمانوں تک پہنچ جانا چاہیے۔ ان بدمعاشوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس لوگوں کا آنا جانا بند کر دیا تھا۔ کوئی ان کے ہاں مہمان نہیں رہ سکتا تھا۔ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو منع کر رکھا تھا کہ آپ کسی مسافر کو پناہ نہیں دیں گے۔ حضرت لوط

علیہ السلام کو وہ اپنے لئے مصیبت خیال کرتے تھے۔ انہیں خوف تھا کہ اس کا دین پھیل جائے گا انہیں سخت خطرہ تھا کہ لوط علیہ السلام بغاوت کھڑی کر دیں گے اور ان کی قباحتوں اور مفاسد پر قدغن لگا دیں گے۔

لوط چپکے چپکے چلتے رہے۔ حتی کہ پھاٹک تک پہنچے اور فرشتوں سے ملاقات کی۔ اور انہیں خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا۔ پھر انہیں ساتھ آنے کی دعوت دی۔ انہیں لیکر گھر کی طرف چل پڑے۔ لیکن دل میں کئی وسوسے تھے۔ اور کئی اندیشے پریشان کر رہے تھے۔ فرشتوں کی ضیافت ان کیلئے ایک مسئلہ تھی۔ ڈر رہے تھے کہ سدومیوں کو پتہ چل گیا کہ مہمان لوط کے گھر ٹھہرے ہیں اور بہت خوبصورت ہیں تو وہ دوڑے چلے آئیں گے اور وہ نہ تو خود انہیں روکنے کی سکت رکھتے ہیں۔ نہ ان کی برادری ہے جو انہیں اس زیادتی سے باز رکھ سکے۔

لیکن انہیں اپنے گھر لے آئے۔ حتی المقدور کوشش کی کہ کسی کو پتہ نہ چلے ورنہ ایک شخص کو بھی بھنک پڑ گئی تو پوری قوم میں یہ بات مشہور ہو جائے گی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اپنی قوم کی ہم خیال تھی۔ اس نے مہمانوں کی خبر مشہور کر دی اور اپنی قوم کو اطلاع کر دی کہ چند نوجوان ہمارے گھر مہمان آئے ہیں انہیں جونہی خبر ہوئی کہ چند خوبصورت نوجوان لوط کے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں تو دیر کیے بغیر وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور فوراً حضرت لوط کے گھر پہنچ گئے۔ وہ بہت خوش تھے کہ نیا شکار ہاتھ لگا۔ حضرت لوط علیہ السلام انہیں دیکھ کر ڈر گئے کہ یہ بدبخت مہمانوں سے بدمعاشی کرنا چاہتے ہیں۔ اور گناہ کا ارتکاب انہیں کھینچ لایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اور کپڑے پہن لو۔ لیکن بے وقوف اور فاجر لوگوں پر اس نصیحت کا کیا اثر ہوتا۔ انہوں نے ایک نہ سنی اور اپنے ارادوں سے باز آنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے دروازہ بند کر لیا اور ان کو گھر سے باہر روک دیا۔

ایسا لگتا تھا کہ ان بدبختوں کی آنکھوں میں ذرا برابر بھی شرم و حیا نہیں۔ وہ عقل کے اندھے ہیں۔ ان کی عقلوں کو کسی بیماری نے آلیا اسی لئے تو وہ برائیوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور قباحتوں پر تلے ہوئے ہیں اور اس کام میں ایک دوسرے کی خوب مدد کرتے ہیں۔

جب آپ نے دیکھا کہ وہ بات نہیں مان رہے اور نصیحت پر کوئی توجہ نہیں دے رہے تو آپ نے انہیں فرمایا: کہ بدبختو ان عورتوں سے خلوت کرلو جنہیں اللہ کریم نے تمھارے لئے حلال قرار دے دیا ہے۔ اس بری عادت سے بچ جاؤ۔ ورنہ سخت عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ لیکن وہ ایک نہ مانے اور آپ کی نصیحت کی کوئی پرواہ نہ کی۔ بلکہ اصرار کرنے لگے کہ ہم ان نوجوانوں سے برائی کریں گے اور اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک یہ برائی کر نہیں لیتے۔ وہ برائی سے چمٹ گئے اور قباحت سے دامن آلودہ کرنے پر مصر ہو گئے۔ لوط علیہ السلام کی نصیحت کے جواب میں کہنے لگے۔ اے لوط تو تو جانتا ہی ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمیں عورتوں میں کوئی رغبت نہیں۔ ہم ان سے خلوت کو پسند نہیں کرتے۔ ہم جو چاہتے ہیں تو اس سے خوب واقف ہے۔

یہ جواب سن کر لوط علیہ السلام پر سارے راستے تنگ ہو گئے۔ اور امید ورجاء کے سارے دروازے بند ہو گئے۔ سخت مضطرب اور پریشان ہو گئے کہ اب مہمانوں کی نجات کی کیا صورت ہو گی۔ وہ انہیں اپنی قوم سے کیسے بچائے گا۔ آپ پھر ان بدبختوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: اگر مجھ میں تمہیں روکنے کی طاقت ہوتی تو میں تمہیں ہرگز یہ کام نہ کرنے دیتا۔ اور تمھاری شرارتوں سے محفوظ رہتا اور تمہیں لگام دے دیتا۔ اگر میرے پاس کوئی اختیار ہوتا یا تم پر کوئی تصرف کا حق رکھتا تو میں تمہارے ٹیڑھے پن کو سیدھا کر دیتا اور تمہیں انسانیت کا سبب سکھا دیتا۔

لیکن گمراہی نے انہیں اندھا کر رکھا تھا۔ انہیں ہدایت کا وہ راستہ نظر ہی نہ آرہا تھا جس کی طرف حضرت لوط دعوت دے رہے تھے۔ وہ اس راہ کو چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے جسے ترک کرنے کی لوط علیہ السلام نصیحت کر رہے تھے۔ وہ شیطان کے دام تزویر میں پھنس چکے تھے اسی لئے وہ گناہوں میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے تھے۔

لوط علیہ السلام پر غم کے بادل چھا گئے اور ان کے جسم میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ آپ انہیں روکنے سے مایوس ہو گئے تھے۔ اور انہیں برائی سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھک گئے تھے۔ آپ نے محسوس کر لیا تھا کہ اب وہ راہ راست پر نہیں آسکتے۔

آپ نے دیکھا کہ یہ تو گھر میں زبردستی گھس رہے ہیں۔ وہ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں اور مہمانوں پر جھپٹ کر ان کی بے عزتی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی اور انہیں باز رکھنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

فرشتوں نے لوط علیہ السلام کے حزن و ملال کو دیکھا تو انہیں تسلی دی اور انہیں بتایا: اے لوط! ہم تیرے رب کے فرستادہ ہیں۔ تجھے اس مشکل سے نجات دینے آئے ہیں اور ان کی سرکشی سے تجھے بچانے آئے ہیں۔ یہ کافر تجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ اپنے مقصد میں ناکام و نامراد رہیں گے۔

اسی وقت کافروں پر رعب اور دہشت چھا گئی۔ اور وہ مارے خوف کے الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوئے۔

لوط علیہ السلام کی ساری پریشانی ختم ہو گئی اور اللہ کی رحمت نے انہیں اپنے جلو میں لے لیا۔ اللہ نے خود ان کی مدد فرمائی۔ انہیں اس دھمکی کی کوئی پرواہ نہیں رہی تھی اور اس تہدید کا ان پر کوئی اثر نہیں رہا تھا۔

جب لوط علیہ السلام مطمئن ہو گئے تو فرشتوں نے انہیں بتایا کہ جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل جائیں اور اس بستی کو خیرباد کہہ دیں جس کی تباہی کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ اور عنقریب اس پر عذاب مسلط ہوا چاہتا ہے۔ پھر فرشتوں نے آپ کو روک دیا کہ اپنی بیوی کو ہرگز ساتھ نہ لے جانا اسے بھی وہی سزا بھگتنا پڑے گی جو پوری قوم کا مقدر بن چکی ہے۔ کیونکہ یہ عورت منافقہ ہے اور ان کی ہم خیال ہے۔ فرشتوں نے انہیں یہ حکم بھی پہنچایا کہ وہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں اور نزول عذاب کے وقت ثابت قدم رہیں۔

لوط اپنے اہل و عیال کو لیکر گھر سے نکلے اور بغیر کسی افسوس کے اپنی بستی کو چھوڑ کر چل دیے یہاں تک کہ بستی بہت پیچھے رہ گئی۔ عذاب خداوندی کا نزول شروع ہو گیا۔ زمین زلزلوں سے تھرا اٹھی۔ اس زلزلے سے بلندی پستی میں تبدیل ہو گئی۔ پھر پتھروں کی بارش شروع ہو گئی اور آبادی ویرانے میں بدل گئی۔ اور ان کے گھر ان کی سرکشی اور گناہ کے باعث نیست و نابود ہو گئے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً وَّمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

"یقیناً اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے" (شعراء: ۱۲۱)

"سیدنا یعقوب علیہ السلام"

یعقوب علیہ السلام اپنے والد اسحاق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسحاق علیہ السلام نہایت عمر رسیدہ تھے۔ان کے جسم کی جلد نرم پڑ گئی تھی اور کمر کمان کی طرح دوہری ہو گئی تھی۔ والد گرامی کی خدمت میں عرض کرتے ہیں : اے میرے باپ ! مجھے بھائی عیصو سے شکایت ہے۔ آپ انہیں سمجھائیں اور ڈانٹ ڈپٹ کریں۔ ابا جان ! جب سے آپ نے مجھے اپنی خصوصی توجہ سے نوازنا شروع کیا ہے' برکت کے لئے بلایا ہے اور پاکیزہ نسل ملک موروث اور خوشگوار زندگی کی خوشخبری دی ہے اس دن سے وہ مجھے حسد کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ آپ نے مجھے جن دعاؤں سے نوازا ہے جو مجھ سے امیدیں وابستہ کی ہیں وہ ان کا سن کر آگ بگولا ہو گیا ہے اور کینہ اور بغض کی آگ اس کے سینے میں جل اٹھی ہے۔ ابا جان ! مجھ میں بھلائی کی جس علامت کو آپ نے اپنی نگاہ فراست سے دیکھا ہے وہ اس کا منکر ہے۔ اب تو وہ مجھ سے تلخ لہجے میں بات کرتا ہے اور مجھے سرزنش کرنے لگا ہے۔ وہ مجھے ڈانٹتا ہے اور دھمکیاں دیتا ہے۔ میں اس کے اس رویہ سے بہت پریشان ہوں۔ ہم دونوں میں اخوت کا جذبہ ماند پڑ رہا ہے اور بھائیوں کے درمیان جو قلبی تعلق ہوتا ہے ٹوٹتا جاتا ہے۔

اسے فخر ہے کہ اس کے حرم میں کنعانی عورتیں ہیں۔ اس کی اولاد کثرت سے بڑھ رہی ہے۔ اسے ناز ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ مال و دولت رکھتا ہے۔ اور زندگی میں اس کا ساتھ دینے والے بہت زیادہ ہیں۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اپنی خداداد فہم و فراست اور عقلمندی سے فیصلہ فرمادیں۔

اسحاق علیہ السلام پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ دو بھائیوں میں اتنی دوری۔ دو سگے بھائیوں میں اس قدر نفرت۔ آپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! تو دیکھ رہا ہے کہ میری زلفیں سفید ہو گئی ہیں۔ میری پیشانی جھریوں سے بھری ہوئی اور پیٹھ دوہری ہو گئی ہے۔ بیٹے! میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اب تو جسم میں قوت نام کی کوئی چیز نہیں رہی۔ میری حیثیت چراغ سحری سے زیادہ نہیں۔ کسی بھی لمحے اجل آسکتی ہے۔ کسی وقت بھی یہ چراغ گل ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ میری رحلت کے بعد تیرا بھائی علی الاعلان عداوت پر اتر آئے گا اور مکر و فریب اور حیلے بہانوں سے تجھے ستانے کی کوشش کرے گا۔ وہ طاقت و قوت میں بھی تم سے آگے ہے اور اپنے سسرال اور بیٹوں کی وجہ سے بھی اس کے ہاتھ مضبوط ہیں۔

میں چاہتا ہوں آپ فدام آرام (از) کی طرف ہجرت کر جائیں جو عراق میں واقع ہے۔ وہاں تیرے خالو لابان بن بتویل ہیں۔ وہاں جا کر ان کی بچی سے شادی کر لینا۔ تمہیں بڑی عزت و توقیر، شرف و تکریم ملے گی اور آپ کی قوت میں بہت اضافہ ہو گا۔ شادی کر کے واپس فلسطین آجانا۔ مجھے امید ہے تجھے عیصو سے بہتر زندگی اور پاک اور بہتر نسل نصیب ہو گی۔ جا میرے بیٹے اللہ تمہیں خود اپنی نگاہ میں رکھے گا اور رحمت خداوندی خود تیری حفاظت کرے گی۔

یہ باتیں یعقوب علیہ السلام کے جلتے دل کے لئے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ثابت ہوئے۔ ان باتوں میں ان کے سینے کے لئے تازہ ہوا اور نئی زندگی تھی۔ فوراً اپنے خاندان کی جنم بھومی اور اسلاف کے پرانے اور اصلی مسکن کی طرف جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ نے والدین کو اشکبار آنکھوں سے الوداع کہا اور والدین نے اپنے بیٹے کو نیک دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ آپ صحرا کو چیرتے ہوئے عراق کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ دن رات سفر جاری رہا۔ کبھی بلند و بالا پہاڑوں کو عبور کرتے اور کبھی

نشیبی وادیوں سے گزرتے۔ خالو کی ملاقات کی خوشی آنکھوں میں روشنی بن کر چمک رہی تھی۔ والدہ گرامی کے کلمات کانوں میں اب تک گونج رہے تھے۔ سفر کی مشکلات اور صعوبتیں پاؤں لڑکھڑا دیتیں لیکن عنایت ربانی اور رحمت خداوندی بڑھ کر ہاتھ تھام لیتی۔

جب سفر کرتے کرتے تھک جاتے اور پاؤں میں آبلے پڑ جاتے تو والد کی اس اُمید کو یاد کر لیتے جو ان کے دل میں کروٹیں لے رہی تھی۔ اس بھلائی کے متعلق سوچنے لگتے جس کی توقع سے یہ سفر جاری تھا۔ اس سوچ اور ان حسین یادوں سے سب غم غلط ہو جاتے اور سفر آسان لگنے لگتا۔

اس سفر کے دوران ایک دن ایسا بھی آیا کہ گرمی کی شدت انتہاء کو پہنچ گئی۔ لو اتنی گرم کہ جسم جلنا شروع ہو گیا۔ ہوا تیز تھی اور بگولے ریت کے ذروں کو اڑا کر طوفان کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔ سورج اپنی شعاعوں کے تیروں سے زمین کا سینہ زخمی کر رہا تھا۔ اس بلا کی گرمی میں یعقوب کے لئے چلنا دوبھر ہو گیا۔ یوں لگتا تھا کہ لمحہ بہ لمحہ منزل دور سے دور تر ہوتی جا رہی ہے۔ حد نظر تک ریت ہی ریت اور صحرا ہی صحرا تھا۔ دور دور تک نہ کوئی درخت تھا نہ کوئی آبادی یوں محسوس ہوا کہ ہلاکت منہ کھولے انتظار کر رہی ہے۔ جسم تھکاوٹ سے چور چور پاؤں میں آبلے۔ سوچا واپس ہو جاؤں لیکن نہیں مجھے آگے بڑھنا ہو گا۔ پھر سوچا کیا میں مسلسل چل سکتا ہوں اور سفر کی ان صعوبتوں کو کئی روز تک برداشت کر سکتا ہوں۔ اگر ایسا ہے تو پھر کامیابی یقینی ہے۔ اس کے بازو مضبوط ہونگے اور اس کی پشت پناہی کرنے والے لوگ موجود ہونگے۔ یا پھر عافیت کو ترجیح دے طویل ترین اور مشکل ترین سفر کو خیرباد کہہ دے اور واپسی کو غنیمت جانے۔

وہ اسی سوچ بچار میں تھے کہ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک چٹان نظر آئی۔ چٹان کے سائے میں زندگی کے آثار نمایاں تھے۔ اس سائے کو چٹان نے چاروں طرف سے لپیٹ رکھا تھا۔ فوراً اس سائے کی طرف بڑھے کہ گھڑی بھر کے لئے آرام کر لیں اور پاؤں کو ذرا ٹھنڈک پہنچا سکیں۔ چٹان سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئے۔ اور فوراً سو گئے سوتے میں ایک خوش کن خواب دیکھا جس نے دل کے چاروں کونے روشن کر دیئے۔ اور امیدوں کی بلبلیں نغمہ سنج ہو گئیں۔ خواب میں دیکھا کہ عنقریب اللہ انہیں خوشگوار زندگی عطا کرے گا۔ اور ایک وسیع و عریض ملک کی بادشاہی عنایت ہو گی۔ ان کی نسل

دنیا کے کونے کونے میں آباد ہو گی اور نہایت ہی پاکیزہ اور متبرک لوگ ان کی نسل سے پیدا ہونگے۔ ان کی اولاد زمین کی وارث ہو گی اور کلام الٰہی انھی کی وساطت سے لوگوں تک پہنچے گا۔

آنکھ کھلی تو سینہ پھول کی مانند کھل چکا تھا۔ ذہن سے سارے خدشے دور ہو چکے تھے اور مایوسیوں اور حسرتوں کے جال سے دل آزاد ہو چکا تھا۔ اب امیدوں کے چراغ روشن تھے اور تمناؤں کے پورا ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ سوچا والد گرامی نے عزت و توقیر کی جو پیشینگوئی کی تھی اور امیدوں کے پورا ہونے کی جو بشارت دی تھی وہ پوری ہونے والی ہے۔ یہ سوچ کر ساری کلفتیں بھول گئے اور تیر کی مانند ایک نئے عزم کے ساتھ سفر پر چل نکلے۔

زمین سمٹتی گئی اور دن گزرتے گئے۔ سفر کرتے کرتے اچانک دور سے ایک وجود سا نظر آیا۔ اس سے امید بندھ گئی اور یہ خیال گزرا کہ ہو سکتا ہے دور سے جو یہ وجود سا نظر آ رہا ہے شہر کے آثار ہوں اور یہی شیخ لابان کا وطن ہو۔ یہ سوچ کر حضرت یعقوب کے قدم تیز تیز اٹھنے لگے۔ تھوڑا سفر ہی طے کیا ہو گا کہ یہ سیاہی نمایاں ہوتی گئی اور فوراً اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ واقعی یہ تو کوئی شہر ہے۔ ممکن ہے یہی میری منزل ہو۔

لو یعقوب کے پاؤں ٹھنڈک محسوس کرنے لگے۔ ان کے ذہن سے سارے خدشے سارے اندیشے جاتے رہے۔ ان کا دل مطمئن ہو گیا ہے اور ایک راحت و آرام کی کیفیت دل و دماغ پر چھا گئی ہے۔ لو اب تو بھیڑوں کے ریوڑ نظر آ رہے ہیں۔ پرندوں کے ڈار کے ڈار آبادی کا پتہ دے رہے ہیں۔ درختوں کے جھنڈ بتا رہے ہیں کہ یہاں کوئی بستی آباد ہے۔ یہ گانے کی آواز؟ ہاں یہ گڈریے ہیں' بچے کھیل رہے ہیں اور چیخ رہے ہیں۔ اب صحراء کی وسعتیں ختم ہو گئی ہیں۔ اب یعقوب علیہ السلام اس سرزمین میں پہنچ چکے ہیں جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کا شجر سایہ دار پھوٹا تھا۔ جہاں ان کی شریعت نے طلوع کیا تھا۔ یعنی لابان یعقوب کے خالو کا وطن۔ یہی ان کی منزل مقصود ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے انہوں نے صحراء کی وسعتوں کو عبور کیا ہے۔ اسی منزل تک پہنچنے کے لئے انہوں نے تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ اب

انہیں اللہ کے حضور سجدہ شکر بجالانا چاہیے اور اس کی توفیق اور رہنمائی پر اس کا اعتراف کرتے ہوئے جھکنا چاہیے۔

غریب الدیار یعقوب بڑی نرمی اور تلطف سے پوچھنے لگا۔ کیا تم میں سے کوئی لابان بن بتویل کو جانتا ہے ؟ لوگوں نے کہا : لابان کوئی معمولی حیثیت کا شخص تو نہیں کہ اسے کوئی نہ جانتا ہو۔ وہ برادری کا سردار' قوم کا ستارہ ہے۔ یہ سارے ریوڑ اسی کے ہیں۔ دیکھو یہ سارے مویشی جو سیلاب کی مانند بہے بہتے آرہے ہیں اسی کی ملکیت ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا۔ کیا تم میں سے کوئی مجھے ان کے گھر لے جا سکتا ہے ؟ یا صرف راستہ بتا سکتا ہے۔ لوگوں نے اشارے سے بتایا کہ وہ لابان کی بیٹی راحیل ہے۔ وہ جو بکریوں کے پیچھے بھاگتی آرہی ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے دیکھا تو ایک حسین طلعت' خوبصورت اندام پری پیکر دوشیزہ چلی آرہی ہے۔ یعقوب علیہ السلام کا دل تھک کر کے رہ گیا۔ حضرت یعقوب کی زبان کو گویا تالا لگ گیا ہو۔ لیکن فوراً اپنے آپ کو مجتمع کرنے کی کوشش کی اور نپے تلے الفاظ میں دوشیزہ سے مخاطب ہوئے اور بڑی سنجیدگی سے دانشمندی کے لہجے میں فرمایا : اے جواں سالہ میرے اور تیرے درمیان گہری قرابت اور بہت مضبوط رشتہ ہے۔ میں بھی اس درخت کی ایک شاخ ہوں جو تجھے سایہ مہیا کر رہی ہے اور میں بھی اسی تنے سے پیدا ہوا ہوں جس تنے سے تو پھوٹی ہے۔

میرا نام یعقوب ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت اسحاق علیہ السلام کا بیٹا ہوں۔ اور تیرے دادا بتویل کی بیٹی رفقہ میری ماں ہیں۔ میں کنعان سے آیا ہوں اور اس وسیع صحرا کو عبور کر کے یہاں تک پہنچا ہوں جو جلد کو جھلسا دیتا ہے اور پاؤں کو خون آلود کر دیتا ہے۔ اتنی تکلیفیں اس لئے جھیل کر آیا ہوں کہ تمہارے والد گرامی سے ایک اہم کام کے سلسلے میں ملاقات کرنا ضروری تھا۔ راحیل نے نگاہیں جھکاتے ہوئے۔ شیریں لہجے میں حضرت یعقوب کو خوش آمدید کہا اور آپ کو اپنے گھر لے چلیں۔

آپ نے راہ چلتے ہوئے محسوس کیا کہ دل کچھ بے چین سا ہو گیا ہے اور روح سے چین و سکون سب رخصت ہو گیا ہے۔ کیا یہ پریشانی اس دوشیزہ کی وجہ سے ہے جو اس کی آرزوؤں کا قبلہ اور امیدوں کی منزل ہے۔ کیا حضرت اسحاق علیہ السلام نے اسی

دوشیزہ کے متعلق پیشنگوئی کی تھی؟ کیا اس نے صحراء میں جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر یہی راحیل ہے۔ پھر سوچا کہ ہو سکتا ہے یہ محض اتفاق ہے۔ ایسا واقعہ ہر مسافر کو پیش آسکتا ہے جو کسی خاص مقصد کے لئے سفر کر رہا ہو۔ آپ کی سوچ کا دھارا تبدیل ہوتا رہا اور اسی سوچ وچار میں شیخ لابان کا گھر آگیا۔ آپ اپنے ماموں لابان سے ملے۔ انہوں نے دیکھتے ہی آپ کو سینے سے لگا لیا اور خوشی کے مارے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ لابان نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے بہت پیار کیا۔ اتنی عزت افزائی کی اور اتنی خاطر مدارت سے پیش آئے کہ یعقوب علیہ السلام سفر کی تمام تکلیفوں کو بھول گئے۔

یعقوب علیہ السلام نے اپنے خالو کو بتایا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے انہیں کس مقصد کے لئے بھیجا ہے۔ انہیں بتایا کہ وہ ان کی بیٹی سے رشتہ کا خواہاں ہے۔ انہوں نے جب سے راحیل کو دیکھا تھا دل میں راحیل کی بڑی قدر ومنزلت پیدا ہو گئی تھی۔ ان کی یہ تمنا تھی کہ کاش ان کی راحیل سے شادی ہو جائے۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک ایسا رشتہ اور تعلق پیدا ہو جائے جو انہیں یک جان دو قالب کر دے۔ لابان نے جواب دیا۔ مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔ میں ضرور تیری آرزو پوری کروں گا۔ اور راحیل سے تیری شادی کر دوں گا۔ لیکن ایک شرط تمہیں ماننا ہو گی۔ حق مہر کے طور پر تمہیں سات سال تک میرا ریوڑ چرانا ہو گا۔ ان سات سالوں میں آپ میرے ساتھ رہیں گے اور ایک بیٹے کی حیثیت سے میں آپ کو پورا پورا پیار دوں گا اور کسی قسم کی آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔

یعقوب علیہ السلام نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور بکریاں چرانا شروع کر دیں۔ خوشی و مسرت کے یہ دن پل جھپکنے کی دیر میں بیت گئے اور آرزوؤں کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔

لابان کی دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی کا نام "لیا" اور چھوٹی کا نام "راحیل" تھا۔ راحیل اگرچہ عمر میں لیا سے چھوٹی تھی لیکن شکل و صورت میں اپنی بڑی بہن سے بہتر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے باطنی حسن کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن و جمال سے بھی اسے خوب نوازا تھا۔ لابان نہیں چاہتا تھا کہ چھوٹی بہن کی شادی بڑی سے پہلے کر دی جائے۔ اور چھوٹی کی شادی بڑی بہن سے پہلے اس علاقے کے رسم و رواج کے مطابق بھی صحیح

نہیں تھی۔ لیکن لابان یہ بھی جانتا تھا کہ یعقوب علیہ السلام راحیل کو چاہتے ہیں۔ اس لئے اس نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی تمناؤں کو پورا کرنا بھی ضروری سمجھا۔ لابان نے سوچا اس مشکل سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ دونوں بہنوں کی شادی یعقوب سے کر دی جائے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت یعقوب ان کے ہم کف اور نہایت قریبی رشتہ دار تھے۔ اس دور میں دو بہنوں کا ایک مرد کے نکاح میں جمع ہونا ممنوع بھی نہیں تھا۔ جب یعقوب علیہ السلام نے سات سال کی مدت پوری کی اور وہ وقت آگیا کہ شادی کرے اور گھر بسائے تو لابان سے مدعا بیان کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے۔ لابان نے بڑے پیار سے کہا: بیٹے! باپ کا دل اور شہر کا رواج اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ چھوٹی بہن کی شادی بڑی سے پہلے ہو جائے۔ تم لیا سے شادی کر لو۔ اگرچہ راحیل حسن و جمال میں اس سے برتر ہے لیکن فہم و فراست میں اس سے بڑھ کر نہیں۔ ان سات سالوں کی محنت کے بدلے میں لیا سے شادی کر لے اور سات سال اور بکریاں چراؤ تاکہ میں راحیل بھی تجھے بیاہ دوں جو کریم النفس ہے اور مجھے جان سے بڑھ کر عزیز ہے۔

یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔ وہ اپنے خالو کی بات کو کیسے ٹال سکتے تھے۔ اور ان کی حکم عدولی کیونکر کر سکتے تھے۔ حضرت یعقوب نے سوچا لابان ہی تو ہے جس نے مجھے کھلے بازوؤں سے خوش آمدید کہا ہے۔ مجھ پر بڑا احسان فرماتا رہا ہے اور مجھے اپنی فرزندی میں قبول کرنے کی حامی بھری ہے۔ یہ سوچ کر حضرت یعقوب نے اس شرط کو بھی منظور کر لیا اور لیا سے شادی کر لی۔ یہاں تک کہ سات سال کی یہ مدت بھی گزر گئی اور آپ نے لیا کے بعد راحیل سے بھی شادی کر لی۔

لابان نے اپنی دونوں بیٹیوں کو جہیز میں ایک ایک لونڈی بھی دی تاکہ یہ لونڈیاں ان کی خدمت بجا لائیں اور ان کے کاموں کی نگہداشت کریں۔ لیکن راحیل اور لیا نے اپنی لونڈیاں حضرت یعقوب علیہ السلام کے حوالے کر دیں تاکہ وہ حضرت کی خدمت بجا لائیں کیونکہ انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام سے بہت محبت اور بہت الفت تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب کو لیا اور راحیل اور ان دو لونڈیوں کے بطن سے بارہ بیٹے دیئے انہی سے بنی اسرائیل کے مشہور بارہ قبیلے تشکیل پائے۔

"حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام"

یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی حضرت یعقوب اور اپنے بھائیوں کے درمیان :

پو پھٹی، اور سورج نے اپنے پروں کو کائنات پر پھیلا دیا یوسف علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے۔ آج وہ بہت خوش تھے کیونکہ انہوں نے بہت خوش کن اور خوبصورت خواب دیکھا تھا۔ وہ اسی حالت میں خوشی خوشی اپنے والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے چہرے پر تبسم تھا اور خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ عرض کی ابا جان! میں نے گذشتہ رات ایک خوبصورت خواب دیکھا ہے۔ اس خواب نے میرے دل کا ہر کونہ جگمگا دیا ہے اور میرا سینہ کھل اٹھا ہے۔

رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوۡ كَبًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ رَاَیۡتُهُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ

"میں نے خواب میں دیکھا ہے گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو میں نے انھیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں" (یوسف: ۵)

خواب سن کر حضرت یعقوب کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور پیشانی پر خوشی کا نور چھلکنے لگا۔ وہ اتنے خوش ہوئے کہ خوشی کے آثار آنکھوں سے عیاں ہو گئے اور وہ مارے خوشی کے صرف اتنا کہہ سکے۔ اے میرے بیٹے! یہ ایک سچا خواب ہے۔ یہ خواب ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے اندر بڑی فضیلت رکھ دی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ میں بہت بڑی بھلائی ودیعت کی گئی ہے۔ یہ خواب اس علم کی خوشخبری ہے جو صرف آپ کو بارگاہ الٰہی سے عطا ہوگا۔ اور اس نعمت کی پیشگوئی ہے جو آپ پر مکمل ہو گی۔ اللہ نے تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام کو جن فضیلتوں اور خصوصی نعمتوں سے نوازا تھا اسی فضل و احسان سے تمہیں بھی نوازے گا۔ انھی کی طرح آپ بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہونگے۔

لیکن خبردار! اپنے بھائیوں کو خواب نہ سنانا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ آپ سے حسد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے بھائی کو جن خصوصی نعمتوں سے نوازا ہے اور تم دونوں کو جو اعزاز و اکرام حاصل ہے اس پر وہ کڑھتے ہیں اور جلتے ہیں۔ آج وہ تم دونوں بھائیوں کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ ان کے لہجے میں ترشی تھی۔ لگتا ہے وہ تمہیں ناپسند کرتے ہیں۔ اگر آپ نے انہیں خواب سنا دیا تو ان کا کینہ بھڑک اٹھے گا اور ان کے دلوں کے اندر چھپی ہوئی نفرت ظاہر ہو جائے گی۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ تمھارے خلاف کوئی سازش تیار نہ کر بیٹھیں نقصان نہ پہنچائیں۔ اگر وہ تمہارے خلاف کوئی قدم اٹھائیں گے تو شیطان ان کی پشت پناہی کرے گا اور انہیں اس برائی پر اکسانے کی پوری کوشش کرے گا۔

یہ اس دور کی بات ہے جب حضرت یوسف علیہ السلام لڑکے تھے۔ آپ نہایت حسین و جمیل شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کے حسن میں صباحت کے ساتھ ساتھ ملاحت بھی تھی۔ پیشانی سے فطانت کا نور چھلکتا تھا۔ قد و قامت بہت موزوں تھی۔ یوں سمجھئے کہ مرقع حسن و دلبری تھے۔ حضرت یوسف کی والدہ ماجدہ راحیل کا انتقال ہو چکا تھا۔ ابھی حضرت یوسف اور ان کے بھائی بنیامین کی عمر بلوغت کو ہی نہیں پہنچی تھی کہ وہ داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ وہ ایسی عمر میں ان سے جدا ہو گئی تھیں جس عمر میں بچوں کو ایک ماں کے رحیم دل اور محبت سے لبریز سینے کی اشد ضرورت

ہوتی ہے۔ اسی لیئے حضرت یعقوب اپنے ان دو بیٹوں یوسف اور بنیامین کو بہت چاہتے تھے اور انہیں دوسرے بیٹوں پر ترجیح دیتے تھے۔ وہ ان پر خصوصی نظر کرم فرماتے تھے اور انہیں دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ پھر اس خواب نے ان کی محبت میں اور گہرائی پیدا کر دی اور ان کی توجہ پہلے سے بھی زیادہ یوسف اور بنیامین کی طرف مبذول ہو گئی۔ ان دو بھائیوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو جو محبت تھی اور ان کی نظر میں انہیں جو قدر و منزلت حاصل تھی وہ برادران یوسف سے چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ اگرچہ حضرت یعقوب اپنے تمام بچوں پر نظر شفقت فرماتے اور خصوصی توجہ اور دلی میلان کو چھپانے کی کوشش کرتے لیکن

دَلَائِلُ العِشقِ لا تَخفٰی عَلٰی اَحَدٍ

کَحَامِلِ المِسكِ لِا یَخلُوُ مِنَ العَبَقِ

لیکن عشق کے ہنگامے کسی سے مخفی نہیں رہتے

جس طرح کہ عطار سے مہک نہ آئے یہ ہو ہی نہیں سکتا

اس تعلق خاطر کو دیکھ کر برادران یوسف کے دلوں میں حسد کی بیماری اور بڑھ گئی۔ ان کے دل کی سرزمین میں کبیدگی کی فصل اگ آئی، بغض و کینہ نے ایک ہیجانی کیفیت کا روپ دھار لیا اور نفرت کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ اکٹھے ہوئے اور مشورہ کیا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جائے۔

ایک نے کہا: تم دیکھتے نہیں کہ یوسف اور بنیامین والد گرامی کو ہم سے زیادہ عزیز ہیں اور وہ انہیں ہم سے زیادہ قریب رکھتے ہیں۔ نا معلوم وہ ہمیں اس شدت سے کیوں نہیں چاہتے جس شدت سے ان دو بھائیوں کو چاہتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ان کی نظروں میں ہمارا وہ مقام نہیں جو یوسف اور بنیامین کا ہے۔ کیا ہم عمر میں اس سے بڑے نہیں؟ کیا ہم قوت میں، تجربے میں ان سے آگے نہیں؟ کیا ہم اپنے والد کی بھلائی نہیں چاہتے؟ کیا ہم نے ان کی خدمت میں کبھی کوتاہی کی ہے؟؟۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ان دو بھائیوں کو ہم سے زیادہ چاہتے ہیں۔ کیا وہ اس خصوصی کرامت کی وجہ سے انہیں ہم سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں لیکن یہ تو کوئی خاص وجہ نہیں۔ یہ خصوصیت اور یہ کرامت (نبوت) تو ابھی پردہ خفا میں ہے۔ یا وہ ان کی ماں راحیل کی وجہ سے انہیں

خصوصی محبت دیتے ہیں لیکن اس میں بچوں کا کیا قصور۔ اگر راحیل کو وہ زیادہ چاہتے تھے تو اس میں یوسف اور بنیامین کی کیا فضیلت ہوئی؟ بھائیو! والد گرامی کا یہ رویہ سراسر ظلم اور زیادتی پر مبنی ہے۔

دوسرے نے کہا: والد گرامی کے دل میں یوسف اور بنیامین کی محبت اس طرح پیوست ہو گئی ہے جس طرح ہتھیلی سے انگلیاں پیوست ہوتی ہیں۔ اگر ہم اس بحث میں پڑ گئے کہ والد گرامی انہیں کس لئے ہم پر ترجیح دیتے ہیں اور انہیں کس فضیلت اور شرف کی وجہ سے ہم سے زیادہ چاہتے ہیں تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے اور ہمارا حق ہمیں نہیں ملے گا۔ محبت پر کوئی زور نہیں۔ یہ وہ خزانہ ہے جسے نہ تو کسی کے دل سے سلب کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کے دل میں محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ محبت کی نہیں جاتی بلکہ محبت خود بخود پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو اقلیم عقل پر حکومت کرتا ہے اور ایسا میلان ہے جو دلوں میں رقت پیدا کر دیتا ہے۔ جب تک یوسف ہمارے درمیان نظر آتا رہے گا تو وہ اور اس کا بھائی بنیامین والد گرامی کے دل پر چھائے رہیں گے اور ہمارے لئے رکاوٹ بنے رہیں گے۔ اس لاعلاج مرض اور بے دریغ غم کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ ہم یوسف کو ٹھکانے لگا دیں۔ اور اس کی بھی صرف دو صورتیں ہیں یا تو اسے قتل کر کے اس کا نام و نشان مٹا ڈالیں یا اسے کسی دور دراز جنگل میں چھوڑ آئیں تاکہ اسے کوئی جنگلی درندہ پھاڑ کھائے یا صحراء کی ریت میں دب کر مر جائے۔ صرف یہی صورت ہے کہ ہم یوسف سے جان چھڑا کر باپ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔ اور محبت پدری جس سے آج تک محروم چلے آتے ہیں اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ قتل ناحق گناہ سہی لیکن کوئی حرج نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ لیں گے اور عند اللہ ہم نیک اور صالح ہو جائیں گے اور اللہ ہمیں معاف کر دے گا۔

یہودہ جوان میں زیادہ سمجھ دار اور بردبار تھا کہنے لگا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ ہمارا سلسلہ نسب حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل جیسی دولت اور دین حنیف جیسی ثروت سے نواز رکھا ہے۔ ایک بے گناہ شخص کا قتل دین اور عقل دونوں اعتبار سے

حرام ہے۔ یوسف بے گناہ ہے۔ وہ معصوم بچہ ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ اس کا دامن گناہ سے آلودہ نہیں وہ بے خطا ہے۔ وہ نہایت ہی راست باز اور نیک ہے۔ اگر تم اسے دور کرنے پر مصر ہو تو بیت المقدس کے نزدیک اس کنویں میں اسے پھینک دو جہاں سے دن رات قافلے گزرتے رہتے ہیں۔ کوئی قافلہ اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائے گا اور یوسف والد گرامی کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔ اس سے ہمارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور ہم قتل جیسے گھناؤنے جرم سے بھی بچ جائیں گے۔ تمام لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا۔ یہی طے پایا کہ یوسف کو القدس شریف کے نزدیک واقعہ کنویں میں ڈال دیا جائے۔

دوسرے دن صبح سویرے وہ اپنے والد گرامی کی خدمت میں گئے۔ نفسانی خواہشات نے اس جرم کو اتنے حسین لبادہ میں پیش کیا تھا اور شیطان مردود نے انہیں اس قدر دھوکے میں مبتلا کر کے اندھا کر دیا تھا کہ وہ سب کچھ بھول گئے اور سازش کو عملی جامہ پہنانے پر تل گئے۔ والد گرامی کی خدمت میں عرض کرنے لگے: ابا جان! یوسف کے سلسلے میں آپ ہم پر اعتماد کیوں نہیں کرتے؟ وہ ہمارا بھائی ہے۔ ہمارے جسم کا ایک ٹکڑا۔ آخر ہم آپ کے بیٹے ہیں۔ آپ کا لطف و کرم ہم تمام پر سایہ فگن ہے اور ہم سب آپ کو دل سے عزیز ہیں۔ آپ ہم پر اعتماد کریں اور یوسف کو ہمارے ساتھ جانے دیں۔ ہم کل شہر سے باہر سیر کو جائیں گے۔ جہاں آسمان صاف دکھائی دے گا۔ سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا ہو گا لہلہاتے شاداب کھیت اور بڑھتے ہوئے گھنے سائے دعوت نظارہ دے رہے ہونگے ہم اکٹھے جائیں گے۔ بکریاں چرائیں گے' زمین تیار کریں گے اور یوسف ہمارے قریب کھیلے گا' کودے گا' وہ کھلی فضا میں دوڑے بھاگے گا۔ اس سے اس کے جسم میں قوت و طاقت بھر جائے گی اور اس کا جسم پہلے سے کہیں زیادہ صحت مند و توانا ہو جائے گا۔ اسے آنے دیں بچہ پھرے گا تو خوش ہو گا اور ماں کے مرنے کا غم بھول جائے گا۔ ہم وعدہ کرتے ہیں۔ ہم اس کی پوری خبر گیری کریں گے اور اس کا پورا پورا خیال رکھیں گے۔ ابا جان اس کی طرف سے آپ بالکل مطمئن ہو جائیں یہ ہمارا چھوٹا بھائی ہے ہم اس کی حفاظت میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔

یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ اس کا انجام اچھا نہیں۔ اور یہ لوگ ضرور کوئی غلط قدم اٹھانا چاہتے ہیں۔ اس لئے آپ ڈر گئے اور فرمایا: جب میں یوسف کو نظروں سے دور کرنے کا سوچتا ہوں تو نہ جانے کیوں مجھے اندیشے گھیر لیتے ہیں اور میرا دل پریشان ہو جاتا ہے۔ میرے بچو! میں یوسف کو اپنی نظر کرم سے دور کر کے مضطرب ہو جاتا ہوں۔ میں جب سوچتا ہوں کہ یوسف میرے پروں کے نیچے سے نکل کر دور ہو رہا ہے یا میرے سائے سے الگ ہو رہا ہے تو میرا کلیجہ کانپ جاتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر تم یوسف کو جنگل میں ساتھ لے گئے تو اچانک لاعلمی میں کوئی بھیڑیا اسے مار دے گا اور کھا جائے گا۔ تو پھر میرے لئے کیا بچے گا یہی نا کہ ہمیشہ کا غم' ایک پریشان اور مضطرب دل اور مرتے دم تک رونے والی آنکھیں۔

برادران یوسف نے عرض کی: ابا جان یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے یوسف کو بھیڑیا کھالے۔ کیا ہم ایک جتھا نہیں؟ ہم میں کوئی بھی ناتواں اور ضعیف و کمزور نہیں۔ اگر یوسف کو بھیڑیا کھا گیا تو یہ نقصان کسی اور کا تو ہے نہیں۔ ہم ہی تو اس نقصان کو اٹھانے والے ہونگے۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم خلوص دل سے یوسف کی حفاظت کرو اور اسے اپنی نظروں کے سامنے رکھو تو ٹھیک ہے جیسی تمھاری مرضی۔ بھائی کو ساتھ لے جاؤ۔ اللہ کریم تمھاری حفاظت فرمائے گا۔

صبح ہوئی یوسف اپنے بھائیوں کے ساتھ سیر کو چل دیے۔ انہوں نے وہی راستہ اختیار کیا جو القدس شریف کے قریبی کنویں کو جاتا تھا۔ جونہی وہ وہاں پہنچے ان کے ارادے ظاہر ہو گئے۔ دل کے اندر بغض و کینہ کی جو گندگی تھی عیاں ہو گئی۔ دل پتھر ہو گئے اور جگر اور کلیجے بغیر پردوں کے گویا پلیٹ میں آگئے۔ یوسف معصوم کی قمیص اتاری اور انہیں کنویں میں پھینک دیا کہ تقدیر کے لکھے کا انتظار کرے۔ ان ظالموں پر یوسف کے نالوں کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اس معصوم کی آنکھوں سے ڈھلکتے آنسوؤں سے ان کے دل نہ پسیجے۔ وہ اپنی طرف سے یوسف کو قعر مذلت میں گرا چکے تھے لیکن تقدیر کھڑی ان کا مذاق اڑا رہی تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے بڑی آسانی سے اپنی سازش میں کامیابی حاصل کر لی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہمیشہ سے انسانی فیصلوں پر غالب رہا ہے۔ رات ہوئی تو واپس گھر کی راہ لی۔ والد کی خدمت میں پیش ہوئے باتیں بنانے لگے اور

جھوٹ بولنے لگے مگر مچھ کے آنسو بہائے کہ شاید والد گرامی کو دھوکہ دے سکیں اور وہ ان کی جھوٹی باتوں کو سن کر جھوٹ موٹ کی آہ و بکا سن کر یقین کر لیں۔ راستے میں بکرا ذبح کر کے یوسف کی قمیص کو خون آلود کر لیا تاکہ اسے دکھا کر یہ یقین دلا سکیں کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔

آہوں اور سسکیوں میں بتانے لگے : ابا جان! وہی ہوا جس کا آپ کو اندیشہ تھا۔ وہی مصیبت آن پڑی جس کا آپ کو خدشہ تھا۔ ہم نے اپنے بھائی یوسف کو سامان کے پاس بٹھایا اور ذرا دوڑنے کے لئے دور چلے گئے۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ بھیڑیا چھپا بیٹھا ہے اور یوسف کی تاک میں ہے ؟ جب ہم دوڑے اور یوسف اکیلا رہ گیا تو بھیڑیا یوسف پر جھپٹ پڑا اسے کھا لیا۔ اور ہمیں اس غم واندوہ میں مبتلا کر دیا۔ ہائے افسوس بھائی کی جدائی کا یہ غم ہمارے سینوں کو راکھ کیے جا رہا ہے۔ یوسف کے چلے جانے کے بعد ہمارے پاس اس کی خون آلود یہ قمیص اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے سواء کچھ نہیں رہا۔ ابا جان! آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہیں اور اس بات میں ذرا بھی بناوٹ اور جھوٹ نہیں ہے۔

یعقوب علیہ السلام اپنی خداداد فراست سے بھانپ گئے کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ آپ علیہ السلام جانتے تھے کہ یوسف کا عند اللہ ایک مقام ہے۔ وہ ضرور منصب عالیہ (نبوت) پر فائز ہونگے۔ اس لئے آپ نے فرمایا: یہ سب جھوٹ ہے۔ یوسف کو بھیڑیے نے نہیں کھایا۔ یہ سب تمھاری خواہشات نفسانی کا کیا دھرا ہے۔ اس واقعہ کے پیچھے تمھارا حسد و کینہ بول رہا ہے۔ ہاں میں صبر و تحمل سے کام لوں گا یہاں تک کہ ایک دن اس جھوٹ کی کلی کھل جائے گی اور تم دیکھ لوگے کہ مکر و فریب کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جو کچھ تم بتا رہے ہو اس کے خلاف اللہ تعالیٰ میرا مددگار ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں

یوسف علیہ السلام کنویں کی اتھاہ گہرائیوں کی نظر ہو گئے۔ کنویں میں تاریکی چھائی تھی اور باہر کی دنیا کی کوئی آواز کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ ایک ہو کا عالم تھا۔

ایک بے گناہ نوجوان تاریکیوں اور ظلمتوں میں گھر چکا تھا۔ وہ ایک مشکل امتحان سے گزر رہا تھا۔ فطرت کا یہ دستور ہے کہ برگزیدوں کو سخت آزمائش کی بھٹی میں ڈال کر اس کے کھرے اور کھوٹے پن کو آزمایا جاتا ہے۔ یوسف علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے۔ اس لئے انہیں آزمایا جارہا تھا۔ اس امتحان اور آزمائش کے پیچھے یہ مقصد کار فرما ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی اپنے مناصب جلیلہ کو حسن و خوبی سرانجام دے سکیں اور نبوت کے بار امانت کو اٹھانے کے قابل ہو جائیں۔

اس سے زیادہ ہلاکت خیز' درد انگیز اور حوصلہ شکن آزمائش کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اگر یہ آزمائش کسی جہاں دیدہ' تجربہ کار شخص پر آتی تو شاید اتنی بڑی اور اتنی شدید محسوس نہ ہوتی۔ لیکن یوسف تو ابھی بچہ تھا۔ اس کی تو ابھی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں۔ وہ زندگی کے نشیب و فراز سے بالکل ناواقف' سادہ لوح بچہ تھا۔ اور اس معصوم نے کوئی جرم بھی تو نہیں کیا تھا ہاں اگر اس نے کوئی جرم کیا ہوتا کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہوتا اور سزا کا مستحق ہوتا اور سوئے عاقبت کا حقدار ہوتا تو پھر یہ سزا شاید کم محسوس ہوتی لیکن نہیں اس پر تو کوئی الزام بھی نہ تھا۔ اس کا کردار ہر شک و شبہ سے بالاتر تھا۔ اس میں عام بچوں جیسی چالاکی بھی نہیں تھی۔ وہ بڑوں جیسے دھوکے سے قطعاً ناواقف تھا۔ اس کی سادہ دلی اور عاجزی و انکساری تو معروف و مشہور تھی۔ کوئی غیر ہوتے۔ اپنے بھائیوں کے علاوہ کسی دشمن کے ہاتھوں کنویں میں پھینکے جاتے۔ تو پھر بھی دل اس مصیبت کو برداشت کر لیتا اور وہ کلیجہ تھام کر بھی آہ و فغاں نہ کرتا لیکن افسوس یہ تیر تو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں سینے میں پیوست ہوا تھا۔ اس حال تک تو انھیں یعقوب کے بیٹوں نے پہنچایا تھا۔

لَوْ بِغَيْرِ الْمَاءِ حَلْقِيْ شَرَقٌ
كُنْتُ كَالْغُصَّانِ بِالْمَاءِ اعْتِصَارِيْ

"میرے حلق کی خشکی کا سبب اگر پانی کی عدم دستیابی ہوتا تو اس شخص کی مانند حلق تر کر لیتا جو غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لئے گھونٹ گھونٹ پانی پیتا ہے"

یوسف علیہ السلام کنویں کی گہرائیوں میں ادھر ادھر نظر گھماتے ہیں لیکن ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔ نظر پڑتی ہے تو پانی پر جس میں اپنی حالت زار اور غم کا سایہ دکھائی دیتا ہے۔ وہ گردن اٹھا کر اوپر دیکھتے ہیں لیکن گھمبیر اندھیرا ہے اور کوئی شئے نظر نہیں آتی۔ ان کے دل پر کیا گزری ہو گی۔ انہوں نے کیا سوچا ہو گا۔ شاید انہوں نے اپنے والد گرامی کو یاد کیا ہو گا۔ اس سے ان کی نظروں کے سامنے یعقوب علیہ السلام کا ہنستا مسکراتا چہرہ مبارک پھر گیا ہو گا جس کی زیارت سے وہ صبح شام شادکام ہوتے تھے۔ اس تصور سے ان کی سماعتوں سے والد گرامی کی رس بھری آواز ٹکرائی ہو گی جسے وہ بچپن سے سن رہے تھے۔ انہیں باپ کی چاہت' بنیامین کی معصومیت یاد آئی ہو گی ذرا تصور کریں۔ ایسے میں اس معصوم کے دل پر کیا گزری ہو گی۔ کیا دل پر غم واندوہ کے پہاڑ نہ ٹوٹے ہونگے۔

بلکہ ہو سکتا ہے ان کو تاریکی نے خوف زدہ کر دیا ہو۔ کنویں کی تنگ دیواروں نے انہیں وحشت میں مبتلا کر دیا ہو۔ انہوں نے سورج کے طلوع ہونے چاند کی پر فریب میٹھی میٹھی روشنی' ستاروں کی دمک آسمان کی نیلاہٹ' چاشت کی رونق بہار کی چہل پہل اور سایوں کے گھٹنے بڑھنے کو کس قدر چاہا ہو گا۔

اس تنگ و تاریک کنویں میں انہیں بھوک نے ستایا ہو گا۔ وہ سوچتے ہونگے کہ اب کھانا کون کھلائے گا۔ کون اس کو بھوک کے ظالم پنجوں سے بچائے گا۔ وہ کیسے جسم وروح کے تعلق کو باقی رکھے گا۔ اگر زندگی کے سانس لمبے ہو گئے تو کیا بنے گا۔ دل میں ہزار طرح کے اندیشے پھوٹے ہونگے اور قلب وروح پر کئی قیامتیں برپا ہوئی ہونگی۔

اِنَّ الْبَلَاءَ یُطَاقُ غَیْرَ مُضَاعَفٍ
فَاِذَا تُضَاعَفُ صَارَ غَیْرَ مُطَاقٖ

"مصیبتیں جب پے در پے نہ آ رہی ہوں تو برداشت کی جا سکتی ہیں مگر ایک سلسلہ بندھ جائے تو انسان کی قوت برداشت جواب دے جاتی ہے"۔

مگر رحمت خداوندی حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ اسی کریم

ہی نے تو آپ کو اس آزمائش میں ڈالا تھا۔ اب اسی ذات نے آپ کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنا تھا۔ اسی کریم ذات نے آپ کی پراگندگی پر نظر رحمت فرمانا تھی، لو : پیغام خداوندی آپہنچا: "اے میرے پیارے صبرو تحمل سے کام لیجئے۔ اس امتحان کی مشکلات کو عزم وہمت سے سہہ جایئے۔ میں خود تمہیں اس مشکل سے رہائی دوں گا۔ خود تمہیں اس غم سے نجات پانے کی راہ دکھادوں گا۔ میں تیرے بھائیوں پر تجھے فتح و غلبہ عطا کروں گا۔ لیکن ابھی کچھ دیر باقی ہے"۔ اس پیغام سے حضرت یوسف علیہ السلام کے سب غم غلط ہو گئے۔ دل مطمئن ہو گیا اور کنویں کی ان گہرائیوں میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔

لو! یہ تو کوئی آوازیں ہیں۔ یہ آوازیں قریب سے قریب تر ہوتی جاتی ہیں۔ اور قدرے واضح ہوتی جاتی ہیں۔ یہ قدموں کی آہٹ کنویں کے بالکل قریب آرہی ہے۔ کتے بھونک رہے ہیں۔ یہ تو کوئی قافلہ ہے۔ امیدیں ہنس پڑتی ہیں اور آرزو کی کلیاں چٹخ چٹخ جاتی ہیں۔ ہاں نجات کی گھڑیاں پہنچ گئی ہیں خلاصی کا وقت آگیا ہے۔

قافلہ کنویں کے قریب ہی اتر پڑتا ہے۔ رئیس قافلہ حکم دیتا ہے' اس آواز کو یوسف علیہ السلام بھی سنتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جلتے انگاروں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈال دیے گئے ہوں : "اے جوان کنویں میں ڈول ڈال اور نکال تاکہ ہم پیاس بجھائیں اور دوسری ضروریات پوری کریں۔ چوپائے بھی پیاسے ہیں۔ بیچارے چلتے چلتے تھک گئے ہیں انہیں بھی پانی کی ضرورت ہے۔ سفر بہت لمبا تھا۔ پورا قافلہ تھکا ماندہ دکھائی دیتا ہے۔ جلدی کر ڈول ڈال۔؟

ایک آدمی نے کنویں میں ڈول ڈال دیا۔ یوسف علیہ السلام انتظار میں تھے۔ جونہی ڈول قریب پہنچا اس سے چمٹ گئے۔ وہ شخص سمجھا کہ شاید ڈول پانی سے بھر گیا ہے اور اسی لئے بھاری ہے۔ خوشی سے کھینچتا چلا گیا۔ جب ڈول کنویں کے منہ پر آیا تو اس شخص کی چیخ نکل گئی۔ ایک بچہ رسی سے چمٹا تھا یہ بچہ نہیں گویا چاند کا ٹکڑا تھا۔ "یہ دیکھو کتنا من موہنا بچہ ہے۔"

قافلے کے سارے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ اور حسن یوسفی کو دیکھ کر ششدر رہ

حیران رہ گئے۔ پھر یہ قرار داد پاس کی کہ اسے ساتھ لے چلو۔ اسے مصر میں جا کر بیچ دیں گے۔

کاش کہ ان کے پہلوؤں میں رحمت سے آشنا دل ہوتے۔ کاش ان میں ذرا بھی شرافت کی بو ہوتی وہ یوسف علیہ السلام سے ان کے متعلق کچھ پوچھتے اور یوسف جیسے بیٹے کو یعقوب جیسے باپ کے حضور پیش کر دیتے لیکن بعض لوگ خواہشات نفسانی کی اندھی پیروی کر جاتے ہیں اور متاع گراں مایہ سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

اِنَّمَا اَنْفُسُ الْاَنِیْسِ سِبَاعٌ
یَتَفَا رَسُنَ جَهْرَةً وَّاغْتِیَالاً

نفس انسانی بھی درندوں کی مانند ہیں
جو چپکے سے یا کھلم کھلا پھاڑ کھاتے ہیں

قافلہ مصر پہنچ گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو بازار مصر میں بیچنے کے لئے پیش کر دیا گیا۔ یوسف آزاد مرد تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسول تھا۔ مگر آج مصر کے بازار میں انہیں نہایت ہی کم قیمت پر بیچ دیا گیا۔

دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ

"چند درہموں کے عوض۔ اور وہ (پہلے ہی) اس میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے" (یوسف: ۲۰)

انہیں ڈر تھا کہ کہیں معاملہ ظاہر نہ ہو جائے۔ پتہ نہ چل جائے کہ یوسف ان کا غلام نہیں بلکہ یہ گراں مایہ متاع اتفاقاً ان کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر زمین بھر سونے کے برابر بھی یوسف صدیق کا سودا کرتے تو پھر بھی یہ سودا نہایت سستا تھا اور کائنات بھر کے خزانے اس عظیم شخص اور کریم بچے کا مول نہیں بن سکتے تھے۔

یوسف علیہ السلام کا خریدار عزیز مصر تھا جو مصر کا سب سے بڑا وزیر تھا۔ وہ دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ اس بچے میں نہایت ہی قیمتی خزانے چھپے ہیں اور یہ کسی پاکیزہ اور بزرگ شخصیت کا چشم و چراغ ہے۔ اپنی بیوی کو آگاہ کیا: مجھے اس کے نین نقش اور طبیعت سے محسوس ہو رہا ہے کہ یہ بچہ نہایت ہی سلیم فطرت کا مالک ہے۔ جن اخلاقی بلندیوں پر یہ فائز ہے ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لگتا ہے یہ کسی بڑے اور بزرگ

خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب یہ جوان ہو اور سیانی عمر کو پہنچے تو اپنی خداداد فہم و فراست سے ہمیں فائدہ دے۔ یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں۔

یوسف علیہ السلام عزیز کے گھر میں کام کرنے لگے۔ ان کے کام میں سلیقہ شعاری بھی تھی اور امانت بھی۔ اس گھر کو اپنا گھر سمجھا اور اسی حسن سلوک کا انہیں حقدار سمجھا جسکی ایک پڑوسی کو اپنے اچھے پڑوسی سے توقع ہوتی ہے۔

یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی (زلیخا)

کنویں کی مشکل سے نجات پائے حضرت یوسف کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ وہ عزیز کے گھر میں پر سکون زندگی گزار رہے تھے کہ گردش دوراں نے ان کے لئے مصیبت کا ایک اور جال بننا شروع کر دیا تھا۔ تاکہ آزمائش کی یہ بھٹی ان کے عزم و ہمت میں طاقت بھر دے اور اس امتحان کے ذریعے انہیں پہلے سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے۔ تقدیر کے ہاتھوں یہ مصیبت اور یہ آزمائش حسن و جمال کے حوالے سے تھی۔ اس آزمائش میں جوانی اور شباب کو پرکھا گیا۔ ہر زمانے میں اس حسن نے انسان کو شقاوت سے دوچار کر رکھا ہے اور اس کی راہ میں مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کیے ہیں۔

وَكَمْ رَمَتْ قَسَمَاتُ الْحُسْنِ صَاحِبَهَا
وَأَتْبَعَتْ قَصَبَاتِ السَّبْقِ حَاوِيْهَا
وَزَهْرَةُ الرَّوْضِ لَوْلَا حُسْنُ رَوْنَقِهَا
لَمَا اسْتَطَالَتْ عَلَيْهَا كَفُّ جَانِيْهَا

بار ہا حسن و جمال کی رونقوں نے حسین چہروں کو برباد کیا ہے
اور مقابلے میں زیادہ کامیابیاں سمیٹنے والا آخر تھک جاتا ہے
اگر باغ کی کلی میں حسن و جمال نہ ہوتا
تو پھول چننے والے کا ہاتھ کبھی اس کی طرف دراز نہ ہوتا

یوسف علیہ السلام کام میں جت گئے۔ اور ان کے اندر چھپی فہم و فراست کے اظہار کے طور پر اور امانت اور اخلاقی پاکیزگی کے اعتراف کے طور پر آپ کے لئے خوبصورت کپڑے تیار کیے گئے۔ عزیز مصر کے اعتماد میں اور اضافہ ہو گیا اور یوسف علیہ

السلام کو گھریلو معاملات میں شریک کر لیا۔ وہ آپ کو اپنے بچے کی مانند چاہتا تھا۔ گھر میں آپ کی حیثیت غلام کی نہیں بلکہ آزاد اور خود مختار فرد کی تھی۔

وقت گزرتا گیا۔ حضرت یوسف کی عمر میں بہار کی تازگی آگئی۔ آپ نے بچپنے کی قمیص اتاری اور شباب کی چادر اوڑھ لی۔ عزیز کی بیوی آپ پر فریفتہ ہو گئی۔ اور آتے جاتے آپ کو دیکھنے لگی۔ وہ اٹھتے بیٹھتے آپ کا حسن و جمال دیکھتی۔ سوتے جاگتے، کھاتے پیتے اس کے ذہن میں ایک ہی صورت ہوتی اور وہ صورت حضرت یوسف کی تھی۔ وہ حضرت یوسف کی ایک ایک ادا پر جان و دل وارنے کو تیار تھی۔ حسن یوسفی کو وہ بہت قریب سے دیکھ رہی تھی۔ اس لئے صرف ان کا سراپا قبلہ مقصود نہیں تھا بلکہ یوسف کے چھپے محاسن اور بے پناہ قوتیں بھی اس پر عیاں تھیں۔ اس نے اب محسوس کر لیا تھا کہ یوسف کی محبت کا پودا دل میں اگ گیا ہے اور دل کی زمین میں عشق کی جڑیں دور تک پھیل گئی ہیں۔ وہ سمجھ گئی کہ اب یہ دل لگی نہیں رہی بلکہ یوسف اس کی نس نس میں سما گیا ہے۔ وہ تنہائی میں حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق سوچتی۔ اور تمنا کرتی۔ سچ تو یہ ہے عاشقوں کی راتیں تمنا میں بیت جاتی ہیں...... وہ سوچتی یوسف کو پائے تو کیسے ؟ وہ عزیز مصر کی بیوی ہے۔ محل میں اس کی بڑی عزت ہے۔ اس کا ایک خاص مقام اور مرتبہ ہے۔ عزیز مصر کوئی عام آدمی نہیں۔ مصر بھر میں لوگ اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ بادشاہ کا مقرب وزیر ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ یوسف کی محبت دل میں چھپی رہے اسے حاصل کرنے کی تمناؤں میں ہی گھٹ گھٹ کر مر جائے۔ اور دل کی بات دل میں دفن ہو کر رہ جائے لیکن حسن یوسفی کے جلوے دیکھ کر میلان بڑھتا چلا گیا اور سینے میں محبت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔

وَاَشَدُّ مَالُقِيْتُ مِنْ اَلَمِ الْجَوٰی
قُرْبُ الْحَبِيْبِ وَمَااِلَيْهِ وُصُوْلُ
کَالْعِيسِ فِی الْبَيْدَاءِ يَقْتُلُهَا الظَّمَا
وَالْمَاءُ فَوْقَ ظُهُوْرِهَا مَحْمُوْلُ

یہ غم سوزش عشق سے بھی بڑھ کر جان لیوا ہے
کہ محبوب قریب ہو لیکن اسے پانے کا کوئی راستہ نہ ہو

بھورے رنگ کے اس اونٹ کی مانند جسے پیاس ہلاک کر دیتی ہے
حالانکہ پانی اس کی پیٹھ پر لدا ہوتا ہے

جب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا' اور عشق نے جسم کو لاغر کر دیا تو سوچا کیوں نہ جذبہ عشق کا اظہار کر دوں اور مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ مگر کہیں ذلت نہ اٹھانی پڑے۔ کہیں سارا وقار خاک میں نہ مل جائے۔ یہ سوچ کر ارادہ بدل لیا۔ لیکن کب تک دل کو سمجھاتی۔ آخر یوسف علیہ السلام پر ڈورے ڈالنے لگی اور اپنے دلی خیالات سے اشاروں اور کنایوں سے انہیں آگاہ کرنے لگی کہ ہو سکتا ہے یوسف کا دل مائل ہو جائے اور وہ اس کی محبت کا مثبت جواب دے۔

لیکن یوسف علیہ السلام نے اس کے ناز و ادا کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اس کے حسن و جمال سے آنکھیں بند کر لیں۔ آپ علیہ السلام جیسے شخص کو بھلا یہ چیز کب زیب دے سکتی تھی کہ وہ حرام چیز کا ارتکاب کرے۔ وہ "تو کریم ابن کریم" تھا۔ یعقوب کے بیٹے اور اسحاق کے پوتے کے لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ ان کا نفس معصیت کا شکار ہو جاتا۔ اور اس سے ہٹ کر بھی یوسف علیہ السلام کے لئے یہ مناسب نہیں تھا۔ عزیز مصر نے انہیں والدین جیسا پیار دیا تھا۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے انہیں چاہا تھا اپنے گھر والوں پر انہیں امین بنایا تھا...... کہ وہ اپنے محسن کے گھر میں رہ کر اس کی امانت میں خیانت کرتے اور اس کی بیوی کو بری نظر سے دیکھتے۔

لیکن یوسف علیہ السلام کی بے رخی نے عزیز کی بیوی کی محبت کو اور بڑھا دیا۔ ان کے اعراض سے عشق کی چھپی چنگاری سلگ پڑی۔ اس نے سوچا اشاروں اور کنایوں سے تو بات نہیں بنی کیوں نہ کھل کر بات کی جائے اسے بتا دے کہ وہ کیا چاہتی ہے اور کس قدر اس سے محبت کرتی ہے۔ سوچا اظہار عشق مشکل سہی لیکن جرأت تو کرے اور یوسف کو ترغیب دے کر تو دیکھے۔ زلیخا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اب وہ مزید اعراض اور بے رخی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے تہیہ کر لیا اور دل میں یہ بات ٹھان لی کہ وہ یوسف کو اس بات پر کسی بھی صورت مائل کرے گی۔

عشق کے سامنے اس کی بادشاہی نہ ٹھہر سکی۔ اس نے بھڑ کیلے شوخ کپڑے پہنے' ہار سنگھار کیا بصد ناز و ادا دکھاتی ہوئی ایک کمرے میں بیٹھ گئی یوسف کو بلایا تا کہ

انہیں گناہ پر آمادہ کرے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے جب دیکھا کہ یوسف کمرے میں آگیا ہے تو پردے لٹکا دیے دروازے بند کر دیے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو دعوت گناہ دیتے ہوئے کہنے لگی: "اب آبھی جا"

لیکن حضرت یوسف' اگرچہ شباب زوروں پر ہے' جسم مین تازگی اور قوت کی بجلیاں چمک رہی ہیں' فارغ البالی ہے اور زندگی کی ساری راحتیں موجود ہیں...... کریم ابن کریم ہے۔ انہوں نے ایک حکیم اور پارساماں کا دودھ پیا ہے۔ وہ رسالت کی گود میں پروان چڑھے ہیں۔ اللہ کریم نے ان کے لئے نبوت کا شرف تیار کر رکھا ہے اَللّٰهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔

ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد کا بسیرا ہے۔ ان کے دل میں اتنی جگہ کہاں کہ ایک عورت کا خیال تک بھی آسکے یا حرص وہوا کے جذبے پروان چڑھ سکیں۔

یوسف علیہ السلام نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں تیری یہ بات مانوں۔ اور تیری مرضی پر چل دوں۔ حاشا و کلا! کہ میں اپنے آقا عزیز مصر سے خیانت کروں۔ اسی نے تو مجھے یہ مقام عطا کیا ہے۔ اسی نے تو مجھے اپنے بچوں کی طرح پیار دیا ہے۔ میں اپنے محسن سے نمک حرامی نہیں کر سکتا۔ میں اس کے احسانات کو فراموش نہیں کر سکتا۔

زلیخا اگرچہ تو نے دروازے بند کر دیئے ہیں اور دروازوں پر پردے بھی لٹکا دیے ہیں مگر اللہ تعالیٰ تو آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے۔ اس سے تو دل کے راز بھی پوشیدہ نہیں۔ خدا نہ کرے کہ گناہ اور سرکشی میں میرا نفس تیری اطاعت کرے یا میرا دل مجھے اس راستے پر ڈال دے جس پر چلنے سے میرا رب ناراض ہوتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو فلاح سے ہمکنار نہیں کرتا۔

عزیز مصر کی بیوی حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ وہ جوان ہے اس میں دلبری اور دلبستگی کا پورا سامان موجود ہے۔ اس کو سطوت اور عزت بھی حاصل ہے۔ وہ خود ایک جوان کو دعوت گناہ دیتی ہے۔ کسی عام جوان کو نہیں بلکہ اپنے زر خرید غلام کو۔ وہ غلام انکار کر دیتا ہے۔ وہ اس کے حسن و جمال' ناز و ادا کو ٹھکرا دیتا ہے۔ وہ گناہ کی وادی میں پاؤں رکھنے کو تیار نہیں ہوتا۔ وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ وہ اسے حکم دیتی ہے لیکن وہ پرواہ نہیں کرتا۔ محل میں جسارت کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ زلیخا نے یہ تو کبھی سوچا بھی نہ ہوگا کہ اس کے حسن کی دیوی جادو جگانے میں ناکام ہو جائے

گی۔ اور ایک ایسا پری پیکر بھی ہو گا جو اس کے عشوہ و ناز ش کو ٹھکرانے کی جرات کرے گا۔

محل میں اسی کا حکم چلتا تھا۔ سب لوگ اس کے اشارہ ابرو کے بندے تھے۔ اس کی حیثیت ایک مالکن اور مخدومہ کی تھی۔ خدم و حشم اسی کی ناز برداریوں کے لئے تو خریدے گئے تھے۔ وہ اتنی عظیم تھی کہ اس سے اپنی بڑائی کا اظہار بھی پوری طرح نہیں ہو پاتا تھا۔ وہ اتنی بڑی تھی کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی آج تک اس کے کسی حکم پر انکار کی جرأت نہیں کی گئی تھی مگر آج یوسف نے اس کے حسن کی توہین کر ڈالی تھی۔ گویا اس زر خرید نے اپنی مالکن کی حکم عدولی کر کے بہت بڑی جسارت کر دی تھی۔

زلیخا کا غصہ بھڑک اٹھا' سینہ مارے غضب کے دھک دھک کرنے لگا۔ یوسف علیہ السلام کو پکڑنے کا ارادہ کیا۔ اور اسے اپنے کیے کی سزا دینے کی ٹھان لی۔ سوچنے لگی اس نے میری عزت کو خاک میں ملایا ہے میں اس بے عزتی کا انتقام لوں گی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب زلیخا کے تیور دیکھے تو ارادہ کر لیا کہ اگر زلیخا نے کوئی شرارت کھڑی کی تو وہ اس شرارت کا جواب ویسی شرارت سے دے گا اور تلوار زنی کا جواب تلوار زنی سے دے گا۔ لیکن فوراً اپنے نفس میں نبوت کی روشنی محسوس کی اور دل میں برھان خداوندی کو دیکھا۔ آپ کی طرف وحی کی گئی: "قتال سے فرار بہتر ہے۔ ثابت قدم رہنے سے پیچھے ہٹنے میں بھلائی ہے"۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کیا اور دروازے کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ زلیخا پیچھے دوڑی اور ان کا دامن پکڑ لیا۔ اور اسے زور سے کھینچا۔ جب آپ دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ عزیز مصر دروازے پر کھڑا دیکھ رہا ہے۔ آپ کی قمیص پیچھے سے پھٹ چکی تھی۔

عزیز ابھی تک گم سم تھا۔ اور اس واقعہ کے متعلق شک وارتیاب کا شکار سوچ و بچار کر رہا تھا۔ کہ زلیخا نے مکر و فریب کا سہارا لیا اور یوسف علیہ السلام نے سچائی کا دامن تھام لیا۔ زلیخا نے کہا: اے عزیز مصر! یوسف نے تیری عزت خاک میں ملانے کی کوشش کی ہے۔ اس نے خیانت کی راہ اختیار کر لی ہے۔ اس نے میرے دامن عصمت کو داغدار کرنا چاہا ہے اور گناہ کے ارادے سے مجھے پکڑا ہے۔

مَاجَزَاءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْءً ا اِلَّا يُسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ عَلِيْمٌ

"کیا سزا ہے اسکی جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا بجز
اس کے کہ اسے قید کر دیا جائے یا اسے دردناک عذاب دیا جائے" (یوسف: ۲۵)

یوسف علیہ السلام کے پاس سچائی اور صحیح صورت حال بیان کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ کیونکہ زلیخا برملا کذب وافتراء پر اتر آئی تھی۔ آپ نے فرمایا: میں نے نہیں بلکہ اس نے مجھے مطلب براری کے لئے بہلانا چاہا ہے۔ میرے ہر گناہ سے پاک دامن کو پکڑ کر خود اس نے کھینچا ہے۔ دیکھیے میرا یہ کرتا میرے دعویٰ کی سچائی پر شہادت دے رہا ہے۔

اسی لمحے زلیخا کا چچازاد بھائی اندر آیا۔ وہ شخص بہت ذہین' بہت دانا اور بہت سیانا تھا۔ اس نے یوسف اور زلیخا کی باتیں سنیں تو سمجھ گیا کہ قصہ کیا ہے۔ کہنے لگا اس کا اندازہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اگر قمیص آگے سے پھٹی ہے تو زلیخا سچی ہے اور یوسف جھوٹا۔ اور اگر اس کے برعکس قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو پھر یوسف سچا اور زلیخا جھوٹی ہے۔

جب عزیز نے دیکھا کہ یوسف علیہ السلام کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو ساری بات سمجھ گیا۔ اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا۔ دو آنکھوں والے شخص کے لئے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یوسف پاک دامن ہے اور ساری شرارت زلیخا کی ہے۔ عزیز نے زلیخا کی طرف دیکھا اور کہا۔ یہ سب عورتوں کا مکرو فریب ہے۔ اگر تو نے خطا کی ہے تو معافی مانگ لیتی۔ اے یوسف صدیق! کسی سے کچھ مت کہنا۔ اندیشہ ہے کہ بات نکل گئی تو فضیحت ہو گی۔

لیکن ہزار احتیاط کے باوجود بھی یہ خبر شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ مصر کی ہر عورت کی زبان پر زلیخا کے عشق کے قصے تھے۔ اور محل میں اس کی دیوانگی کے چرچے تھے۔ ہر شخص کی زبان پر یہی بات تھی کہ عزیز کی بیوی اپنے ایک غلام پر فریفتہ ہو گئی ہے۔ وہ سو جان سے اس پر قربان ہوتی ہے۔ جوان بہت خوبصورت ہے اس کے حسن و جمال کے تیر زلیخا کے سینے میں پیوست ہو گئے ہیں۔ عشق کی اس آگ نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اس نے اپنی عزت و وقار کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ وہ اپنے عرش سے اتر آئی ہے۔ اپنے غلام کو دعوت گناہ دے بیٹھی ہے اپنے عشوہ و ادا سے غلام

کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے حسن و جمال کا جادو جگانا چاہا ہے لیکن اس جوان نے بے رخی برتی ہے اور اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ زلیخا کے حسن صورت اور ناز و ادا نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا۔ اس کی سب عشوہ طرازیاں اور دلربائیاں بے اثر ثابت ہوئی ہیں۔ وہ اسی بے رخی کے سبب پریشان اور اداس رہتی ہے۔ اس نے محبت اور عشق کو چھپانے کی ہزار کوشش کی ہے لیکن آنسوؤں نے اس کی محبت کا راز فاش کر دیا ہے۔ اس نے اپنی مستی کو چھپانے کے ہزار جتن کیے ہیں لیکن اس کا جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے اور یہ راز فاش ہو گیا ہے کہ اس لاعلاج بیماری کا علاج محبوب کے قرب کے بغیر ناممکن ہے۔

بات پھیلتی چلی گئی۔ ہر طرف زلیخا کے عشق کے چرچے ہونے لگے۔ اس میں خوب رنگ بھرے گئے اور خوب مرچ مسالا لگا کر تشہیر کی گئی۔ یہاں تک کہ زلیخا کے کانوں میں بھی بھنک پڑ گئی کہ اس کی سہیلیاں اور ہم جولیاں اس کے عشق کے قصے مشہور کر رہی ہیں اور اس قصے کو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہی ہیں۔ اس کو سب معلوم ہو گیا کہ شہر میں عورتیں حسد اور کینہ کے ہاتھوں مجبور اس پر الزام تراشیاں کر رہی ہیں اور طرح طرح کی باتیں بنا رہی ہیں۔ اب اس بات کا رد ضروری تھا۔ اس ہتھیار کا کند کرنا واجب تھا۔ زلیخا نے سوچا کہ مکر کا مقابلہ مکر سے کرے اور سازش کو کسی سازش سے ناکام بنائے۔

ایک دن تمام سہیلیوں کو اپنے ہاں دعوت پر بلایا۔ ان کے لئے گاؤ تکیے اور آرام دہ صوفے تیار کیے۔ ان پر خوبصورت غلیچے بچھائے اور چاروں طرف نعمتوں کے ڈھیر لگا دیے۔ سیب اور دوسرے کئی پھل ان کے سامنے پڑے تھے اور کاٹنے کے لئے تیز چھریاں ہاتھ میں تھیں۔ یہ سب اہتمام کرنے کے بعد زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو باہر بلایا اور حکم دیا کہ ذرا انہیں دکھاؤ کہ زلیخا اتنی بے وقوف بھی نہیں۔ ذرا ان کی صفوں میں چلو تا کہ انہیں خبر ہو کہ اس سراپا پر فریفتگی اتنا بڑا جرم بھی نہیں۔ یوسف کمرے سے باہر نکلے۔ عورتوں کو دیکھتے ہی چہرے پر حیاء کی سرخی نمایاں ہو گئی۔ اور سر تاپا مجسم حسن و جمال عورتوں کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ عورتوں نے ایک نوجوان دیکھا جو عام جوانوں جیسا نہ تھا۔ ایسا شباب دیکھا جو عام شبابوں سے مختلف تھا۔ روشن پیشانی' تاباں چہرہ' نکھری رنگت' ملاحت کی مٹھاس' بھرا ابھرا جسم' مردانہ رعب و جلال۔ اس

سراپے کے پیچھے خوبصورت اور کریم شخصیت سراپا دلبری۔ سراپا حسن' سراپا عشق انگیز۔ مصر کی حسینائیں دل تھام کر رہ گئیں۔ وہ یوسف کو دیکھتی رہ گئیں اور ہوش وہواس کھو بیٹھیں۔ پھل کاٹتے کاٹتے ہاتھ کٹ گئے مگر خبر تک نہ ہوئی۔ اس سرمستی اور بے خودی کے عالم میں بس اتنا کہہ سکیں :

مَاهٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ

"یہ انسان نہیں بلکہ یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے" (یوسف: ۳۱)

زلیخا نے تالی بجائی۔ گویا اس نے بازی جیت لی ہو۔ اور کہا :

یہ ہے وہ یوسف جس کے بارے تم مجھے ملامت کرتی ہو۔ یہ ہے وہ حسن و شباب جس سے میں عشق کرتی ہوں اور تمھاری الزام تراشیوں کا نشانہ بن گئی ہوں۔ اب ذرا دیکھو نا کہ تم نے اسے ایک نظر دیکھا تو تمھاری یہ حالت ہو گئی۔ صرف ایک لمحے کے نظارے نے تمہیں اس قدر سرمست کر دیا۔ ذرا سوچو تو تم یوسف کے متعلق مجھے ملامت کرتی ہو۔ تم نے تو صرف ایک جھلک دیکھی اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ مگر میں کیا کروں۔ یوسف میرے گھر میں جوان ہوا ہے۔ میری نظروں کے سامنے بچپنے سے جوانی کو پہنچا ہے۔ میرے دیکھتے اور سنتے اس کی یہ قدو قامت بلندی کو پہنچی ہے۔ میں اس کے سراپے کا بیٹھتے اٹھتے مشاہدہ کرتی ہوں۔ سوتے جاگتے کھاتے پیتے اسے دیکھتی ہوں۔ میں اسے چلتے پھرتے دیکھتی ہوں۔ اور اس کے حسن کا نظارہ کرتی ہوں۔ وہ رات' دن میری خلوتوں میں موجود رہتا ہے۔ میں نے ہزار کوشش کی کہ وہ میرے حسن کو دیکھے لیکن اس نے میرے سراپے کی طرف اور حسن و شباب کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ میں نے کوشش کی کہ اس کا دامن تھام لوں لیکن اس نے میرے جسم کو ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا۔ اور کبھی مجھے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اس نے کبھی میری طرف محبت کی نظر نہیں کی۔ اس میں قدوسی روح جھلکتی ہے۔ اور ظاہری حسن کو عبادت خداوندی نے حسن کا مکمل مفہوم دے دیا ہے۔

تم کہتی ہو کہ میں غلام پر فریفتہ ہو گئی ہوں۔ ذرا دیکھو تو سہی بھلا ایسے جلالت مآب بادشاہ کو زر خرید غلام کہا جا سکتا ہے؟ اور مجھ جیسی دل کے ہاتھوں مجبور عورت کو مالکن کہنا صحیح ہے؟ ذرا خیال کرو کہ میں وہ عورت ہوں کہ حکم دیتی ہوں۔ نہیں بلکہ اشارہ کرتی ہوں تو اس کی اطاعت کی جاتی ہے لیکن جب میں اس جوان کو

براری کے لئے بلاتی ہوں تو وہ رخ پھیر لیتا ہے۔ میں اپنی سلطانی کا اظہار کرنا چاہتی ہوں لیکن عاجز آجاتی ہوں اور خود کو ایک لونڈی کی سطح پر پاتی ہوں۔

میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ : ہاں! میں نے اسے بہلانے کی کوشش کی۔ میں نے اس کے دل میں عشق کی جوت جگانا چاہی مگر اس نے انکار کر دیا اور اپنا دامن گناہ سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ ہاں ہاں میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے اسے گناہ پر آمادہ کرنا چاہا لیکن اس نے منہ پھیر لیا اور آنکھ اٹھا کر بھی مجھے نہیں دیکھا۔

میں تمہیں یہ بھی بتانا چاہتی ہوں کہ میں اس بے رخی کی تاب نہیں رکھتی۔ مجھ میں اب دل پر قابو پانے کی طاقت نہیں رہی۔ عشق کا گھوڑا منہ زور ہے۔ میں ناتوان ہوں اس کی باگ میں اب نہیں تھام سکتی۔ یوسف نے میرے دل کی باگیں اپنے ہاتھ میں تھام لی ہیں۔ وہ میرے دل کی دھڑکنوں میں بس گیا ہے۔ اس کے عشق نے میری راتیں طویل کر دی ہیں۔ اس کی چاہت نے میری پلکوں سے نیند چھین لی ہے۔ اس عشق نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ یوسف نے میری زندگی فسانہ بنا دی ہے۔

اگر اس نے میری بات نہ مانی تو میں اسے جیل کی تاریکیوں کے سپرد کر دوں گی۔ جہاں اسے روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آئے گی اور اس کے حسن و شباب کی یہ چادر بوسیدہ ہو جائے گی۔ یا میں اسے ذلیل و خوار کر دوں گی۔ اس کے جسم کو اذیتوں میں مبتلا کر دوں گی۔ پس اس کے لئے اب یہی دو راستے ہیں جو راستہ اس کے لیئے آسان ہو اسے قبول کر لے۔

مصر کی حسیناؤں نے یوسف کی جوانی دیکھی۔ ان کا حسن و جمال اور رونق و جلال دیکھا' پھر زلیخا کی الفت و محبت' پریشانی اور بے قراری دیکھی زلیخا کی سطوت و سلطنت کا خیال کیا اور یوسف کی عاجزی و درماندگی کو دیکھا۔ پھر زلیخا کی تہدید اور دھمکی بھی سنی اور اس کے غم و غصے کو بھی دیکھا تو یوسف کو زلیخا کی طرف مائل کرنے کی کوشش میں لگ گئیں اور ان کے قریب ہو کر انہیں سمجھانے لگیں۔

ان میں سے ایک نے کہا : اے کریم لڑکے! یہ انکار اور اعراض کیوں؟ یہ بے رخی اور بے التفاتی کیسی؟ کیا تیرے پہلو میں دل نہیں کہ تو نے زلیخا جیسی حسینہ کی خود سپردگی کی بھی پرواہ نہیں کی۔ اور اس سے دل جیسا قیمتی تحفہ قبول نہیں کیا۔ کیا تو ایسی آنکھ نہیں رکھتا جو اس بے چاری کی طرف ایک دفعہ ہی اٹھ جائے جو صرف تیرے

لئے سنگھار کرتی ہے۔ کیا تو بھرپور جوان نہیں۔ کیا تجھ میں جوانی کی تروتازگی نہیں؟ ذرا سوچ تو' تیرا بھی کسی عورت میں حصہ بنتا ہے اور کچھ نہ کچھ تجھے بھی دنیا سے لطف اندوز ہونا ہے۔

دوسری نے کہا: زلیخا کے حسن و جمال کو رہنے دیجیئے۔ تجھے اس کا مال و دولت اور شوکت و سطوت نظر نہیں آتی۔ وہ کس قدر مقام اور مرتبہ کی مالک ہے۔ تو جانتا ہے نا کہ اگر تو نے اس کی بات مان لی تو اس محل کی ہر چیز تجھ پر نچھاور ہو جائے گی اور ساری دولت تیرے قدموں میں ڈھیر کر دی جائے گی۔

تیسری نے سمجھایا: مانا کہ تجھے حسن و شباب سے واسطہ نہیں۔ تجھے مال و دولت سے غرض نہیں لیکن زندگی بھر قید کی جو زلیخا نے دھمکی دی ہے تجھے اس کا بھی خوف نہیں۔ تجھے کیا خبر کہ کتنی مدت جیل میں پڑا سڑتا رہے گا۔ تجھے کن مصیبتوں سے واسطہ پڑے گا۔ کتنی تکلیفوں کو برداشت کرنا پڑے گا۔ تیرے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنے رویہ میں ذرا لچک پیدا کر لے اور اپنے عناد اور سرکشی میں ذرا تخفیف کر دے۔ اس سے تجھے دو فائدے ہونگے ایک حسن و شباب اور دوسرا مال و دولت اور دو نقصانوں سے بچ جائے گا قید و بند کی صعوبتیں اور عذاب و عقاب کی تلخیاں۔

یوسف علیہ السلام کے شاید حسنِ باطنی سے پوری طرح واقف نہیں تھیں۔ اس لئے وہ سمجھ رہی تھیں کہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے یوسف کا دل جیت لیں گی اور اس کو گناہ کے اس راستے پر ڈالنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ لیکن یوسف اس وعدہ اور وعید کے درمیان پریشان ہو گئے اور سوچنے لگے کہ اب کونسا راستہ اختیار کرے۔ ایک طرف دنیاوی جاہ و دولت ہے اور دوسری طرف جیل کی اندھیری کوٹھڑی اور زندگی بھر کی اذیتیں ہیں۔ وہ سوچتے سوچتے کانپ گئے کہ کہیں حقیقت ان پر مشتبہ تو نہیں ہو گئی؟ کیا یہ سوچ شیطان کی وسوسہ اندازی تو نہیں۔ فوراً اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی۔ اور مؤمن کی تو شان ہی یہی ہے کہ جب اسے غم و الم کی آندھیاں گھیر لیتی ہیں یا مصیبتوں کے جھکڑ چلتے ہیں یا حقیقت مشتبہ ہونے لگتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے مدد کا خواستگار ہوتا ہے اور رہنمائی کی التجا کرتا ہے۔

یوسف علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے۔ مصیبت کی اس گھڑی میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور گڑگڑا کر حضور باری تعالیٰ میں دعا

کی کہ مولا! اس مصیبت کو ٹال دے اور عورتوں کے چکر سے مجھے بچالے۔ میرے مولا! قید تاریکی اور تنہائی مجھے پسند ہے اور ان عورتوں کی سازشوں اور مکروفریب سے تو میرے لئے بہتر ہے کہ میں قید میں زندگی گزار دوں۔ الٰہی میں جیل میں تیرے امتحانات پر صبر کر لوں گا اور تنہائیوں میں تیرے فیصلوں پر ایمان پختہ ہو جائے گا۔ تیری مخلوق کے جو راز مجھ سے پنہاں ہیں وہ راز پالوں گا۔ جیل میں دعاو مناجات کے ذریعے مجھ پر تیری معرفت اور وحدانیت کے دروازے کھل جائیں گے۔ اس تنہائی میں مجھے تیری عبادت اور تمجید کا بہترین موقع مل جائے گا۔ میں لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنی ذات کو اقامت حق کیلئے اور عدل وانصاف پر قائم رہنے کے لئے تیار کر لوں گا۔ اس امتحان سے گزر جاؤں تو ممکن ہے تو مجھے حکومت عنایت فرمادے۔ جیسا کہ میرے مولا تو نے زمین میں مجھے تمکنت دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور تیرا وعدہ حق ہے' تیری بات سچ ہے۔ اگر میں ان عورتوں میں ٹھہرا رہا تو یہ مجھے باتوں باتوں میں گناہ میں مبتلا کر دیں گی اور زندگی کی بُری اقدار کو خوبصورت رنگ میں پیش کر کے مجھے راہ راست سے بھٹکا دیں گی۔ مولا! مجھے ڈر ہے کہ میری خواہش میرے قدموں میں لغزش پیدا کر دے گی۔ شیطان سے مجھے خوف ہے کہ وسوسہ اندازی کر کے مجھ پر غلبہ پا لے گا اور میں ان حسیناؤں کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ وِالاَّ تَصرِفُ عَنِّیْ
کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِنَ الْجَاهِلِیْنَ

"اے میرے پروردگار! قید خانے کی صعوبتیں مجھے زیادہ پسند ہیں
اس (گناہ) سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو (اپنی
عنایت سے) نہ دور کر دے مجھ سے ان کے مکر کو تو میں مائل ہو
جاؤں گا انکی طرف اور بن جاؤں گا نادانوں سے (یوسف: ۳۳)

وہ ساری مشکلیں جن سے یوسف علیہ السلام کو دوچار ہونا پڑا' وہ سارے جال جو انہیں قابو میں لانے کے لئے بچھائے گئے۔ وہ سارے حربے جن سے وہ دوچار ہوئے ان تمام مشکلوں سے' ان تمام حربوں سے ان تمام سازشوں سے یوسف علیہ السلام اس طرح نکل گئے کہ دل کا شیشہ گناہ کی آلودگی سے محفوظ رہا اور دامن نبوت معصیت اور گناہ سے داغدار نہ ہوا۔ یوسف علیہ السلام کو ان کی مالکن نے بہلانے پھسلانے کی کوشش کی تھی لیکن یوسف کی نظر التفات کو مائل کرنے میں ناکام رہی اور

اس کے حسن و شباب کا یوسف علیہ السلام کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ وہ اعراض کرتے رہے۔ اس سے تجاہل برتتے رہے حتیٰ کہ زلیخا نے وہ بات کہہ ڈالی جسے سن کر یوسف تھرا گئے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی۔ آپ نے اپنے آقا سے خیانت کرنا اچھا خیال نہ کیا۔ زلیخا نے تہمت لگادی کہ یوسف نے دست درازی کی ہے لیکن زلیخا ہی کے خاندان کے ایک فرد نے گواہی دی جس سے زلیخا کا جھوٹ سامنے آگیا اور اس کا مکرو فریب غارت ہوا۔ یوسف علیہ السلام کے اردگرد عورتیں جمع ہوئیں۔ انہیں برائی پر اکسایا گیا مگر یوسف کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ ہوئی۔ اور ان کا دل ذرا بھی میلا نہ ہوا۔

یہ سب باتیں یوسف علیہ السلام کی برات پر برہان قاطع تھیں۔ آپ کی عفت شعاری اور امانت داری پر شاہد عادل تھیں۔ عزیز مصر جانتا تھا کہ یوسف بے گناہ ہے۔ اس کے دل میں یہ یقین تھا کہ آپ کا دامن گناہ سے آلودہ نہیں ہے۔ لیکن اس کی بیوی زلیخا کو یارائے صبر نہ تھا۔ اب یوسف کو پانے کی ساری امیدیں منقطع ہو چکی تھیں۔ اس نے اپنے خاوند سے فریاد کی۔ عزیز اس کے اشاروں پر ناچتا تھا اور اس کی حیثیت لادو اونٹ کی تھی جس کی مہار زلیخا کے ہاتھ میں ہو۔ زلیخا نے کہا: اے جان جاں! یوسف نے مجھے بدنام کر دیا ہے اور اس نے میری شرافت کو داغدار کرنے کے لئے جھوٹ وافتراء سے کام لیا ہے۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ آپ فوراً اسے قید کی کوٹھڑی میں ڈال دیں میری شرافت کا بدلہ لے لیں اور میرے غیض و غضب کی تشفی کریں۔

عزیز نے سر جھکا دیا اور یوسف کو قید کرنے کی حامی بھر لی۔ یوسف علیہ السلام کو قید میں ڈال دیا گیا حالانکہ ان کا کوئی گناہ نہیں تھا جس طرح کہ بھیڑیا یوسف کریم کے گناہ سے بری الذمہ تھا۔ یوسف علیہ السلام کو قید میں ایک اور آزمائش کا سامنا تھا آپ نے اسے صبر کرنے والوں کے دل اور اہل ایمان ایسے عزم سے قبول فرمایا۔

یوسف زندانی

یوسف علیہ السلام زنداں میں داخل ہوئے۔ ایک مجرم کی حیثیت سے نہیں جو کسی بے گناہ کے خون سے ہاتھ رنگ لیتا ہے۔ ایک چور کی حیثیت سے نہیں جو کسی شخص کی زندگی کا اندوختہ چوری کر لیتا ہے بلکہ ایک ایسے مظلوم کی حیثیت سے جسے عدالت نے انصاف نہ دیا ہو۔ آپ نے اپنے آپ کو زنداں کے حوالے کر دیا کہ دنیا سے نہیں تو بارگاہ ایزدی سے تو انصاف ملے گا۔ کسی سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ زنداں میں رہ

کر بھی ضمیر مطمئن تھا روح شادکام تھی اور دل پر مسرت تھا۔ کیونکہ قید کوٹھڑی اور اس کی تاریکی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں اس فتنے سے کہیں کم تھیں جس سے یوسف علیہ السلام کو واسطہ تھا یہ مشکلات اس حکم کے مقابلے میں ہیچ تھیں جو یوسف علیہ السلام کو قابو کرنے کے لئے دیا گیا تھا۔ کیا یہ قید اس فتنے سے نجات نہیں تھی جو ان کے دین کو تباہ کرنے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ یہ تاریکی اور تنہائی اس سازش اور فریب سے خلاصی نہیں تھی جو آپ کی بلند اخلاقی کے لئے زہر قاتل تھا۔ اس قید سے اور اس پابندی سے یوسف کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ کیا انہوں نے قید میں ایسی قوم نہ پائی جو جفا شعار تھی' ظالم تھی سرکش اور مجرم تھی۔ ان کے لئے تو یہ سنہری موقعہ تھا کہ ان لوگوں کو اللہ کریم کا پیغام دیں۔ انہیں علم و حکمت سے روشناس کرائیں۔ انہیں اچھے اخلاق کی نصیحت کریں اور انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ ہو سکتا ہے یہ بدکار' یہ مجرم ان کی نصیحت سن کر ظلم کی راہ ترک کر دیں اور ان کے سینے سے شر و فساد کے سارے جذبے ناپید ہو جائیں۔ اس طرح انسانیت کے دامن سے گناہ کی کچھ آلودگی تو کافور ہو جائے گی اور اس کے کندھوں سے کچھ بوجھ تو ہلکا ہو جائے گا جس کے نیچے وہ کراہ رہی ہے۔

اس قید کوٹھڑی میں کچھ لوگ مظلوم بھی تو تھے جنہیں دنیا کے خیر و شر سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ مسکین تھے ان کی زندگی میں خوشیوں کا ایک دن بھی نہیں تھا۔ یوسف علیہ السلام کے لئے یہ گھڑیاں غنیمت تھیں۔ فرحت کے یہ لمحے بڑے قیمتی تھے۔ وہ انہیں تسلی دے سکتے تھے۔ ان کے غم غلط کر سکتے تھے۔ ان کے کرب و اضطراب کو بانٹ سکتے تھے۔ پس یہ چیز ان کے راضی برضا دل کے لئے خوشی کا پیغام تھی۔ اور ان کی طبع کریم کی یہی آرزو تھی۔ اللہ کا یہ وعدہ تھا کہ وہ آپ کو نبوت سے نوازیں گے اور رسالت کے اعلیٰ منصب پر فائز کریں گے۔ اس قدر و منزلت سے بڑا بھی کوئی شرف ہو سکتا ہے۔ اس عزت و تکریم سے بڑھ کر بھی کوئی عزت کا مقام ہو سکتا ہے۔ اس منصب عالی اس تکریم اور تعظیم کے بعد قید و بند کی مصیبتیں' اغلال و سلاسل کے یہ بوجھ کیا حیثیت رکھتے تھے۔

قید کے یہ دن لمبے ہوتے گئے۔ یہاں رہتے رہتے ایک عرصہ بیت گیا۔ آپ کا معمول تھا کہ بیماروں کی تیمارداری کرتے' کمزور اور ناتوانوں کی دستگیری کرتے۔

بدبختوں کو وعظ و نصیحت کرتے ان کے سامنے ہر روز اپنے علم کے موتی بکھیرتے اور اپنے فیض کے نور سے ان کے دلوں میں اجالا کرنے کی کوشش کرتے۔ ان بلند اخلاقی قدروں سے متاثر ہو کر سارے قیدی ان کے گرویدہ ہو گئے۔ بے تکلف آپ سے باتیں کرنے لگے اور ان کے دل آپ سے محبت کرنے لگے۔

ان قیدیوں میں دو شخص بادشاہ کے حاشیہ بردار رہ چکے تھے۔ ایک ساقی تھا اور دوسرا خازن۔ یہ بھی یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے تھے۔ اور آلام و مصائب کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایک دن ان دونوں نے اہم خواب دیکھا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے خوابوں کی تعبیر دریافت کی۔

ساقی نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں انگوروں کے ایک مسقّف باغ میں ہوں جو بہت سرسبز و شاداب ہے۔ میرے ہاتھ میں بادشاہ کا مخصوص پیالہ ہے اور میں اس میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔ خازن نے بتایا: میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ میں نے سر پر کھانے کا برتن اٹھا رکھا ہے۔ اس برتن میں کئی کھانے رکھے ہیں۔ پرندے اڑ کر آتے ہیں اور ان کھانوں کو اچک لیتے ہیں اور اڑ کر دور چلے جاتے ہیں۔ یہ دونوں شخص حضرت یوسف علیہ السلام سے ان خوابوں کی تعبیر سننا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کی نظروں میں صرف یوسف علیہ السلام ہی تھے جو اپنے خداداد علم اور حکمت سے ان خوابوں کی تعبیر بتا سکتے تھے۔

ساقی اور خازن کی آمد سے قبل حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رسالت سے نواز دیا تھا اور اپنے وعدے کے مطابق انہیں اپنا برگزیدہ فرستادہ مقرر کر دیا تھا۔ آپ کو بھی اللہ کریم نے وہی حکم دیا تھا جو حکم ان کے والد گرامی کو عطا ہوا تھا کہ لوگوں کو توحید کی دعوت دو اور ان کے دلوں میں ایمان کا شعلہ بلند کرو۔ ان کے پیغام دعوت نے یقیناً پھیلنا تھا اور اس میدان میں ان کی کامیابی ہر شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ کیونکہ وہ ان فقیروں میں زندگی بسر کر رہے تھے جن کی زندگی کو فقر نے صاف و شفاف بنا دیا تھا وہ ایسے مظلوموں میں رہ رہے تھے جو ایمان و ایقان کے لئے ترس گئے تھے۔ یہی لوگ تھے جو آپ کے پیغام کو دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ سمجھ سکتے تھے اور ان لوگوں میں دوسروں کی نسبت یہ استعداد بڑھ کر تھی کہ انہیں ہدایت کی جاتی اور وعظ و نصیحت کے ذریعے انہیں حق کا راستہ دکھایا جاتا۔

جب آپ اعلان نبوت کرنے والے تھے اسی وقت یہ دونوں جوان خواب کی تعبیر پوچھنے کے لئے پہنچ گئے۔ آپ کے لئے اپنی نبوت کے اعلان کا یہ اہم موقع تھا۔ آپ نے دعوت الی الحق کی ابتداء کر دی اور فرمایا: دوستو! جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہوں اور جن کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو ان کے پیچھے ایک حقیقی خدا بھی موجود ہے۔ اسی مالک الملک نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس تک پہنچاؤں اور اس کی معرفت کا چراغ تمہارے دلوں میں روشن کروں یہ "رع" اور یہ "ابلیس" یا دوسرے مورتیاں اور بت جن کی تم پرستش کر رہے ہو کچھ بھی نہیں۔ یہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے فرض کر لیے ہیں۔ اللہ کی طرف سے ان کی حقانیت کی تو کوئی دلیل نہیں آئی ان کے معبود بر حق ہونے کی کوئی برھان نہیں ہے۔ اگر تمہیں میری صداقت کی دلیل چاہیئے اور میرے پیغام کی حقانیت کی گواہی مطلوب ہو تو لو میں ان دونوں جوانوں کے خواب کی تعبیر دیتا ہوں۔ ان دونوں میں سے ایک تو قید سے رہائی پائے گا اور اپنے پہلے منصب پر فائز ہو کر بادشاہ کو شراب پیش کرے گا اور پہلے کی طرح بادشاہ اور اس کے ندیموں میں شمار ہو گا۔ مگر یہ دوسرا پھانسی کے پھندے سے قتل ہو گا اور اس کے سر کو پرندے نوچ کھائیں گے۔ یہ تعبیر کسی اٹکل پچو کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ایک غیب پر مبنی وحی ہے۔ یہ نہ کہانت ہے نہ علم نجوم کی کرشمہ سازی' اس کا تعلق نہ صنعت سے ہے نہ تعلیم سے یہ اس علم کی روشنی کا کمال ہے جو میرے رب نے مجھے عنایت کیا ہے۔ میں نے ایسی قوم کے دین سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے جو اللہ پر یقین نہیں رکھتی اور آخرت کو جھٹلاتی ہے۔

یوسف علیہ السلام کو چونکہ خواب کی تاویل کی صداقت کا علم تھا اور اس بشارت کے وقوع پذیر ہونے کا یقین تھا اس لئے آپ نے ساقی سے فرمایا۔ جس کو نجات کا یقین ہو گیا تھا اور معافی کی توقع لیے ہوئے تھا...... اے دوست! جب تو اس قید سے رہائی پائے اور واپس بادشاہ کے محل میں جائے اور اپنے منصب پر فائز ہو جائے تو بادشاہ سے میرا ذکر کرنا اور اسے بتانا کہ ایک مظلوم شخص قید کی سزا کاٹ رہا ہے۔ اس پر ایک ایسے جرم کا الزام لگایا گیا ہے جس سے اس کا دامن بالکل صاف ہے۔ وہ بے گناہ ہو کر قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہا ہے۔ اس کے بعد آپ چند سال قید میں رہے۔

یوسف علیہ السلام کی تعبیر سامنے آگئی اور ساقی نے رہائی پائی اور خازن مصلوب ہوا۔ ساقی بادشاہ کی مجلس میں پہنچ کر دنیاوی کاموں میں ایسا مشغول ہوا کہ یوسف کا پیغام یاد نہ رہا اور شیطان نے اسے یوں الجھایا کہ یوسف کے ساتھ قید میں گزری عمر کا خیال تک نہ رہا۔

یوسف علیہ السلام کی قید سے رہائی

ایک دن بادشاہ بیدار ہوا تو بہت اداس' بہت پریشان تھا۔ رات کو اس نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔ اس نے حکومت کے تمام عالموں کو بلایا۔ قوم کے سب سرداروں کو اکٹھا کیا اور ان کو وہ خواب سنایا جو رات کو دیکھا تھا۔ خواب کی تفصیل بتاتے ہوئے اس نے کہا: میں خواب میں سات موٹی تازی گائیں دیکھتا ہوں جنہیں سات دبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور پھر میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ سات سرسبز خوشے ہیں اور سات خشک سوکھے' ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے خواب بیان کر کے علماء سے تعبیر مانگی۔ لیکن سب اس خواب کی تعبیر سے عاجز آگئے اور اس مشکل گتھی کو نہ سلجھا سکے۔ لیکن بادشاہ کو تسلی دینے اور اپنے علم کا پردہ رکھنے کی غرض سے کہنے لگے کہ یہ سب خیال اور وہم و گمان ہے۔ یہ صرف اور صرف پریشان خوابی ہے اور اس خواب پریشان کی ہمارے پاس کوئی تعبیر نہیں۔

لیکن اس خواب نے ایک بھولے ہوئے شخص کو کچھ یاد دلا دیا اور ایک غافل انسان کے دل سے غفلت کا پردہ سرکا دیا۔ کئی بھولی بسری یادیں اس کے ذہن میں تازہ ہوئیں اور گزرے دنوں کے کئی واقعات اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ یہ ساقی تھا۔ جو بادشاہ کا خواب سن کر اور تعبیر میں رغبت دیکھ کر چونک اٹھا تھا اور قید کے دنوں کے ایک ساتھی یوسف کی صورت اس کے دل پر نقش ہو گئی تھی۔ اسی یوسف نے اسے خواب کی تعبیر بتائی تھی۔ اور وہ تعبیر سچی تھی۔ وہ یوسف کے کہنے کے مطابق راحت و تنعم میں تھا اور آرام و آسائش کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس نے یہ سوچا اور بادشاہ کی خدمت میں پیش ہو گیا۔

بادشاہ سے دست بستہ عرض کرنے لگا: بادشاہ معظم قید کے زمانے سے میں ایک کریم شخص کو جانتا ہوں۔ جو نہایت صائب فکر ہے۔ اس کی رائے میں الہام کا یقین

ہے۔ وہ اپنی عقل کے نور سے غیب کے واقعات کی کھوج لگا لیتا ہے اور اپنی تدبیر کی روشنی سے حقیقت کی کھوج لگا لیتا ہے۔ اس کے حضور خواب بیان کیے جاتے ہیں وہ غور و فکر کرتا ہے سوچ وبچار کے بعد جو رائے دیتا ہے وہ یقینی ہوتی ہے اور جو تعبیر دیتا ہے سچ نکلتی ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں قید خانے جا کر کوئی یقینی خبر لے آؤں۔

ساقی جیل میں یوسف علیہ السلام کے پاس آیا۔ یہیں اس نے ایک عرصہ مصائب و آلام میں گزارا تھا۔ اس نے دیکھا کہ یوسف علیہ السلام پہلے کی طرح آج بھی صابر، متقی، مؤمن قائم اللیل اور صائم النہار ہیں۔ ساقی نے آپ سے عرض کی: اے یوسف صدیق میں ایک کام کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اگر آپ وہ کام کر دیں تو اس تنگی سے آپ کو رہائی مل جائے گی اور اس مشکل اور قید سے آپ معافی پائیں گے۔ ہمیں ایک خواب کی تعبیر بتایئے۔ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں سات کمزور اور نحیف گائیں کھا جاتی ہیں۔ اور سات خوشے سبز ہیں اور دوسرے سات خشک۔ آپ یقیناً اپنے علم سے ان لوگوں کو مستفیض کریں گے جو اس خواب کی تعبیر کے مشتاق ہیں یہ سوال دلوں میں خلجان پیدا کرنے والے ہیں آپ ان کا جواب مرحمت فرما کر ہمیں مطمئن کریں گے مجھے یقین ہے اس تعبیر کو سن کر مصری قوم آپ کی فضیلت اور وسعت علم کی قائل ہو جائے گی۔

یوسف علیہ السلام صرف ایک عالم ہی نہیں تھے کہ خواب کی تعبیر بتا دیتے اور بس۔ بلکہ آپ ایک رسول اور ایک مصلح تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا تھا۔ آپ نے دنیاداروں کو دنیا اور آخرت کے متعلق صحیح اصول سکھانے تھے۔ انہیں معاش اور معاد کے الٰہی قوانین سے آگاہ کرنا تھا۔ جب بھی پیغام پہنچانے کا مناسب موقعہ ملتا اس سے پورا فائدہ اٹھاتے جب بھی دعوت حق کا کوئی معقول لمحہ میسر آتا اسے بروئے کار لانے میں دیر نہ کرتے۔ کئی سال پہلے دو جوانوں نے اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھی تھی تو آپ نے اسے موقعہ غنیمت خیال کرتے ہوئے توحید کی دعوت دی تھی اور بتوں کی عبادت اور شرک کی خوب کلی کھولی تھی۔ آج مصر کا بادشاہ اپنے خواب کی تعبیر چاہتا تھا۔ اس لئے یوسف مختصر جواب نہیں دینا چاہتے تھے۔ بلکہ خواب کی تعبیر کے ساتھ ساتھ اپنا نظریہ بھی بیان کرنا چاہتے تھے اور مصری قوم کو نصیحت کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

آپ علیہ السلام نے خواب کی تعبیر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: آنے والے سات سال فراخی اور آسودگی کے ہوں گے۔ ان سات سالوں میں تمھاری زمینیں خوب غلہ دیں گی کھیت لہلہائیں گے بالیوں میں دانے خوب موٹے ہونگے۔ کھیتوں سے خوب فصل اٹھے گی مال و دولت کی فراوانی ہو گی اور عیش و تنعم کے سب سامان میسر ہونگے۔ ان سات سالوں کے گزر جانے کے بعد سات سال نہایت سخت ہونگے۔ ان سات سالوں میں ہمہ گیر قحط ہو گا۔ کوئی بارش نہیں ہو گی لوگ بوند بوند کو ترس جائیں گے دریائے نیل خشک ہو جائے گا یہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرپائے گا اور اس کی سخاوت رک جائے گی۔ زمین کا چہرہ خشک ہو جائے گا وہ اپنے اندر چھپے خزانے نہیں اگلے گی۔ تمہیں کاٹنے کے لئے کوئی فصل نہیں ملے گی کھلیان کٹی ہوئی فصل سے خالی ہونگے۔ وقت کے ہاتھوں تمہیں بھاری مصیبتیں اٹھانا پڑیں گی اور بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب یہ سات سال بھی گزر جائیں گے تو ایک مرتبہ پھر تمہارے دن اچھے ہو جائیں گے وقت پلٹا کھائے گا۔ کامیابیوں سے چہرے چمک اٹھیں گے سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ سرسبز و شاداب سال تم پر سایہ فگن ہو گا۔ سارے غم بھول جاؤ گے ساری بگڑی بن جائے گی۔ زمین گندم اور جو اگائے گی اور تم اسے سیر ہو کر کھاؤ گے۔ انگوروں کی کثرت ہو گی۔ زیتون اور کشمش کی فراوانی ہو گی۔ تم ان پھلوں سے خوب رس نکالو گے اور ترکاریاں پکا کر کھاؤ گے۔ یہ ہے تمہارے خواب کی تعبیر۔ یہی ہے تمہارے اس سوال کا جواب جس نے تمہارے دلوں میں خلجان پیدا کر رکھا تھا۔ یہ سب میرے رب کی وحی کا کمال ہے۔

جو تعبیر میں بتا رہا ہوں اور جس واقعہ کی میں تمہیں خبر دے رہا ہوں وہ ضرور واقع ہو گا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ شادابی کے سالوں میں جو غلہ اٹھاؤ اسے اپنے مخزنوں میں اور گھروں میں محفوظ کر لو اور اس میں سے ایک خوشہ بھی ضائع نہ ہونے دو۔ یہاں تک کہ سات سال کا سارا غلہ ایک ایک دانہ ذخیرہ ہو جائے۔ صرف اتنا خرچ کرو جس کی اشد ضرورت ہو۔ اور جسم کمزور نہ ہونے پائیں۔ تاکہ اس ذخیرہ شدہ مال سے شدت اور قحط کے سات سالوں میں فقر و فاقہ سے محفوظ رہ سکو۔

جب بادشاہ کے دربار میں خواب کی یہ تعبیر پہنچی اور اس تعبیر کے ساتھ وہ تدبیر بھی بیان ہوئی تو وہ سمجھ گیا کہ اس تعبیر اور تدبیر کے پیچھے کوئی روشن ذہن اور الہام یافتہ فکر کار فرما ہے۔ عزیز نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلا بھیجا تاکہ ان کا امتحان لے۔ قحط کے انجام کے بارے دریافت کرے اور ان کی رائے اور علم سے فائدہ اٹھائے۔

ایک قاصد یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے یوسف بادشاہ نے آپ کو دربار میں بلا بھیجا ہے وہ تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ بادشاہ خواب کی تعبیر سن کر بہت خوش ہوا ہے اور تم نے جو تدبیر بتائی ہے اس کو اس نے بہت پسند کیا ہے۔ آپ بادشاہ کے دربار میں تشریف لائیں وہ آپ کی عزت افزائی کرے گا اور آپ کے دن پھر جائیں گے۔

لیکن یوسف اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے۔ اللہ کریم نے خود انہیں سکھا دیا تھا کہ صبر کیسے کیا جاتا ہے اور حلم و بردباری کیا ہے۔ انہوں نے یہ پیش کش سنی ان سنی کر دی۔ حالانکہ وہ رہائی اور قید سے آزادی کے کس قدر تمنائی تھے۔ ایک طویل عرصہ جیل کی وحشت اور تاریکی میں اداس و پریشان گزرا تھا۔ مسلسل کئی سال گزر چکے تھے مگر سورج کو طلوع ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ ایک مدت بیت گئی تھی پر چاند کی روپہلی کرنوں کو نہ پایا تھا۔ ستاروں کے جھرمٹ اس کے لئے قصہ پارینہ بن چکے تھے۔ سرسبز و شاداب باغ اور لہلہاتے کھیت بھولی بسری یادیں بن کر رہ گئے تھے۔ قید کی اس کوٹھڑی میں باسی کھانا خشک روٹیاں اور گدلا اور بدبودار پانی ان کی خوراک تھا۔ مدت ہوگئی تھی کہ جیل سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ ہاتھوں میں بھاری ہتھکڑیاں اور پاؤں میں زنجیر جسم کا حصہ بن کر رہ گئے تھے۔ کئی راتیں ایسی بھی گزری تھیں کہ سنگریزوں کے بستر اور پتھر کا تکیہ نصیب ہوتا تھا۔ بارہا جاگ کر شام سے صبح کی تھی۔ یہ سارے مصائب اور یہ سب تکلیفیں کسی جرم کی سزا نہیں تھیں بلکہ ایک مظلوم کی حیثیت سے برداشت کرتے رہے جو خود کسی فیصلے کا مجاز نہ ہو۔ لیکن یہ عذاب ان کے لئے قیمتی سرمایہ ثابت ہوا کیونکہ اسی عذاب و سزا کے وسیلے آپ کا ایمان اور عفت و پاکدامنی کا جوہر محفوظ رہا اور

شرف نبوت ورسالت پر حرف نہ آسکا۔

وہ یوں رہا ہو کر کسی کا احسان سر نہیں لینا چاہتے تھے۔ اور اپنے آپ کو کسی کا رہین منت بنانا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے بادشاہ کے قاصد کو جواب دیا: دوست بادشاہ کو جاکر یہ پیغام دے کہ پہلے عورتوں کے معاملے کی تحقیق کرے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے اور جن کی وجہ سے مجھ پر یہ ظلم روا رکھا گیا ہے۔ تاکہ رہائی سے پہلے میرے الزام کی حقیقت ظاہر ہو جائے۔ اور معافی سے پہلے لوگوں کو اصل حقائق سے آگاہی ہو جائے۔

یوسف علیہ السلام کے اس جواب کو سن کر بادشاہ کی دلچسپی اور بڑھ گئی عورتوں کے ذکر نے اس کے دل کو مشغول کر دیا اور اس معاملہ کی وجوہات اس کی نظروں کے سامنے پھرنے لگیں۔ کون جانتا تھا کہ یہ معاملہ اس قدر بڑھ جائے گا کہ اس کسمپرس نوجوان کو ایک دن بادشاہ مصر اپنے دربار میں بلائے گا۔ اس کے اندر خفیہ صلاحیتیں بادشاہ پر عیاں ہو جائیں گی اور وہ اس کے علم اور تجربہ سے آگاہ ہو جائے گا۔ لیکن ایسا ہو گیا تھا۔ وہ امور جو آج تک پردہ خفا میں تھے ظاہر ہوا چاہتے تھے اور جو باتیں ابھی تک چند لوگوں کے دل میں محفوظ تھیں عیاں ہوئی جاتی تھیں۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ عورتوں کو دربار میں حاضر کیا جائے۔ عورتیں حاضر ہوئیں۔ بادشاہ نے پوچھا: ذرا بتاؤ تو سہی کہ جب تم نے یوسف کو حاجت براری کے لئے بلایا تو تمھارا معاملہ کیا ہوا؟ اب انکار کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ عورتوں کی زبان پر جھوٹی بات نہ آسکی۔ بلکہ انہوں نے سچی بات کہہ دی اور بولیں۔ حاشا وکلا! ہم نے تو ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ ہم صرف اتنا جانتی ہیں کہ یوسف ایک عفیف' کریم۔ بلند اخلاق کا حامل اور امانت دار جوان ہے۔ نہ تو ان کی سوچ میں کوئی کجی ہے اور نہ پاکدامنی میں کوئی شک۔

عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے وضاحت کی...... اس کی جوانی ڈھل چکی تھی اور دنوں اور سالوں نے اس کے حسن وجمال کو گدلا کر دیا تھا۔ اب تو حق آشکارا ہو چکا ہے۔

میں نے ہی اسے مطلب براری کے لئے پھسلانا چاہا' میں نے ہی گناہ کرنے کیلئے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ کیونکہ یوسف نہایت حسین و جمیل اور وجیہہ جوان تھا اور میرے بہت ہی قریب رہتا تھا۔ اس کی شخصیت ہر لحہ میری آنکھوں کے سامنے رہتی تھی۔ میں اس سے عشق کر بیٹھی اور میں اس کے عشق میں اس قدر گرفتار ہوئی کہ اس کا تصور دل سے جدا نہ کر سکی۔ میں نے اسے بلایا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ میں نے اس سے قرب کا مطالبہ کیا لیکن وہ میرے قریب نہ آیا۔ وہ اپنے مالک کی عزت کا محافظ اور میرے خاوند کا وفادار رہا۔ میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے ہی اسے قید خانے میں ڈلوایا اور میں نے اسے اس تکلیف میں مبتلا کیا۔ آج میں اس جرم کا برملا اظہار کرتی ہوں اور دن دیہاڑے بادشاہ کے سامنے اس کے بھرے دربار میں ان تمام سرداروں اور اعیان مملکت کے روبرو کہتی ہوں تاکہ یوسف جو ابھی زنداں میں ہے جان لے کہ میں نے اس پر کوئی عیب نہیں دھرایا میں نے اس کی بلند اخلاقی پر کوئی قدغن نہیں لگائی۔ قید کے دن سے اس گھڑی تک جس میں اس کے متعلق فیصلہ ہو رہا ہے میں ایک لفظ بھی ان کی شان کے خلاف زبان پر نہیں لائی ہوں۔ میں نے تو بہت پہلے اس بات کا اعتراف کر لیا تھا کہ میں نے ہی اسے ورغلانے کی کوشش کی ہے لیکن اس نے دامن کو داغدار نہ ہونے دیا۔ آج میں پھر اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے ہی اسے گناہ پر اکسایا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا تھا۔

ذَالِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ كَيْدَ الْخَائِنِيْنَ

"یہ میں نے اس لئے کہا تھا تاکہ عزیز جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا دغابازوں کی فریب کاری کو" (یوسف : ۵۲)

حضرت یوسف علیہ السلام بحیثیت عزیز مصر

عزیز مصر کی بیوی کی شہادت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بری الذمہ قرار دے دیا اور ان کی بے گناہی اور پاکدامنی اظہر من الشمس ہو گئی۔ ساقی جو عرصہ تک آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوا تھا اس نے جو آپ کی بلندی اخلاق دیکھی تھی وہ بھی اس شہادت کو ثابت کرتی تھی۔ کوئی اور گواہی نہ بھی ہوتی تو صبر واستقامت اور حلم کے ہوتے ہوئے اس قدر تواضع آپ کی بلندی اخلاق کے شاہد عادل تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے بادشاہ کے خواب کی نہایت ہی اچھی تعبیر بتائی اور ساتھ اس مشکل کا حل بھی بتادیا تھا۔ پھر جب انہیں جیل سے بلایا گیا تو انہوں نے اس وقت تک باہر نکلنے سے انکار کر دیا تھا جب تک ان کی بے گناہی ثابت نہیں ہو جاتی۔ یہ چیزیں ظاہر کر رہی تھیں کہ یوسف علیہ السلام کوئی عام انسان نہیں بلکہ مطلع انسانیت کا بدر کامل ہیں۔

انھی اخلاق حمیدہ اور وصاف عالیہ نے بادشاہ کے دل میں ایک سچا جذبہ پیدا کر دیا کہ وہ یوسف جیسے بلند کردار شخص کو قربت بخشے اور اسے اپنے زعماء میں شریک کرے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یوسف جیسے شخص کی وجہ سے ساری دولت سمٹ کر اس کے قدموں میں آجائے گی اور قحط سالی میں صرف وہی ملک کو بحران سے نکال سکے گا۔

یوسف علیہ السلام دربار میں تشریف لائے اور بادشاہ سے بات چیت کی۔ اس گفتگو سے بادشاہ کو یقین آگیا کہ یوسف ایک ذہین وفطین، صائب الرائے، بلند فکر و نظر اور عقل وخرد کا حامل شخص ہے۔ اس نے جو کچھ سنا تھا اس بات چیت نے اسے سچ ثابت کر دیا تھا۔ یوسف علیہ السلام اس کی توقع سے بھی بڑھ کر عقلمند اور مدبر نکلے۔

بادشاہ نے کہا: اے یوسف! آپ جن اخلاق کریمانہ سے متصف ہیں۔ اور آپ کے متعلق لوگ جو باتیں کرتے ہیں۔ آپ کا شاندار ماضی اور آج کی عقل وخرد اور فکر و نظر پر مبنی گفتگو۔ ان تمام چیزوں نے میرے دل میں آپ کی قدر و منزلت بڑھادی ہے آپ بہت بلند مقام کے لائق ہیں۔ آج سے آپ میری دولت پر امین ہیں۔ آپ ملکی بھلائی کے لئے کام کریں گے۔ آپ اس ملک کی اصلاح کے لئے کوشش کریں گے۔ آپ کو مکمل اختیار ہے۔ آپ جو کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ ملک کے سارے

معاملات آپ کے سپرد کیے جاتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ ملک کو اس فراخی کے بعد قحط سالی کا سامنا کرنا ہے۔ سات سال تک تو نیل کا پانی زمینوں کو خوب سیر اب کرے گا لیکن قحط شروع ہو گا تو اس کا پانی بھی خشک ہو جائے گا اور کھیت پانی نہ ہونے کی وجہ سے بنجر ہو جائیں گے۔ اس لیے ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے فکر و تدبر کی ضرورت ہے۔ جب تک منصوبہ بندی کر کے معاملات کو سلجھانے کی کوشش نہیں کی جائے گی مشکلات پر قابو پانا ناممکن ہو گا۔ اور منصوبہ بندی کے لئے ضروری ہے کہ مال و دولت کا سارا اہتمام و انصرام میرے ہاتھ میں ہو۔ اور خزانوں کی چابیاں میرے سپرد ہوں۔ کیونکہ معیشت کسی بھی قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ قوم کی ترقی کا انحصار کافی حد تک اقتصادیات کی بہتری پر ہے۔ اگر معیشت کو قوم کا جوہر اور اصل کہا جائے تو بے جا نہیں ہو گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ زمام معیشت میرے ہاتھ میں ہو تا کہ میں ملک و ملت کے لئے کوئی بہتر اقدام کر سکوں اور چپوا اپنے ہاتھ میں لیکر اس کشتی کو خیر و عافیت کے ساحل تک پہنچا سکوں۔ اس لئے آپ نے بادشاہ سے کہہ دیا: اگر آپ مجھے اس قوم کا نگران مقرر کرنا چاہتے ہیں اور ملکی معاملات کا اہتمام میری سوچ کے مطابق چلانا چاہتے ہیں تو پھر مجھے ملکی خزانوں کا امین اور وزیر مقرر کر دیں۔ انشاء اللہ امت جس اصلاح احوال اور تبدیلی کی خواہاں ہے یا تنگی اور فراخی' قحط سالی اور آسودگی کے دنوں میں جس قسم کے حالات کی مجھ سے توقع رکھیں گے میں ان پر پورا اتروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بادشاہی عطا فرمادی۔ آپ مصر کے شب و روز میں ایک مطلق العنان وزیر تھے۔ آپ جو بات کہتے بادشاہ اس پر صاد کر لیتا۔ جو حکم دیتے اس پر عمل ہو تا۔ آپ کی بارگاہ میں جود و سخا کا خوب مظاہرہ ہو تا۔ لوگ آتے اور اپنی جھولیاں بھر کر لے جاتے۔ کل تک آپ قید خانے میں ایک قیدی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس سے قبل ایک غلام تھے جسے بیچا اور خریدا جاتا ہے۔ جو خود مختار نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کا دست نگر ہوتا ہے۔ آج آپ وزیر تھے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے۔ اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو وزیر بنے سات سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ ان سات سالوں میں دریائے نیل نے خوب سخاوت کا مظاہرہ کیا زمین نے خوب فصلیں اگائیں اور مصریوں کی زندگی آسان بنا دی مال و دولت کی فراوانی ہو گئی۔ راحت و آرام اور ناز و نعم کے سائے میسر آ گئے یوسف علیہ السلام ایک اچھے' بیدار مغز' فطین اور دور اندیش بادشاہ ثابت ہوئے۔ آپ نے غلہ جمع کرنے کے لئے سٹور اور بڑے بڑے مکان تعمیر کروائے۔ پھر ان سٹوروں اور مکانوں کو غلے اور ضرورت کی دوسری چیزوں سے بھر دیا۔ اس کے بعد قحط شروع ہوا۔ یہ قحط سات سال تک محیط تھا۔ مگر مصر کے لوگوں نے یہ عرصہ نہایت اطمینان سے گزارا۔ ان کی عیش و عشرت میں کوئی فرق نہ آیا۔ انہیں زندگی کی سب سہولتیں میسر رہیں اور مالی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

یہ قحط صرف مصر تک محدود نہ تھا بلکہ ارد گرد کے کئی دوسرے ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔ یہاں تک کہ کنعان کا ملک بھی اس قحط سالی سے محفوظ نہ رہا جہاں حضرت یعقوب علیہم السلام کے بیٹے اور پوتے قیام پذیر تھے۔

یوسف کا ذکر خیر مصر کی گلی گلی ہونے لگا۔ ان کے نور فراست کی پورے مصر میں دھوم مچ گئی۔ آپ صرف ایک دانا وزیر ہی نہ تھے بلکہ اپنے پہلو میں ایک درد مند دل بھی رکھتے تھے۔ اور لوگوں میں آپ کا یہ وصف خوب مشہور تھا۔ مصر سے باہر دوسرے لوگوں تک بھی یہ خبر پہنچ گئی کہ مصر کے وزیر یوسف نے بہت زیادہ غلہ سٹور کر رکھا ہے۔ وہ نہ صرف مصریوں کو غلہ دے رہا ہے بلکہ دوسرے ملکوں کے لوگوں کو بھی اجازت ہے۔ وہ بھی غلہ خرید کر سکتے ہیں۔ وہ غلہ دینے میں مصری اور غیر مصری کا کوئی لحاظ نہیں رکھتا۔ جو بھی آتا ہے غلہ خرید کر لے جاتا ہے۔ وہ بڑا عادل ہے۔ کوئی بے انصافی نہیں کرتا۔

یعقوب علیہ السلام نے اپنے بچوں کو یہ حکم دیا کہ اے میرے بچو قحط عام ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے ہمیں بھی مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ تیاری کرو۔ اپنے اونٹوں پر "پلان" ڈال دو اور عزیز مصر کے پاس جاؤ جس کا ذکر اکثر وفود کرتے ہیں۔ آج جس کی سخاوت کے چرچے ہیں۔ جس کے نام کی بازگشت صحراء اور پہاڑوں میں سنائی دیتی ہے۔ جس کے نام کا طوطی شہروں اور دیہاتوں میں بولتا ہے۔ مگر بنیامین کو میرے پاس چھوڑ

جانا۔ تاکہ تمھاری جدائی میں وہ مجھے تسلی دے اور تمہاری واپسی تک میرے آرام کا خیال رکھے۔ جاؤ اللہ تمھارا حامی و ناصر ہو وہی تمھارا ہادی اور نگہبان ہو گا۔

دربان حاضر ہوا اور عرض کی۔ حضرت دروازے پر دس جوان کھڑے ہیں جن کی شکلیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضور ان جوانوں کے چہروں سے بھلائی اور صلاح کا نور پھوٹ رہا ہے۔ لگتا ہے مسافر ہیں کسی دوسرے ملک سے آئے ہیں ان کی زبان' لہجے' حیرت اور تردد سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے آپ کے دربار میں حاضر نہیں ہوئے۔ حضور اگر اجازت ہو تو انہیں اندر بلالوں؟

یوسف علیہ السلام نے ملاقات کی اجازت دے دی۔ یہ سب بھائی اندر آگئے۔ یوسف علیہ السلام نے جو دیکھا تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ یوسف علیہ السلام کے بھائی حضرت یعقوب کے بیٹے تھے۔ وقت کی رفتار نے ان کے خدوخال میں کوئی زیادہ تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔ مرور وقت سے ان کی شکل و شباہت میں کوئی خفا نہیں رہا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام پہچان گئے کہ یہ میرے درپے آزار ہوئے تھے۔ انہوں نے ہی باپ بیٹے میں جدائی پیدا کی تھی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے مجھے طرح طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ان کے لگائے ہوئے زخم یوسف کے دل پر آج بھی موجود تھے۔ وہ زخم آج بھی مندمل نہیں ہوئے تھے۔ آج وہی بھائی آپ کی خدمت میں دست بستہ کھڑے تھے۔ ان کی آمد کسی پروگرام کے تحت نہیں تھی۔ بلکہ اس کے پیچھے لطیف و خبیر خدا کا حکم کارفرما تھا۔

وَقَدْ يَجْمَعُ اللّٰهُ شَتِيْتَيْنِ بَعْدَ مَا
يَظُنَّانِ كُلَّ الظَّنِّ اَنْ لَا تَلاَقِيَا

اور کبھی اللہ دو بچھڑے دوستوں کو ملا دیتا ہے
حالانکہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ دوبارہ مل پائیں گے

یوسف علیہ السلام تو پہچان چکے تھے کہ یہ میرے بھائی ہیں لیکن وہ نہ پہچان سکے کہ یہ یوسف ہیں۔ وہ مطلق بے خبر رہے۔ کہاں یوسف جسے وہ کنویں میں ڈال آئے تھے۔ جس کے متعلق آج کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ لقمہ اجل بن چکا ہے یا درندوں نے چیر

پھاڑ کھایا ہے یا غلاموں کے بازار میں کس کے ہاتھ بک گیا ہے اور کہاں یہ تاجدار بادشاہ جس کا حکم پورے مصر میں چلتا ہے اور جس کے ارد گرد حشم و خدم ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑے ہیں۔ لیکن حضرت یوسف بڑے محتاط اور سیانے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کمال بصیرت اور ذہانت سے نوازا تھا۔ وہ بڑے عقل مند اور دور اندیش تھے۔ آپ نے ظاہر نہ ہونے دیا کہ میں کون ہوں۔ اپنے متعلق انہیں کچھ نہ بتایا اور انہیں مکمل اندھیرے میں رکھا۔ آپ چاہتے تھے کہ ان کے دلی ارادوں پر آگاہی حاصل کریں۔ ان سے گھر کے حالات معلوم کر لیں اور یعقوب علیہ السلام اور بنیامین کے بارے کھوج لگائیں۔ اس لئے آپ نے حکیمانہ انداز اپنایا اور بڑی سنجیدگی اور تجربے کی زبان استعمال کی۔ اور اس ملاقات میں ان پر حقیقت حال ظاہر نہ ہونے دی۔

آپ نے حکم دیا کہ یہ نوجوان میرے مہمان ہیں۔ وہ میرے پاس ٹھہریں گے۔ آپ نے ان کی بڑی خاطر مدارت کی اور ان سے خوب تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔

چند دن گزرنے کے بعد انہیں اپنے پاس بلایا اور فرمایا۔ میں نے اپنی طرف سے تمہاری خاطر مدارت کی پوری کوشش کی ہے۔ اب میرا یہ حق بنتا ہے کہ میں تم سے کچھ پوچھوں۔ اور تمہاری شناخت کروں۔ آپ نے دریافت فرمایا: تم کون ہو؟ اور کس کام سے آئے ہو؟ میں تمہاری اس تعداد کو دیکھ کر شک میں پڑ گیا ہوں۔ کہیں تم جاسوسی کی غرض سے تو نہیں آئے۔ کیا تم مجھے اپنے بارے کچھ بتانا مناسب سمجھو گے۔ تاکہ میرا شک دور ہو جائے اور بدگمانی حسن ظن اور یقین سے بدل جائے۔

کہنے لگے: اے عزیز مصر ہم بارہ بھائی ہیں۔ ہمارے والد گرامی اللہ کے برگزیدہ رسول اور نبی ہیں۔ بارہ میں سے دس تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں اور آپ کے جود و سخا اور لطف و کرم کے امیدوار ہیں۔ ہم ایک بھائی کو والد گرامی کی خدمت کے لئے گھر چھوڑ آئے ہیں جبکہ بارہواں عرصے سے لاپتہ ہے۔ نہ معلوم کہ وہ اللہ کو پیارا ہو گیا ہے یا اللہ کی وسیع زمین کے کسی حصے میں زندہ و سلامت ہے۔ ہم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ یہ ہے ہماری روداد۔ اس میں ہم نے کچھ نہیں چھپایا اور سب باتیں کھول کر خدمت میں بیان کر دی ہیں۔

یوسف علیہ السلام نے فرمایا ہو سکتا ہے جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہو لیکن بغیر دلیل اور بغیر کسی گواہ کے تمھاری بات میں کوئی وزن نہیں۔ کوئی دلیل پیش کر دیا کوئی گواہ لاؤ تاکہ میں تمھارے بارے مطمئن ہو جاؤں۔ اور تمھاری بات کا یقین کر لوں۔

برادران یوسف نے کہا: ہم اپنے وطن سے دور غریب الدیار ہیں۔ اس ملک میں نہ کوئی دوست ہے نہ رشتہ دار۔ ہم کیا دلیل دیں اور کون سا گواہ پیش کریں۔ ایسا کرنا تو ہمارے بس کا روگ نہیں۔ ہماری پہچان کا کوئی اور طریقہ سوچیں اور کوئی اور راہ نکالیں۔

یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ٹھیک ہے میں تمہیں غلہ دے دیتا ہوں اور تمھیں خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتا لیکن تمہیں ایک شرط ماننا پڑے گی۔ انہوں بصد ادب و احترام گزارش کی کہ حضور فرمایئے کیا شرط ہے۔ آپ نے فرمایا جب تم دوبارہ آؤ گے تو اپنے چھوٹے بھائی کو بھی ساتھ لاؤ گے جسے تم والد کی خدمت کے لئے چھوڑ آئے ہو۔ وہ تمھارا گواہ ہوگا اور تمھاری ان باتوں کی صحت کی شہادت دے گا۔ اگر جو کچھ تم نے کہا ہے سچ ثابت ہوا تو میں اس سے بڑھ کر تمہاری عزت افزائی کروں گا اور ایک اونٹ کا "لدا" تمہیں مفت مہیا کروں گا۔ یہی میری شرط ہے اور یہ میرا وعدہ ہے۔ مگر یاد رکھو اگر تم بھائی کو ساتھ نہیں لاؤ گے تو میں تمھیں غلہ نہیں دوں گا اور تم سے ملاقات نہیں کروں گا۔

بھائیوں نے جواب دیا: اے عزیز! ہمارے والد گرامی اسے ہمارے ساتھ نہیں آنے دیں گے کیونکہ وہ اسے ایک لمحے کے لئے اپنے آپ سے الگ نہیں کرتے۔ بہر حال ہم کوشش کریں گے۔ اگر وہ مان گئے تو ہم اپنے بھائی کو ساتھ لے آئیں گے۔

یوسف علیہ السلام نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ انہیں غلہ تول دو اور جو رقم لائے ہیں اسے بھی چپکے سے ان کی بوری میں رکھ دو۔ ہاں خیال رکھنا انہیں بالکل محسوس نہ ہونے پائے کہ چاندی کے وہ سکے جو وہ غلہ خریدنے کے لئے لائے تھے ان کی بوریوں میں واپس رکھ دیئے گئے ہیں۔ دراصل یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ اس بہانے یہ لوگ واپس آئیں اور وہ اپنے مدتوں سے بچھڑے ہوئے بھائی کو مل سکیں۔

وہ مصر سے نکلے اور کنعان کی راہ لی۔ عزیز مصر کی پاکیزہ اور شیریں یادیں ان کے ساتھ تھیں۔ یعقوب علیہ السلام نے انہیں خوش آمدید کہا۔ ان سے مصر کے حالات دریافت کئے اور سفر کے واقعات سنے۔

انہوں نے بتایا: ابا جان ہم ایک مہربان اور عظیم شخص سے مل کر آئے ہیں۔ اس نے ہماری بڑی آؤبھگت کی ہے۔ اس نے مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا ہے۔ ابا جان اس نے ہمیں بہت زیادہ غلہ دیا ہے اور ہمیں اچھی طرح ٹھہرایا ہے۔ مگر اس نے ہم سے ایک وعدہ لیا ہے۔ ایک شرط لگائی ہے کہ اب کی بار جب ہم غلہ لینے جائیں تو اپنے بھائی کو ساتھ لے جائیں جو عزیز کے روبرو ہماری گواہی دے کیونکہ اس کو شک ہے کہ ہم جاسوس ہیں اور کسی خاص مقصد کے لئے مصر گئے ہیں۔ کل غلہ کی یہ بوریاں خالی ہو جائیں گی اور ہم دوبارہ مصر کو جائیں گے۔ آپ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ وہ غلہ تولنے میں ہماری مدد کرے اور عزیز کے سامنے ہماری صفائی بیان کرے۔

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں بنیامین کو سفر کی اجازت نہیں دوں گا۔ میں اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔ تمھارا خیال ہے کہ میں یوسف کی طرح اسے بھی تمھارے حوالے کر دوں۔ مجھے معاف رکھیے۔ مجھے دھوکہ نہ دیجیئے اور مجھے اپنی سازشوں سے بچائیے۔

انہوں نے اپنے سامان کو کھولا۔ کجاوے اتارے۔ بوریوں سے غلہ نکالا۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بوری میں رقم رکھ کر واپس کر دی گئی ہے۔ ان کی چاندی کے تمام سکے لوٹا دیے گئے ہیں۔ وہ اچھلتے کودتے اپنے والد گرامی کے پاس آئے اور انہیں اس واقعہ کی اطلاع دی۔ انہوں نے بتایا کہ اے والد گرامی ہم نے آپ کے حضور جھوٹ نہیں بولا۔ ہم عزیز سے مل کر آئے ہیں۔ اس نے ہم پر کمال مہربانی فرمائی ہے۔ یہ دیکھو ان کی مروت کا بین ثبوت۔ اس نے ہماری رقم بھی واپس کر دی ہے اور ہمیں غلہ بھی دیا ہے۔ ابا جان! ہم نے بنیامین کو ساتھ لے جانے کی جو بات کی ہے اس میں خدا کوئی دھوکہ نہیں۔ اگر یقین نہیں آتا تو یہ دیکھو اس نے غلہ دیکر بھی ہم سے رقم نہیں لی۔ چاندی کے سارے سکے واپس کر دیے ہیں۔ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ ہم اس پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے اور اس کی حفاظت میں کوئی سستی روا نہیں رکھیں گے۔

یعقوب علیہ السلام سمجھتے تھے کہ غلہ کی اشد ضرورت ہے اور واقعی وہ مصر کو جانا چاہتے ہیں اور اب کی بار وہ وعدہ نبھائیں گے پھر عزیز کے ساتھ جو وعدہ کر آئے ہیں اس کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ اس لئے آپ نے بنیامین کو اجازت دے دی۔ اور اپنے بڑے بچوں سے یہ وعدہ لیا کہ صورت حال کچھ بھی ہو تم بنیامین کو خیر و عافیت واپس لاؤ گے۔ ہاں اگر کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا ہے کہ سب بے بس ہو جاتے ہیں تو پھر کسی پر کوئی قدغن نہیں۔ حتی الوسع تم اس کی پوری پوری حفاظت کرو گے۔ انہوں نے شرط منظور کر لی اور قسم کھائی کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ کو اس پر گواہ بناتے ہیں۔

اونچے نیچے راستوں پر سفر کرتے ہوئے وہ مصر پہنچے۔ اور یوسف علیہ السلام سے ملاقات کی۔ حضرت یوسف نے اپنے بھائی کو دیکھا تو محبت نے جوش مارا اور غم ایک طوفان بن کر دل پر چھا گیا۔ مگر آپ نے اپنے جذبات پر قابو پالیا اور کسی کو کچھ خبر نہ ہوئی کہ یوسف علیہ السلام کے دل کی کیفیت کیا ہے۔ آپ نے مہمانوں کی ضیافت کی اور انہیں دو دو کر کے کھانے پر بٹھایا۔ بنیامین اکیلا رہ گیا۔ اور یوسف کو یاد کر کے رو دیا اور کہنے لگا۔ اے کاش آج میرا بھائی یوسف زندہ ہوتا تو وہ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا۔ عزیز مصر نے بنیامین کو اپنے ساتھ بٹھا لیا اور اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ جب سب کھانا کھا چکے تو عزیز نے حکم دیا کہ انہیں دو دو کر کے الگ الگ کمروں میں ٹھہرایا جائے اور وہ نوجوان جس کا بھائی فوت ہو گیا ہے وہ میرے ساتھ قیام کرے۔

عزیز مصر بنیامین کو اپنے کمرے میں لے گیا اور فرمایا اے نوجوان کیا تو اس بات کو پسند کرے گا کہ میں تیرے مرحوم بھائی کے بدلے تیرا بھائی بن جاؤں۔ بنیامین نے کہا کہ آپ جیسا بھائی کسے میسر آسکتا ہے لیکن پھر بھی تو یعقوب کا لخت جگر اور راحیل کا نور نظر تو نہیں۔ عزیز نے جب اپنے باپ یعقوب اور اپنی ماں راحیل کا نام سنا تو زار و قطار رونے لگے۔ اٹھے اور بنیامین کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ اور بتایا بنیامین میرے ماں جائے میں وہی یوسف ہوں جس کی جدائی میں تو رو رہا ہے اور جسے ایک مدت سے دیکھنے کو تیری آنکھیں ترس گئی ہیں۔ گردش دوراں نے مجھے پلٹے دیے۔ وقت کے بے رحم تھپیڑوں نے مجھ پر تیر اندازی کی۔ میں نے اپنے بھائیوں کی وجہ سے ہزاروں تکلیفیں برداشت کیں۔ ان کی غداری سے آلام و مصائب جھیلے۔ ان کی وجہ

سے مجھے طرح طرح کی صعوبتیں اٹھانا پڑیں اور کئی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ لیکن میں نے صبر سے کام لیا۔ میں سب کچھ سہتا رہا اور اف تک نہ کی۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صبر کا پھل دیا۔ میری مسکنت کو نعمت سے، فقر کو غناء سے ذلت کو عزت سے اور قلت کو کثرت سے بدل دیا۔ ابھی یہ راز کسی سے نہ کہنا اور اپنے بھائیوں کو بھی یہ نہ بتانا کہ میں یوسف ہوں۔

بنیامین کے دل کو قرار آگیا۔ اس کا غم خوشی میں بدل گیا۔ اس کی ساری پریشانیاں ختم ہو گئیں اور رات کو اپنے بھائی کے کمرے میں میٹھی نیند سو گیا۔ جب رات گزر گئی اور صبح طلوع ہوئی تو بنیامین اپنے بھائی کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور نہایت شاد کام تھا۔ وہ ساری کلفتیں بھول کر پر مسرت زندگی گزارنے کی ابتداء کر چکا تھا۔

ضیافت کے دن ختم ہو گئے اور کنعانی قافلے نے واپسی کا ارادہ کیا۔ یوسف علیہ السلام نے سوچا کیوں نہ انہیں چکر دیا جائے اور بنیامین کو کسی طریقے سے اپنے پاس روک لیا جائے۔ آپ علیہ السلام نے خدام کو حکم دیا کہ ان کا سامان تیار کرو۔ اور غلہ ماپنے کا برتن بنیامین کے سامان میں چپکے سے رکھ دو۔ آپ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا گیا۔ جب قافلہ الوداع کر کے چلنے لگا تو منادی نے بلند آواز سے اعلان کیا: اے عزم سفر باندھنے والو! اپنے اونٹوں کو بٹھا دو اور اپنے سامان اتار دو۔ کیونکہ تم نے بادشاہ کی چوری کی ہے۔

یہ اعلان سن کر قافلے پر دہشت طاری ہو گئی اور سب کانپ گئے۔ فوراً منادی کے پاس پہنچے اور احتجاج کیا: یہ سب جھوٹ ہے۔ محض الزام ہے۔ ذرا بتا تو تیری کیا چیز چوری ہوئی ہے۔ منادی نے جواب دیا کہ بادشاہ کا پیالہ گم ہو گیا ہے اور ہمیں پورا پورا شک ہے کہ وہ برتن تم نے چرا لیا ہے اور اسے اپنے سامان میں چھپا دیا ہے۔ اگر تم اعتراف کر لو اور برتن واپس کر دو تو تمہیں معافی مل جائے گی اور تمہارا راستہ نہیں روکا جائے گا۔ پھر اس نے اعلان کیا کہ جو شخص بادشاہ کا پیالہ تلاش کر دے گا اسے ایک اونٹ کا لدا مفت دیا جائے گا۔ یہ بادشاہ کا وعدہ ہے اور اس وعدہ کو ضرور پورا کیا جائے گا۔

برادران یوسف نے کہا: بخدا ہم یہاں فساد برپا کرنے نہیں آئے۔ ہم نے کوئی چوری نہیں کی۔ منادی نے کہا: ہم تم پر جرم عائد نہیں کر رہے اور پورے قافلے

کو چوری کا الزام نہیں دے رہے۔ لیکن اگر تم میں سے کسی شخص نے چوری کی جسارت کی ہو اور بادشاہ کا پیالہ اس کے پاس سے بر آمد ہو جائے تو خود ہی بتاؤ کہ اس کو کیا سزا ملنی چاہیے۔

اہل قافلہ نے کہا ہمارا ایک قانون اور دین ہے جس کی ہم پیروی کرتے ہیں۔ اور ہم ایک عہد اور ذمہ کے پابند ہیں اور اس سے سر مو بھی انحراف نہیں کر سکتے۔ اس قانون کے مطابق چور کی سزا یہ ہے کہ جس کے پاس چوری کا یہ پیالہ ملے وہ تمھارا قیدی ہو گا اور غلام قرار پائے گا۔ یہی ہمارا قانون ہے اور یہی ہمارا دین ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ہم بری الذمہ ہیں اور ہمارے اندر کوئی کھوٹ نہیں۔

یوسف علیہ السلام یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور اس رائے کو بہت پسند کیا۔ کیونکہ مصری قانون میں چور کی سزا ادائی غلامی نہیں تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں پر تمکنت دینا چاہتا تھا۔ اس لئے انہوں نے خود ہی یہ فیصلہ صادر کر دیا تھا۔

ایک ایک شخص کے سامان کی تلاشی شروع ہو گئی۔ آخر میں بنیامین کا سامان کھولا گیا۔ وہ برتن ان کے سامان سے بر آمد ہوا۔ قافلے والے اس صورت حال کو دیکھ کر سہم گئے ان کے چہرے پیلے پڑ گئے۔ ڈر کے مارے ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور ساکت و صامت سب دہشت کے مارے کانپ گئے۔ سب لوگوں نے شرمندگی سے سر جھکا لیے اور بہت خجل ہوئے۔ یوسف علیہ السلام نے ان سے فرمایا: اب تم کو وہ شرط پوری کرنا ہو گی۔ میں نے تم سے ایک وعدہ لے رکھا ہے۔ اس وعدے اور شرط کے مطابق یہ جوان جس کے سامان سے پیالہ بر آمد ہوا ہے ہمارے فیصلے کا پابند ہے۔ ہم اس سے اپنا حق لیں گے۔

قافلے والوں نے عرض کی: اس کے باپ بہت عمر رسیدہ ہیں۔ ان کی عمر اسی سال کی ہوا چاہتی ہے۔ وہ اس سے بہت پیار کرتے ہیں۔ ہم ان سے وعدہ کر کے آئے ہیں کہ ہم اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے اور اسے ضرور واپس لائیں گے۔ ہم دس حضور کی خدمت میں حاضر ہیں۔

فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ

"پس ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ پکڑ لیجئے بیشک ہم تجھے نیکو کاروں میں سے دیکھتے ہیں" (یوسف: ۷۸)

یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

مَعَاذَاللّٰہِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَہٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ

"ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ پکڑ لیں ہم مگر اس کو جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے۔ ورنہ ظالم ہونگے۔" (یوسف:۷۹)

جب انہیں پوری طرح یقین ہو گیا کہ اب عزیز مصر سفارش قبول نہیں کرتا اور اپنے ہی ایجاد کردہ رواج کی وجہ سے پوری طرح پھنس گئے ہیں تو الگ جا کر آپس میں مشورہ کیا اور اس مسلے پر تبادلہ خیال کیا۔ یہودہ نے کہا: تم جانتے ہو کہ والد نے ہم سے وعدہ لیا ہے اور قسم کو پورا کریں گے۔ ذرا سوچو واپس جا کر انہیں کیا منہ دکھائیں گے۔ ہم کیا جواب دیں گے کہ ہم نے اپنے بھائی کو کھو دیا ہے اور قسم توڑ دی ہے۔ ابھی تو ان کے دل سے یوسف کی جدائی کا زخم مندمل نہیں ہوا۔ اور ابھی تک اس کے غم میں ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہیں۔ پہلا جرم بھی تو ہم سے سرزد ہوا ہے۔ اور اب یہ دوسرا جرم بھی ہمارے ہاتھوں ہو رہا ہے۔

فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰی یَاْذَنَ لِیْٓ اَبِیْٓ اَوْ یَحْکُمَ اللّٰہُ لِیْ وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ۔ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْکُمْ فَقُوْلُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَکَ سَرَقَ وَمَا شَھِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا کُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ۔ وَسْئَلِ الْقَرْیَۃَ الَّتِیْ کُنَّا فِیْھَا وَالْعِیْرَ الَّتِیْٓ اَقْبَلْنَا فِیْھَا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔

"تو میں تو نہیں چھوڑوں گا اس زمین کو جب تک کہ اجازت نہ دیں مجھے میرے باپ یا فیصلہ فرمائے اللہ تعالیٰ میرے لئے اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ تم لوٹ جاؤ اپنے باپ کی طرف پھر (انہیں یہ) عرض کرواے ہمارے محترم باپ! بلاشبہ آپ کے بیٹے نے چوری کی (اس لیے وہ گرفتار کر لیا گیا) اور ہم نے (آپ سے) وہی کچھ بیان کیا جس کا ہمیں علم تھا اور ہم نہیں

تھے غیب کی نگہبانی کرنے والے۔ اور (اگر آپ کو اعتبار نہ آئے تو) دریافت کیجئے بستی والوں سے جس میں ہم رہے۔ اور پوچھیۓ اس قافلے سے جس میں ہم آئے اور یقیناً ہم سچ عرض کر رہے ہیں۔" (یوسف :۸۱'۸۲)

نو بھائی تو چل دیے لیکن یہودہ جو سب سے بڑا تھا یہیں رک گیا۔ یہ قافلہ جب کنعان پہنچا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو بنیامین نظر نہ آیا تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ اس قدر پریشان ہوئے گویا کہ جگر کا ٹکڑا کاٹ کر الگ کر دیا ہو۔ آپ نے غم واندوہ میں رنجھی ہوئی آواز میں فرمایا: تم نے اپنے بھائی کے ساتھ کیا کر دیا؟ تمھاری وہ قسمیں وہ وعدہ کیا ہوئے؟ انہوں نے تمام صورت حال بیان کر دی۔ اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ نے ان کی بات سن کر چہرہ مبارک پھیر لیا اور فرمایا۔

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْراً فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَاتَصِفُوْنَ ۔

"بلکہ آراستہ کر دکھایا تمہیں تمھارے نفسوں نے اس (سنگین جرم) کو (اس جانکاہ حادثہ پر) صبر ہی زیبا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں گا اس پر جو تم بیان کرتے ہو"۔ (یوسف ۱۸)

اس سے پہلے مجھ سے یوسف جدا ہوا اگر آج تو بنیامین بھی داغ جدائی دے گیا ہے اور تم یہودہ کو بھی کہیں چھوڑ آئے ہو۔ آج مجھے وہ بھی نظر نہیں آرہا۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

"قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ لے آئے گا میرے پاس ان سب کو بیشک وہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے" (یوسف : ۸۳)

یوسف اور یعقوب علیہما السلام کی ملاقات

یعقوب علیہ السلام کو غموں نے گھیر لیا اور دکھوں نے ان کے دل میں پنجے گاڑ دیے۔ نیند تھی کہ پریشانی کی وجہ سے کوسوں دور۔ اب کون ان کے غم غلط کرتا۔ کون پریشانی کی ان گھڑیوں میں تسلی کے دو حرف کہتا۔ ہاں تسلی کی صرف دو گھڑیاں تھیں۔ ایک وہ جو یاد الٰہی میں صرف ہوتی۔ آپ نماز پڑھتے' سجدہ و رکوع بجالاتے اور رات کی تاریکیوں میں دست بستہ کھڑے ہوتے۔ اللہ سے صبر کی التجا کرتے اور ایمان و یقین کا سوال کرتے۔ دوسری وہ گھڑی کہ جس میں اپنے متعلق سوچتے۔ اپنے بچھڑے ہوئے دونوں بیٹوں کو یاد کرتے۔ پھر آنسو چھلک پڑتے اور آواز رندھ جاتی۔ پلکیں تربتر ہو جاتیں اور پھر یہ غم آنسو بن کر آنکھوں سے بہہ جاتا۔ آپ کو عبادت اور ذکر خداوندی سے صبر اور ایمان کی دولت ملتی اور آنسو بہہ جاتے تو دل میں قدرے راحت اور سکون محسوس ہوتا۔

لَمْ يُخْلَقُ الدَّمْعُ لِامْرِیءٍ عَبَثاً
اَللّٰهُ اَدْرٰی بِلَوْعَةِ الْحُزْنْ

انسان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو عبث پیدا نہیں کیے گئے
اللہ تعالیٰ غم کی سوزش سے خوب واقف ہے

یوسف علیہ السلام کے فراق میں آپ اتنے روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں۔ جسم لاغر ہو گیا چہرے کی ساری شادابی جاتی رہی۔ کمزوری کی وجہ سے پورا بدن خشک کانٹا بن گیا۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ علیہ السلام کا ایک بیٹا کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ آپ اتنے لاغر ہو گئے ہیں کہ نماز بھی ادا نہیں کر سکتے۔ سارا سارا دن آہ و بکا میں گزر جاتا ہے اور رات بھر جاگ کر یوسف اور بنیامین کے فراق میں آنسو بہاتے رہتے ہیں۔ اس لڑکے نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور درد بھری آواز میں کہہ رہے ہیں۔ ہائے افسوس یوسف! وہ یہ صورت حال دیکھ کر گھبرا گیا اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بلا کر لے آیا کہ وہ دیکھیں کہ آپ کس طرح پریشانی اور اضطراب میں کروٹیں بدل رہے ہیں۔ اور کس قدر جدائی کے غم میں گھلے جاتے ہیں۔ ان میں

سے ایک نے عرض کی: ابا جان آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں اللہ نے آپ کو نبوت کا شرف عطا کیا ہے۔ آپ کا دل مہبط وحی ہے۔ آپ سے ہم رہنمائی پاتے ہیں اور ایمان کی دولت حاصل کرتے ہیں۔ پھر اتنی بے قراری کیوں اور دن بدن غم واندوہ میں اضافہ کس لئے۔ کیا یہ آنسو کبھی نہیں تھمیں گے۔ اب تو آنکھیں دھنس گئی ہیں اور ان میں سفیدی آگئی ہے۔ کیا یہ اشکوں کا سلسلہ جس نے آپ کے جسم کو لاغر بنادیا ہے اور آپ کی روح کو مضمحل کردیا ہے رکیں گے نہیں۔

تَااللّٰهِ تَفتَأُ تَذكُرُ يُوسُفَ حَتّٰى تَكُونَ حَرَضًا اَوتَكُونَ مِنَ الهالكين

"بخدا! آپ ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں یوسف کو، کہیں بگڑ نہ جائے آپ کی صحت یا آپ ہلاک نہ ہو جائیں" (یوسف: ۸۵)

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: تمھارے طعنے میرے غم کو اور بڑھا دیتے ہیں۔ اس سے میری بیماری کا شعلہ اور بھڑک اٹھتا ہے۔ یوسف کو دیکھے بغیر فرقت کی لگی آگ کیسے بجھے گی۔ اس جدائی میں بہنے والے آنسو اس کو ملے بغیر کیسے تھمیں گے۔ اگرچہ تمھارا گمان ہے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور اب وہ دنیا میں زندہ نہیں لیکن حقیقت میں وہ زندہ ہے۔ وہ اسی دنیا میں سانس لے رہا ہے اور یہی آسمان اس پر سایہ فگن ہے۔ میں اپنے دل میں چھپے اور ذہن سے پھوٹنے والے شعور سے جانتا ہوں کہ یوسف زندہ سلامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم خاص سے نوازا ہے اس لیے میں یوسف کو باطن کی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں۔ لیکن وہ کہاں ہے میں نہیں جانتا وہ کہاں چلا گیا مجھے علم نہیں۔ میں یہی سوچ کر اداس ہو جاتا ہوں۔ اور میری پریشانیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر تمہیں میرے دل کی تسلی مطلوب ہے اگر تم میرا غم ہلکا کرنا چاہتے ہو تو زمین میں نکلو اور یوسف کو تلاش کرو۔ سفر میں صبر واستقامت سے کام لو اور اللہ کی رحمت اور کرم سے مایوس نہ ہو۔

اِنَّہٗ لَايَيئَسُ مِن رَّوحِ اللّٰهِ اِلَّا القَومُ الكَافِرُونَ

"بلاشبہ مایوس نہیں ہوتے رحمت الٰہی سے مگر کافر لوگ"

(یوسف: ۸۷)

برادران یوسف نے اپنے والد گرامی کی باتوں کو دل کی گہرائیوں میں اترتے ہوئے محسوس کیا۔ یعقوب علیہ السلام ان کے چھپے رازوں کے مطابق گفتگو فرمار ہے تھے۔ انہوں نے واقعی یوسف کو کنویں میں پھینکا تھا۔ اور اسے بیابان کے حوالے کر کے آگئے تھے۔ ممکن ہے کسی نے یوسف کو کنویں سے نکال لیا ہو۔ اور وہ زندہ بچ نکلا ہو۔ مگر وہ ہے کہاں؟ اسے تلاش کریں تو کہاں؟ وہ کس وادی میں قیام پذیر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی اس وسیع و عریض زمین میں وہ اسے کہاں ڈھونڈھیں۔ وہ یوسف کے ملنے سے تو مایوس ہو چکے تھے۔ اور ان کے ملنے کی ساری امیدیں ختم ہو چکی تھیں لیکن وہ یہ تو جانتے تھے کہ بنیامین کہاں ہے۔ انہیں آنے جانے کا راستہ بھی معلوم تھا اس لئے انہوں نے سوچا کہ عزیز کے پاس جائیں اور اس کی منت سماجت کریں۔ ممکن ہے وہ بنیامین کو واپس کر دے۔ اور یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے سے مل کر یوسف کی جدائی کا غم بھول جائیں اور ان کے دل کو راحت نصیب ہو جائے۔

وہ مصر کو چل دیے مگر ان پر امید و بیم کی حالت طاری تھی۔ وہ عزیز کے دربار میں دست بستہ سر جھکائے کھڑے تھے۔ ایک عزت دار اور کریم شخص کی طرح شرمندگی اور خجالت سے آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہیں کر رہے تھے۔

عرض کرنے لگے: اے عزیز مصر! گردش ایام نے ہمیں واپس آنے پر مجبور کر دیا ہے اور وقت نے ذلت اور مسکنت کے ساتھ ہمیں آپ کے حضور کھڑا کر دیا ہے۔ دن بدلتے رہتے ہیں اور وقت ایک سا نہیں رہتا۔ ہم آپ کی خدمت میں بہت کم پونجی لیکر حاضر ہوئے ہیں۔ کیونکہ ہماری مالی حالت کچھ اچھی نہیں ہے۔ ہماری گزران بڑی مشکل سے ہو رہی ہے اور ہم تنگ دستی کا شکار ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو صدقہ سمجھ کر ہماری مشکل حل کر دیں اور ہماری بگڑی بنا دیں۔ صرف آپ ہی ہمارے والد گرامی کے آنسوؤں کو روک سکتے ہیں اور صرف آپ ہی ان کے درد و غم کو ہلکا کرنے کی سکت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف اور حضرت یعقوب علیہما السلام کے قصے کو اس قدر بلندی پر پہنچا دیا تھا کہ وہ ایمان بالقضاء اور صبر علی البلاء پر اعلیٰ مثال بن سکے تو یوسف علیہ السلام کو اجازت مل گئی کہ وہ اپنے آپ کو ظاہر کر دیں اور بتا دیں کہ میں ہی یوسف

ہوں۔ ان کی لغزشوں کو اپنے کرم سے معاف کر دیں اور ان کی خطا سے در گزر کریں۔
تاکہ یہ قصہ بخشش، کرم اور عفوودرگزر کا درس بن جائے۔

یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے پوچھا: تمہیں وہ دن یاد ہے جب پو پھٹی ہی کہ ابھی اندھیرا تھا کہ خواہش نفسانی تمہارے لیے آراستہ کر دی گئی اور شیطان نے تمہارے دلوں میں یہ وسوسہ اندازی کی کہ یوسف اور اس کے بھائی کو دھوکہ دو۔ تمہیں یاد ہے؟ تم نے یوسف کو کنویں میں پھینکا تھا پھر تم نے اس کے بھائی کے ساتھ بھی وہی مکرو فریب کیا اور اسے تکلیف دی۔ ذرا یاد کرو تاکہ تم میں سے ایک نے یوسف کو اپنے آہنی ہاتھوں سے پکڑا۔ اس ناتواں کے کپڑے کو کھینچا۔ وہ دہائی دیتا رہا، منتیں کرتا رہا۔ چیختا چلاتا رہا نالہ و شیون کرتا رہا لیکن تم نے کچھ پرواہ کی۔ تمہارے اندر رحمت کے کسی جذبے نے سر نہ اٹھایا۔ تم نے اس معصوم کو اکیلے کسمپرسی کی حالت میں اندھے کنویں میں پھینک دیا۔

بردران یوسف شک میں پڑ گئے اور یوسف کی حقیقت کے بارے انہیں شبہ ہونے لگا۔ کہ یہ وہی باتیں بتا رہا ہے جو واقعی ہو چکی ہیں۔ لیکن اسے یہ سب کچھ کس نے بتادیا؟ وہ ایک ایک واقعے کی تفصیل بیان کر رہا ہے اسے کیسے معلوم ہوا کہ ہم نے یوسف کو کنویں میں پھینک دیا۔ کیا یہ سب کچھ بنیامین نے بتایا ہے؟ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ بھی تو دوسرے لوگوں کی طرح اس واقعہ سے لاعلم ہے۔ وہ تو یوسف کی حقیقت کے بارے ایک حرف نہیں جانتا۔ یوسف کو کنویں میں ڈالتے وقت کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ وہ اس اندازے اور تخمینے کے بعد یوسف کی طرف متوجہ ہوئے کہ دیکھیں تو سہی کہ کیا یہی شخص تو یوسف نہیں۔

انہوں نے آپ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ آپ کی شکل و شباہت یاد کرنے لگے۔ سامنے کھڑے شخص کے چہرے میں یوسف کی علامات اور آثار تلاش کرنے لگے۔ اس جستجو اور تفتیش میں زیادہ وقت نہ لگا۔ ان میں سے ایک چیخ اٹھا: بیشک آپ ہی یوسف ہیں!

یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا ہاں۔

اَنَا یُوْسُفُ وَهٰذَا اَخِیْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا۔ اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ

"میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے بڑا اکرم فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ہم پر یقیناً جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے (وہ آخر کار کامیاب ہوتا ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا" (یوسف: ۹۰)

یہ دیکھ کر کہ یوسف مصر کے سب سے بڑے عہدے پر فائز ہے اور ہمیں ہر سزا دے سکتا ہے۔ ان کے رنگ پھیکے پڑ گئے۔ ہواس باختہ ہو گئے۔ زبانیں گنگ ہو گئیں اور شرم کے مارے زمین میں دھنسے جاتے تھے۔ وہ سوچنے لگے کاش زمین پھٹ جاتی اور ہم زندہ در گور ہو جاتے یا کوئی ستارہ گرتا اور ہمارا نام و نشان مٹا دیتا...... یوسف کریم النفس اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے۔ وہ ان کے خوف کو طول نہیں دینا چاہتے تھے۔ وہ بڑے وسیع الظرف تھے۔ وہ ان سے انتقام نہیں لینا چاہتے تھے۔ کچھ بھی ہو وہ ان کے بھائی تھے۔ ان کے باپ کے بیٹے تھے۔ اگرچہ انہوں نے یوسف کے قتل کی سازش کی تھی اور ان کی ہلاکت کا منصوبہ بنایا تھا لیکن نہیں آپ نے فرمایا۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ۔ یَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔

"نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن ۔ معاف فرما دے اللہ تمہارے (قصوروں) کو۔ اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے" (یوسف: ۹۲)

یہ مژدہ جانفزا سن کر انہوں نے کہا ہم اپنے والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ جنہیں وقت نے آزمایا مگر انہوں نے سارے مصائب برداشت کیے۔ جو مشکلات ان پر پڑیں اگر پہاڑوں پر پڑتیں تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے لیکن وہ سب کچھ برداشت کر گئے۔ اسی لئے اللہ کریم نے ان کا شمار اپنے اولو العزم 'الاخیار' برگزیدہ'

تقویٰ اور پرہیز گاری کے حامل انبیاء میں کیا ہے۔ اور ان کے لئے ابدی جنت کو ٹھکانا قرار دے دیا ہے۔ انہیں صبر و تحمل کی وجہ سے وہ عزت و توقیر عطا کر دی ہے کہ قیامت تک ان کا ذکر خیر عزت و احترام سے ہوتا رہے گا۔ یہ منشاء خداوندی تھا کہ وہ اس دنیوی زندگی میں بھی فلاح و کامرانی حاصل کریں تاکہ خلق خدا انہیں دیکھ کر اور ان کی سیرت طیبہ کی اقتداء کر کے صبر کی اس راہ پر گامزن ہو اور مصائب و آلام میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرے اور بہترین صلہ حاصل کرے۔

ایک دن حضرت یعقوب اپنے عبادت خانے میں تشریف لے گئے۔ نماز ادا کی اور ذکر و فکر میں مشغول ہو گئے۔ پھر کافی دیر تک یوسف کو یاد کر کے روتے رہے۔ اچانک آپ پر اطمینان کی ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ آنسو خشک ہو گئے اور غم واندوہ کی سیاہ گھٹا چھٹ گئی۔ یہ ایک عجیب احساس تھا۔ یہ شعور اور یہ احساس کیا ہے؟ وہ دل کی گہرائیوں میں تازگی سی محسوس کر رہے ہیں اور وجدان میں سرمستی اور بہجت و سرور سا پھیل گیا ہے۔ وہ غم واندوہ وہ پریشانی اور اضطراب سب کیسے ختم ہوا اور اس کی جگہ پورے جسم میں خوشی و مسرت کی ایک لہر کیوں دوڑ رہی ہے؟ وہ سوچ سوچ کر تھک ہار گئے لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچے۔

یہ شعور حضرت یعقوب کو بے خود کیے جا رہا تھا اور یہ فیض نس نس میں سمایا جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا گویا گزرے ہوئے سنہری دن لوٹ آئے تھے اور خوشی کے وہی لمحے پلٹ آئے تھے جب یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی یعقوب کی آنکھوں کے سامنے چلتے پھرتے تھے اور یعقوب ان کے چہرے سے پھوٹنے والے تبسم کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔

یعقوب علیہ السلام اس تبدیلی کو محسوس کر کے پورے زور سے' ساری قوتوں کو مجتمع کرتے ہوئے چیخے۔

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ

"میں تو یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں" (یوسف: ۹۴)

اس خوشبو نے میرے مشام جاں کو معطر کر دیا ہے۔ اس نے میرے دل کے نہاں خانوں میں نغمے بھر دیے ہیں۔ میرے دل کی خوشیاں لوٹ آئی ہیں اور میرے جسم میں خوشبو بھر گئی ہے۔

یعقوب علیہ السلام غلط نہیں کہہ رہے تھے۔ وہ واقعی یوسف علیہ السلام کی خوشبو سے زیادہ دور نہیں تھے۔ ایک اونٹ سوار حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص لیکر کنعان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے مسرت اور شادمانی کا پیغام تھی۔ اس قمیص نے حضرت کو بینائی اور زندگی لوٹا دی۔

اونٹ سوار نے مصر سے کنعان تک کا طویل سفر بہت کم وقت میں طے کر ڈالا۔ اور بشارت دینے پہنچ گیا۔ یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب کے چہرے پر ڈالی گئی۔ فوراً بصارت لوٹ آئی اور احساسات میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔

قاصد نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو تمام حالات وواقعات سے آگاہ کیا اور پھر یوسف علیہ السلام کا یہ پیغام پہنچایا کہ اپنے بیٹوں کی خطاؤں سے درگزر فرمائیں۔

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: میں بخشش کا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو ٹالنے کی طاقت مجھ میں نہیں۔ ہاں حضور باری تعالیٰ میں ان کی بخشش کی دعا کر سکتا ہوں۔ وہ مہربان اور کریم ہے۔ ان کی خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔

آپ نے فرمایا اونٹوں کو مہار ڈالو اور پلان کس کر تیار ہو جاؤ۔ میں عزیز مصر یوسف کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کرنا چاہتا ہوں۔

یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین اور اپنے بھائیوں کو گھر کے صحن میں کھڑے دیکھا۔ مدتوں کے بچھڑے ہوئے ایک دوسرے سے ملے۔ والدین اس نے اور بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ تعظیمی کیا اور سر جھکا کر عاجزی وانکساری کی حالت میں کھڑے ہوئے۔ حضرت یوسف نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا اور اس کے فضل واحسان کو یاد کر کے عرض کی۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۔
فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ

مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ

"اے میرے رب عطا فرمایا تو نے مجھے یہ ملک نیز تو نے سکھایا مجھے باتوں کے انجام کا علم۔ اے بنانے والے آسمانوں اور زمین کے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ مجھے وفات دے در آنحالاں کہ میں مسلمان ہوں اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ" (یوسف: ۱۰۱)

حواشی

۱۔ ایک روایت کے مطابق حضرت راحیل بھی زندہ تھیں قرآن کریم میں گیارہ ستاروں سے مراد بھائی۔ چاند اور سورج سے مراد یوسف علیہ السلام کے والدین ہیں۔ راحیل کا ذکر خیر نہیں ہوا کیونکہ قرآن کریم دو نبیوں کی سیرت کو ہدایت کے لیے پیش کرنا چاہتا ہے۔ قصہ خوانی مقصود نہیں۔

"حضرت سیدنا شعیب علیہ السلام"

اہل مدین کا تعلق ایک عرب قوم سے تھا۔ یہ لوگ ارض معان میں سکونت پذیر تھے۔ یہ علاقہ اطراف شام میں واقع ہے۔ یہ لوگ اللہ کی وحدانیت کے منکر تھے اور شرک وبت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھے "ایکہ" نامی بت کی پوجا پورے مدین کا مذہب تھی۔ پیشے کے لحاظ سے یہ تاجر تھے۔ اخلاقی لحاظ سے اس قدر گر چکے تھے کہ لوگوں کو ردی چیزیں بیچتے' جب لوگوں سے چیزیں خریدتے تو ڈنڈی مارتے اور چیزیں زیادہ ہتھیا لیتے اور جب لوگوں کو دینے کی باری آتی تو ماپ تول میں کمی کر دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل مدین کی ھدایت کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا آپ علیہ السلام کی پشت پناہی کی خاطر عظیم معجزات عطا ہوئے۔ اور نبوت ورسالت کی تصدیق کے لئے انہیں اعجاز آفرینی کی قوت عطا فرمائی۔ آپ نے لوگوں کو اللہ وحدہ کی عبادت کی دعوت دی اور انہیں سمجھایا کہ وہ کاروبار میں عدل وانصاف سے کام لیں انہیں خبردار کیا کہ ظلم کا انجام بہت برا ہے۔ انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں کس قدر نعمتیں عطا کر رکھی ہیں۔ تم خالی ہاتھ تھے اس نے تمھاری جھولیاں بھر دیں۔ تم فقیر تھے مالک الملک نے تمھیں غنی کر دیا۔

آپ نے فرمایا۔یادرکھواگر تم نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کی پیروی نہ کی اور میری بات نہ مانی تو تمھیں اللہ کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن انہوں نے آپ کی نصیحت پر کوئی توجہ نہ دی الٹاان کی باتوں کا مذاق اڑانے لگے اور ٹھٹھا اور استہزاء کرنے لگے۔ ان بدبختوں نے یہاں تک کہہ دیا۔ کہ اے شعیب کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد بندگی کرتے آئے ہیں اور کسی ان دیکھے خدا کی عبادت شروع کر دیں؟ تیری یہ عبادت کیا تجھے روکتی ہے کہ ہم اپنی مرضی اور پسند کے مطابق اپنے دینی معاملات سرانجام دیں؟ کیا ہم تیرے کہنے میں آکر کاروبار ہوشیاری اور چالاکی کو ترک کر دیں؟ اور سوداگری کے ان طریقوں کو چھوڑ دیں جن کی وجہ سے ہماری دولت میں اس قدر فراوانی ہوئی ہے۔ ہم اپنے محبوب دین کو کیسے ترک کر دیں۔ اپنی پسندیدہ کاروباری چالوں کو کیسے چھوڑ دیں۔ اے شعیب تو تو بڑا عقل مند اور سیانا ہے تو ہمیں ایسے مشورے دے رہا ہے۔ ذرا وسعت نظری سے کام لے۔ ہم تو تجھے اتنا تنگ نظر خیال نہیں کرتے تھے۔

شعیب علیہ السلام نے ان کے رویہ کو دیکھ کر سختی نہیں فرمائی۔ آپ کے لہجے میں ترشی اور تلخی نہیں آئی بلکہ انہیں نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی اور پیار و محبت بھرے لہجے میں انہیں بتایا کہ میں کوئی غیر نہیں۔ میرے اور تمہارے درمیان کئی مضبوط رشتے ہیں۔ آپ نے قرابت داری کی بات اس لیے کی کیونکہ یہ چیز نصیحت قبول کرنے میں موثر ثابت ہو سکتی تھی اور ان کی رائے قبول کرنے میں مدد دے سکتی تھی۔ آپ کو توقع تھی کہ جب میں انہیں رشتہ داری یاد دلاؤں گا تو یہ چیز انہیں سوچنے پر مجبور کرے گی کہ شعیب ہمارا ہی خواہ ہے اور ہمارے بھلے کی بات کرتا ہے۔

جب آپ نے محسوس کیا کہ یہ لوگ مائل ہو رہے ہیں اور میری بات سننا چاہتے ہیں تو آپ نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے غیب پر مطلع فرمادیا ہے اور اس نے مجھ پر خصوصی نعمت فرمائی ہے۔ اس وجہ سے میں تمھارے طور طریقوں سے الگ تھلگ ہو گیا ہوں۔ اور میں نے گمراہی کا وہ راستہ اختیار نہیں کیا جس پر تم سرپٹ دوڑ رہے ہو۔ اللہ کی عطا کردہ روشنی اور نعمت نے مجھے روک دیا ہے کہ اللہ کے پیغام پہنچانے میں کوئی کمی کروں اور اس کے احکام کی بجا آوری میں سستی اور کاہلی کو روا

رکھوں۔ پھر آپ نے اعلان فرمایا کہ اللہ کریم نے مجھے ہدایت کی وحی کی ہے اور مجھے حق دے کر مبعوث کیا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے خصوصی رحمت سے نوازا ہے اور مجھے وہ راستہ دکھادیا ہے جو تمھاری نظروں سے اوجھل ہے۔ میں اس دعوت کو پھیلانے میں جسے لیکر اٹھ کھڑا ہوں ہرگز نہیں تھکوں گا اور وحی خداوندی کے تقاضوں کو پورا کرنے کی حتی المقدور کوشش کروں گا۔ میں تمھیں اپنی دعوت کے اتباع پر مجبور نہیں کروں گا اور نہ کسی ایسے کام کا حکم دوں گا جسے میں خود ناپسند کروں گا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی حلم وبردباری اور فطانت اور دور اندیشی مسلم اور پورے مدین میں معروف و مشہور تھی۔ پھر اس راہ نمائی پر وہ کوئی صلہ بھی تو نہیں مانگ رہے تھے۔ اس وعظ و نصیحت کے بدلے کسی جزاء کے بھی قائل نہیں تھے بلکہ ان کے پیش نظر تو فقط اصلاح تھی اور راہ مستقیم کی نشاندہی۔

جو شخص اس قدر بے لوث ہو' اس قدر مخلص ہو اس کی اتباع تو بہت ضروری ہے۔ وہ تو استحقاق رکھتا ہے کہ اس کی مخلصانہ نصیحتوں کو سنا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ اس کی کوشش اور محنت کے پیچھے کوئی مصلحت کوئی ذاتی منفعت کار فرما نہیں ہوتی۔

لیکن آپ نے محسوس کیا کہ میری اس نصیحت کو لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور پیروی کے بجائے مخالفت پر اتر آئے ہیں۔ آپ جانتے تھے کہ میں نے دعوت دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور ان پر حجت تمام کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا لیکن وہ میری بات نہیں مان رہے۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ میری دعوت کا انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ محض تعصب اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے۔ حسد نے ان سے بینائی چھین لی ہے اور نخوت و تکبر نے انہیں حق کی پیروی سے روک دیا ہے۔ آپ نے انہیں روکا کہ خبردار حسد اور کینہ تمھیں روگردانی پر ابھار رہا ہے اور حق بات کی پیروی سے تکبر اور بڑائی آڑے آرہی ہے۔ انہیں عذاب خداوندی اور سزا سے ڈرایا اور انہیں بتایا معصیت اور گناہ کا ارتکاب کہیں انہیں ایمان باللہ اور توبہ کی توفیق سے محروم نہ کردے اور وہ عذاب وعقاب میں مبتلا ہو کر اپنی بدبختی پر مہر تصدیق ثبت نہ کردیں۔

جب آپ نے یہ ثابت کردیا کہ ان کے عقائد بودے ہیں اور جس راستے پر وہ چل رہے ہیں وہ ظلم و تعدی کا راستہ ہے اور جب دلائل و براھین نے اپنے اقوال کی

صحت کو اظہر من الشمس کر دیا تو مدین والے بے مقصد قال و قیل پر اتر آئے اور سب و شتم بکنے لگے۔ کہنے لگے کہ ہمیں آپ کی باتیں سمجھ نہیں آتیں کیونکہ باتیں ہمارے دلوں تک نہیں پہنچتیں ہمیں یہ پسند نہیں ہیں کیونکہ یہ ہماری عقلیں ایسا سوچ بھی نہیں سکتیں۔ لہذا آپ برائے کرم عزت دار اور بڑے لوگوں کے انتقام کو نہ ابھاریں یہ تو آپ جانتے ہیں کہ آپ ایک غریب اور معمولی سے آدمی ہیں۔ اگر آپ ایک معزز اور محترم قبیلے اور خاندان سے تعلق نہ رکھتے تو ہم آپ کو وہ سزا دیتے کہ آپ کی آنے والی نسلیں بھی توبہ کرتیں لیکن شعیب علیہ السلام ان کے رعب و دبدبہ کے سامنے نہ جھکے اور ان کی قوت و سطوت کی کوئی پرواہ نہ کی۔ بلکہ مسلسل ان کے باطل نظریات اور فاسد خیالات پر تنقید کرتے رہے۔ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد پر کامل بھروسہ تھا۔ آپ کو یقین تھا کہ مالک حقیقی کی رحمت ضرور سہارا دے گی۔ اس لئے آپ نے ببانگ دہل فرمایا کہ میں اپنے قبیلے کی شان و شوکت اور خاندان کی قوت و سطوت کی بجائے اللہ کی تائید اور نصرت پر یقین رکھتا ہوں۔ خاندان کا رعب و دبدبہ اللہ کی قوت سے بڑھ کر نہیں۔ میرے خاندان کی ساری قوت بھی تو اس کریم کے فضل واحسان کی رہین ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم مجھے اللہ کریم کے حق کی رعایت کرتے ہوئے نہیں چھوڑ سکتے؟ اور کیا تم اس ذات پاک کی فرمانبرداری کے جذبے سے میری حفاظت نہیں کر سکتے؟ بے شک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری' میری قوم کی تعظیم اور میری عزت سے بڑھ کر ہے۔

ان کی دھمکی کا آپ علیہ السلام پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ امراء اور رؤساء کی تہدید کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور انہیں للکارا اور فرمایا۔ تم اپنی ساری قوت میرے خلاف استعمال کر لو۔ تو میری تبلیغی کوششوں کو نہیں روک سکتے۔ اور اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ آپ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ تھا اور جانتے تھے کہ حق کی راہ میں سعی و کوشش کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ آپ کو یقین تھا کہ میرا رب کافروں کے کرتوتوں سے پوری طرح واقف ہے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس سے مکمل آگاہ ہے۔

حضرت نے وعظ و ارشاد کا یہ سلسلہ رات دن جاری رکھا۔ بعض خوش

نصیبوں نے آپ کے ارشادات عالیہ کو گوش ہوش سے سنا اور دل کی گہرائیوں سے ان پر غوروفکر کر کے انہیں قبول کر لیا۔ آپ علیہ السلام کی قوم یہ دیکھ کر گھبرا گئی کہ کہیں یہ سلسلہ سنگین نہ ہو جائے۔ اور بڑھتے بڑھتے اس کے مددگار قوت نہ حاصل کر لیں۔ کہیں یہ دعوت وارشاد دوسرے لوگوں کو بھی اپنی طرف مائل نہ کر لے اور شعیب کے ماننے والے غالب نہ آجائیں۔

انہوں نے آپ کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ اور آپ کے پیروکاروں کو ڈرانے لگے کہ اگر وہ باز نہ آئے تو انہیں بستی سے نکال دیا جائے گا۔ مگر آپ علیہ السلام نے ان پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ ان کی پیروی کرنے والوں کے دلوں میں ایمان پیوست ہو گیا ہے۔ دین حق ان کی نس نس میں سرایت کر گیا ہے وہ اب خاک مذلت کی طرف نہیں لوٹ سکتے۔ ہاں وہ مجبوری کی صورت میں کلمہ کفر زبان سے تو کہہ سکتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں کفر و عصیان سے نفرت پیدا ہو گئی ہے وہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں کی دلدل سے نجات دے دی ہے اور ضلالت کی وادی سے انہیں دور کر دیا ہے اب وہ کسی صورت کفر وطغیان کی اس وادی میں قدم نہیں رکھ سکتے۔

آپ علیہ السلام کو جب یقین ہو گیا کہ یہ لوگ حق کو قبول نہیں کریں گے کفر سے چمٹے رہیں گے ان کے خلاف اللہ سے مدد کی درخواست کی۔ ہاتھ اٹھا کر عرض کی: اے مولائے کریم انہیں کفر وانکار کی سزا سے دوچار کر دے۔ یہ جس عذاب کے مستحق ہیں فوراً وہ عذاب ان پر مسلط کر دے۔ نبی علیہ السلام کے ہاتھ اٹھتے دیکھ کر بھی ان بدبختوں کو خیال نہ آیا حق سے روگرداں رہے اور دنیا کمانے میں محو رہے۔ انہیں خبر تک بھی نہ ہوئی کہ تقدیر ان کے لئے کیا خفیہ تدبیر رکھتی ہے۔ یہ لوگ الٹا اہل ایمان سے جھگڑنے لگے۔ ان غریبوں کو دوبارہ کفر کی طرف پلٹ آنے کا کہنے لگے اور انہیں ڈرانے لگے کہ اگر انہوں نے مدین کے ظالمانہ رسم ورواج کو چھوڑ دیا اور عدل وانصاف کو اپنا لیا تو ان کا حشر بہت برا ہو گا۔ انہیں خوف زدہ کرنے لگے کہ اگر انہوں نے ماپ تول میں کمی نہ کی تو ان کی ساری دولت دوسروں کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ اور وہ کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جائیں گے انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ حضرت شعیب علیہ السلام کی نبوت کی تکذیب کرنا شروع کر دی اور انہیں جادوگر کہنے لگے آپ کو چیلنج

کیا کہ اگر آپ سچے ہیں اور آپ کی نبوت کے انکار سے عذاب آجائے گا تو لو ہم آپکی نبوت کا انکار کرتے ہیں آپ کو اللہ کا نبی تسلیم نہیں کرتے ہم پر عذاب نازل کر کے دکھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب کی دعا سن لی اور ان کی مدد اور نصرت فرمادی۔ کافروں کو شدت کی گرمی میں مبتلا کر دیا۔ انہیں ایسی پیاس لگی کہ پانی پیتے مگر پیاس اور بڑھتی جاتی۔ گرمی اس بلا کی تھی کہ سائے میں بھی گرمی کی تپش میں کوئی کمی نہ آتی بلند و بالا محلات اور پر سکون گھر بھی اس گرمی کا تدارک کرنے سے قاصر تھے وہ گھبرا کر بھاگ نکلے اور جنگل کی راہ لی۔ لیکن اللہ کی قدرت اور فیصلے سے بھاگے تو قضاء وقدر کی طرف رخ پھر گیا۔ اچانک آسمان پر ایک بادل نمودار ہوا۔ وہ سمجھے کہ بادل کا یہ ٹکڑا انہیں گرمی سے بچائے گا۔ بدبخت اسی میں اس ٹکڑے کے نیچے جمع ہو گئے کہ شدت گرمی سے بچ جائیں گے اور سائے میں آرام پائیں گے۔ یہاں تک کہ مدین کے سب بدبخت اس ٹکڑے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور کوئی ایک بھی ادھر ادھر نہ رہا۔ اچانک بادل سے شعلوں اور شراروں کی بارش برسنے لگے اور اس میں سے ایک چیخ بلند ہوئی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ زمین ان کے قدموں کے نیچے سے نکلی جاتی ہے وہ مارے خوف کے بھاگے لیکن جاتے تو کہاں جاتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ عذاب جاری رہا یہاں تک کہ ان کی روحیں جسموں کا ساتھ چھوڑ گئیں اور سب نیست ونابود ہو گئے۔

شعیب علیہ السلام نے نزول عذاب کا یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور ان کے مردہ جسموں سے منہ پھیر لیا۔ کیونکہ اس عذاب کو دیکھ کر آپ کے دل میں حزن و ملال کی لہر دوڑ گئی کیونکہ کوئی غیر تو تھے نہیں مگر اپنے رحیم دل کو تسلی دینے کے لئے ان کے کفر کا خیال کیا۔ ان کی بد اعتقادی اور اہل ایمان کے ساتھ ان کے ٹھٹھہ اور استہزاء کا تصور کیا۔ ان کی مخالفتوں کو اور ہٹ دھرمیوں کو یاد کیا تو اس سے ان کے دل کو قدرے تسلی ہوئی کہ یہ اسی عذاب کے مستحق تھے۔ آپ نے چہرہ مبارک پھیر لیا اور فرمایا۔

یَاقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسَالَاتِ رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَکُمۡ فَکَیۡفَ اٰسیٰ عَلٰی قَوۡمٍ کَافِرِیۡنَ

"اے میری قوم! بیشک میں نے پہنچا دیے تھے تمھیں پیغامات اپنے رب کے اور میں نے نصیحت کی تھی تمھیں۔ تو (اب) کیونکر غم کروں کافر قوم (کے ہولناک انجام) پر"۔ (الاعراف: ۹۳)

"حضرت موسیٰ علیہ السلام"

ولادت اور پرورش

فرعون کی سرکشی بڑھتے بڑھتے انتہا تک پہنچ گئی۔ بنی اسرائیل اس کی رعایا تھے۔ وہ ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا تھا۔ یہ لوگ اس ظالم و جابر بادشاہ کے زیر تسلط کسمپرسی اور مصیبت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بدحالی' ذلت اور نکبت کی اس زندگی میں ایک اور افتاد آن پڑی۔ ایک دن کسی کاہن نے فرعون کو بتایا کہ بنی اسرائیل کے ہاں ایک بچہ پیدا ہو گا جو آپ کی سلطنت کو ختم کر دے گا۔ فرعون یہ پیشین گوئی سن کر غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اس خبر پر وہ بھونچکاں ہو گیا۔ اور اس کے ظلم و ستم میں اضافہ ہو گیا۔

بنی اسرائیل کے ہاں اگر کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اسے ذبح کر دیا جاتا اور بچیوں کو زندہ رکھا جاتا۔ مگر خدائے قادر کے سامنے ایک انسان کی تدبیر کیا ٹک سکتی ہے۔ رب العالمین نے توازل سے لکھ رکھا تھا کہ اس سرکش اور جابر بادشاہ کی بادشاہت کا خاتمہ اس ضعیف و ناتواں نسل کے ایک بچے کے ہاتھ پر ہو گا۔ جس کی پرورش کی ذمہ داری بھی وہ خود نبھائے گا۔ مگر ایسے پھول کی مانند جو کانٹوں کی نوک کے درمیان کھلتا ہے یا ایسی فجر کی طرح جو تاریکیوں کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تمکنت عطا کر دی اور فرعون' ھامان اور ان کے لشکروں کو دکھا دیا کہ وہ کس طرح بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"یوکابد" (موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ) اپنے گھر کی ڈیوڑھی میں تشریف فرما تھیں کہ ان کو دردِ زہ نے آلیا۔ آپ نے ایک دایہ کو بلا بھیجا کہ ان کی دیکھ بھال کرے۔ دایہ نے ان کی خبر گیری کی اور بچہ پیدا ہو گیا۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ان کے ہاں تو ایک بچے کا جنم ہوا ہے تو وہ پریشان ہو گئیں۔ لیکن ممتا نے دل میں جوش مارا

اور ہر قیمت پر بچے کو بچانے کا عزم کر لیا۔ تین ماہ تک معصوموں کے دشمن فرعون کو خبر
نہ ہونے دی۔ تین ماہ کے بعد فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو بھی بچہ
ملے قتل کر دیا جائے۔ یوکابد کو الہام ہوا کہ ایک صندوق تیار کریں اور بچے کو صندوق
میں رکھ کر دریائے نیل کی موجوں کے حوالے کر دیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور موسیٰ
علیہ السلام کی بہن کو بھیج دیا کہ کنارے کنارے جائے اور دیکھے کہ صندوق کے ساتھ کیا
واقعہ پیش آتا ہے۔ اور پھر آکر بتائے۔ موسیٰ علیہ السلام کا صندوق نیل کے بہاؤ پر بہنے لگا
اور ان کی بہن کنارے کنارے چلتی انہیں دیکھتی رہی حتیٰ کہ یہ صندوق فرعون کے پاس پہنچا دیا
گیا۔ بچی یہ دیکھ کر ڈر گئی لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت بچے کے ساتھ تھی۔ فرعون کی بیوی
نے جونہی بچے کو دیکھا تو اس کا جذبہ محبت جاگ اٹھا اور اللہ نے اس کے دل میں موسیٰ کی
محبت کا نقش ثبت کر دیا۔ اس نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ وہ اسے اپنا متبنیٰ بنا لیں۔
یوکابد کی ساری پریشانیاں ختم ہو گئیں اور اپنے بچے کی دوری کا جو بوجھ تھا وہ ہلکا ہو گیا
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود موسیٰ علیہ السلام کو اپنی امان میں لے لیا تھا۔ اور ویسے بھی موسیٰ
کی والدہ ماجدہ بہت بہادر اور مضبوط ایمان کی مالک تھیں۔

بچے کی رضاعت کیلئے بادشاہ نے کئی عورتوں کو بلایا۔ تاکہ وہ کسی کا دودھ پینا
شروع کر دے اور اس طرح اس کی کمزوری اور بھوک کا سدباب ہو لیکن کئی عورتیں
آئیں اور ناکام لوٹ گئیں۔ بچے نے کسی کا دودھ نہ پیا۔

جب موسیٰ علیہ السلام کی بہن صندوق دیکھتی کنارے پر چل رہی تھی تو
ھامان نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اس نے سوچا یہ بچی ضرور اس صندوق اور بچے کے متعلق کچھ
جانتی ہے۔ ھامان کے کہنے پر لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ بچی سے باز پرس شروع ہوئی تو
اس نے کہا کہ میں بادشاہ کی خیر خواہی کرنا چاہتی ہوں۔ بچی کو فرعون نے اجازت دے
دی کہ ٹھیک ہے اگر تیری نظر میں ایسی کوئی عورت ہے جس کا دودھ یہ بچہ لے لے گا تو
تو اس عورت کا پتہ بتا تاکہ ہم اسے حکم دیں اور وہ بچے کو دودھ پلائے۔ بچہ رو رہا تھا۔
فرعون نے اسے اٹھا کر سینے سے لگایا اور بہلانے کی کوشش کرنے لگا۔ موسیٰ کی ماں آ
گئیں انہوں نے بچہ فرعون سے لیکر سینے سے لگایا تو بچہ خاموش ہو گیا۔ انہوں نے دودھ
پلایا تو بچے نے دودھ پینا بھی شروع کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے کئی عورتیں آئیں اور

ناکام واپس چلی گئی تھیں۔

فرعون پر دہشت طاری ہو گئی اور یوکابد سے پوچھا تو کون ہے؟ بچے نے کسی اور عورت کا دودھ نہیں پیا مگر تیرا دودھ خوشی پی رہا ہے۔ یوکابد نے کہا۔ میرا دودھ بہت اچھا ہے میں نے جس بچہ کو بھی دودھ دیا ہے اس نے پی لیا ہے۔ موسیٰ یوکابد کے حوالے کر دیے گئے اور اس خدمت کے عوض ان کا وظیفہ مقرر ہوا۔ آپ نے موسیٰ کو گود لے لیا اور گھر آ گئیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ام موسیٰ کو بہترین صلہ عطا کیا اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں تاکہ انہیں یقین آجائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا مصر سے خروج

جب مدت رضاعت پوری ہوئی تو یوکابد بچے کو لیکر محل میں آئیں اور اسے فرعون کے حوالے کر دیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام جوان ہو گئے تو اللہ نے انہیں نبوت سے نوازا اور علم و حکمت سے سرفراز کیا۔

ناتواں مغلوب و مقہور لوگوں کی نگاہیں موسیٰ علیہ السلام پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ صرف موسیٰ ہی کندھوں پر لدے اس بوجھ سے انہیں چھٹکارا دلا سکتا ہے۔ مصائب و آلام کی جس زندگی کو وہ ایک عرصے سے برداشت کر رہے صرف یہی جوان اس سے انہیں نجات دلا سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نہایت کریم اور غریب پرور جوان کی حیثیت سے سامنے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مصری معاشرے میں انہیں خصوصی عزت سے نوازا تھا اور ان کے دل کو اپنے نور سے روشن فرمایا تھا۔

آپ علیہ السلام بنی اسرائیل کی حالت زار دیکھ کر کڑھتے رہتے تھے۔ آپ نے عزم صمیم کر لیا کہ میں ان مجبور اور مقہور انسانوں کی ضرور مدد کروں گا اور فرعون کے ظلم و ستم سے انہیں رہائی دیکر ایک خوشگوار اور پر سکون زندگی گزارنے کا موقعہ فراہم کروں گا۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ آپ نے دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے دیکھا۔ ایک چہرے مہرے سے عبرانی لگتا تھا اور دوسرا کوئی امیر کبیر فرعونی۔ ایک تیسرے شخص نے دہائی دی کہ ہمیں اس فرعونی کے ظلم سے بچاؤ موسیٰ علیہ السلام نے مظلوم کی مدد کی خاطر امیر آدمی پر حملہ کر دیا۔ صرف ایک مکے سے امیر آدمی کا کام تمام ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اسے قتل کرنا نہیں چاہتے تھے آپ بہت نادم ہوئے اور شیطان کے

مکروفریب پر شرمندگی محسوس کرنے لگے۔ فوراً حضور باری تعالیٰ میں ہاتھ اٹھائے اور گڑگڑا کر مغفرت کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی خطا سے درگزر فرمایا اور انہیں معاف فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور درگزر موسیٰ علیہ السلام کے لئے بہت بڑی عطا اور نعمت غیر مترقبہ تھی۔ یہ بخشش اس بات کا ثبوت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کی پشت پر نصرت خداوندی ہے اور وہ ذات خود ان کی نگہداری فرما رہی ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے استعاذہ کیا کہ کہیں میں مجرموں کا پشت پناہ نہ بن جاؤں۔ مگر موسیٰ علیہ السلام پر ان کی بشریت غالب آگئی اور انسانی طبیعت نے ان پر قابو پالیا۔ آپ نے اپنے ارادے کو اللہ کے ارادے سے معلق نہ کیا جو تمام امور کی تدبیر فرمانے والا اور ساری کائنات کو ایک نظام کا پابند کرنے والا ہے۔ اور آپ نے مشیت خداوندی کا استثناء نہ کیا (یعنی یہ کہا کہ میں غریبوں کو فرعون کے ظلم و ستم سے نجات دوں گا لیکن اس کے ساتھ انشاء اللہ نہ کہا) اس لئے ان کا یہ ارادہ کہ وہ غریبوں کی مدد کریں گے ان کے لئے مصیبت بن گیا۔ آپ نے اس شہر میں ڈرتے ڈرتے صبح کی اس انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے تو اچانک وہی شخص جس نے کل آپ سے مدد طلب کی تھی آج پھر آپ کو مدد کے لئے بلا رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو تو بڑا گمراہ اور فسادی ہے اور ساتھ ہی اس کی مدد کے لئے اس کی طرف دوڑ پڑے۔ وہ یہ سمجھا کہ شاید موسیٰؑ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں اس لئے اس نے آپ کو رحم طلب نظروں سے دیکھا اور کہنے لگا۔

يَامُوسىٰ أَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْساً بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَاتُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ

"اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے بھی قتل کر ڈالے جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ تو نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تو ملک میں بڑا جابر بن جائے اور تو نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔ (القصص: ۱۹)

یہ اتہام صریح کسی فرعونی نے سن لیا۔ کل کے قتل کے بارے میں پوری

قوم پریشان تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ قاتل کون ہے۔ وہ شخص گیا اور جا کر بتایا کہ کل جو قتل ہوا ہے اس کا مرتکب موسیٰ ہے۔ وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے کہ اسے پکڑیں اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت قریب تھی۔ ایک شخص شہر کے آخری گوشے سے دوڑتا ہوا آیا۔ اور آکر بتایا کہ اے موسیٰ! سردار لوگ آپ کے بارے سازش کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر ڈالیں۔ پھر آپ کو نصیحت کی اور کہا کہ نکل جائیے یہاں سے اور چلے جائیے جہاں رب العالمین آپ کو لے جانا چاہتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام ارض مدین میں

موسیٰ علیہ السلام خوف زدہ ہو کر شہر سے چپکے سے نکلے تاکہ ظالموں کی سازش سے بچ جائیں۔ آپ آٹھ راتیں بلاد مدین کے راستے چلتے رہے۔ عنایت ربانی کے سوا کوئی مددگار نہیں تھا اور نور الٰہی کے علاوہ کوئی رفیق راہ نہیں تھا جو تنہائیوں میں تسلی کے دو حرف کہتا۔ اگر اس سفر میں زادراہ تھا تو وہ صرف تقویٰ و پرہیزگاری تھا۔ آپ ننگے پاؤں چلتے رہے حتیٰ کہ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ بھوک سے نڈھال درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرتے رہے۔

اس تکلیف میں تسلی اور اطمینان کا کوئی سامان نہ تھا ہاں یہی غنیمت تھا فرعون اور فرعونیوں سے دور نکل آئے تھے اور اب جاسوسوں اور قتل کے درپے دشمنوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ مدین کے قریب پہنچے تو آپ کو پانی کے ایک گھاٹ پر لوگوں کی بھیڑ نظر آئی۔ ہر شخص کنویں تک پہلے پہنچنے اور پانی حاصل کرنے کے لئے کوشش کر رہا تھا۔ ان سے ذرا فاصلے پر دو بچیاں کھڑی تھیں۔ وہ اپنی بکریوں کو دوسرے ریوڑ میں ملنے سے روک رہی تھیں۔ تاکہ یہ بھیڑ چھٹے تو وہ بھی بکریوں کو پانی پلائیں اللہ تعالیٰ کے نبی موسیٰ علیہ السلام کے دل میں رحم اور کمزوروں کی حمایت کا جذبہ جاگ اٹھا۔ آگے بڑھے اور پوچھا تم کیوں اس طرح کھڑی ہو؟ انہوں نے کہا کہ جب تک چرواہے اپنے اپنے ریوڑ کو لیکر واپس نہیں چلے جاتے ہم پانی نہیں پلا سکتیں۔ کیونکہ ہم مردوں کے ساتھ اختلاط سے بچنا چاہتی ہیں۔ ہمیں مجبوراً پانی پلانے آنا پڑتا ہے کیونکہ

ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں اور اٹھ بھی نہیں سکتے۔ آپ نے فوراً ان ناتواں لڑکیوں کی مدد کی اور ان کی بکریوں کو پانی پلادیا۔ جب پورا ریوڑ پانی پی کر گھاٹ سے الگ ہو گیا تو آپ ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔ اللہ کریم سے دعا کی رحمت کی درخواست کی اور عرض کی کہ مولا! میں فقیر اور محتاج ہوں۔ مجھے اپنی رحمت سے نوازدے۔

لڑکیاں فوراً اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حالانکہ وہ اتنی جلدی پہلے واپس نہیں لوٹتی تھیں۔ والد نے جلدی آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام کی التجا سن لی تھی اور آپ پر خصوصی رحمت فرمادی تھی۔ اس بوڑھے بزرگ کو الہام ہوا کہ اپنی ایک بچی کو مسافر کی تلاش میں روانہ کریں۔ لڑکی واپس پلٹی حضرت موسیٰ کو دیکھ کر شرم وحیاء کی پیکر بنی حاضر خدمت ہوئی اور عرض کی :

اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَاسَقَیْتَ لَنَا

"میرے والد تمہیں بلاتے ہیں تاکہ تم نے جو ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے اس کا تمہیں معاوضہ دیں" (القصص : ۲۵)

موسیٰ علیہ السلام نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور لڑکی کے پیچھے پیچھے اس کے گھر کو چل پڑے۔ آپ نے اس گھر کو امن و آشتی کا گہوارا پایا اور سارا ماجرا کہہ سنایا اور کچھ بھی نہ چھپایا۔ بوڑھے بزرگ نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا :

لَاتَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ

"ڈرو نہیں۔ تم ظالموں کے پنجے سے بچ کر نکل آئے ہو"

(القصص : ۲۵)

موسیٰ علیہ السلام بوڑھے بزرگ سے سسرالی رشتہ قائم کرتے ہیں اور پھر اپنے وطن واپس آتے ہیں

بوڑھے بزرگ کے گھر میں آپ کو زندگی کی ہر آسائش میسر تھی۔ آپ ان کی محبت سے بہت سکون اور راحت محسوس کرتے تھے۔ کیونکہ دونوں کے دلوں میں نور ایمان ضوفشاں تھا۔ اور اخلاص کا چشمہ پھوٹ رہا تھا۔ اور یہ فطرتی بات ہے کہ کند ہم

جنس باہم جنس پرواز۔

موسیٰ علیہ السلام متانت اور سنجیدگی کے پیکر تھے۔ آپ بوڑھے بزرگ اور اس کی بچیوں کی دل سے قدر کرتے تھے۔ اُن کے دل میں بھی حضرت کی بڑی قدرو منزلت تھی اور ان سے اپنائیت اور انسیت سی پیدا ہو گئی تھی۔ کیونکہ اللہ کریم نے آپ کو حسن خلق کے ساتھ ساتھ حسن خلق سے بھی نواز رکھا تھا۔ بوڑھے کی ایک بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حسن خلق اور قوت سے بہت متاثر ہوئی اور ان سے محبت کرنے لگی کئی مہینے گزر گئے تھے لیکن آپ نے نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس بلندی اخلاق اور علو کردار کو دیکھ کر بچی نے اپنے باپ سے خود ہی کہہ دیا۔

يَاأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ مَنْ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْن (القصص: ۲۶)

(میرے محترم) باپ اسے نوکر رکھ لیجئے۔ بیشک بہتر آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے جو طاقتور بھی ہو اور دیانتدار بھی ہو۔

کیا اس نے اکیلے وہ ڈول نہیں کھینچ لیا تھا جسے ایک آدمی خالی بھی نہیں اٹھا سکتا۔ حالانکہ وہ تھکا ماندہ سفر سے آرہا تھا۔ والد گرامی کیا یہ شخص سراپا پاکیزگی نہیں ؟۔ اس کا دامن گناہ سے بالکل پاک نہیں ؟ جب میں اسے بلانے گئی تھی اور آپ کا پیغام دیا تھا تو وہ سر جھکائے سنتا رہا تھا اور میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ میرے آگے آگے چلتا رہا تھا۔ اور میں اس کے پیچھے پیچھے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ طہارت کے حقوق کیا ہوتے ہیں اور شرافت کس چیز کا نام ہے۔ اس نے پورا راستہ طے کر لیا لیکن ایک دفعہ بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا کہ کہیں خیانت کا مرتکب نہ ہو جائے۔

بوڑھے بزرگ نے بچی کی بات کو غور سے سنا۔ وہ بھی کئی دنوں سے موسیٰ علیہ السلام کی بلندی کردار کو دیکھ اور سن رہا تھا۔ یہ گفتگو کسی غافل شخص کو تنبیہ نہیں تھی یا کسی ساکن کو حرکت دینا نہیں تھا بلکہ یہ ایک صدائے بازگشت تھی جو کئی دنوں سے بوڑھے بزرگ کے دل میں تمنا اور آرزو بن کر مچل رہی تھی۔ بوڑھے نے کئی دفعہ اس تمنا کا اظہار کرنا چاہا تھا لیکن کسی مصلحت کے تحت ہر دفعہ مہر بلب ہو جاتا تھا۔ آج جب بچی نے خود مہر خاموشی توڑ دی تھی اور اس موضوع پر گفتگو کا موقع فراہم کر دیا تھا تو انہوں نے ایک مجلس منعقد کی پھر کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

مخاطب ہوئے: اے موسیٰ! میں اپنی دو بچیوں میں سے ایک بچی آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ آٹھ سال تک میرے مددگار، معاون اور خدمت گزار رہیں۔ ان آٹھ سالوں میں آپ میری بکریاں چرائیں گے اور دوسرے کاموں میں میری مدد کریں گے۔ اگر آٹھ کی بجائے دس سال آپ میری خدمت کریں تو یہ آپ کا مجھ پر احسان ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ آپ دو سال مزید میری معاونت کریں گے۔ لیکن ان دو سالوں کی خدمت کے لئے میں مجبور نہیں کروں گا۔ اور میں بڑے خلوص سے تمھارے ساتھ کیا گیا وعدہ پورا کروں گا انشاء اللہ۔

موسیٰ علیہ السلام مدین میں پردیسی تھے۔ بالکل اکیلے۔ بالکل تنہا۔ دوستوں سے بہت دور گھر والوں سے بہت پرے۔ ایک وحشت سی تھی۔ ایک اکیلا پن تھا جو پریشان کرتا رہتا تھا۔ بوڑھے بزرگ کی بات سن کر آپ کے دل میں زندگی کی تمنا لوٹ آئی جس طرح پانی لوٹ کر آجاتا ہے۔ آپ نے بصد ادب و احترام بوڑھے بزرگ کی خدمت میں عرض کی: اے مہربان سردار! میں آپ کی صحبت میں رہنا سعادت خیال کرتا ہوں۔ اگر آپ میری مدد کریں تو میری قوت بڑھ جائے گی اور آپ کی پشت پناہی حاصل رہی تو دنیا میں مجھے کوئی مغلوب نہیں کر سکے گا۔

مدین کی زندگی اب موسیٰ علیہ السلام کیلئے ایک اچھی زندگی ثابت ہو گئی اور ان کی تمناؤں کے چراغ روشن ہو گئے۔ آپ نے بوڑھے بزرگ کی خدمت بجالا کر اور ان کے گھر کی دیکھ بھال کر کے مقررہ مدت یعنی دس سال کا عرصہ پورا کر دیا۔ آپ نے اس عرصے میں نہایت امانت داری، حکمت و تدبر اور تقویٰ و پرہیزگاری کا مظاہرہ کیا۔ بوڑھے سردار نے بھی اپنا وعدہ وفا کیا اور اپنی ایک بچی کی شادی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر دی۔ بوڑھے سردار نے جو حضرت موسیٰ کے سسر تھے انہیں بہت ساری بھیڑیں اور بکریاں دیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے دل میں وطن کی محبت نے جوش مارا۔ اور آپ کا دل بے قرار ہو گیا۔ وطن کی محبت گویا ایک جنون تھا جو آپ کو بے قرار کر رہا تھا۔

بِلَادٌ اَلِفْنَا هَا عَلٰى كُلِّ حَالَةٍ............ وَقَدْ يُؤْلَفُ الشَّيْءُ الَّذِيْ لَيْسَ بِالْحُسْنِ

وَتُسْتَعْذَبُ الْاَرْضُ الَّتِيْ لَاهَوٰى بِهَا............ وَلَا مَاؤُ هَا عَذْبٌ

وَلٰکِنَّھَا وَطَنٌ

"وہ ایسے شہر ہیں جن سے ہم ہر حال میں محبت کرتے ہیں۔ اور
کبھی ایک ایسی چیز سے بھی محبت ہو جاتی ہے جس میں حسن نام کی
کوئی چیز نہیں ہوتی۔
ایک ایسی سرزمین جس کا نہ تو پانی میٹھا ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں
محبت کا کوئی اور پہلو ہوتا ہے لیکن پھر بھی وہ سرزمین اچھی لگتی ہے
کیونکہ وہ انسان کا وطن ہوتی ہے"

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سارا سامان سمیٹا ایک قافلہ ترتیب دیا۔ اور اپنی بیوی کو لیکر مصر جانے کی تیاری کر لی۔ بوڑھے بزرگ نے موسیٰ علیہ السلام کو دعاؤں سے رخصت کیا۔ یہاں تک کہ یہ قافلہ وادی طور سینا جا پہنچا۔

موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول کر اس طرف آنکلے تھے۔ آپ حیران تھے۔ کہ اب وہ کس راستے سے گھر پہنچیں گے۔ آپ نے سفر ملتوی کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن عنایت الٰہی نے نظر فرمائی۔ عطائے رب جلیل نے دستگیری کی اور دل میں امید کی کیفیت پیدا ہو گئی کہ قافلہ مصر ضرور پہنچے گا۔

وَاِذَا عِنَایَۃٌ اَحَطَتْکَ عُیُوْنُھَا
نَمْ فَالْمَخَاوِفُ [illegible] کُلُّھُنَّ اَمَانٌ

"جب عنایت ربانی تجھے اپنی نگاہ میں رکھے تو بس سو جا تمام خوف
امن سے بدل جائیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام زیادہ دور نہیں چلے ہونگے کہ طور کی طرف سے آگ نظر آئی۔ آپ نے کجاوے اتار دینے کا حکم دیا۔ اور اکیلے اس آگ کی طرف چل پڑے۔ اپنی اہلیہ کو فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرو وہ سامنے آگ جل رہی ہے میں وہاں جاتا ہوں شاید وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا آگ کی کوئی چنگاری تاکہ تم اسے تاپ سکو۔

وادی کے دائیں کنارے اس بابرکت مقام میں اس روشن ہنستی مسکراتی رات میں اللہ کے نبی کے لئے وقت تبسم کناں تھا۔ ایک درخت سے آپ کو آواز دی گئی۔

اَنْ یّٰمُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ (القصص: ۳۰)

"اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی ہوں اللہ جو رب العالمین ہے"

یہ نبوت کی ابتداء تھی۔ اللہ نے آج آپ پر خصوصی کرم فرمایا تھا۔ اپنا پیغام دیکر انہیں نسل انسانی کی ہدایت کا فریضہ سونپ دیا تھا۔ وہاں اللہ کریم کی یہ آواز بھی سماعت سے ٹکرائی۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى

"یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ!" (طٰہٰ: ۱۷)

قوت بشری اس پیارے سوال میں چھپے انوکھے راز کو صحیح نام دینے سے عاجز تھی۔ آپ نے عام آدمیوں کا سا جواب دیا کہ۔

هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى

"یہ میرا عصا ہے۔ میں ٹیک لگاتا ہوں اس پر اور میں پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں کے لئے۔ اور میرے لیے اس میں کئی اور فائدے بھی ہیں۔ (طٰہٰ: ۱۸)

آپ سمجھے کہ شاید عصا کے خصائص اور فائدے ذکر کرنا مقصود ہے ..... لیکن قدرت خداوندی اس سے بہت آگے دیکھ رہی تھی۔ اللہ کریم تو بڑی شان و منزلت کا مالک ہے۔ یہ سوال ایک حقیقت کی وضاحت اور ایک اعلان کی تمہید تھا۔

اللہ تعالیٰ نے عصا کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا تھا۔ تاکہ اس کے بعد جب آپ کو اس میں خوارق العادۃ چیزیں نظر آئیں اور معجزات ظاہر ہوں تو یقین ہو جائے کہ اس میں واضح نشانیاں اور سچی دلیلیں موجود ہیں۔ اور اللہ نے اس عطا کو یہ خصوصیت اس لئے بخشی ہے تاکہ ان کی رسالت کے لئے امتیازی نشان ٹھہرے اور دعوت کی تقویت کا باعث بنے۔

فَكَمْ طَابَتْ بِهٖ لِلْحَقِّ نَفْسٌ
بِحَبْلِ اللّٰهِ تَعْتَصِمُ اعْتِصَامًا

کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جنہیں حق محبوب ہوتا ہے
وہ اللہ کی رسی کو اچھی طرح تھام لیتے ہیں

موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ عصا پھینک دو۔ آپ نے عصا پھینک دیا۔ تو اچانک وہ سانپ بن کر ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ یہ سانپ بڑھنے لگا اور اس کی جسامت میں دیکھتے ہی دیکھتے اضافہ ہونے لگا حتی کہ اس نے ایک بہت بڑے اژدھے کی شکل اختیار کرلی۔ اور ایک خوفناک جن نظر آنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے دیکھ کر ڈر گئے اور بھاگ جانا چاہا لیکن اللہ کریم نے فرمایا۔

لَاتَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ

"ڈرو نہیں۔ میرے حضور ڈرا نہیں کرتے جنہیں رسول بنایا جاتا ہے" (النمل: ۱۰)

موسیٰ علیہ السلام کو نبوت مل گئی اللہ کریم کی نداء سن کر آپ کا دل مطمئن ہو گیا اور حق کے نور کو عیاں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اور معجزے سے بھی نوازا۔ انہیں حکم ملا کہ اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے دبایئے۔ جب آپ نے ہاتھ دبایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بغیر کسی بیماری کے وہ بالکل سفید ہو چکا ہے۔

یہ دونوں معجزے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے بعد کی زندگی میں ایک حکم کی حیثیت رکھتے تھے۔ اللہ نے انہیں آپ کی دلی تقویت کا باعث بنا دیا۔ اور فرعون اور فرعون کی قوم کو پیغام حق دینے کے لئے انہیں ایک ہتھیار بنا دیا۔ تاکہ آپ اس سرکش قوم کو جب دعوت حق دیں تو انہیں کوئی جھٹلانے کی جرأت نہ کر سکے۔ پس آپ نے دعوت ارشاد کا حکم لیکر اور اللہ کی طرف سے یہ معجزات دیکھ کر حق کا نعرہ لگایا اور۔ اپنی تلوار بے نیام کی تاکہ سرکشی اور گمراہی کے پردے تار تار ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغامبر

فرعون اور اس کے حواری بلاد نیل میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جبکہ قبطی اور بنی اسرائیل محکومیت کی زندگی گزار رہے تھے۔ فرعون ظلم و ستم اور نخوت و تکبر کا پیکر تھا۔ زمین اس کے جور و جفا سے شر و فساد کا گہوارا بن چکی تھی۔ وہ اپنے آپ کو خدا کا ثانی قرار دیتا اور اپنی ناقص بشری فطرت کو الوہیت کا مستحق سمجھتا تھا۔ وہ لوگوں کو مجبور کرتا کہ وہ خدا کو چھوڑ کر اس کی عبادت کریں۔ بنی اسرائیل پر تو اس

نے عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتا تھا۔ وہ ان سے اتنا کام لیتا کہ وہ تھک ہار کر گر پڑتے۔ ان کی امیدوں کے سارے چراغ گل ہو چکے تھے۔ ان کی حیثیت ایک گری پڑی چیز سے زیادہ نہیں تھی۔ فرعونی اپنی خواہشات کے بندے تھے۔ وہ دولت ایمان سے تہی دامن اور نور یقین سے محروم تھے۔ ان کی نظروں سے حق کا راستہ اوجھل ہو چکا تھا۔ اور زندگی کی بلند اقدار ان کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتی تھیں۔

وَقَوْمٌ فِي الضَّلَالَةِ قَدْ تَهَاوَوْا
أَلَيْسُوْا بِالرِّسَالَةِ يُرْحَمُوْنَا!

وہ ایسی قوم تھی جو گمراہی کی محبت میں ایک دوسرے سے
سبقت لے جانا چاہتی تھی۔ کیا اس پر رسالت کے ذریعے
رحمت نہیں کی گئی تھی!

ایسے میں اللہ کی رحمت کو جوش میں آنا چاہیے۔ اور اس کے عدل اور کرم کے چشمے پھوٹنے چاہئیں۔ ان پتھر دل، ظالم و سرکشوں پر رحمت ہونی چاہیے سو ان کے لیے اللہ نے نور کے مدارج تیار کیے۔ ان کے لیے ہدایت کا رستہ کشادہ کیا اور ظلمت کدوں کو روشنی بخشنے کا اہتمام کیا۔

موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا۔ اے میرے پیارے فرعون اور اس کے حاشیہ برداروں کے لیے تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے دو معجزے ہیں۔ ان دو معجزوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تیری بات کو تقویت دے گا اور تیری دلیل اور حجت کو غالب کرے گا۔ فرعونیوں کے پاس تشریف لے جاؤ تاکہ تیرے صدقے یہ تاریکیوں سے نکل کر نور کی سمت آجائیں۔ اے میرے محبوب بندے حق کا علم بلند کر دے تاکہ بلاد نیل والے اس پرچم کے سائے میں آرام و سکون سے زندگی گزاریں۔ تیرے توسل سے ہدایت کا نور پھیلے اور گمراہی کی تاریکیاں کافور ہو جائیں۔

اللہ کریم کا یہ حکم سن کر موسیٰ علیہ السلام دعوت و ارشاد کے لئے تیار ہو گئے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایمان ثبت فرما دیا تھا ان کی دعوت کی براہین و دلائل سے توثیق کر دی تھی اور انہیں دو ایسے معجزے بھی عطا فرما دیے تھے جن کی

وجہ سے ان کی قوت اور طاقت کہیں بڑھ گئی تھی اور وہ ان معجزات کے بل بوتے پر فرعونیوں کے مکرو فریب کا مقابلہ کر سکتے تھے اور انہیں شکست سے دوچار کرنے کی پوزیشن میں تھے لیکن بایں ہمہ آپ کی فرعون سے ایک عرصہ سے مخالفت چلی آرہی تھی۔ وہ عرصہ دراز سے حضرت کو تلاش کر رہا تھا کہ موسیٰ ملے تو میں اس سے انتقام لوں۔ اسی ظالم کے خوف سے آپ مدین بھاگ گئے تھے۔ اسی ستم پیشہ شخص سے بچنے کے لئے تو آپ نے وطن اور گھر والوں کو چھوڑا تھا۔ اس کی دشمنی کی وجہ سے اپنوں سے جدائی کے صدمے سہے تھے۔ آپ کو اپنی سلامتی درکار تھی اور اسی لئے آپ یہ سب برداشت کر گئے تھے۔ اب بھی صورت حال ویسی ہی تھی۔ اگرچہ آپ وطن کے لئے بے قرار تھے لیکن محبت اور خوف کے ملے جلے جذبات دل میں خلجان پیدا کر رہے تھے۔ وہ اپنی امیدوں کے سامنے کئی رکاوٹیں محسوس کر رہے تھے۔ اس مشکل مقصد سے اسی لئے آنکھ پھیر لیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا۔ کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ آپ منشاء خداوندی کے مطابق جہاں حکم ملے تشریف لے جائیں اور دل میں عرصہ سے چھپی تمنا کو آزادانہ پورا کریں۔ مگر ایک خوف تھا کہ قدم نہیں اٹھ رہے تھے۔ محرومی کا ایک احساس تھا کہ بے چین کیے دیتا تھا۔ عاجزی وانکساری سے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔

رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ

"میرے رب! میں نے تو قتل کیا تھا ان سے ایک شخص کو پس
میں ڈرتا ہوں کہیں وہ مجھے قتل نہ کر ڈالیں" (قصص: ۳۳)

دعا کرنے سے مدعا یہ تھا کہ اللہ کریم دل مطمئن فرمادیں اور قدرت وعظمت الٰہی کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ ہو جائے۔ اللہ کریم نے اپنے دل نواز ارشاد سے موسیٰ علیہ السلام کے دل میں ایک ایسی روح پھونک دی جس سے امید کے چراغ روشن ہو گئے اور آرزوئیں پوری ہوتی دکھائی دینے لگیں۔ دل کو قرار آگیا۔ آنکھوں میں ٹھنڈک محسوس ہونے لگی۔ مشام روح کو سکون اور دل کو چین نصیب ہو گیا۔

جب حکم ہوا کہ آپ فرعون کے پاس جائیں تو اس حکم کے ہیبت وجلال سے موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے اور سوچا میں اس حکم کو کماحقہ بجالا سکوں گا بھی یا نہیں۔ کلام ہدایت کی توضیح اور دلائل حق کی تشریح کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کیونکہ حقیقت

میں تو ایک بحر ذخار ہے کون ان میں غواصی کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اللہ کے برگزیدہ نبی کا انگ انگ حقیقت سے بھر چکا تھا دل کا کاسہ حقائق و معارف کا گنجینہ بن گیا تھا اور دل و دماغ پر حقیقت کی فرمانروائی قائم ہو گئی تھی۔ مگر پھر بھی سوچا کہ قوی تعبیر، مضبوط استدلال اور حقیقت کے فصیح و بلیغ بیان کی تو مجھ میں طاقت نہیں۔ اللہ کے پیغام کی شان تو بہت بلند ہے۔ اسے لوگوں تک پہنچانا نہایت مہتم بالشان مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر دعا کی: اے میرے رب میرا سینہ کھول دے تاکہ میں ان عظیم ذمہ داریوں کو پورا کر سکوں۔ اور میرا کام میرے لئے آسان فرما دے تاکہ اس راہ میں آنے والی صعوبتوں اور تکلیفوں کو خاطر میں نہ لاؤں اور منزل کی طرف گامزن رہوں۔
اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ میں اللہ کا پیغام صاف ستھری زبان میں بیان کر سکوں اور اس کلام کی ایسی فصیح و بلیغ تفسیر و توضیح کروں کہ میری بات ان کے دلوں میں گھر کر جائے۔ اور ان کے دل چشمہ حقیقت کے پانی سے سیراب ہو جائیں۔ الٰہی میرے خاندان سے کسی نیک بخت کو میرا شریک کار بنا دے یعنی ہارون بھائی کو تاکہ وہ تبلیغ حق میں میری مدد کرے اور میرے ساتھ ساتھ رہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی۔ انہیں مطلوب سہارا مل گیا۔ ان کی شان و شوکت بڑھ گئی اور انہیں دعوت و ارشاد کا سلیقہ عطا ہو گیا۔ ہارون علیہ السلام مصر میں تھے۔ انہیں الہام ہوا کہ وہ وہاں پہنچیں جہاں ان کے بھائی موسیٰ علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ اور تبلیغ کے کام میں ان کا ہاتھ بٹائیں اور نبوت کے فرض منصبی میں ان کی مدد کریں۔ ہارون علیہ السلام نے گردن جھکا لی اور فوراً چل دیے۔ دونوں بھائیوں کی ملاقات کوہ طور کی دائیں جانب ہوئی۔

آپ اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے مل کر مطمئن ہو گئے۔ اور سمجھ گئے کہ اللہ نے ان کی دعا سن لی ہے اور ان کی کمر مضبوط کر دی ہے حکم خداوندی ہوا دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے نرمی سے سمجھاؤ۔ ایسا لہجہ اختیار کرو کہ اس کا دل پسیج جائے محبت کا جذبہ جاگ اٹھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا پتھر دل نرم ہو جائے۔ اور اس کی سطوت و جبروت عاجزی و انکساری میں بدل جائے۔ اگر اس کا پتھر دل نرم ہو گیا اور اس میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا ہو گئی تو پھر اس کی حماقت اسے ظلم پر نہیں ابھارے گی

اور تمھاری بات ماننے سے وہ پس و پیش نہیں کرے گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تمھاری نرم و ملائم گفتگو سن کر اسے عقل آجائے اور وہ اسے اپنی ہتک اور بے عزتی خیال نہ کرے۔

زمین اور آسمانوں کے رب سے بڑھ کر کون ہے جو ادب کی تعلیم دے سکتا ہے۔ اس ذات سے زیادہ نرم گفتگو' بلندی فکر اور حسن معاملت کون سکھا سکتا ہے! اور اس شخص سے زیادہ اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا!

پھر حکمت اور موعظ حسنہ کی ضرورت اس لیئے بھی تھی کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی۔ فرعون سے وہ نرم لہجے میں گفتگو نہ کرتے تو اور کس سے کرتے۔ اگرچہ وہ موسیٰ کی جان کے درپے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام تو احسان فراموش نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: اے موسیٰ! اپنے بھائی ہارون کی معیت میں میری آیات لیکر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ اور آہستہ آہستہ انہیں حق کی تلقین کرو جاکر انہیں بتاؤ: ہم تیرے رب کے فرستادہ ہیں۔ اس رب کا یہ حکم ہے کہ بنی اسرائیل کو ظلم و ستم کی اس زندگی سے رہائی دے۔

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں مصر کو چل دیے۔ مصر پہنچ کر اللہ کے حکم کے مطابق فرعون کے پاس آئے اور اس سے گفتگو کی۔ لیکن اس نے اللہ کریم کے ان بندوں سے اہانت آمیز سلوک کیا۔ ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ اے موسیٰ اب تیری یہ جرأت۔

أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ

"کیا ہم نے تجھے پالا نہیں تھا اپنے یہاں جبکہ تو بچہ تھا اور بسر کیے تو نے ہمارے پاس اپنی عمر کے کئی سال" (الشعراء: ۱۸)

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو میری تربیت پر احسان جتلا رہا ہے۔ تیری نظروں میں وہ بھلائی ہے۔ کیا یہ سب کچھ اس لیئے نہیں ہوا کہ تو بنی اسرائیل پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہا تھا اور ان کو اپنا زر خرید غلام تصور کرتا تھا۔

فرعون نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا اور کہا۔ تو نے جو کام کیا ہے (قتل) اس

سے تو احسان فراموش ہو چکا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرا مجھ پر کوئی احسان نہیں۔ تیرا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے۔ ہاں میں نے لاعلمی میں قتل کیا۔ مجھے خوف تھا کہ تو مجھ پر ظلم کرے گا میں یہ سوچ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر میرے رب نے میری دستگیری کی۔ مجھے اپنی نعمت اور رحمت سے نوازا۔ مجھے علم و حکمت جیسی نعمت عطا کی اور مجھے اپنا رسول بنا دیا۔

جب فرعون نے دیکھا کہ اللہ کے نبی سے بات کرنا کوئی آسان کام نہیں تو اس نے پینترا بدلا کہ ہو سکتا ہے وہ اس طریقہ سے خاموش ہو جائے اور اس میں میری سلامتی ہو۔ اس نے پوچھا: اس کائنات کا رب کون ہے؟

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو چیزوں کی حقیقتوں کا یقین رکھتا ہے اور تو یہ مانتا ہے کہ کائنات صرف وہم و گمان کی پیداوار نہیں بلکہ اشیاء کا وجود یقینی ہے تو پھر سن : میرا معبود ان کا رب ہے جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک ہے۔

فرعون یہ جواب سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ اس کے جسم میں غم اور غصے کی لہر دوڑ گئی۔ اس بات کا اس کے پاس کوئی رد نہیں تھا۔ اس حقیقت کو جھٹلانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ وہ اس دلیل کو سن کر خاموش بت بن کر رہ گیا۔ اس کا وجود دہشت سے کانپ اٹھا۔ اس کے سب حواری اور حواشی بھی گھبرا گئے۔ اور ان میں غیض و غضب کی بجلی کوند گئی اور وہ حیران سے دکھائی دینے لگے۔ فرعون نے بصد مشکل اتنا کہا: اے قوم! سنتے ہو؟ میں نے اس سے رب کی حقیقت کے بارے میں پوچھا اور یہ رب کے کام گنوا رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میرا رب وہ ہے جو تمھارا اور تمھارے گزرے ہوئے آباؤ اجداد کا رب ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَابَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ

"جو مشرق اور مغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے
اگر تم عقل رکھتے ہو" (الشعراء : ۲۸)

فرعون لرزہ بر اندام ہو گیا۔ اس کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی چہرہ انگاروں کی طرح دہک اٹھا۔ جب کوئی جواب بن نہ پڑا تو اپنی شوکت و سطوت کا سہارا لیا اور

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی دی۔

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهاً غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ

"اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا بنایا تو میں ضرور تمہیں قیدیوں میں داخل کردوں گا" (الشعراء: ۲۹)

موسیٰ علیہ السلام نے اس دھمکی کی کوئی پرواہ نہ کی اطمینان سے اسے دعوت دیتے رہے آپ نے ایک امید کی بنا پر فرمایا۔

اَوَلَوْ جِئْتُکَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ

"اگرچہ میں لے آؤں تیرے پاس ایک روشن چیز" (الشعراء: ۳۰)

یعنی کوئی ایسا معجزہ اور دلیل پیش کروں جس کو جھٹلانا ممکن نہ ہو؟ ہو سکتا ہے اس معجزے کو دیکھ کر تیرا شک دور ہو جائے۔

فرعون نے کہا: اگر تو سچا ہے تو معجزہ دکھا۔

معجزات موسیٰ علیہ السلام

موسیٰ علیہ السلام کی کمر ہمت مضبوط تھی۔ وہ نبی ہونے کے ناطے معصوم عن الخطا تھے۔ ان کی پشت پناہی خدائی نصرت اور توفیق ایزدی کر رہی تھی۔ اس دور میں سحر پوری قبطی قوم میں عام فن کی حیثیت رکھتا تھا۔ پورے مصر میں اس فن کو مقبولیت اور شہرت حاصل تھی۔ مصر کے جادوگروں میں ایک جادوگر ایسا بھی تھا جس نے اپنے فن سحری کے بل بوتے پر لوگوں کی عقلوں پر قبضہ جما رکھا تھا۔ دل اسی کے گرویدہ تھے۔ وہ دلوں سے اس طرح کھیلتا جس طرح تند و تیز ہوا خس و خاشاک کو اڑائے پھرتی ہے۔ گویا وہ اس فن میں یکتائے روزگار تھا۔ اس کے کرتبوں کا کسی کے پاس توڑ نہیں تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نہ تو اس سے پہلے ایسا جادوگر چشم فلک نے دیکھا ہوگا اور نہ بعد میں ایسا کوئی فنکار پیدا ہوگا۔

اس جادوگری میں اللہ تعالیٰ فرعونیوں کو شکست دینا چاہتا تھا۔ مشیت الٰہی انہیں اسی فن میں عاجز کرنے کے درپے تھی تاکہ وہ اسی میدان میں شکست خوردہ اور بے بس ہو جائیں۔ خود ان کے تیر ان کی گردنوں میں ترازو بنیں اور وہ مجبور ہوں کہ نہ تو اس کا توڑ کر سکیں اور نہ کوئی راہ فرار پا سکیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کے ہاتھ سے ایسے معجزات دکھائے جو اُن کے شعبدوں کا مکمل رد تھے۔ انہیں ان کرتبوں میں عاجز کر دیا جن میں وہ اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ ان کے سارے ترکش خالی ہو گئے۔ ان کے سارے وار خطا گئے۔ جب وہ ان کرتبوں میں ان شعبدوں میں حق کا مقابلہ نہ کر سکے جن میں انہیں مہارت تامہ حاصل تھی تو دوسرے شعبوں میں تو حق کی فتح یقینی ثابت ہو گئی۔ ایسے میں تو یقیناً اس بات کا بین ثبوت مل گیا کہ اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے اور ان کے سب کرتب' سب حیلے بہانے نظر کا فریب ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا۔ اس میں ایک معجزانہ قوت تھی۔ زمین پر گرتے ہی یہ عصا ایک اژدھا بن گیا۔ فرعون اسے دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا۔ حیرت اور تکبر کے ملے جلے جذبات سے مغلوب' کہنے لگا کیا اس کے علاوہ بھی تو کچھ کر سکتا ہے؟ اس نے سوچا شاید موسیٰ کے پاس یہ آخری تیر تھا جو کمان سے نکل چکا ہے اور اب اس کے ترکش میں کچھ باقی نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اپنی آستین میں داخل کیا اور پھر نکالا تو یہ ہاتھ سورج کی ایک شعاع بن چکا تھا۔ اس سے اتنی تیز روشنی نکل رہی تھی کہ آنکھیں چندھیا جائیں اور بینائی سلب ہو جائے۔ یہ روشنی محدود نہ تھی بلکہ افق در افق پھیلتی محسوس ہوتی تھی۔

اس معجزے کے بعد قوم کے سارے فن سحری عاجز آ گئے۔ اور ان کے پاس فرعون کے دربار میں پیش کرنے کو کچھ نہ رہا۔ فرعون یہ دیکھ کر گھبرا گیا اور اس کی حیرت کی انتہاء نہ رہی۔ بادشاہت اور امارت کی حرص نے اس کی نیندیں حرام کر دیں اور اس معجزے کی سطوت اور شوکت نے اس پر حقیقت عیاں کر دی۔ حق کے صرف ایک نظارے نے اسے آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں میں لا کھڑا کیا۔ خود اس کی ذات اس کی نظروں میں حقیر بن کر رہ گئی۔ وہ بھول گیا کہ وہ مصریوں کا بڑا خدا ہے۔ اسے یہ بات یاد تک نہ رہی کہ وہ اپنے آپ کو مصر کا واحد معبود سمجھتا ہے۔ حیرانی اور گھبراہٹ کی اس کیفیت میں اس کا واحد سہارا جاہل قوم تھی۔ اس نے سوچا صرف ان کے دامن کی ہوا ہی مجھے اس گھبراہٹ سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ ان کی مداہنت کا معروف رویہ میرے کام آ سکتا ہے۔ فوراً اس نے انہیں شریک کر لیا اور ان سے صلاح

مشورہ کرنے لگا۔ انہیں حکم دیا کہ وہ موسیٰ کے شعبدوں کے متعلق غور و فکر کریں اور کوئی طریقہ بتائیں کہ لوگوں کے دلوں میں موسیٰ کے خلاف نفرت کا بیج بویا جا سکے کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ حق کسی صورت ظاہر نہ ہونے پائے۔ اور حقیقت ہر حال میں چھپی رہے۔ اس نے بات بناتے ہوئے لوگوں کو دھوکہ دیا اور کہا اے میری قوم موسیٰ اور ہارون دونوں بہت بڑے جادوگر ہیں اور یہ دونوں اپنے جادو کے ذریعے ہمیں ملک بدر کرنا چاہتے ہیں۔ تمھاری اس سلسلے میں کیا رائے ہے۔ ان کے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس کے انصار اور اعیان مملکت نے جواب دیا: موسیٰ اور ہارون دونوں کو قید کر دیا جائے اور پھر ملک کے تمام شہروں سے تمام بڑے بڑے جادوگروں کو بلا لیا جائے۔ تاکہ موسیٰ کی شعبدہ بازی کا بھانڈا سر میدان پھوٹ جائے۔

فرعون کو یہ بات بہت پسند آئی۔ یہی تجویز اس کے کمزور دھاگوں کو قائم رکھ سکتی تھی اور جھوٹی تمناؤں کا سہارا ثابت ہو سکتی تھی۔ اس نے اسی کمزور سہارے کو قبول کر لیا اور ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق اعیان مملکت کی تجویز پر عمل کرنے کی ٹھان لی۔

تمام جادوگروں کو اکٹھا کر لیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس کے دل میں ایک خدشہ تھا اسے ایک فکر بے چین کر رہی تھی۔ ایک نامعلوم سا خوف اس کے دل میں اترا ہوا تھا۔ اسے اپنی بادشاہی اور شان و شوکت کے چھن جانے کا خوف تھا۔ یہ خوف یہ اندیشہ اسے ایک پل بھی سکون نہ لینے دے رہا تھا۔ اس خوف اور دہشت کی کیفیت میں اس کی زبان سے نکلا۔

اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى

"کیا تم اس لئے آئے ہو ہمارے پاس کہ نکال دو ہمیں اپنے ملک سے اپنے جادو کی طاقت سے" (طٰہٰ: ۵۷)

فرعون کیوں مضطرب تھا؟ کیا وجہ تھی کہ اس کے دل میں خوف نے ڈیرہ جما لیا تھا؟ کیوں وہ اس قدر دہشت زدہ تھا؟ کیا وہ مصر کا خدا نہیں تھا! کیا اسے قدرت اور عزت حاصل نہیں تھی! ہاں وہ بزعم خویش مصر کا ربِ اعلیٰ تھا وہ قدرت اور سطوت کا مالک بھی تھا لیکن آج اس نے ایک ایسی قوت کا مشاہدہ کر لیا تھا جسے معجزانہ طور پر رب الارباب نے ایک ایسے انسان کے ہاتھ پر ظاہر کر دیا تھا جو کھاتا پیتا تھا اور بازاروں میں

عام لوگوں کی طرح چلتا پھرتا تھا۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

اِجۡعَلۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکَ مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُہٗ نَحۡنُ وَلَاۤ اَنۡتَ

"مقرر کرو ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کا دن۔ نہ ہم پھریں اس سے اور نہ ہی تو" (طٰہٰ: ۵۸)

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمھارے اور میرے درمیان وعدے کا دن یوم عید ہے۔ اس دن چونکہ لوگ اکٹھے ہوتے تھے اور خوشیاں مناتے تھے اس لیے آپ نے سوچا یہ دن حق کے عیاں ہونے اور صبح حقیقت کے طلوع ہونے کے لیے بہت موزوں ہے فرعون نے اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں اور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اس کوشش کے نتیجے میں مصر کے تمام بڑے بڑے جادوگر اکٹھے ہو گئے مقابلے کا دن آگیا۔ تمام مصر ایک وسیع میدان میں اکٹھا ہوا۔ جادوگر بھی بڑے طمطراق سے میدان میں وارد ہوئے۔ فرعون کے دل میں صرف یہی امید باقی تھی۔ اس کے دل میں حکومت کی خواہش اور رغبت اس قدر شدید تھی کہ وہ کسی بھی صورت میں موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینا چاہتا تھا۔ اس نے بڑے بڑے جادوگروں کو اس لیے ایک جگہ جمع کر لیا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا توڑ پیش کریں لیکن اڑتا ہوا غبار سورج کو کیسے میلا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو ایک جابر سلطان کیسے ٹال سکتا ہے۔

کَناطِحٍ صَخۡرَۃً یَوۡمًا لِیُوۡھِنَھَا ۔۔ فَلَمۡ یَضُرۡھَا وَاَوۡھیٰ قَرۡنَہُ الۡوَعِلُ

وہ ایک ایسے مینڈھے کی طرح تھا جو کبھی کسی مضبوط چٹان کو کمزور کرنے کے لیے ٹکر مارے تو وہ چٹان کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا البتہ وہ اپنے سینگوں کو کمزور کر دے گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا بہت سے جادوگر اکٹھے تھے اور بہت پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا ستیاناس تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہو۔ تمہیں معجزات الٰہیہ کو جادو کہتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ تم فرعون کو یہ کیوں نہیں بتاتے کہ یہ جادو نہیں بلکہ ایک معجزہ ہے۔ ایک پھیلتا نور اور قطعی حقیقت ہے۔ تمہیں تو جادو اور معجزے کے فرق کو عیاں کر دینا چاہیے تھا اور بتا دینا چاہیے تھا کہ حق کیا ہے اور شعبدہ بازی کیا۔ یاد رکھو! جو بھی تم میں سے حق کو مٹانا چاہے گا یا حق کو باطل ثابت کرنے

کی کوشش کرے گا ناکام ونامراد ہوگا اور خود مٹ جائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو ندائے حق تھی۔ یہ نداء جادوگروں کی سماعتوں سے ٹکرائی اور دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی گئی۔ گمراہی کی تاریکیاں چھٹ گئیں۔ مکروفریب کی سیاہی کافور ہوئی۔ دل کے پردے چاک ہوگئے۔ اور اب وہ اس قابل ہوگئے کہ حق کی دعوت کو گوش ہوش سے سنیں اور ہدایت کی راہ کو واضح دیکھ سکیں۔ بادل نخواستہ تمام جادوگروں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی۔ کسی ایک کو بھی نافرمانی کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں رسی اور عصا تھا۔ وہ ایک ساتھ میدان میں اترے۔ آستینیں چڑھالیں تاکہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام مرعوب ہوجائیں اور ناظرین پر ان کی ہیبت چھاجائے۔

فرعون نے یہ منادی کرادی تھی کہ سب لوگ عید کے دن چاشت کے وقت تک فلاں میدان میں جمع ہوجائیں۔ کیونکہ دو زور آور جادوگروں کا مصری جادوگروں سے مقابلہ ہے۔ اور دیکھنا ہے کہ ان میں سے کون جیتتا اور کون ہارتا ہے۔

لوگ عید کے روز گروہ در گروہ میدان میں جمع تھے۔ تمام کو مصری جادوگروں کی فتح کا یقین تھا۔ کیونکہ مصری معاشرہ گم کردہ راہ اور جاہل تھا۔ ان جادوگروں نے ان سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سلب کرلی تھیں۔

جادوگروں کو اپنے فن سحری پر بڑا ناز تھا۔ وہ بڑے فخر سے اترا اترا کر چل رہے تھے۔ بھلا وہ غرور و تکبر کا اظہار کیوں نہ کرتے۔ وہ اس میدان کے شاہسوار تھے۔ وہ لوگوں کی تمنا اور آرزو تھے۔ سب انہیں اپنی آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ لوگوں کی امیدیں ان سے وابستہ تھیں۔ وہ ان کی کامیابی کا یقین کیے بیٹھے تھے۔

فرعون سے کہنے لگے: اے خداوند مصر! اگر ہم غالب آگئے تو ہمارا انعام کیا ہوگا۔ فرعون نے وعدہ کیا کہ اگر تم غالب آگئے تو تمہیں انعام واکرام سے نوازدوں گا اور تم بادشاہ کے مقرب کہلاؤ گے۔

میں تم پر اپنے خزانوں کے منہ کھول دوں گا۔ تم جتنی چاہنا دولت لوٹ لینا تم سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا۔

کیونکہ موسیٰ کو شکست دے کر تم میری کمر مضبوط کردو گے اور میری مدد و

نصرت کی خدمت بجالاؤ گے اس لئے دولت تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا اور تخت شاہی کے قریب سب سے بڑی کرسیاں تمہاری منتظر ہوں گی۔ جادو گر یہ خوشخبری سن کر خوش ہو گئے اور حصول مقصد کی خوشی میں سر دھننے لگے۔ وہ بڑے فخر سے چند قدم اور آگے بڑھے اور موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہنے لگے اے موسیٰ! کیا تم پہلے پھینکو گے یا ہم پہلے عصا اور رسیاں پھینکیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے سحر کی کچھ پرواہ نہیں تھی۔ اس لئے آپ نے ان کی طرف کوئی خاص دھیان نہ دیا اور انہیں اجازت دے دی کہ وہ پہلے جادوگری کا مظاہرہ کر دیکھیں۔ اپنی آخری کوششیں کام میں لے آئیں۔ اور حتی المقدور ان سے جو کچھ بن پڑتا ہے کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قوت کا اظہار فرمائے گا اور جب حق میدان میں اترے گا تو ان کی ساری شعبدہ بازیاں نیست و نابود ہو کر رہ جائیں گی۔

جادو گروں نے میدان میں اپنی لاٹھیاں اور رسیاں پھینک دیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تو انہیں یوں محسوس ہوا کہ گویا یہ رسیاں اور لاٹھیاں نہیں بلکہ سانپ ہیں جو ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں۔ لیکن یہ محض خیال اور وہم تھا اگرچہ آپ علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ محض نظر بندی اور فریب کاری ہے لیکن اس خدشے سے کہ کہیں لوگ اس شعبدہ بازی اور نظر فریبی کو حقیقت خیال نہ کر بیٹھیں پریشان ہو گئے۔ کیونکہ اندیشہ پیدا ہو سکتا تھا کہ لوگ معجزہ اور جادو میں فرق نہیں کر پائیں گے اور میری دعوت سے انحراف کر لیں گے۔ لیکن اللہ کریم نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا: ڈریے مت بے شک آپ ہی غالب آئیں گے۔ یہ مت خیال کیجئے کہ انہوں نے تو بڑے بڑے کئی سانپ بنا ڈالے ہیں۔ میرے محبوب بندے آپ کے ہاتھ میں جو چھوٹی سی لکڑی ہے اس کی شان ہی نرالی ہے۔ اس چھوٹی سی چھڑی کا اثر بہت زیادہ ہے۔ آپ ذرا اسے پھینکیں تو سہی یہ اللہ کی قدرت سے ان تمام بناوٹی سانپوں کو نگل جائے گی۔ اور اس حقیقت کو عیاں کر دے گی کہ وہ سب فریب کاری تھی۔ وہ سب جھوٹ کا پلندہ تھا۔ وہ ضلالت اور گمراہی تھی اور یہ معجزہ اور حقیقت کا عظیم نشان ہے۔ اے میرے بندے یاد رکھ یہ سب جادو ہے اور جادو گر کبھی بھی میدان میں کامیاب نہیں ہوتا۔

موسیٰ علیہ السلام کا سارا خوف جاتا رہا آپ نے بڑے اطمینان سے اپنی لاٹھی

پھینک دی۔ لاٹھی سانپ بن کر ان کے فریب کے سانپوں کو نگلنے لگی۔ جب جادو گروں نے واضح حقیقت کو کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور ان پر یہ راز کھل گیا کہ ہدایت کیا ہے اور گمراہی کیا ہے۔ حق کیا ہے اور باطل کس چیز کا نام ہے تو وہ سجدے میں گر گئے اپنی فریب کاری اور شعبدہ بازی سے توبہ کرنے لگے اور حق کی ہیبت و جلال کے سامنے سر جھکا لیا انہیں فرعون اور اس کے بھرے دربار کی کوئی پرواہ نہ تھی۔

فرعون نے جب یہ منظر دیکھا تو فرط ندامت سے پانی پانی ہو گیا۔ اس کے سینے میں غیض و غضب کی ہنڈیاں ابلنے لگیں اس اچانک شکست پر اسے یوں لگا کہ گویا اس کا سینہ آگ سے جل اٹھا ہے۔ مجمع عام میں اتنی کھلی شکست بہت پریشان کن تھی۔ اس سے اس کو کافی نقصان ہو سکتا تھا۔ اسے تو یہ امید تھی کہ اتنے بڑے بڑے جادوگروں کے سامنے موسیٰ اور ہارون گردنیں خم کر لیں گے اور یہ مقابلہ اس کی بادشاہت کی تقویت کا باعث ہو گا اور موسیٰ کی فضیحت ہو جائے گی لیکن یہ مقابلہ تو اس کے لیے ذلت و رسوائی ثابت ہوا اس کا سارا کھیل نیست و نابود ہو گیا اور عزت خاک میں مل گئی۔

فرعون کے ترکش میں اب کوئی تیر باقی نہیں تھا۔ وہ صرف اپنے غصے کی بھوک کو مٹا سکتا تھا یا اپنی ندامت کی تلخی کو چکھ سکتا تھا۔ اس نے سجدے میں پڑے جادو گروں سے کہا: تم موسیٰ پر پہلے سے ایمان لا چکے ہو اور میرے بلانے سے قبل ہی اس کے سامنے سر جھکا چکے ہو۔ یہ سب تمہاری ملی بھگت کا نتیجہ ہے تم سب نے مل کر میرے خلاف سازش کی ہے۔

ہاں! اب مجھے پتہ چلا کہ موسیٰ تمہارا استاذ ہے اور تم سب کا بزرگ رہنما ہے۔ اس نے تمہیں فن ساحری کی تعلیم دی ہے۔ تم سب اس سازش میں اس کے ہموا تھے۔ ٹھیک ہے تم نے جب اتنی جسارت کر ڈالی اور میری اطاعت کی حدود سے تجاوز کر گزرے اور میرے ساتھ کیا وعدہ توڑ ڈالا تو میں تمہیں اس کی یہ سزا سناتا ہوں۔

لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ

"میں کٹوا دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مختلف طرفوں

سے پھر تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی دے دوں گا" (طٰہٰ:۷۱)

یاد رکھو تم لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بن جاؤ گے اور میرے عذاب کی ہولناکیاں دیکھ کر پھر کسی کو میرے خلاف سازش کرنے کی جرأت نہیں ہو گی۔ تم نے میری نعمتوں کی ناشکری کی۔ میرے عہد کو توڑ ڈالا۔ آنے والی گھڑیاں تم پر ظاہر کر دیں گی کہ میرا عذاب کس قدر شدید اور دیرپا ہوتا ہے۔

لیکن قوت ایمان اور فیض نبوت ان کے دلوں کو مستحکم کر چکا تھا۔ ان کی نگاہوں کے سامنے پڑے سب پردے چاک ہو چکے تھے۔ جھوٹ اور بہتان کے سب دھند لکے چھٹ چکے تھے۔ آج وہ حق کے راستے پر عزم مصمم لیے گامزن تھے۔ فرعون کی دھمکی کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ بڑے اطمینان سے کھلے دربار میں اعلان کر رہے تھے۔ تو جس راستے پر گامزن ہے اس مین کوئی بھلائی نہیں۔ ایک انسان کو راضی کر کے ہمیں کیا ملے گا۔ اس پھیلتے نور اور واضح حق کے مقابلے میں ہم تیری قربت کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ تو جس قدر چاہے ہمیں دھمکیاں دے' جتنا تیرا جی چاہتا ہے ہمیں خوفزدہ کر لے۔ ہمیں تیری دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ تو خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی حق سے بھٹکائے پھرتا ہے۔

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۔ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى

"یقیناً ہم ایمان لائے ہیں اپنے رب پر تاکہ وہ بخش دے ہمارے لیے ہمارے گناہوں کو اور اس قصور کو بھی جس پر تم نے مجبور کیا تھا یعنی فن سحر۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے" (طٰہٰ:۷۳)

فرعون کی دشمنی

فرعون موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس کے اندر دو سرکش جذبوں کی جنگ شروع ہو گئی۔ ان دو جذبوں مین سے قوی جذبہ ملکی بقاء کی خواہش تھی۔ وہ کسی بھی صورت موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینا چاہتا تھا۔ تاکہ اس کے

زعم میں موسیٰ کا پیدا کردہ ظلمتوں کا غبار چھٹ جائے اور اس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں فرعونی خدائی کے خلاف جو شک پیدا ہوا ہے دور ہو جائے تاکہ فرعون کو راستہ سجھائی دے بھلا ایک جھگڑالو' جبار بادشاہ اپنی عزت و وقار اور وسیع مال و دولت کی خاطر کیوں نہ جھگڑتا۔ وہ اپنے کافر نفس کے ہاتھوں مجبور تھا کہ مدافعت اور جھگڑے کا راستہ اختیار کرے اسے خوف تھا کہ کہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی سلطنت پر قابض نہ ہو جائیں۔ اسے کیا خبر کہ اللہ کے نبی کے نزدیک مال و دولت اور دنیوی سلطنت اور بادشاہت کی حیثیت پر کاہ سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ موسیٰ بھی حکومت کا بھوکا ہے اسی لیے تو وہ حق سے آنکھیں بند کیے آپ سے برابر دشمنی کر رہا تھا اور اس کے حاشیہ بردار بھی اس کی مدد و نصرت کر رہے تھے۔ اس لیے انہوں نے پوچھا۔

اَتَذَرُ مُوسٰی وَقَوۡمَهٗ لِيُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ

"کیا تو (یونہی) چھوڑے رکھے گا موسیٰ اور اس کی قوم کو تاکہ فساد برپا کرتے رہیں اس ملک میں اور چھوڑے رہیں موسیٰ تجھے اور تیرے خداؤں کو" (الاعراف: ۱۲۷)

یہ بات سن کر فرعون کی سختی اور ترشی میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس کا غصہ اور ناراضگی انتہاؤں کو چھونے لگی۔ کہنے لگا۔ ہم ان کے بچوں کو قتل کریں گے اور ان کی بچیوں کو زندہ رکھیں گے۔ اس کے بعد ظلم و جور کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا۔ بنی اسرائیل کو طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کیا گیا۔ بنی اسرائیل اس مشق ستم سے مجبور حضرت موسیٰ کی پناہ ڈھونڈھنے لگے۔ کیونکہ مصر میں صرف ایک ہی شخص تھا جو ان کی امیدوں کا مرکز اور انہیں فرعون کے ظلم و ستم سے بچا سکتا تھا بنی اسرائیل نے حضرت کی خدمت میں التجاء کی۔ اے موسیٰ! ہم آپ کی آمد سے پہلے بھی جور و جفا سہتے رہے اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی ظلم و ستم کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا بلکہ اس میں اضافہ ہوا ہے۔ آپ کے علاوہ ہمیں اس ظالم شخص سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔ اللہ کے نبی نے انہیں بھلائی اور نجات کی خوشخبری سنائی فرمایا۔

اِسۡتَعِيۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَاصۡبِرُوۡا اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰهِ يُوۡرِثُهَا مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ

"مدد طلب کرو اللہ سے اور صبر واستقامت سے کام لو۔ بلاشبہ
زمین اللہ ہی کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے۔ اپنے
بندوں سے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے (مخصوص) ہے"

(الاعراف: ۱۲۸)

موسیٰ علیہ السلام نے بے خوف و خطر سلسلہ دعوت و ارشاد جاری رکھا اور اپنی قوم کو نجات کا راستہ دکھاتے رہے۔ اور صبر واستقامت اور پوری یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔

فرعون نے اعیان مملکت کو بلایا اور نہایت ہی رازداری سے مشورہ کیا کہ چپکے سے موسیٰ کو قتل کر دیا جائے۔ اس سے بچنے اور ملکی بقاواستحکام کو قائم رکھنے کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔ کیونکہ اس کے خلاف سارے منصوبے ناکام ہو رہے ہیں۔ اس مجلس مشاورت میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس کے دل کو اللہ نے بصیرت عطا کر رکھی تھی اور اس کا دل ایمان وایقان کی دولت سے معمور تھا۔ اس نے بڑی بہادری اور مروت کا اظہار کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کی۔ اس نے اس فیصلے کو نامنظور قرار دیتے ہوئے کہا کہ میں اس فیصلے سے متفق نہیں ہوں۔ تمہارا دشمنی کا یہ رویہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس مرد حق آگاہ نے انہیں سمجھایا کہ ان کی اس سازش کا انجام بہت برا ہو گا۔ پھر ان کی تمام دلیلوں کا رد کیا اور ان کے گمراہ کن فیصلوں کا بطلان کیا۔ انہیں مثالیں دیکر سمجھایا اور دلائل وبراہین سے انہیں مکر و فریب کی تباہ کاریوں سے بچنے کی تلقین کی۔

۔ پھر دربار میں انہیں مخاطب کیا اور فرمایا۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ
رَّبِّكُمْ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ
بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ

"کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے
میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس
دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے (اسے اپنے حال پر رہنے دو)
اگر وہ حقیقۃً جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہو گی اور

اگر وہ سچا ہوا (اور تم نے اسے گزند پہنچائی) تو ضرور پہنچے گا تمہیں
عذاب جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت
نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو"

(المؤمن: ۲۸)

آل فرعون کا یہ ایماندار شخص انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے
ڈراتا رہا اور کہتا رہا

یَاقَوْمِ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ۔ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَااللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ۔ وَیٰقَوْمِ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ۔ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ۔ مَالَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ۔ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ۔ وَلَقَدْ جَآءَکُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّمَّا جَآءَکُمْ بِهٖ۔ حَتّٰی اِذَا هَلَکَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا۔ کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ۔

"اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں تم پر (بھی کہیں) پہلی قوموں کی
تباہی کے دن جیسا دن نہ آجائے۔ جیسا حال ہوا تھا قوم نوح، عاد
اور ثمود کا اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے۔ اور اللہ نہیں چاہتا
کہ بندوں پر ظلم کرے اور اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں
تمہارے بارے پکار کے دن سے جس روز تم بھاگو گے پیٹھ
پھیرتے ہوئے۔ نہیں ہوگا تمہارے لیے اللہ (کے عذاب) سے
کوئی بچانے والا۔ اور جسے گمراہ کردے اللہ تعالیٰ اسے کوئی ہدایت
دینے والا نہیں۔ اے میری قوم! بیشک آئے تمہارے پاس
یوسف (موسیٰ علیہ السلام) سے پہلے روشن دلائل لے کر۔ پس
تم شک میں گرفتار رہے اس میں جو وہ لے کر آئے تھے۔ یہاں
تک کہ جب وہ وفات پاگئے تو تم نے کہنا شروع کردیا کہ نہیں بھیجے
گا اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی رسول یونہی گمراہ کردیتا ہے۔ اللہ

تعالیٰ اسے جو حد سے بڑھنے والا' شک کرنے والا ہوتا ہے''

(المؤمن : ۳۰ تا ۳۴)

لیکن فرعونیوں نے اس نصیحت کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اور اتنے قوی دلائل سن کر بھی موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر ڈٹے رہے اور آپ کی تکذیب کرتے رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ آپ بھی گمراہی اختیار کر کے ان کے ہم خیال بن جائیں اور اسی صف میں آکھڑے ہوں جس صف میں وہ کھڑے ہیں۔ اس لیے آپ نے انہیں تنبیہ فرمائی۔

وَيَاقَوْمِ مَالِيٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُوْنَنِيٓ اِلَى النَّارِ۔ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَالَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۔ وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ لَاجَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِى الدُّنْيَا وَلَا فِى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَا اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآاَقُوْلُ لَكُمْ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ

''اور اے میری قوم! میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھے آگ کی طرف۔ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور میں شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ اسکو جس کا مجھے علم تک نہیں۔ اور میرا حال یہ ہے کہ میں پھر بھی تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو عزت والا' بہت بخشنے والا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس کی بندگی کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اُسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ اور یقیناً ہم سب کو لوٹنا ہے اللہ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں۔ پس (اے میرے ہم وطنو عنقریب تم یاد کرو گے جو میں (آج) تمہیں کہہ رہا ہوں اور میں اپنا (سارا) کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو'' (المؤمن : ۴۱ تا ۴۴)

فرعونی اس شخص کے مقابلے سے عاجز آ گئے۔ اس نے اپنی رائے بھری مجلس

میں بیان کر دی اور ان کے منصوبوں کو حق کی روشنی میں گمراہ کن قرار دیا۔ لیکن فرعونیوں نے اپنے اس مخلص دوست کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور الٹا اسے کوسنے لگے اور موسیٰ علیہ السلام کا ساتھی یقین کر کے اسے قتل کرنے پر تل گئے۔ مگر اللہ کریم نے اپنے بندے کو ان کی سازشوں سے بچالیا اور دردناک عذاب نے فرعون اور اس کے حاشیہ برداروں کا صفایا کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام لومتہ لائم سے بے نیاز' فرعون کی سازشوں سے بے خوف وخطر دعوت حق دیتے رہے۔ آپ نے فرعون کو سمجھایا کہ اللہ پر ایمان لے آ جو ارض و سماء کا خالق ہے۔ اس کی بارگاہ میں لوٹ آ۔ اور بنی اسرائیل کو رہا کر دے لیکن اس سرکش اور باغی نے ایک نہ سنی بلکہ اس کی جہالت اور سرکشی اور بڑھ گئی۔ اس نے اپنی قوم کے چند بدمعاش اکٹھے کر لیے جو ذلت اور کمینگی کو پسند کرتے تھے اور گمراہی کی زندگی پر خوش تھے۔ اور ان پر اپنی شان و شوکت کی دھاک بٹھانا چاہی تاکہ یہ گمراہی پر ثابت قدم رہ سکیں۔ اس نے انہیں خطاب کرتے ہوئے کہا۔

یَاقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ۔ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ مَھِیْنٌ وَّلَا یَکَادُ یُبِیْنُ۔ فَلَوْلَا اُلْقِیَ عَلَیْہِ اَسْوِرَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ اَوْجَآءَ مَعَہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ مُقْتَرِنِیْنَ

"اے میری قوم! کیا میں مصر کا فرمانروا نہیں؟ اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم (انہیں) دیکھ نہیں رہے؟ کیا میں بہتر نہیں ہوں اس شخص سے جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا۔ (اگر یہ سچا نبی ہے) تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے قطار در قطار" (الزخرف: ۵۱ تا ۵۳)

وہ لوگ جو شر و فساد کی جڑ اور ظلم و تعدی کے ستون تھے ان سے کسی بھلائی کی توقع عبث تھی۔ انہوں نے بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملانا تھی۔ سو انہوں نے بادشاہ کی خوشنودی کے لیے سر جھکا دیا۔

فرعون کی سرکشی کی انتہاء ہو گئی۔ بہتان تراشیوں سے گفتگو کرنے کے

سارے راستے مسدود کر دیے۔ روشن دن کو سورج کا انکار اور پھر بنی اسرائیل پر طرح طرح کی زیادتیاں یہ وہ جرائم تھے جسے دیکھ کر صبر کی ترکش مین ایک تیر بھی باقی نہ رہااور سمجھانے بجھانے کی ساری توقعات پر پانی پھر گیا تو ایسے میں اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ فرعون اور اس کی قوم میں یہ اعلان کر دیں کہ انہیں کفر اور بنی اسرائیل کو قید رکھنے کی سزا مل کر رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کے جان و مال اور پھلوں میں کمی کرنا شروع کر دی۔ نیل کے منبع خشک ہو گئے۔ اور پانی کم ہوتا گیا اور اپنی کمی کی وجہ سے زمین کی سیرابی کا عمل رک گیا۔ پھل اور غلہ کم سے کم تر ہوتا گیا۔ مال و دولت کی بہتات قلت میں تبدیل ہونے لگی۔ پھر بارشوں نے طوفانی شکل اختیار کر لی۔ کھیتیاں اور چوپائے نیست و نابود ہو گئے۔ ٹڈی دل کا طوفان اٹھا اور سب پھل' سارا سبزہ چٹ کر گیا۔ اس کے بعد جوؤں کی بہتات ہوئی حتیٰ کہ کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں جوئیں نہ ہوں۔ بستروں سے پہلو لگانا ناممکن ہو گیا بلکہ آرام سے بیٹھنا دوبھر ہو گیا۔ اس کے فوراً بعد مینڈکوں کا عذاب آیا۔ جس نے ان کی زندگی اجیرن کر دی۔ مینڈک اس کثرت سے پیدا ہو گئے کہ کھانے' پینے کی جگہوں اور لباس رکھنے کے مقامات مینڈکوں سے بھر گئے۔ مینڈکوں کا عذاب ابھی ٹلا نہ تھا کہ نکسیر کی صورت میں ایک اور عذاب آن پڑا۔ ہر شخص کی ناک سے نکسیر پھوٹ پڑی۔ المختصر نہ ان کا مال و متاع سلامت رہا اور نہ یہ خود آرام و سکون سے زندگی بسر کرنے کے قابل رہے ان کی سب تدبیریں دھری رہ گئیں۔ اور نخوت و تکبر کے سب بت ٹوٹ پھوٹ گئے۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَامُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ

"اور جب آجاتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ! دعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے ساتھ ہے۔ اگر تم ہٹادو گے ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تم پر اور ضرور روانہ کر دیں گے تیرے ساتھ بنی

اسرائیل کو" (الاعراف: ۱۳۴)

اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کو دور فرمادیا تاکہ نجات کے راستے ان کے لیے کھل جائیں اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے ان پر حجت اور دلیل تمام کردے۔ لیکن جب عذاب ٹل گیا تو انہوں نے کیے گئے وعدے توڑ ڈالے اور خائن بن گئے۔

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج

آنکھ والوں کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت روشن دل کی حیثیت رکھتی تھی۔ بنی اسرائیل نے گمراہی کی تاریکی میں چمکتی اس روشن حقیقت کو پہچان لیا۔ اور اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف پلٹ آئے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر رحم اور ہدایت کی درخواست کی۔ یہ لوگ عرصہ دراز سے مصر میں ذلت ورسوائی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہیں طرح طرح کی اذیتیں دی جارہی تھیں۔ وہ مصیبت اور تکلیف کی زندگی گزار رہے تھے اور ظلم و ستم پر برابر صبر کرتے آرہے تھے۔ ان کی آنکھیں کیسے نہ کھلتیں' ان کے اندر ایمان کے چشمے کیسے نہ پھوٹتے۔ انہوں نے تو حق کا نشان ظاہر اور باہر دیکھ لیا تھا۔ وہ نہ صرف اسے دیکھ چکے تھے بلکہ اسے قبول کرنے کی سعادت بھی حاصل کر چکے تھے۔ اسی لیے ان کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل مطمئن ہو گئے تھے۔ انہیں فرعون کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ وہ اس کی دھمکیوں کو خاطر میں نہ لا رہے تھے۔ وہ قبطیوں کی سرزمین کو خیرباد کہنا چاہتے تھے۔ کیونکہ انہیں اپنی سلامتی کی فکر لاحق تھی۔ وہ اس ظالم قوم سے بہت دور رہنا چاہتے تھے۔

آخر موسیٰ علیہ السلام نے ایک دن بنی اسرائیل کو لیکر بھاگ جانے کا منصوبہ بنایا۔ رات کے پہلے پہر پوری قوم کو ساتھ لیا اور ارض مقدس کی طرف کوچ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے راستہ آسان فرمادیا۔ وہ تیزی سے چلنے لگے۔ فرعون کا خوف بنی اسرائیل کے قدموں کو بوجھل کر رہا تھا لیکن اللہ پر ایمان ان کی حفاظت فرما رہا تھا۔ یہاں تک کہ یہ قافلہ مصر کے خشک علاقہ کو عبور کر کے دریائے نیل کے کنارے پہنچ گیا۔ دریا کی طغیانی زوروں پر تھی۔ یہ دریا بہت بڑی رکاوٹ تھا۔ وہ اسے عبور کیے بغیر ارض مقدس تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ وہ پریشان تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ وہ ڈر رہے تھے کہ فرعون اور اس کا لشکر انہیں تلاش کر رہا ہوگا۔

۔وہ ان کے پیچھے بڑی تیزی سے بڑھ رہے ہونگے۔

اگر وہ لشکر یہاں تک پہنچ گیا تو ان کا کیا بنے گا۔ فرعون کی نظر میں تو بنی اسرائیل بھگوڑے غلام ہیں جو اس کی اطاعت کا قلادہ گلے سے اتار کر بھاگ نکلے ہیں۔ اور یہ محض بنی اسرائیل کا وہم ہی نہیں تھا۔ فرعون نے واقعی ایک لشکر ان کی تلاش میں بھیج دیا تھا اور خود بھی انہیں تلاش کرنے کے لئیے نکل کھڑا ہوا تھا۔ آخر یہ پیادے اور گھوڑ سوار بنی اسرائیل تک پہنچ گئے اور صرف اتنا فاصلہ باقی رہ گیا جتنا دو کمانوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی کم۔

بنی اسرائیل اس صورت حال کو دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ غم واندوہ اور یاس و حسرت سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ تھے ؟ یاس و قنوط کی اس گھڑی میں جنگل سے ایک دل دہلانے والی آواز گونجی۔ ایک زوردار چیخ بلند ہوئی۔ اس آواز میں تھکاوٹ تھی۔ اس میں ملامت تھی اور خوف وہراس تھا۔ یہ آواز موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ایک شخص یوشع بن نون کی تھی۔

یوشع بن نون کہہ رہے تھے۔ اے کلیم اللہ! تیری تدبیر کیا ہوئی۔ لو ہم تو مصیبت میں پھنس گئے۔ اب سمندر آگے ہے اور دشمن پیچھے۔ اب موت سے خلاصی کی کوئی صورت ؟ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔ مجھے سمندر پار کرنے کا حکم مل چکا ہے۔ دیکھتے ہیں اب کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل یہ جواب سن کر چند لمحوں کے لئیے مطمئن ہوئے اور امید کی ایک کرن نظر آنے لگی لیکن پھر ایک یاس و قنوط کی لہر نے تمام کے رنگ فق کر دیے۔ ابھی ادھر امید کی روشنی نظر آئی اور ادھر دشمن کی کثرت اور فرعون کے ظلم کی سوچ نے آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلا دیا لیکن کرتے تو کیا کرتے۔ آخر سوچا کیوں نہ گردنیں الہٰی فیصلے کے سامنے جھکا دیں۔ اللہ کریم ضرور رحم فرمائے گا اور ظالموں کے ظلم سے محفوظ رکھے گا۔

اسی اثناء میں وحی خداوندی آئی کہ اے موسیٰ اپنی لاٹھی دریا پر ماریے۔ آپ نے لاٹھی ماری تو فوراً تاریکیوں کے بادل چھٹ گئے اور یاس و قنوط کی طغیانیاں کافور ہو گئیں۔ اس ضرب سے دریا میں بارہ قبیلوں کے لیے بارہ راستے بن گئے۔ ہر قبیلے کے لئیے الگ ایک راستہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور ہوا کو پابند کر دیا اور دریا کے اندر ان بارہ راستوں

کی زمین خشک ہو گئی اور راستے بالکل ہموار بن گئے۔ بنی اسرائیل اللہ کریم کی حفاظت میں امن سے ان راستوں پر چل پڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی تھی اور فرمایا تھا۔

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا لَاتَخَافُ دَرَكًا وَلَاتَخْشٰى

"(راہ میں سمندر حائل ہو تو) عصا کی ضرب سے انکے لیے سمندر میں خشک راستہ بنالیجیے نہ تمہیں پیچھے سے پکڑے جانے کا ڈر ہوگا اور نہ کوئی اور اندیشہ" (طہ: ۷۷)

تمام قبائل امن و سلامتی سے خشکی پر دوڑتے گزر گئے۔ پانی راستوں کے دونوں جانب بڑے بڑے تودوں کی مانند رکا ہوا تھا۔ یہ پانی اس وقت تک حرکت میں نہ آیا جب تک کہ تمام لوگ خیر و عافیت دریا سے گزر گئے۔ بنی اسرائیل کنارے پر پہنچے تو دیکھا کہ فرعون اور اس کا لشکر دوسرے کنارے پر کھڑا ہے۔ اور انہی خشک راستوں پر چلنے کو تیار ہیں۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل ایک بار پھر گھبرا گئے۔ امن و سلامتی کے گھرے بادل ناپید ہونے لگے اور قلق و اضطراب کی کڑی دھوپ جسم و روح کو گھائل کرنے لگی۔ وہ یہ سوچ کر لرز اٹھے کہ ہمارا دشمن فرعون ابھی دریا پار کر کے ہمیں پکڑ لے گا اور من مانی سزا دے گا۔

دلوں میں تو یہ خیالات تھے اور نظریں موسیٰ علیہ السلام پر لگی ہوئی تھیں کہ کسی طرح چاروں طرف پھیلی ہوئی یہ مصیبت ختم ہو جائے اور وہ ہلاکت سے بچ جائیں۔

اسی اثناء میں موسیٰ علیہ السلام نے دریا کو حکم دینا چاہا کہ وہ اصلی حالت پر لوٹ آئے اور فرعون اور اس کے لشکر بنی اسرائیل تک نہ پہنچ سکیں ان کے راستے میں سمندر حائل ہو جائے اور وہ بیت المقدس کو بہ امن و سلامتی نکل جائیں۔

لیکن ابھی یہ خیال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں ہی تھا اور حکم بن کر زبان پر نہیں آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے موسیٰ دریا کو اسی حالت پر رہنے دیجیے۔ اور ضرب لگا کر اس کی موجوں کو رواں نہ کیجیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ منشاء نہیں کہ صرف سمندر تیرے اور فرعون کے درمیان حائل ہو اور بس وہ امن و سلامتی سے

گھر کو لوٹ جائیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ اس دریا میں غرق ہو جائیں گے۔ فرعون اور اس کا لشکر ان راستوں کو دیکھ رہے تھے جن پر چل کر بنی اسرائیل نے دریا عبور کیا تھا۔

۔انہوں نے سوچا ابھی چند لمحوں بعد وہ بھی ان راستوں پر چل کر بنی اسرائیل تک پہنچ جائیں گے۔ وہ بہت خوش تھے غرور و تکبر نے بصیرت ان سے چھین لی تھی اور وہ نخوت و بڑائی سے آہا آہا کر رہے تھے۔ فرعون نے اپنے لشکر کو بے وقوف بناتے ہوئے کہا ذرا دیکھو میرے حکم سے دریا کس طرح پھٹ گیا ہے۔ کس طرح پانی نے میرا راستہ چھوڑ دیا ہے کہ میں ان بھگوڑوں کو پکڑ لوں فرعون کے لشکری اسے فرعون کی قدرت کا کرشمہ سمجھ رہے تھے۔ اور اس وجہ سے وہ فرعون کی مدد اور نصرت پر پہلے سے کہیں زیادہ آمادہ نظر آ رہے تھے۔ انہیں اطمینان سا محسوس ہونے لگا تھا کہ جس کی قوت و طاقت کا یہ حال ہے وہ موسیٰ کے مقابلے میں کیسے ناکام ہو سکتا ہے۔ وہ فرعون کے پیچھے ان راستوں پر دوڑ پڑے۔ جب تمام لشکر ان راستوں پر اتر چکا تو پانی کی ساکن موجوں میں حرکت آگئی پلک جھپکنے کی دیر میں سب غرق ہو گئے۔ اور آنے والے لوگوں کے لیے عبرت کا نشان ٹھہرے۔ آج فرعون سب جاہ و جلالت بھول چکا تھا۔ حق کی بالادستی اس پر عیاں ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ وہ ایک بے بس بندہ ہے۔ اس کی سب شان و شوکت اک حباب ہے۔ دل پر چھایا غبار چھٹ چکا تھا اور دل کی آنکھوں سے حق مبین کی روشنی پھیلتے دیکھ رہا تھا۔

وَقَدْ بَهَرْتَ فَمَا تَخْفَى عَلَى اَحَدٍ
اِلَّا عَلَى اَحَدٍ لَا يَعْرِفُ الْقَمَرَا

تو بالکل عیاں ہو گیا اور کسی پر مخفی نہ رہا۔ سوائے اس شخص کے جو چمکتے چاند کو بھی نہیں پہچان سکتا۔

ڈوبتے ہوئے فرعون کے منہ سے یہ الفاظ نکلے

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

”میں ایمان لایا کہ کوئی سچا خدا نہیں بجز اس کے جس پر ایمان

لائے تھے بنی اسرائیل اور (میں اعلان کرتا ہوں کہ) میں
مسلمانوں میں سے ہوں" (یونس: ۹۰)

اللہ تعالیٰ نے اس باغی اور سرکش شخص کی معذرت کو قبول نہ کیا اسے اس کی بد عملی کی سخت سزا دی۔ اور اس کو جہنم کا ایندھن بنا دیا۔

جب سمندر کی ٹھہری ہوئی موجیں حرکت میں آئی تھیں اور آپس میں مل تھیں تو ان کے ملنے کی وجہ سے ایک شور برپا ہوا تھا۔ بنی اسرائیل نہیں جانتے تھے کہ فرعونی تباہ ہو چکے ہیں۔ اس لیے انہوں نے پوچھا یہ شور کیسا ہے موسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ فرعون اور اس کا لشکر تباہ و برباد ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دریا میں غرق کر دیا ہے۔ اور یہ شور موجوں کے ملنے کا ہے۔ بنی اسرائیل عرصہ دراز سے غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس ذلت و رسوائی کی زندگی نے ان کی طبیعت میں بزدلی بھر دی تھی۔ وہ اسی نقش شدہ بزدلی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ باطل کا خوف جو ان کے دلوں پر چھایا تھا آج وہ جوش مار رہا تھا۔ وہم جو ان کی عقلوں پر مسلط تھا عود کر آیا تھا۔ کہنے لگے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فرعون مر جائے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ اتنی طویل العمری کے باوجود اس کے جسم میں کوئی کمزوری نہیں آئی۔ اس کے پاس مال و دولت کی بہتات ہے اور ہر وہ چیز جو انسان کی ضرورت ہے وہ اسے میسر ہے۔ ایسا شخص کیسے غرق ہو سکتا ہے؟

وہ کس قدر توہم پرست تھے۔ فرعون اور اس کے لشکر کو نظروں کے سامنے غرق ہوتا دیکھ رہے تھے لیکن یقین نہیں آتا تھا کہ ایک جابر بادشاہ غرق بھی ہو سکتا ہے۔ انہیں اب تو فرعون کی اصلی طاقت اور جاہ و جلال کا اندازہ ہو جانا چاہیے تھا۔ اب تو انہیں یہ یقین کر لینا چاہیے تھا کہ فرعون کے سب دعوے جھوٹ اور لایعنی تھے۔ اللہ کی قدرت اور طاقت دیکھیں کہ دریا کو حکم ملا اور اس نے فرعون کی لاش کنارے پر پھینک دی تاکہ اس کی غرقابی کسی اور وہم اور نظریے کا موجب نہ بن جائے۔ کیونکہ کوئی کہہ سکتا تھا کہ: فرعون دوسری دنیا میں زندہ ہے۔ یا وہ اسی قسم کا کوئی اور نظریہ قائم کر لیں اور ایک جھوٹی بات لوگوں میں عام ہو جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو خاموش کرنے اور ان کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے پانی کو یہ حکم دیا کہ اس سرکش کی لاش اور جابر بادشاہ کے مردہ جسم کو ساحل پر پھینک دے تاکہ وہ عبرت کا نشان

ٹھہرے۔ بنی اسرائیل نے اس سرکش اور جابر بادشاہ کی لاش کو یوں پڑا دیکھا تو دہشت سے کانپ اٹھے۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فرعون جیسا شخص غرق ہو جائے لیکن یہ ایک کھلی حقیقت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکر کو تباہ کر دیا تھا۔ اور فرعون کا مردہ جسم دریا سے باہر پڑا دیکھنے والوں کے لئیے عبرت کا نشان بن چکا تھا۔ فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی اور غلامی کی زندگی سے نجات بنی اسرائیل پر رب العالمین کا بہت بڑا انعام تھا۔

عہد موسوی

موسوی قافلہ حضرت کی معیت میں چل دیا۔ یہ سفر دن رات جاری رہا حتیٰ کہ ایک مقام پر ٹھہرنے کا حکم مل گیا۔ اب انہیں ایک منہاج ایک شریعت کی ضرورت تھی جس کی وہ پیروی کریں۔ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا فریضہ بجالائیں۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور باری تعالیٰ میں ایک کتاب کی درخواست کی جو انہیں اطاعت کے طریقے سکھائے اور ایک حکم کا سوال کیا جس پر وہ عمل پیرا ہوں۔ اور انہیں معلوم ہو سکے کہ کس عمل کو بجالانا ہے اور کس چیز سے رکنا ہے۔ تاکہ آئندہ انہیں کسی چیز میں تردد نہ رہے اور اپنے تمام دینی اور دنیوی کاموں میں اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میسر رہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ کامل طہارت کا اہتمام کریں اور تین دن تک روزہ رکھیں۔ اس کے بعد طور سیناء پر تشریف لائیں اور اپنے رب سے ہمکلام ہوں اور ایک کتاب حاصل کریں جو بنی اسرائیل کے لئیے مرجع اور مآءب ہو۔

تین دن روزہ رکھ لینے کے بعد موسیٰ علیہ السلام طور پر جانے کے لیے تیار ہوئے تو بنی اسرائیل کے چالیس آدمیوں کو ساتھ لے جانے کے لیے چنا۔ ان چالیس آدمیوں کو ساتھ لیے آپ چل دیے لیکن جلدی کی اور انہیں راستے میں چھوڑ کر کوہ طور پر پہنچ گئے۔ آپ کو طور پر پہنچتے تیس راتیں لگ گئیں۔ اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام سے جلدی کی وجہ پوچھی تو آپ نے عرض کی۔ الٰہی! یہ لوگ میرے ساتھ چل رہے تھے۔ میں انہیں پیچھے چھوڑ کر اس لیے دوڑا چلا آیا کہ تو راضی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے

حکم دیا کہ چالیس راتیں میری بارگاہ میں قیام فرمائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے رخصت ہوتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو نائب مقرر کر دیا تھا۔ تاکہ وہ ان کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کریں۔ ان کے کام نمٹائیں اور ان کے جان و مال کی حفاظت کے لئے مناسب اقدام کریں۔ انہیں حکم تھا کہ جب تک وہ امانت لیکر واپس نہیں آتے اور وعدہ کے مطابق ایک قانون لیکر نہیں لوٹتے بنی اسرائیل کے تمام فیصلے عدل و انصاف کے مطابق اپنی رائے اور فکر سے سرانجام دیں۔

طور سینا پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف عطا کیا۔ ان کی التجائیں سنیں، انہیں خصوصی قرب بخشا اور نزدیکی عطا کی۔ کرم کی یہ انتہاء دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوشی و مسرت کی کوئی حد نہ رہی اور عشق و وارفتگی کے عالم میں عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے شرف دیدار سے بھی بہرہ مند فرما۔ یہ تقاضا بے جا نہیں تھا۔ موسیٰ علیہ السلام قربت خداوندی کی جن بلندیوں پر فائز تھے۔ انہیں حضور باری میں جو مقام و مرتبہ حاصل تھا اس کے متعلق تو شاید کبھی کسی نے سوچا بھی نہ ہوگا۔ یہ تقاضا ان کی کرامت اور شرافت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

موسیٰ علیہ السلام وہ واحد نبی ہیں جن سے ان کی قوم نے رؤیت باری تعالیٰ کا مطالبہ کیا تھا۔ پھر وہ خود اللہ تعالیٰ سے اس نعمت کا سوال کیوں نہ کرتے اور کیوں نہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم کرتے۔ تاکہ حکم ربانی ان کے لئے ایک حجت اور دلیل بن جاتا اور وہ اپنی قوم کو اس مطالبے کا جواب دے سکتے۔

اس مطالبے کے جواب میں اللہ کریم نے فرمایا۔ کہ اے میرے محبوب رسول تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ البتہ اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ کی طرف دیکھا تو ایک ہی تجلی سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور زمین میں دھنس گیا اور اس کا نشان تک باقی نہ رہا۔ موسیٰ علیہ السلام اس ہیبت ناک منظر کی تاب نہ لا سکے اور اس خطاب کی جلالت نے انہیں بے ہوش کر دیا۔ وہ منہ کے بل گر پڑے اور حواس کھو بیٹھے۔ مگر رحمت خداوندی نے تھام لیا اور لطف ایزدی نے تسلی دی۔ آپ ہوش میں آئے اور اللہ بزرگ و برتر کی تسبیح و تمجید

کرنے لگے۔

شریعت مطہرہ کی تختیاں تھام لیں۔ ان پر بنی اسرائیل کی ضرورت کے احکام مرقوم تھے۔ وہ ان قوانین سے موعظت اور نصیحت حاصل کر سکتے تھے۔ ان تختیوں پر احکامات کے علاوہ ہر چیز کے متعلق تفصیل درج تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ اے میرے مولا! تو نے مجھے خصوصی نعمت سے نوازا ہے۔ ایسی عزت افزائی مجھ سے پہلے کسی کی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! میں نے اپنی پیغام بری اور اپنے کلام سے تمہیں تمام لوگوں پر سرفراز کیا ہے۔ میں جو کچھ تمہیں دے رہا ہوں اسے لے لو اور میرے شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔

ادھر بنی اسرائیل بڑی شدت سے موسیٰ علیہ السلام کی راہ دیکھ رہے تھے۔ تیس دن گزر گئے لیکن موسیٰ علیہ السلام واپس نہ آئے۔ دس دن اور بیت گئے لیکن موسیٰ علیہ السلام نہ لوٹے۔ لوگ بے چین ہو گئے۔ وہ اس سے زیادہ انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ اس بے قراری سے بے یقینی کی فضا قائم ہو گئی اور لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ خلافی کی ہے اور ہمیں اس ویران صحراء میں بھٹکتا چھوڑ دیا ہے۔ اس ویرانے میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ ہمارے پاس نہ تو چراغ ہے کہ اسے روشن کر کے راستے کے نشیب و فراز دیکھیں اور نہ کوئی رہبر کہ منزل کا پتہ دے۔

بے یقینی کی اس فضا میں سامری کے دل میں شر و فساد کی ایک چنگاری سلگ اٹھی۔ لوگ اسے چراغ راہ سمجھ بیٹھے اور اس کے پیچھے ہو لیے۔ سامری نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ان سے کہنے لگا۔ تم اپنا معبود بنالو۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام واپس نہیں لوٹیں گے۔ وہ اپنے رب کی تلاش میں نکلے ہیں اور راستہ بھول کر کہیں دور نکل گئے ہیں۔ اب ان کی واپسی ممکن نہیں۔ چالیس دن گزر چکے ہیں لیکن ان کا کہیں نشان تک نہیں۔ شیطان بنی اسرائیل کی تاک میں تھا۔ اس نے خوب وسوسہ اندازی کی۔ بنی اسرائیل کا عقیدہ بہت کمزور تھا۔ اور سامری اس کمزوری سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ان جاہلوں کو بت پرستی کی طرف آسانی سے مائل کیا جا سکتا ہے۔ وہ ساتھ تھا جب اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدا گھڑنے کی التجا کی تھی۔ اور بت پرست قوم کو دیکھ کر توحید کی تعلیم بھول بیٹھے تھے۔

سامری کے لیے یہ جہالت اور گمراہی غنیمت تھی۔اس نے بنی اسرائیل سے سونے کے زیورات لیے اور گڑھا کھود کر انہیں اس گڑھے میں پگلایا اور اس سونے سے ایک بچھڑے کی مورتی گھڑی اور اپنے فن کا جادو جگاتے ہوئے اس میں آواز بھر دی۔اس بولتی مورتی نے بنی اسرائیل کو فتنے میں مبتلا کر دیا اور وہ حق وباطل میں تمیز نہ کر سکے۔

بنی اسرائیل اس بت سے محبت کا دم بھرنے لگے اور اس کی عبادت شروع کر دی۔ حضرت ہارون علیہ السلام یہ دیکھ کر غم والم کی تصویر بن گئے اور فرمایا۔

يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ

"اے میری قوم! تم تو فتنہ میں مبتلا ہو گئے اس سے۔اور بلاشبہ
تمھارا رب تو وہ ہے جو بے حد مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو
اور میرا حکم مانو" (طٰہٰ:۹۰)

ہارون یہ فرما کر بقیہ وفاداروں اور ایمان داروں کو ساتھ لیکر الگ ہو گئے اور فتنہ و فساد کے خوف اور گروہ بندیوں کے اندیشے سے ان گمراہوں اور سرکشوں سے تعرض نہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے خبردار فرمایا کہ تمھارے رخصت ہونے کے بعد تمہاری قوم کو ہم نے آزمایا۔وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئی اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا ہے۔پس موسیٰ علیہ السلام جب ملاقات کر کے قوم کی طرف واپس تشریف لائے تو دور سے شور وغوغا سنا۔ آپ سمجھ گئے کہ صورت حال کیا ہے۔ آپ جب قریب آئے تو دیکھا لوگ بچھڑے کے اردگرد ناچ رہے ہیں اور خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام غصے سے بے قابو ہو گئے تختیوں کو زمین پر پٹخ دیا اور ہارون کی داڑھی اور سر کے بالوں کو پکڑ کر جھنجوڑا اور پوچھا تو نے انہیں گمراہی میں مبتلا دیکھ کر میرے رائج کردہ طریقے کی اتباع کیوں نہیں کی؟ اگر تو انہیں روکتا انہیں سمجھاتا اور فسادیوں کے خلاف علم جہاد بلند کرتا تو اتنے لوگ شرک میں کیوں مبتلا ہوتے۔ کیوں اسرائیل کی اولاد غیر خدا کو سجدہ کرتی۔ہارون علیہ السلام کا دل فرط غم سے کرچی کرچی ہو گیا۔اپنے بھائی موسیٰ کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ان کی حدت

اور شدت غم و غصہ کو کم کرنے کا سوچا۔ بڑی نرمی سے 'بڑے پیار سے کہا: اے میرے ماں جائے میری داڑھی اور سر کے بالوں کو نہ نوچو۔ میں نے تو بہت کوشش کی لیکن ان لوگوں نے مجھے کمزور اور بے بس بنا دیا۔ اور یہ مجھے قتل کرنے لگے تھے۔ لہذا مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنساؤ اور میرا شمار ظالموں کے ساتھ مت کرو۔

اے میرے کریم بھائی! میں نے اس لیے ان سے جنگ نہیں کی کہ مجھے خوف تھا کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔ یہ باتیں سن کر موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور فوراً حزم واحتیاط اور حسن رائے سے اس بیماری کے علاج کے متعلق سوچ بچار شروع کر دی۔ آپ علیہ السلام نے اس فتنے کے سرغنے اور بدعت کے موجد سامری سے پوچھا۔ اے سامری اس فتنہ انگیزی سے تیری غرض کیا تھی؟ سامری نے جواب دیا۔

بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي

"میں نے دیکھی ایسی چیز جو لوگوں نے نہ دیکھی۔ پس میں نے مٹھی بھر لی رسول کی سواری کے نشان قدم کی خاک سے۔ پھر اسے ڈال دیا اس ڈھانچہ میں اور اس طرح آراستہ کر دی میرے لیے میرے نفس نے یہ بات"۔ (طہ: ۹۶)

پھر آپ اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے ایک عمدہ وعدہ نہیں کیا تھا۔ کیا اس وعدے پر زیادہ وقت گزر گیا ہے کہ تم مایوس ہو گئے یا تم چاہتے ہو کہ اللہ کا غضب اترے۔ اس لئے تم نے میرے ساتھ کیا وعدہ توڑ ڈالا۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی یہ گفتگو سن کر پریشان ہونے لگے اور سر جھکا کر عرض کرنے لگے اے اللہ تعالیٰ کے رسول! ہم نے آپ سے کیا گیا وعدہ جان بوجھ کر نہیں توڑا۔ بلکہ ہم نے فرعونیوں کے زیورات کا جو بوجھ اٹھا رکھا تھا اسے سامری کے کہنے پر کندھے سے اتار پھینکا اور سامری نے بھی سارے زیور زمین پر پھینک دیے۔ پھر سامری نے سونے کے ان زیورات سے ایک بچھڑا بنا ڈالا جو گائے کی طرح ڈکارتا تھا۔ ہم اس آواز کو سن کر صراط مستقیم سے بھٹک گئے اور سامری کے کہنے

میں آکر اتنا کھلا شرک کر بیٹھے بنی اسرائیل اپنے کیے پر بہت پچھتائے اور شرمندگی اور خجالت میں اللہ سے معافی مانگنے لگے۔ بصد تضرع حضور باری تعالیٰ میں عرض کرنے لگے: اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرماتا اور ہمیں نہ بخشتا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔ موسیٰ علیہ السلام ان سے مخاطب ہوئے: تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ بیک زبان عرض کرنے لگے۔ اب معافی کی صورت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اپنے پروردگار کے حضور توبہ کرو۔ عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول توبہ کا طریقہ کیا ہے؟ ہمیں معافی کیسے مل سکتی ہے؟

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنے آپ کو قتل کر ڈالو۔ نفس کی سرکشی کو توڑ ڈالو۔ شہوانی قوت کو لگام دو۔ اور اسے معصیت اور گناہ سے پاک کرو۔ اس کا زور اس قدر توڑ دو کہ وہ کسی مرغوب اور اشتہاء انگیز کی طرف راغب نہ ہو۔ کسی مطلوب اور محبوب چیز کو چھونے کا ارادہ نہ کرو۔ اسے اس قدر مطیع کرو کہ نفس امارہ کی ساری شان و شوکت خاک آلود ہو جائے اور اس کا سب غرور و تکبر زمین بوس ہو جائے۔ اپنی روحوں کو سدھالو' اپنے نفسوں کو مہذب بنالو اور اللہ کے نبی کی نصیحتوں پر بہ دل و جان عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔ بیشک وہ تواب اور رحیم ہے۔

رہا سامری جس نے یہ برائی' یہ گمراہی پھیلائی ہے۔ اللہ اسے دنیا میں بھی ذلیل و خوار کرے گا اور آخرت میں بھی اس کا بہت کڑا حساب لے گا۔ دنیا کی ذلت و خواری تو یہ ہے کہ آج سے کوئی شخص اس سے میل جول نہیں رکھے گا۔ کوئی اس کے قریب نہیں جائے گا۔ اور آخرت کا عذاب بھی اسے ضرور ملے گا۔ اسے گناہ گار کی حیثیت سے جہنم کی طرف ہانکا جائے گا اور اپنے عملوں کی سزا بھگتے گا۔ اور وہ ظالموں کے لیے بہت برا ٹھکانا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا یہ حکم سن کر لوگ سامری سے الگ ہو گئے۔ نہ اس سے کوئی بات کرتا نہ اسے کوئی ہاتھ لگاتا۔ وہ مردود و مقہور جنگل میں اکیلا پھرتا رہتا اور کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا۔

سونے کے بچھڑے کو موسیٰ علیہ السلام نے جلا ڈالا اور سمندر میں پھینک دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ جرم شنیع ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

میدان تیہ

اس دور میں کوئی ایسی قوم نہیں تھی جس پر بنی اسرائیل سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے بھلائی اور نعمتوں کی بارش کی ہو۔ یہ اللہ کی چنیدہ قوم تھی۔ انہیں دوسری اقوام سے کہیں زیادہ برکتیں اور نعمتیں عطا کی تھیں۔ بنی اسرائیل پر نعمتوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ انہیں آل فرعون سے نجات بخشی۔ اور سالہا سال کی غلامی سے انہیں آزادی دی۔ پھر اس ظالم اور سرکش شخص کو ان کی آنکھوں کے سامنے تباہ و برباد کیا۔ ان کی ہدایت کے لیے موسیٰ اور ہارون جیسے جلیل القدر نبی مبعوث فرمائے پتھروں سے ان کے لیے چشمے جاری کیے۔ ان کے کھانے کو من و سلویٰ نازل کیا۔ الغرض انہیں ایسی ایسی نعمتوں سے سرفراز کیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔

لیکن عرصہ دراز تک غلامی کی زندگی' قبطیوں کے جور و ستم اور حکام کے رعب و دبدبہ نے انہیں ذلت پسند بنا دیا۔ ان کی طبیعتیں مسخ ہو گئیں۔ وہ پستی کو معراج انسانیت یقین کر بیٹھے تھے۔ تن آسانی نے انہیں یہ بات باور کرا دی تھی کہ ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہے۔ وہ ہر ظلم سہتے اور اف تک نہ کرتے۔ وہ چاہتے تھے کہ کچھ کیے بغیر ان کے دل اچھے ہو جائیں۔ لڑے بغیر ان کے لیے فتوحات کے دروازے وا ہو جائیں وہ ظلم کو دیکھ کر گردن جھکا دیتے اور جھوٹی بڑائی کا سن کر لرز اٹھتے۔

مَنْ یَّھُنْ یَسْھُلُ الْھَوَانُ عَلَیْہِ

مَا لِجُرْحٍ بِمَیِّتٍ اِیْلَامُ

جو ذلیل بن جاتا ہے اس کے لیے ذلت برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔
مردے کو زخم لگنے سے کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے از راہ احسان اور اتمام نعمت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ بنی اسرائیل کو بلاد شام کی اس ارض مقدس کی طرف لے چلو جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ سے وعدہ فرما رکھا ہے کہ وہ تیری اولاد کا ملک ہو گی اور صالحین وہاں رہ کر اللہ کی عطا کردہ شریعت پر عمل کریں گے۔

بنی اسرائیل حکم جہاد سن کر لرز اٹھے۔ انہیں اس بات کا مکلّف ٹھہرا دیا گیا تھا کہ تم جہاد کر کے اور جنگ کے ذریعے ارض مقدس میں داخل ہو گے اور حتیوں اور کنعانیوں کو اس مقدس سرزمین سے نکال باہر کرو گے اور اس برکتوں والی' خدائی خزانوں سے مالا مال سلطنت کو اپنا وطن بناؤ گے۔ بنی اسرائیل کے لیے جنگ لڑنا موت کے مترادف تھا۔ بزدلی اور کمزوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ اٹھے۔

اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى یَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دَاخِلُوْنَ

"اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے اور ہم ہرگز داخل نہ ہو نگے اس میں جب تک وہ نکل نہ جائیں وہاں سے اور اگر وہ نکل جائیں اس سے تو پھر ہم ضرور داخل ہو نگے" (المائدہ: ۲۲)

مگر تمام بزدل اور تن آسان نہ تھے۔ ان میں دو ایسے جواں مرد بھی تھے ایمان جن کی طبیعت میں رچ بس گیا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ ان کی نس نس میں اتر گیا تھا۔ ان وفاکیش غلاموں کی رائے پوری قوم سے مختلف تھی۔ وہ بنی اسرائیل کے دوسرے لوگوں کی طرح بزدلی کا مظاہرہ نہیں کر رہے تھے۔ یہ اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں غیرت دلائی اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تم خدا کا نام لیکر قدم تو بڑھاؤ۔ تم دروازوں پر دستک تو دو کامیابی تمھارے قدم چومے گی۔ اگر تم میں ایمان کی روشنی ہے تو اللہ تعالٰی پر توکل کرو۔

لیکن وہ بزدلی کی باتیں کرتے رہے اور علی الاعلان کہہ اٹھے کہ ہم جہاد نہیں کر سکتے۔ ہمیں جان کا خوف ہے۔ بلکہ بے حیائی' بے شرمی اور ذلت و پستی کی انتہاء کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ کے نبی کے حضور یہاں تک کہہ اٹھے۔

یٰمُوْسٰی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا اَبَدًا مَّادَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ

اے موسیٰ! ہم تو ہرگز داخل نہ ہو نگے اس میں قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں۔ پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں (ان سے) لڑو۔ ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے" (المائدہ: ۲۴)

موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کا کوئی مددگار اور ہمرکاب نہیں۔ صرف ہارون ہیں اور دو مخلص اسرائیلی جوان۔ کتنا مختصر لشکر ہے۔ حق کی سپاہ کس قدر تعداد میں کم ہے۔ صرف تین شخص آپ کی قیادت میں دنیا کی بہت بڑی قوت سے ٹکرانے کے لیے تیار ہیں۔ دشمن قوی بھی ہے اور تعداد میں بھی کہیں زیادہ۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں۔

رَبِّ اِنِّیْ لَا اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِیْنَ

"اے میرے رب میں مالک نہیں ہوں بجز اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے پس جدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان" (المائدہ : ۲۵)

اللہ کریم نے حکم دیا کہ ان بزدلوں کو اسی صحراء کی وسعتوں میں بھٹکنے دو۔ تاکہ یہ غلام خصلت اور دنیت پسند بوڑھے مرجائیں اور ان کی سلیم الفطرت آزاد طبیعت اولاد جوان ہو اور جنگ کر کے حتیوں اور کنعانیوں کو ملک سے باہر نکال دیں اور مقدس سرزمین کو اپنا وطن بنائیں۔

گائے

بنی اسرائیل کا ایک بوڑھا شخص جو عمر کی کئی بہاریں دیکھ چکا تھا اور موت کے انتظار میں گھڑیاں گن رہا تھا پوری قوم میں تقویٰ اور پرہیزگاری میں شہرت رکھتا تھا۔ اس بوڑھے کے نزدیک عیش و عشرت کی کوئی وقعت نہ تھی۔ دنیا کی دلفریبیاں اس کے یقین اور اللہ تعالیٰ سے بہتری کی امید کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں تھیں۔ مال و اولاد کی کثرت کی خواہش نے اس کے جذبہ ایمان میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی۔ اس کی ملکیت میں صرف ایک گائے تھی۔ وہ بوڑھا اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتا۔ بارالٰہ میں یہ گائے بطور امانت اپنے بچے کی خاطر تیرے سپرد کرتا ہوں یہاں تک کہ وہ بڑا ہو جائے۔ بوڑھے کو قوی امید تھی کہ اللہ کریم اس کی یہ آرزو پوری فرمائے گا۔ اور یہ امانت جوانی میں بچے کے سپرد ہو کر رہے گی۔ بوڑھا اسی امید میں اپنے پیچھے ایک معصوم بچہ چھوڑ کر فوت ہو

گیا۔اب یہ گائے اسی یتیم بچے کی ملکیت تھی۔ یہ بالکل معمولی پونجی تھی۔اس کی حیثیت بہت ہی کم تھی۔ لیکن بچے کے لیے رحمت خداوندی کافی تھی۔اس کا توکل اللہ پر تھا۔وہ دن بھر گائے چراتا اور رات کو اسے اپنے قریب باندھ دیتا۔بچہ اس گائے سے بہت پیار کرتا تھا۔کیونکہ یہ اس کے مرحوم باپ کی واحد نشانی تھی۔

بنی اسرائیل کے ایک دوسرے شخص نے اپنے اکلوتے بیٹے کیلئے بے بہا دولت وراثت میں چھوڑی۔ لیکن اس امیر زادے کے چچیرے اس کی دولت اور ثروت دیکھ کر حسد سے جل بھن گئے۔رات کے اندھیرے میں اسے قتل کر دیا اور خود ہی اس کے خون بہا کا مطالبہ کرنے لگے۔

ان ظالموں نے یہ الزام ایک بے گناہ قبیلے پر دھر دیا۔وہ بیچارے بہت پریشان ہوئے۔کریں تو کیا کریں۔اپنی بے گناہی کا ثبوت کیسے دیں۔شک وارتیاب کے اس اندھیرے میں کچھ سجائی نہیں دیتا۔اس طوفان بلاخیز سے دامن بچائیں تو کیسے؟ ہاں اس اندھیرے میں اگر کوئی امید کی کرن ہے اور اس طوفان میں اگر کوئی سہارا ہے تو وہ صرف اللہ کریم کے رسول حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہیں۔وہی اس جھگڑے کا صحیح فیصلہ کرسکتے ہیں۔وہ اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ گوش گزار کیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔الٰہی یہ کیا ماجرا ہے وحی ہوئی کہ ان لوگوں سے فرمایئے کہ وہ گائے ذبح کریں اور اس کی زبان مقتول کے جسم سے لگائیں۔اس سے مردہ زندہ ہوکر خود ان کی بے گناہی ثابت کردے گا۔اور اس طرح اصل مجرم سامنے آجائیں گے۔یہ بات سن کر وہ لوگ حواس باختہ ہوگئے اور اللہ کی قدرت اور طاقت کا خیال بھی نہ رہا۔وہ سمجھے کہ شاید موسیٰ علیہ السلام مذاق کر رہے ہیں اور ان کی جہالت پر طنز کر رہے ہیں۔انہوں نے حضرت سے کہہ بھی دیا کہ کیا آپ مذاق تو نہیں کر رہے؟ آپ نے فرمایا۔اللہ کی پناہ کہ میں جاہلوں ایسا کام کروں۔

وہ حضرت کے حکم سے کوئی بھی گائے ذبح کر کے مقصد حاصل کرسکتے تھے لیکن لجاجت اور اصرار کی وجہ سے اللہ نے ان پر شدت فرمادی اور گائے کے لیے کچھ علامات متعین کردیں۔انہیں کوئی خبر نہیں چل رہی تھی کہ کس قسم کی گائے ذبح کی جائے۔اس لیے وہ سوال پر سوال کرتے رہے۔درحقیقت گائے تو مقصود نہیں تھی۔

کوئی بھی گائے ہوتی یہ معجزہ رونما ہو جاتا لیکن ان کی عقلیں اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر تھیں اس لیے وہ بار بار سوال کر رہے تھے کہ گائے کیسی ہونی چاہیے ؟ کیا یہ عام گائے جو ہمارے ہاں پائی جاتی ہے یا وہ کوئی مختلف مخلوق ہے جو صرف اس معجزے کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ اللہ کریم نے پابندیاں بڑھادیں اور حکم دے دیا کہ وہ ایسی گائے ذبح کریں جو نہ بوڑھی اور نہ بچھڑی بلکہ جوان عمر کی ہو۔

پھر مخمصے میں آگئے اور کہنے لگے :اے کلیم اللہ !اپنے رب سے ذرا یہ بھی پوچھ لیجیئے کہ وہ گائے کس رنگ کی ہو ؟ موسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ گائے گورے رنگ کی ہو جسے دیکھ کر دل خوش ہوتا ہو۔ ان کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی اور ان کی عقلیں بھٹک گئیں۔ ان کی ذہنی سطح اتنی بلند نہ تھی کہ وہ الہٰی الہام کو سمجھ سکتے۔ گویا حضرت کی سب باتیں سنی ان سنی کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک بار پھر وہی پہلا سوال دہرایا کہ ازراہ کرم ہماری رہنمائی کیجیئے۔ گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ کی مشیت معلوم کریں۔ حضرت نے انہیں بتایا کہ یہ گائے ایسی ہو کہ اسے کسی نے پانی نکالنے یا ہل چلانے کے لیے نہ جوتا ہو۔ گائے بے عیب ہو اور اس کے جسم پر کوئی داغ نہ ہو۔

بڑی تلاش اور جستجو کے بعد ایسی گائے صرف اس یتیم کے پاس ملی۔ اللہ تعالیٰ نے بوڑھے باپ کی دعا کے طفیل اس گائے میں برکت ڈال دی۔ ان لوگوں نے وہ گائے بھاری قیمت دے کر خرید لی اور اسے بڑے تردد اور حیرت کے ساتھ ذبح کر دیا۔

"موسیٰ اور خضر علیہما السلام"

موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہیں۔ انعامات خداوندی کی یاد آوری ایسے مؤثر پیرائے میں کراتے ہیں کہ سامعین کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہو جاتے ہیں اور دلوں میں اس قدر رقت آجاتی ہے کہ مجلس وعظ میں ہر طرف آہوں اور سسکیوں کی آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں۔

وعظ ختم ہوتا ہے۔ ایک شخص مجمع میں کھڑا ہوتا ہے اور پوچھتا ہے :اے کلیم دینا میں آپ سے زیادہ علم رکھنے والا بھی کوئی ہوگا ؟ آپ فرماتے ہیں نہیں۔ کیا میں انبیاء بنی اسرائیل کا سرخیل نہیں ہوں۔ کیا میرے طفیل اللہ نے فرعون جیسی بڑی طاقت

کو نیست و نابود نہیں کیا۔ مجھے ہی ید بیضا اور عصائے خاص کا حامل نہیں کیا۔ کیا میں نے ایک ہی ضرب سے بارہ چشمے جاری نہیں کیے۔ کیا میں نے ہی اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ گفتگو کا شرف حاصل نہیں کیا۔ کیا میں تورات جیسی علم و حکمت سے بھرپور کتاب کا حامل نہیں ہوں۔ اس مقام سے بلند مقام بھی کوئی ہو گا۔ اس شرف سے بڑا شرف بھی کوئی ہو سکتا ہے۔

یہ فخر نہیں تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایتوں کا اظہار تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی زبان سے یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ دوسروں کی نسبت مجھ کو کم نوازا گیا ہے۔ لیکن اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اے میرے محبوب رسول علم ایک ناپید اکنار سمندر ہے۔ کوئی شخص اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ علم و آگہی کے لیے کسی ایک شخص کو مخصوص کیا گیا ہے۔ زمین پر ایک ایسا انسان بھی ہے جس کو اللہ نے آپ سے بھی بڑھ کر علم عطا کیا ہے اور اس کو خصوصی الہام سے نوازا ہے۔

۔ آپ نے حضور باری میں عرض کی:

پروردگار! علم کا وہ سرچشمہ کہاں ہے؟ میں اس سے اکتساب نور کرنا چاہتا ہوں اور میں اس کے الہام اور علم سے اپنے دل کو اور زیادہ منور کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ کریم نے فرمایا۔ وہ تجھے دو دریاؤں کے سنگھم پر ملیں گے۔ عرض کی: مولا! کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے۔ حکم ہوا۔ ایک ٹوکری میں مچھلی پکڑ کر لے چلو۔ جہاں مچھلی گم ہو جائے وہاں وہ عالم تشریف فرما ہو گا۔

حضرت نے ایک شخص کو ساتھ لیا۔ اور سفر شروع کر دیا۔ ٹوکری میں مچھلی اور ضرورت کا دوسرا سامان رکھا تھا۔ سفر دن رات جاری رہا۔ منزل مقصود ایک لدنی علم کا حامل شخص تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عزم کر رکھا تھا کہ یہ سفر اس وقت تک جاری رہے گا جب تک منزل مل نہیں جاتی۔ خواہ اس سفر میں زندگی کی کئی قیمتی گھڑیاں صرف ہو جائیں۔ آپ نے اپنے ساتھی کو سمجھا دیا تھا کہ جب مچھلی گم ہو جائے تو مجھے خبر دے دینا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھی کے ہمراہ دو دریاؤں کے سنگھم پر پہنچے جہاں موسیٰ اور خضر کی ملاقات مقدر تھی تو حضرت کو نیند آگئی۔ اور وہ سو گئے۔ اسی

اثنا میں بارش شروع ہو گئی۔ آپ بہت تھکے ہوئے تھے خبر تک نہ ہوئی۔ مچھلی بارش کے پانی سے تر ہوئی تو اللہ کی قدرت سے اس میں زندگی عود کر آئی اور وہ پانی میں اتر گئی۔

موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے۔ خادم کو ساتھ لیا اور سفر شروع کر دیا۔ خادم کو بھی یاد نہ رہا کہ مچھلی معجزانہ طور پر زندہ ہو گئی اور پانی میں اتر گئی ہے۔ جب کافی مسافت طے کر لی اور دونوں تھک گئے۔ تو حضرت نے فرمایا۔ ذرا رکتے ہیں۔ بہت تھکاوٹ محسوس ہو رہی ہے اور بھوک بھی چمک اٹھی ہے۔ ذرا آرام کریں گے اور کھانا کھا کر سفر شروع کر دیں گے۔

خادم نے ٹوکری کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ حضرت کو کھانا پیش کرے تو اب اسے یاد آیا کہ مچھلی تو زندہ ہو کر دریا میں اتر گئی تھی۔ حضرت کو مطلع کیا کہ جب ہم چٹان پر آرام کر رہے تو مچھلی زندہ ہو کر پانی میں اتر گئی تھی۔ آپ سو رہے تھے اس لیے میں فوری طور پر خبر نہ دے سکا۔ بعد میں شیطان نے مجھے بھلا دیا اور میں آپ کو بتانے سے قاصر رہا۔

موسیٰ علیہ السلام کو یقین آگیا کہ منزل قریب آگئی ہے اور اللہ کے بندے سے ملاقات ہوا چاہتی ہے۔ آپ نے خادم سے فرمایا۔ وہی تو ہماری منزل ہے۔ اسی کی تلاش میں تو ہم سفر کر رہے ہیں۔ آؤ چلو واپس چلتے ہیں۔ ہم نے اپنی منزل پالی ہے۔ دونوں انھی قدموں واپس آئے اور مجمع البحرین کی راہ لی۔

جب وہاں پہنچے جہاں مچھلی گم ہوئی تھی تو ایک دبلا پتلا شخص نظر آیا جس کی پیشانی سے نبوت کا نور جھلک رہا تھا۔ اور چہرے پر نیکی اور تقویٰ کا فیض نمایاں تھا۔ وہ شخص ایک سفید چادر تان کر زمین پر لیٹا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سلام کہا۔ اس نے چہرے سے کپڑا ہٹایا سلام کا جواب دیا اور پوچھا کون؟ آپ نے بتایا میں موسیٰ ہوں۔ اس نے پوچھا کیا بنی اسرائیل کا نبی موسیٰ؟ آپ نے کہا۔ ہاں۔ لیکن آپ کو کس نے بتایا کہ میں بنی اسرائیل کا نبی ہوں؟ اس نے کہا: اسی ذات نے جس نے آپ کو میرے پاس بھیجا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو یقین آگیا کہ ان کی منزل یہی ہے۔ اور اسی شخص کی ملاقات کی خاطر اس نے اتنی طویل مسافت طے کی ہے۔ آپ نے بڑی نرمی اور لطافت سے گفتگو کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے سکھائے آداب گفتگو کو ملحوظ خاطر رکھ کر نہایت حسین

پیرائے میں بات چیت کی۔ آپ نے کہا: اے اللہ کے برگزیدہ بندے! کیا تو اجازت دے گا کہ ایک شخص جس نے تیری تلاش میں میلوں سفر کیا اور ہزاروں مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں تیرے علم سے اکتساب کرے۔ اگر تو پسند کرے تو میں تیرے ساتھ چلوں۔ تیرے سائے میں رہوں اور تیرے حکم کو بجالاؤں اور تیری رہنمائی میں بری چیزوں سے رکوں اور اس طرح تیری حکمت کے موتی اپنی جھولی میں بھر لوں۔

اس مرد خدا کا اسم گرامی خضر بتایا جاتا ہے۔ خضر نے جواب دیا آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ میری صحبت میں عجیب و غریب واقعات دیکھو گے جو ظاہراً حق کے خلاف نظر آئیں گے مگر بباطن حق و انصاف پر مبنی ہونگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت اور خمیر میں قیل و قال اور بحث و تکرار کا جذبہ ودیعت کر دیا ہے۔ آپ خاموش نہیں رہ سکیں گے اور ان امور کو دیکھ کر اعتراض کریں گے۔ آپ ایک صاحب شریعت رسول ہیں آپ میں یہ سکت کہاں کہ خلاف شرع کو دیکھ کر رک جائیں اور اعتراض نہ کریں۔ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں کہ یہ واقعات مالوف اور معروف کے ظاہراً خلاف ہونگے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو علم کے متوالے اور معرفت کے شیدائی تھے کہنے لگے

سَتَجِدُنِیٓ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ صَابِراً وَلَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْراً

"آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ نے چاہا صبر کرنے والا۔ اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی" (الکہف: ٦٩)

خضر علیہ السلام نے فرمایا: اگر آپ میری صحبت اٹھانا چاہتے ہیں تو ایک شرط ہے۔ میرے ساتھ تمہیں یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ حزم و احتیاط اور صبر کا دامن نہیں چھوڑیں گے اور کسی صورت میں جلدبازی اور بے قراری کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ نہ آپ سوال کریں گے اور نہ ہی کسی بات پر اعتراض حتی کہ سفر کے اختتام اور شرط کی مدت پوری ہونے پر میں سب کچھ آپ کو بتادوں گا اور آپ کے دل کی تشفی کردوں گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے شرط قبول کرلی اور اپنے آپ کو اس عہد کا پابند بنالیا۔ دونوں ساحل کی طرف چل دیے۔ حتی کہ دریا میں کشتی نظر آئی۔ کشتی والوں سے کہا کہ ہمیں دریا سے پار لے چلیں۔ کشتی بانوں نے چہروں پر تقدس اور آنکھوں میں نبوت کا نور

چمکتا دیکھا تو فرط عقیدت سے گردنیں جھکا دیں اور بغیر کرائے کے موسیٰ اور خضر علیھما السلام کو سوار کر لیا۔ اور نہایت ہی تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔

کشتی بانوں نے چپو مارنے شروع کیے اور کشتی دوسرے کنارے کی طرف چل دی۔ حضرت خضر نے چپکے سے کشتی کی دو تختیاں اکھیڑیں اور پیندے میں سوراخ کر دیا اللہ تعالیٰ کے رسول جو انسانی ہدایت اور ظلم کی بیخ کنی کے لیے تشریف لائے تھے ان سے نہ رہا گیا۔ بھلائی کا بدلہ برائی سے احسان کا بدلہ ناشکری سے۔ ڈر گئے کہ ظلم کی وجہ سے کشتی کہیں غرق نہ ہو جائے۔ سب عہد و پیمان بھول گئے اور چیخ اٹھے۔ خضر! ایسے لوگوں سے زیادتی جنہوں نے ہماری تعظیم و تکریم کی۔ ہمیں خندہ پیشانی سے ملے اور بغیر معاوضے کے ہمیں پار اتارنے کی ٹھانی۔ کیا آپ ایسے محسنوں کی کشتی کے پیندے میں سوراخ کر کے انہیں ڈبونا چاہتے ہیں۔ یقیناً تم نے بہت برا کام کیا ہے۔

حضرت خضرؑ موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور صرف انہیں وعدہ یاد دلایا اور ان کی توجہ اس اندازے کی طرف مبذول کی جو سفر شروع کرنے سے پہلے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق لگایا تھا کہ تم سوال کرنے سے نہیں رکو گے اور تنقید کرنے سے چپ نہیں رہ سکو گے۔ فرمایا۔

اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا

"کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کریں" (الکھف: ۷۲)

اب موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا کہ اس نے تو اعتراض کر کے غلطی کی ہے۔ وہ تو شرط کو بھلا بیٹھے ہیں اور وعدہ یاد نہیں رکھ سکے۔ فوراً معذرت کی اور کہا بھول کی وجہ سے مجھ پر گرفت نہ فرمایئے اور مجھے اپنی صحبت کے شرف سے محروم نہ کیجئے۔ اس کے بعد میں شرط کی پاسداری کروں گا۔

موسیٰ اور خضر علیھما السلام کشتی سے اترے اور ایک طرف چل دیے۔ راستے میں کیا دیکھتے ہیں کہ بچے کھیل رہے ہیں۔ حضرت خضر ایک چھوٹے سے خوبصورت بچے کو پکڑ کر دور لے گئے اور اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر لرز گئے۔ اتنا بڑا ظلم۔ ایک معصوم بچے کا قتل۔ ہو سکتا ہے والدین کا واحد سہارا ہو اور امیدوں

اور تمناؤں کا صرف ایک مرکز۔ اسے ناحق قتل کر ڈالا۔ بغیر کسی وجہ کے خونریزی اور وہ بھی ایک ایسے شخص کے ہاتھوں جو رب کریم سے خصوصی قرب رکھتا ہے۔ جو بہت کریم اور دین کا امام ہے۔ وعدہ یاد نہ رہا شرط کا خیال تک نہ رہا اور اعتراض کر دیا۔ یہ کیا غضب کیا۔ اس ظلم کی آخر کوئی وجہ ؟

اَقَتَلْتَ نَفْساً زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئاً نُكْراً

"کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلہ کے بغیر۔ بیشک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی نازیبا ہے" (الکہف: ۷۴)

حضرت خضر پھر موسیٰ علیہ السلام سے گویا ہوئے اور انہیں صرف اتنی بات یاد دلائی کہ تمہارے اور میرے درمیان ایک عہد ہے اور شرط مقرر ہے۔ انہیں یہ بات بھی یاد دلائی کہ میں نے تو شروع میں اندازہ لگا لیا تھا کہ آپ ظاہر کے خلاف واقعات پر خاموش نہیں رہ سکیں گے اور اعتراض کریں گے۔

اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْراً

"کیا (پہلے ہی) میں نے کہہ نہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کر سکیں گے" (الکہف: ۷۵)

موسیٰ علیہ السلام کو اپنی غلطی کا فوراً احساس ہوا۔ اور بہت شرمندہ ہوئے۔ آپ جان گئے کہ وعدہ خلافی سے اللہ کے اس بندے کو کس قدر تکلیف ہوئی ہے اور میرا شرط طے کر لینے کے بعد بھی اعتراض کرنا اس پر کس قدر گراں گزر رہا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ میں صبر کرتا اور خاموش رہتا یہاں تک کہ وہ خود ان مخفی حقائق کو مجھ پر عیاں کرتا۔ خود ہی غیب کے پردوں کو ہٹا کر حق کا چہرہ دکھاتا۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے کہ کہیں خضر علیہ السلام ان کی سرکشی اور بار بار وعدہ خلافی سے تنگ نہ آگئے ہوں اور اس رویہ پر کہیں غصے نہ ہو جائیں۔ اس لیے دل میں عزم صمیم کر لیا کہ اب کچھ بھی ہو اعتراض نہیں کروں گا۔ ورنہ انکی صحبت کی سعادت سے دستکش ہو جاؤں گا اور اللہ کے محبوب بندے کو زیادہ تکلیف نہیں دوں گا۔ فوراً خضر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی :

اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِىْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ عُذْراً

"اگر میں پوچھوں آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے معذور ہونگے" (الکھف: ۷۶)

اس شرط پر سفر شروع ہوا۔ ایک بستی راہ میں آئی۔ موسیٰ اور خضر علیہما السلام بہت تھک گئے تھے۔ دونوں شدت سے بھوک محسوس کر رہے تھے۔ یہ سوچ کر کہ شاید بستی والوں سے کچھ کھانے کو مل جائے بستی میں داخل ہوئے۔ لیکن لوگ پرلے درجے کے کنجوس اور گھٹیا تھے۔ سب لوگوں نے ان دو مسافروں کی ضیافت سے انکار کر دیا اور سیدھے منہ بات بھی نہ کی نہ کسی نے آرام کرنے کو جگہ دی اور نہ بھوک مٹانے کے لیے کھانا دیا۔ دونوں بھوکے' پیاسے تھکے ہارے بستی سے نکل کھڑے ہوئے۔ بستی کے آخری سرے پر ایک دیوار گرنے والی تھی۔ حضرت خضر رک گئے اور دیوار کی مرمت کر ڈالی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جوش میں آگئے اور حیرت سے پوچھا۔ حضرت خضر تو بھی عجیب آدمی ہے ایک ایسی لئیم قوم سے حسن سلوک فرمارہے ہیں جنہوں نے سیدھے منہ بات بھی نہیں کی۔ اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری لے لیتے تاکہ اس سے ہم اپنی ضرورت کی چیزیں خریدتے اور بھوکوں مرنے سے بچ جاتے۔

خضر علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ موسیٰ کلیم صاحب شریعت ہیں۔ وہ کسی صورت خاموش نہیں رہ سکیں گے۔ اس لیے فرمایا۔

هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ۔ سَاُ نَبِّئُكَ بِتَاْ وِيْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا

"(بس سنگت ختم) اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آگیا ہے۔ میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت پر جن کے متعلق آپ صبر نہ کر سکے" (الکھف: ۷۸)

وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی ملکیت تھی جو دریا میں ملاحی کا کام کرتے تھے۔ اور اسی محنت مزدوری سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے ان غریبوں کا واحد سہارا یہی کشتی تھی۔ اسی محنت اور مزدوری سے وہ زندگی کی گاڑی چلا رہے تھے۔

لیکن ایک ظالم بادشاہ ہر صحیح کشتی کے پیچھے لگا تھا اور زبردستی لوگوں سے چھینتا آرہا تھا۔ اور غصب کرتا جارہا تھا۔ میں نے از راہ ہمدردی' ترس کھا کر ان کی کشتی کے پیندے میں سوراخ کر دیا تاکہ یہ عیب دار ہو جائے اور بادشاہ اسے غصب نہ کرے۔ اگرچہ یہ کام ظلم پر مبنی نظر آتا ہے لیکن بباطن اس میں رحمت اور شفقت کا پہلو ہے۔ اگرچہ آپ کی نظروں میں یہ ظلم تھا لیکن اصل میں مسکینوں کی حفاظت اور غریبوں کی زندگی کی بقاء کے لیے ضروری تھا۔

اور وہ جو میں نے بچے کو قتل کر ڈالا۔ تو اس کا قصہ یہ ہے کہ یہ بچہ بڑا ہو کر بہت بے شرم اور ناپسندیدہ خصلت کا ہوتا۔ اس کے والدین ایماندار تھے۔ فطرتاً والدین کو بچوں سے محبت ہوتی ہے۔ وہ ہر صورت ان کا دفاع کرتے ہیں خواہ وہ حق پر ہوں یا باطل پر۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ بچہ والدین کو بے جا ہمدردی اور گناہ پر مجبور نہ کر دے اور ان کا خاتمہ ایمان و تقویٰ کی بجائے سرکشی اور کفر پر نہ ہو جائے۔ میں نے اس اندیشے سے اسے قتل کر ڈالا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ کریم انہیں اس سے زیادہ خوبصورت اور سعادت مند بچہ عطا فرمائے گا۔

فَاَرَدْنَا اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا

"پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب (ایسا بیٹا) جو بہتر ہو
اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو" (الکھف: ۸۱)

باقی رہی دیوار تو اللہ کریم کے اعلام سے میں نے دیکھ لیا کہ اس کے نیچے شہر کے دو بچوں کا خزانہ دفن ہے۔ ان معصوموں کا والد نہایت متقی اور پرہیزگار تھا۔ اللہ کریم کے امر سے میں نے اس دیوار کو درست کر دیا تاکہ یہ خزانہ محفوظ رہے اور وہ بڑے ہو کر اسے نکال لیں اور حلال اور طیب مال وراثت میں حاصل کریں۔

یہ سب کچھ میں نے اپنے علم اور اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ بلکہ ان امور کی میری طرف وحی کی گئی اور رہنمائی ہوئی۔

ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا

"یہ حقیقت ہے ان امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا"

(الکھف: ۸۲)

"قارون"

قارون کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتہ دار تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے درمیان بڑا گہرا نسبی اور رحم کا تعلق تھا۔ اللہ نے اسے بے بہا مال و دولت سے نواز رکھا تھا سعادت کے تمام اسباب اسے میسر تھے۔ دنیا کی تمام نعمتیں اسے حاصل تھیں۔ اس کی دولت کی فراوانی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے خزانوں کی چابیاں آدمی نہیں اٹھا سکتے تھے۔ کئی صندوق قیمتی زر و جواہر سے بھرے تھے۔ مال و دولت گویا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا جس کے سارے دھارے قارون کی طرف بہتے تھے۔

وہ بڑی ٹھاٹھ کی زندگی گزارتا۔ بہت قیمتی لباس پہنتا۔ جب محل سے باہر آتا تو خصوصی لباس کا اہتمام کرتا۔ خوب زیب و زینت کرتا۔ اس پر نظر تک نہ ٹکتی۔ رہنے کے محلات نہایت شاندار اور وسیع تھے۔ حشم و خدم آگے پیچھے دوڑتے پھرتے۔ پورے ملک سے انہیں چن چن کر لایا جاتا۔ پھر ان کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔ یہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اسے پریشان کر رکھا تھا۔ وہ چاہتا کہ امارت کی انتہاء کو پہنچ جائے لیکن افسوس کہ امارت کی کوئی انتہاء نہیں۔

شروع سے مال و دولت دنیا کی زیب و زینت شمار ہوتا آیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دولت زندگی کی اساس اور قوام ہے۔ دولت جس کے بھی ہاتھ آئی وہی نخوت و تکبر اور کفر و طغیان کا شکار ہوا۔ اور سوچنے لگا کہ وہی سب کچھ ہے۔ کوئی اس کے سامنے دم نہیں مار سکا۔ وہ کسی اور مٹی سے بنا ہے۔ آدم کی اولاد اس کی چاکری کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ ہر امیر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ بولے تو لوگ سر جھکا دیں۔ اشارہ کرے تو دوڑے چلے آئیں آواز دے تو لبیک لبیک کہیں۔ سب اس کا دل سے احترام کریں۔ نہیں تو ظاہری تعظیم میں کوئی کمی نہ چھوڑیں۔ وہ اس کی نافرمانی کو ہلاکت خیال کریں اور بغاوت اور حکم عدولی کو حرماں نصیبی یقین کریں۔

قارون بھی انھی لوگوں میں سے تھا۔ اس میں بھی یہ سب خرابیاں موجود تھیں۔ یہ بھی دوسرے امراء کی طرح باغی اور سرکش تھا۔ دولت و ثروت نے اس کی

سیرت کو مسخ دیا تھا۔ یہ بھی اپنی قوم کا باغی تھا۔ بنی اسرائیل کو اپنا زر خرید غلام تصور کرتا تھا اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتا تھا۔ کاش مادیت پرست اس غلو سے باز آتے۔ اور زندگی کی حقیقتوں کو جاننے کی کوشش کرتے۔ کاش یہ گم کردہ راہ لوگ واضح اور صحیح راستے کی جستجو کرتے تو ان پر یہ حقیقت عیاں ہو جاتی کہ مال و دولت ہی سب کچھ نہیں۔ گردنیں صرف دولت و ثروت کے سامنے ہی نہیں جھکتیں۔ انسان تو احسان کے بندے ہوتے ہیں۔ ان سے ذرا سی بھلائی کر کے۔ کسی بھوکے کو ایک وقت کا کھانا کھلا کر اسے ہمیشہ کیلئے غلام بے دام بنایا جا سکتا ہے۔

امراء اور روسا اگر احسان کا راستہ اختیار کرتے تو ضرور لوگوں کے دل جیت لیتے۔ شر سے بچ جاتے' اپنے لیے بھلائی حاصل کرتے اور لوگ ان سے محبت کرنے لگتے اور ان کے گرویدہ ہو جاتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدمت خلق سے اللہ راضی ہو جاتا۔ انہیں ثواب حاصل ہوتا اور جنت کی ابدی راحتیں ان کا مقدر ٹھہرتیں اس طرح انہیں دو بھلائیاں نصیب ہوتیں۔ دنیا میں اچھی شہرت اور آخرت میں بہترین جزاء۔

لیکن مال دولت کی کثرت انسان کے دل کو اندھا کر دیتی ہے۔ غرور و تکبر آنکھوں سے بینائی چھین لیتا ہے کہ انسان سب کچھ دیکھنے کے باوجود بھی عبرت کی ایک نگاہ بھی نہیں رکھتا۔ امیر شخص اپنے ارد گرد صرف خوشامدی لوگوں کو دیکھتا ہے اور اس کے کانوں سے سب آوازیں منافقت کی ٹکراتی ہیں۔ نہ اس تک کسی مظلوم کی آہ و بکا پہنچ سکتی ہے اور نہ مجبور کا نالہ و شیون۔

جب قارون نے بغاوت اور سرکشی کی حد کر دی اور اسے کسی کی کوئی فکر نہ رہی۔ اس کی ساری سوچ و بچار کا محور و مرکز زیادہ سے زیادہ دولت کمانا ٹھہرا خواہ اس کے لیے دوسرے لوگوں کے منہ کا نوالہ ہی چھیننا پڑے۔ وہ خلعت فاخرہ پہنے خواہ لوگوں کو چیتھڑے بھی نصیب نہ ہوں۔

مال و دولت کی بے جا خواہش کے ساتھ ساتھ قارون پرلے درجے کا مغرور بھی تھا۔ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ غریبوں سے بات کرنا اپنی توہین سمجھتا تھا۔ چند بہی خواہوں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو انہیں بہت دکھ ہوا اور انہوں نے اسے سمجھانے کی ٹھان لی۔ انہوں نے اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ اسے بتائیں گے کہ

حقیقت اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔ دولت نے اسے راہ راست سے ہٹا دیا ہے۔ غریب پروری اور مفلسوں کے آنسو پونچھنے کا جذبہ زر پرستی کی وجہ سے اس کے دل سے رخصت ہو گیا ہے۔ اگر وہ غریب پروری کرے اور صلہ رحمی کو اپنائے تو اس کا نام بھی اونچا ہو گا اور آخرت میں اسے ثواب بھی ملے گا۔ اور آخرت کی بھلائی دنیوی بھلائی سے بہتر اور زیادہ دیرپا ہے۔

ایک وفد اسے سمجھانے کے لیے اس کے پاس گیا۔ اور اسے نصیحت کرتے ہوئے کہنے لگا: ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ تو دنیا اور اس کی زیب وزینت سے دستکش ہو جائے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ تو دنیوی نعمتوں اور آرام کی زندگی ترک کر دے ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تو ایسا راستہ اختیار کرے جو تیرے لیے بھی سود مند ہو اور ہمارے لیے بھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ دولت کمانے میں حرام اور مشتبہ طریقوں سے اجتناب کریں اور حلال طریقوں کو کام میں لائیں۔ غریبوں کے مال ومتاع کو لوٹنے کی کوشش ترک کر کے ان سے ہمدردی کریں اور انہیں جیتنے کی کوشش کریں۔

ہم اتنا چاہتے ہیں کہ یہ دولت تجھے غریبوں سے بے نیاز نہ کر دے۔ اور تیرے دل سے محتاجوں کی یاد نہ بھلا دے۔ تو زمانے کے ستائے ہوئے ان لوگوں سے ویسا ہی حسن سلوک کر جیسا اللہ کریم نے تجھ پر احسان کیا ہے۔ تاکہ تیری یہ دولت باقی رہے اور اس میں اور فراوانی ہو۔ اور اللہ تیری ثروت اور عمر میں برکت پیدا کر دے۔

قارون! دولت ڈھلتی چھاؤں ہے۔ یہ سدا رہنے والی چیز نہیں۔ پرائی امانت ہے اس متاع فانی پر اترائیے نہیں۔ اس عارضی شے پر فخر نہ کیجئے۔ یہ تو زندگی گزارنے کا ایک وسیلہ ہے۔ زندگی کی منزل اور مقصد نہیں۔ انسان کی زندگی کا مقصد بہت بلند ہے۔ دولت کو آخرت میں حصول سعادت کا ذریعہ خیال کر۔ ہم تجھے صرف اس لیے نصیحت کر رہے ہیں کہ تو ہمارا اپنا ہے۔ ہم تجھ سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی نعمتیں تجھے ہمیشہ میسر رہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر تو نے ان نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کیا تو یہ تجھ سے سلب ہو جائیں گی۔ یا دولت کی فراوانی تیرے لیے فتنہ بنا دی جائے گی اور تو جنت کی ابدی نعمتوں سے محروم ہو جائے گا۔

ایک سرکش ان نصیحتوں پر کیا توجہ مبذول کرتا۔ ایک متکبر شخص کا دل کسی

مخلص کی بات کا کیا اثر لیتا۔ سب نصیحتیں صدا بصحراء ثابت ہوئیں سب باتیں سنی ان سنی ہو کر رہ گئیں۔

قارون پر دولت کی محبت کا نشہ سوار تھا۔ مال کی کثرت نے اسے مغرور بنا دیا تھا۔ وہ کسی کی نصیحت سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بھلا یہ کون ہوتے ہیں اسے مشورہ دینے والے اور گردنیں اونچی کر کے اسے نصیحتیں کرنے والے۔ ٹھیک ہے یہ مخلص ہونگے لیکن یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ انہیں اس میں دخل دینے کی جرأت نہیں ہونی چاہیے۔

قارون نے ان لوگوں کو بہت برا جواب دیا۔ کہنے لگا مجھے تمھاری نصیحتوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تم سے زیادہ سمجھدار ہوں۔ میری سوچ تمہاری سوچ سے بہتر ہے۔ مجھے اتنی دولت یونہی نہیں مل گئی۔ میں اس کا مستحق اور اس کے لائق تھا۔ اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ انہیں اپنے کام میں لاؤ۔ میری حیثیت تم سے بہت اونچی ہے اور میں علم و معرفت کے میدان میں تم سے بہت آگے ہوں۔ قوم کے ان مخلص لوگوں کو ذلیل کرنے کے لیے خوبصورت لباس پہنا۔ اور آراستہ ہو کر محل سے باہر نکلا تاکہ ان پر اس کی دولت کی دھاک بیٹھ جائے اور وہ مرعوب ہو جائیں۔

یہ شان و شوکت کہ بادشاہ بھی شرمائیں خلعت فاخرہ کہ نگاہ نہیں ٹکتی۔ شاندار سواری۔ خدو حشم کی فوج سر جھکائے چل رہی ہے۔ اس آن بان اور ٹھاٹھ کو دیکھ کر نان شبینہ کو ترسنے والے لوگوں کے دلوں پر جانے کیا گزری ہو گی کتنی آنکھیں بھیگی ہو نگی۔ کتنی تمناؤں کا خون ہوا ہو گا۔ لوگ ایک دوسرے سے بڑھ کر قارون کی سواری کو دیکھنے لگے۔ ایک طرف تو شاہانہ لباس اور ہزار نعمتیں ہیں' دوسری طرف بوسیدہ چیتھڑے اور اداس صورتیں ہیں۔ غریب اور نادار ایک دوسرے سے کہنے لگے: کاش ہمیں بھی قارون جیسی دولت ملتی۔ کاش ہم بھی اس کی طرح آرام کی زندگی بسر کرتے۔

جب تمام نصیحتیں بے اثر ہو جاتی ہیں۔ سارے رشتے تقدس کھو دیتے ہیں۔ فقر و فاقہ کے منظر دلوں میں رقت پیدا نہیں کر سکتے' دل پتھر سے بھی سخت ہو جاتے ہیں اور غریب کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا تو قانون خداوندی کی تلوار بے نیام ہو جاتی ہے اور بے حسی کے دبیز پردوں کو چاک کر دیتی ہے اور ظلمات میں ایک چمک سی پیدا ہو جاتی ہے۔ ظلم کے اندھیرے چھٹنے لگتے ہیں اور صبح امید کا اجالا پھیلتا چلا جاتا ہے۔

موسیٰ کلیم اللہ کی آواز گونجتی ہے: قارون! اپنے مال کی زکوٰۃ دے اور فقیروں کی خبر گیری کر۔ کیونکہ دولت مند کے مال میں سائل اور محروم کا بھی حق ہے۔

لیکن قارون! اس کے دل پر مہر لگ چکی تھی دولت کی چمک نے اس کو اندھا کر دیا تھا اللہ کے نبی کی بات کی طرف اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ الٹا استہزاء کرنے اور مذاق اڑانے لگا۔ اللہ کے رسول پر بہتان تراشی شروع کر دی۔ بڑی گستاخی کے انداز میں بولا ہمیں تجھ سے یہی خدشہ تھا۔ تو ہمارے پاس ایک نیا دین لیکر آیا ہم نے تیرا ساتھ دیا۔ تو نے جو حکم دیا ہم نے سر جھکا لیے۔ پس اسی اطاعت کو دیکھ کر تیرے اندر یہ جرأت بھی پیدا ہو گئی ہے کہ آج تو ہماری دولت ہتھیانا چاہتا ہے۔ اور ہماری دن رات کی کمائی کو ہڑپ کرنے کے درپے ہیں۔ ہم نے دل تیرے سپرد کر دیے گردنیں تیرے سامنے خم کر دیں۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم تیری ہر جائز و ناجائز بات مانتے چلے جائیں اور ہر حکم کی توثیق کرتے چلیں اس بات سے تیرا جھوٹ سامنے آ گیا ہے۔ تو نے نبوت کے پردے میں اپنی حقیقت کو چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن آج پتہ چلا کہ وہ سب ڈھونگ تھا تو تو جادوگر اور پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔

قارون نے زکوٰۃ سے بچنے کی بہت کوشش کی۔ موسیٰ علیہ السلام سے لڑتا جھگڑتا رہا لیکن موسیٰ علیہ السلام اصرار کرتے رہے اور اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ زکوٰۃ تو اللہ کا حکم تھا۔ اس میں بحث و تمحیص کی تو گنجائش ہی نہ تھی۔ بڑی پس و پیش کے بعد آخر قارون زکوٰۃ دینے پر آمادہ ہو گیا۔

قارون گھر کی طرف آ رہا تھا تو راستے میں اسے یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ دولت فقیر لے جائیں گے۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو اندیشہ ہے ساری کمائی اکارت چلی جائے۔ یہ سوچ کر وہ پریشان ہو رہا تھا اور ایک خوف اس کے ذہن پر سوار تھا۔ چلتے چلتے اسے کمینگی اور کنجوسی کا دورہ پڑ گیا۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ کسی غریب کو پھوٹی کوڑی بھی نہیں دے گا۔ وہ اپنے مال کو کسی غریب کی ہوا بھی نہیں لگنے دے گا۔ وہ اپنی دولت کو اس طرح چھپائے گا کہ کسی فقیر کی وہاں تک نظر نہیں جا سکے گی۔

اس نے ایک نئی چال چلی۔ موسیٰ علیہ السلام کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنا لیا۔ کہنے لگا موسیٰ ریاکار ہے۔ اس کا مقصد دنیا کی دولت اور ثروت ہے۔ اگر ہم اس کی

خلوتوں کو دیکھ سکیں تو ہم پر یہ حقیقت کھل جائے کہ وہ بے دین اور خدابیزار شخص ہے۔

قارون اپنی دولت کے ذریعے لوگوں کو اس فتنے میں مبتلا کرنے لگا اور اللہ تعالیٰ کے نبی کی مخالفت کی ترغیب شروع کر دی لوگوں کو مال کی تحریص کے ذریعے دین سے ورغلانے لگا اور موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا۔ لیکن اللہ نے عیاں کر دیا جو اس نے چھپایا اللہ کریم نے ظاہر کر دیا جو اس نے مخفی رکھنے کی کوشش کی۔ حضرت موسیٰ کی مقبولیت میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس کے الزامات اور بہتان تراشیوں سے موسیٰ علیہ السلام کی صفوت اور علو مرتبت پر کوئی حرف نہ آیا۔

موسیٰ علیہ السلام جب اس کی اصلاح سے مایوس ہو گئے تو اللہ سے دعا کی کہ الٰہی اس پر عذاب نازل کر اور لوگوں کو اس کے فتنے اور اغواء سے خلاصی عطا کر۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی۔ قارون اور اس کی ساری شان و شوکت زمین میں دھنس گئی۔ کوئی بھی اس کی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ سب ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اس کے سارے خزانے زمین نے نگل لیے وہ خود بھی زمین کا لقمہ تر بن گیا۔ وہ جو پہلے دولت پر اتراتا تھا۔ آج قوم کے غریبوں اور مسکینوں کے لئے عبرت کا ایک نشان بن گیا تھا۔ آج لوگ اس عذاب کو دیکھ کر ندامت محسوس کر رہے تھے کہ وہ دولت کی دعائیں کرتے تھے۔ وہ شکر کر رہے تھے کہ اللہ نے انہیں دولت کی آزمائش میں مبتلا نہیں کیا۔ ہر ایک کی زبان پر ایک ہی بات تھی۔

لَوْ لَا اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَاوَيْكَ اَنَّهُ لَايُفْلِحُ الْكَافِرُوْنَ
تِلْكَ الدَّا رُالْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَايُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ
وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

"اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑ دیتا او ہو! (اب پتہ چلا) کہ کفار بامراد نہیں ہوتے" (القصص: ۸۲)

"یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس (کی نعمتوں) کو ان لوگوں کے لیے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی۔ اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے" (القصص: ۸۳)

"طالوت"

تابوت ا سکینہ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت تھا۔ اس کی برکتیں اور اثرات ظاہر تھے۔ اس کی قوم میں بڑی عزت اور قدرو منزلت تھی۔ انہیں جب بھی کوئی مشکل کا سامنا ہوتا یا جہاد کے میدان میں اترنا ہوتا تو اس تابوت کو اٹھا لاتے اور صفوں کے سامنے رکھتے۔ اس تابوت کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اطمینان اور سکون پیدا کر دیتا اور دشمن کے دلوں پر رعب اور خوف طاری ہو جاتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک عجیب راز رکھ دیا تھا اور اس وجہ سے اس میں خاص اثرات پیدا ہو گئے تھے۔

بنی اسرائیل جب شریعت سے منحرف ہوئے اور نیکی کے راستے کو چھوڑ کر برائی کا راستہ اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر فلسطینیوں کو مسلط کر دیا اور جنگ میں اسرائیلی شکست کھا گئے انہیں ارض مقدس سے نکال دیا اور ان کے بچوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا۔ تابوت سکینہ کی دولت چھن گئی۔ یہ تبرکات فلسطینیوں کے ہاتھ آ گئے۔ بنی اسرائیل کی جمعیت پارہ پارہ ہو گئی اور وہ دنیا کے مختلف ملکوں میں بکھر گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ غلامی کی زندگی پر قناعت کرنے لگے اور ذلت اور رسوائی کو مقدر کا لکھا سمجھ کر چپ سادھ لی۔

ایک عرصہ تک تو وہ اسی ذلت اور نکبت میں رہے لیکن اللہ کریم نے حضرت سموئیل علیہ السلام کو بھیج کر ان میں آزادی کا جذبہ بیدار کیا۔ آپ نے ان کی رہنمائی کرنا شروع کر دی۔ فوراً ایک گروہ فریادی بن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ شریعت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہمیں ذلت کی زندگی سے چھٹکارا دیا جائے۔ ہمیں مجبوری کی دلدل سے نکال کر آزادی کی زندگی گزارنے کے لائق بنایا جائے۔ انہوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر فرمائیں جس کے جھنڈے کے نیچے ہم جمع ہو کر اجتماعی کوشش کریں اور دشمن کے مقابلے میں فتح حاصل کریں۔

حضرت سموئیل علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ لوگ کتنے پانی میں ہیں۔ آپ انہیں آزما چکے تھے اور جانتے تھے کہ ان میں کیا کمزوری ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ جب تمہیں جہاد کرنا پڑا تو تم بزدلی کا مظاہرہ کرو گے اور اپنے قائد کی آواز پر کوئی توجہ نہیں دو گے اور اسے میدان میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے۔ عرض کرنے لگے: ہم بھلا کیسے بزدلی دکھا سکتے ہیں اور کیسے جہاد سے منہ موڑ سکتے ہیں۔ ہمیں دشمن نے دربدر کر دیا ہے اور ہمارے بچوں کو غلام بنا لیا ہے۔ اس سے بڑا بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ بھی ذلت کا تصور ممکن ہے؟

حضرت سموئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ ٹھیک ہے میں اللہ کریم سے اس معاملے میں بھلائی کی درخواست کرتا ہوں اور اس کے حکم کا انتظام کرتا ہوں۔

حضرت سموئیل علیہ السلام نے حضور باری میں التجا کی۔ مولا! ان کی ملکی قیادت کے لیے کون شخص بہتر ہے۔ اس ملک کی تقدیر کون بدل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی۔ میں نے ان پر طالوت کو امیر مقرر کر دیا ہے۔ سموئیل نے عرض کی۔ الٰہی! میں تو طالوت کو جانتا بھی نہیں ہوں۔ وہ کون ہے؟ میں نے تو اسے آج تک نہیں دیکھا۔ پھر میں اس تک کیسے تیرا پیغام لے جا سکتا ہوں۔ اللہ کریم نے فرمایا۔ وہ خود آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔ آپ کو اس کے پہچاننے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ وہ آپ کے پاس پہنچے تو اسے بنی اسرائیل کا امیر بنا دینا۔ اور جہاد کا جھنڈا اس کے ہاتھوں میں تھما دینا۔

طالوت بہت طاقتور اور مضبوط جسم کا چاک و چوبند جوان تھا۔ اس کی آنکھوں

میں ایک خاص چمک تھی جو اس کی کمال ذہانت کا پتہ دیتی تھی۔ وہ نہایت معاملہ فہم اور بلا کا دور اندیش تھا۔ لیکن بنی اسرائیل میں اسے بہت کم لوگ جانتے تھے۔ کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ جوان بنی اسرائیل کی قیادت کا جھنڈا اٹھائے گا۔ طالوت ایک چھوٹی سی بستی میں اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا۔ اور گلہ بانی اور کاشتکاری میں والد کا ہاتھ بٹاتا تھا۔

ایک دن وہ کھیتوں میں والد کے ساتھ کام کر رہا تھا کہ کچھ گدھیاں گم ہو گئیں طالوت اپنے ایک غلام کے ساتھ انہیں تلاش کرنے نکل کھڑا ہوا۔ وہ پوری وادی کا چکر لگا بیٹھے لیکن گدھیوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ وہ تلاش کرتے رہے حتیٰ کہ اس پہاڑ اور وادی کا کونہ کونہ چھان مارا۔ کوئی چوٹی نہ چھوڑی جس پر چڑھ کر نہ دیکھا ہو۔ کوئی نشیب نہیں تھا جس میں اتر کر تلاش اور جستجو نہ کی ہو۔ اس تگ و دو میں پاؤں متورم ہو گئے اور چلنا دوبھر ہو گیا۔

طالوت نے غلام سے کہا۔ آؤ واپس چلیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ والد گرامی بہت پریشان ہونگے اور ہمارے نہ پہنچنے پر بہت قلق و اضطراب محسوس کر رہے ہونگے۔ ہو سکتا ہے وہ مویشی چھوڑ کر ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوں۔

غلام نے کہا ہم ارض "صوف" تک پہنچ گئے ہیں۔ صوف حضرت سموئیل کا وطن مبارک ہے۔ حضرت سموئیل اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ان پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور فرشتے ان کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں۔ آؤ ان کی زیارت کریں گے اور اپنی مشکل کے بارے بھی عرض کریں گے۔ ہو سکتا ہے وہ ہماری رہنمائی فرما دیں اور وحی والہام کی روشنی میں ہمیں گدھیوں کا پتہ بتا دیں۔ طالوت کو یہ بات پسند آئی۔ اس کا دل خوش ہو گیا اور امید لگ گئی کہ کوئی نہ کوئی سراغ مل جائے گا اور اللہ کا نبی ہماری مشکل حل کر دے گا۔

وہ دونوں حضرت سموئیل کی زیارت کو چل دیے۔ راستے میں چند دوشیزاؤں سے ملاقات ہو گئی جو پانی بھرنے جا رہی تھیں۔ طالوت اور غلام نے حضرت سموئیل کا پتہ پوچھا۔ لڑکیوں نے بتایا کہ سامنے اس پہاڑ پر حضرت کا انتظار ہو رہا ہے۔ آپ تشریف لانے ہی والے ہیں۔ اسی گفت و شنید کے دوران حضرت سموئیل آ پہنچے۔ نور نبوت سے پیشانی روشن تھی۔ واضح دکھائی دے رہا تھا کہ اتنا مقدس چہرہ کسی اور کا نہیں

ہو سکتا۔ یہ یقیناً حضرت سموئیل اللہ کے کریم نبی ہی ہونگے۔ طالوت نے حضرت کی زیارت کی تو بس دیکھتا ہی چلا گیا۔ دونوں سعادت مند روحوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ دل سے دل مل گئے۔ حضرت سموئیل کو یقین آ گیا کہ یہی طالوت ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے وحی کی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کا بادشاہ ہو گا بنی اسرائیل کی قیادت اور سیادت کا جھنڈا اسی کے سپرد ہونا ہے۔ یہی قیادت کی ذمہ داری اٹھائے گا اور اسرائیلیوں کی کھوئی ہوئی سلطنت واپس دلائے گا۔

طالوت نے بصد ادب واحترام عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں کچھ پوچھنے آیا ہوں۔ میرے والد کی گدھیاں گم ہو گئی ہیں۔ میں نے انہیں بہت تلاش کیا ہے کہیں نہیں ملیں۔ اور میں اسی تلاش اور جستجو میں یہاں تک آ گیا ہوں۔ تین دن سے تلاش کر رہا ہوں **مگر** کامیابی نہیں ہو رہی۔ آپ ہی میری رہنمائی فرمائیں۔ اور اپنے نور علم سے کوئی پتہ بتائیں۔

سموئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ گدھیاں واپس پہنچ جائیں گی۔ ان کی فکر نہ کرو اور ان کا خیال دل سے نکال دو۔ میں تمہیں ایک اہم اور عظیم کام کی دعوت دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی اسرائیل کی سیادت کے لیئے منتخب فرمالیا ہے۔ آپ ان کی قیادت کریں گے۔ سلطنت کے امور کو اپنے ہاتھ میں لیں گے اور اسرائیلیوں کو ذلت ورسوائی کی زندگی سے نجات دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کامیابی آپ کے نام لکھ دی ہے اور دشمنوں کی قسمت میں ناکامی اور نامرادی رقم کر دی ہے۔

طالوت عرض کرنے لگے: میں اور بنی اسرائیل کی فرماں روائی! میں ان کی قیادت کی اہم ذمہ داری کیسے نباہ سکتا ہوں۔ میں بنیامین کی پشت سے ہوں۔ میرے پاس مال ودولت کی فراوانی بھی نہیں۔ میرے قبیلے کے افراد بھی دوسرے اسرائیلی قبیلوں کے مقابلے میں کم ہیں۔ یہ لوگ میری اطاعت کیسے گوارا کریں گے۔

سموئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ خدائی فیصلہ ہے۔ مجھے رب کریم نے یہی حکم دیا ہے۔ بس آپ اللہ کے اس انعام کا شکر کریں اور جہاد کے لیے تیاری شروع کر دیں۔ حضرت سموئیل نے طالوت کا ہاتھ پکڑا اور بنی اسرائیل کے مجمع عام کے سامنے انہیں کھڑا کر دیا۔ اور فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا امیر مقرر کر دیا ہے۔ اب ریاست کی ساری ذمہ داریاں یہی نبھائے گا یہی تمہارا قائد ہو گا۔ تم پر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری ہے۔ پس اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ اور دشمنوں سے جہاد کی تیاری کرو۔

حضرت سموئیل کا یہ اعلان سن کر اسرائیلیوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی اور وہ اس فیصلے کے خلاف ناپسندیدگی کا اظہار کرنے لگے۔ طالوت کی دنیوی حیثیت ہی کیا تھی۔ وہ غریب تھا۔ غیر معروف تھا اور بدحالی کی زندگی گزار رہا تھا۔ وہ ایک گڈریے کی قیادت اور سیادت کو کیسے قبول کرتے۔ حاضرین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ناک بھوں چڑھانے لگے۔ آخر حضرت سموئیل سے کہہ دیا۔ طالوت ہمارا بادشاہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ وہ حسب و نسب میں ہم سے کمتر ہے۔ نہ تو وہ لاوی کی اولاد سے ہے جس سے انبیاء پیدا ہوئے نہ یہودہ کی لڑی سے ہے جس سے ملوک نے جنم لیا۔ اس کے پاس پھوٹی کوڑی نہیں۔ وہ مال و دولت کے بغیر ملک کی تدبیر کیا کرے گا۔ وہ خاک حکمرانی کرے گا جس کے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ وہ ملکی سرحدوں کی حفاظت کیسے کر سکے گا۔ ہمیں تو آپ نے قائد مقرر نہیں کیا حالانکہ ہمارے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں اور اسرائیلی عظمت بھی ہمیں حاصل ہے۔

حضرت سموئیل علیہ السلام نے فرمایا: قیادت جیش اور سیاست مدن اعلیٰ حسب و نسب کی محتاج نہیں۔ ایک غبی اور فرسودہ خیال شخص چاہے جتنا اعلیٰ نسبی ہو امور مملکت کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ اور فہم و فراست سے عاری شخص چاہے کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو میدان کارزار میں لشکر کی قیادت نہیں کر سکتا۔ طالوت کو اللہ نے تم پر فضیلت دی ہے تم میں نہ تو کوئی طاقت میں اس کا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ فہم و فراست میں اس کی برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ فطرت نے اسے بادشاہوں جیسا رعب و جلال دیا ہے اور بہترین قائد جیسی دور اندیشی اور معاملہ فہمی عطا کی ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے اسے کس بلا کی مردانگی عطا کی ہے۔ یہ سڈول جسم' کشیدہ قامت' مضبوط بازو' چوڑا سینہ روشن پیشانی اور متناسب اعضاء چغلی کھا رہے ہیں کہ اس کی تخلیق سیادت اور امارت کے لیے ہوئی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی ذلیل و حقیر' بزدل' فرسودہ خیال شخص کو تمہارا امیر مقرر کر دیتا تو پھر بھی تم پر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری فرض ہوتی۔

طالوت میں تو امارت کی فطرتی استعداد بھی موجود ہے' وہ عقل مند ہے۔ تم سے زیادہ دور اندیش ہے۔ تم سے زیادہ معاملہ فہم ہے۔ پھر تم یہ بھی تو سوچو۔ اللہ جل شانہ کائنات کا مالک ہے۔ اسی کے ہاتھ میں سب بادشاہی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بادشاہ بنا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہی واپس لے لیتا ہے۔ تمھارے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس کی قیادت کو تسلیم کر لو۔ اللہ کے فیصلے میں تمہارے لیے مصلحت ہی مصلحت ہے۔ اگر اس نے تمہاری بھلائی کے لیے طالوت کو چن لیا ہے تو تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس چیز میں بہتری اور بھلائی ہے۔

کہنے لگے: ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی فیصلہ صادر فرمادے یا کسی چیز کے بارے میں امر یا نہی وارد کر دے تو اس کے حکم سے سر تابی مناسب نہیں ہوتی لیکن ہمیں کیا خبر کہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ اگر طالوت کا انتخاب خدائی فیصلہ ہے تو کوئی نشانی بتلا دیجئے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور انتخاب کا یقین کر لیں۔

سموئیل علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری ہٹ دھرمی' عناد اور قیل و قال سے واقف تھا اس لیے اس نے علامت اور نشانی بھی مقرر فرمادی ہے۔ وہ علامت یہ ہے کہ جب تم شہر سے نکلو گے تو تابوت سکینہ جسے تم سے فلسطینی چھین لے گئے تھے اور جس کے چھن جانےکی وجہ سے تم ذلت اور رسوائی کی زندگی گزار رہے ہو تمہاری طرف آرہا ہو گا۔ اس تابوت میں تمہارے لیے سکون واطمینان کا سامان موجود ہو گا۔ اس تابوت کو فرشتوں نے اٹھا رکھا ہو گا۔ اگر تم یقین کرو تو یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ نشانی ہے۔

بنی اسرائیل شہر سے نکلے تو تابوت سکینہ کو وعدہ کے مطابق موجود پایا۔ ان پر سکون اور اطمینان چھا گیا اور انہیں یقین آ گیا کہ واقعی طالوت اللہ کا منتخب کردہ حاکم ہے۔ سب نے طالوت کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسے اپنا بادشاہ اور فرمانروا تسلیم کر لیا۔

طالوت نے ملک کی باگ ڈور سنبھال لی۔ بہت اچھے طریقے سے سپاہ کی قیادت کا فریضہ سرانجام دینا شروع کر دیا۔ ملکی معاملات اور جنگی حکمت عملی کی تیاری میں پوری حزم واحتیاط اور ذہانت و فطانت کا ثبوت دیا۔ لشکر کو ترتیب دیتے ہوئے اعلان کیا کہ میرے لشکر میں صرف وہی شخص شمولیت اختیار کرے جو تمام اندیشوں اور تمام

بکھیڑوں سے آزاد ہو وہ شخص جس نے مکان کی بنیاد رکھی ہے وہ اس وقت تک لشکر میں شمولیت نہ کرے جب تک مکان مکمل تیار نہیں ہو جاتا۔ جس نے منگنی کرلی ہے جب تک شادی نہیں کر لیتا لشکر سے الگ رہے۔ جو لوگ تجارت پیشہ ہیں وہ بھی لشکر میں شمولیت کے اہل نہیں کیونکہ وہ ہمہ وقت اس پیشہ کے متعلق سوچتے رہتے ہیں۔

لوگوں نے اس حکم کی پوری پوری تعمیل کی۔ تمام مصروف لوگ لشکر سے الگ رہے۔ اب ایک منظم، بہادر اور عزم و ہمت کا حامل لشکر تیار ہو چکا تھا۔ لیکن آپ ایک تجربہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ سپاہ میں اطاعت امیر کا جذبہ کس حد تک ہے۔ طالوت کو ان کی وفاداری پر ابھی کامل یقین نہیں تھا کیونکہ اسرائیلیوں نے ان کی قیادت کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کی تھی۔ آپ آزمانا چاہتے تھے کہ اس دن یہ لوگ کہیں بھاگ تو نہیں جائیں گے جس دن فوجیں گتھم گتھا ہوں گی، نیزے ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور لڑائی جوبن پر ہو گی۔ آپ نے ایک حکم جاری کیا: تم عنقریب ایک نہر پر پہنچنے والے ہو۔ میرے نزدیک صرف وہی شخص مخلص اور جنگ کی ہولناکیوں میں صبر کرنے والا شمار ہو گا جو صرف اتنا پانی پیے گا کہ جگر تر ہو جائے اور منہ کی خشکی دور ہو سکے۔ جو شخص اس حکم پر عمل کرے گا صرف وہی اس لشکر میں شمولیت کا اہل شمار ہو گا۔ میں صرف ایسے ہی شخص پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ لیکن جس نے میرے اس حکم کی پرواہ نہ کی اور جی بھر کر پانی پی لیا تو وہ باغی ہو گا کیونکہ امیر کے حکم سے سر تابی بغاوت شمار ہوتی ہے۔

وہی ہوا جس کا طالوت کو خوف تھا۔ سوائے چند لوگوں کے تمام لشکریوں نے جی بھر کر پانی پیا۔ صرف چند خوش نصیب تھے جنہوں نے صبر اور ایمان کا ثبوت دیا۔ انھی لوگوں کے دل

میں جہاد کی سچی لگن اور اطاعت امیر کا سچا جذبہ تھا۔ گویا لشکر میں دو قسم کے لوگ تھے ایک کمزور اور کم ہمت اور دوسرے عزم و ہمت کے حامل اور اطاعت کے جذبے سے سرشار۔ ایک وہ جن کی نیت میں فتور تھا دوسرے وہ جن کا مطمع نظر جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ طالوت نے مخلص سپاہیوں کو ساتھ لیا اور حکم عدولی کرنے والوں کی بھی ہمت بندھائی اور کسی کو بھی لشکر سے الگ نہ کیا۔ اب لشکر کا جذبہ سامنے آگیا تھا۔

آپ نے سپاہ کو ساتھ لیااور دشمن کی طرف چل دیے۔

دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے۔اسرائیلی لشکر نے دشمن سپاہ کا جائزہ لیا تو ڈر گئے اور بزدلی کرنے لگے۔ان کے دل پر دشمنوں کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ جنگی مہارت اور قوت وطاقت سب مٹی کا ڈھیر بن گئے۔اپنی بزدلی کا برملا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے :

لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ

"کچھ طاقت نہیں ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی" (بقرہ:۲۴۹)

سب ایسے نہ تھے۔کچھ جواں مردوں نے جالوت کے لشکر کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔اور خم ٹھونک کر میدان میں اتر پڑے۔یہ وہ لوگ تھے جن کے دل ایمان سے لبریز تھے۔وہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار تھے۔وہ اللہ کی راہ میں شہید ہونا چاہتے تھے۔انہیں نہ تو دشمن کی کثرت خوفزدہ کر سکتی اور نہ اسرائیلی لشکر کی قلت آڑے آئی۔بلکہ ان وفا پیشہ بہادروں نے حضرت طالوت سے عرض کی۔اے طالوت! اللہ کا نام لیکر آگے بڑھیے۔ہم اپنی قلت کی وجہ سے اب پیچھے نہیں ہٹیں گے۔اور کوئی کمزوری ہماری صفوں میں شگاف پیدا نہیں کرے گی۔

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ

"بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اذن سے۔اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" (بقرہ:۲۴۹)

وہ صبر کی ڈھال اور ایمان کی تلوار لیکر میدان میں کود پڑے ان کی اس سعی و کوشش کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی تھا۔وہ دعا مانگ رہے تھے۔باری تعالیٰ! ان مشکل گھڑیوں میں ہمیں صبر واستقامت عطا کر۔ہماری مدد اور نصرت فرما۔ہم تیری راہ میں جہاد کرنے آئے ہیں۔ہم صرف تیری رضا کے طالب ہیں۔

لشکر ٹکرائے۔کشت وخون کا بازار گرم ہوا۔جالوت اپنے لشکر سے نکلا اور دعوت مبارزت دی۔اسرائیلی اس کی ہیبت اور طاقت سے ڈر گئے اور سہمے سہمے ڈرے ڈرے اس کے اردگرد کھڑے ہو گئے۔بیت لحم کا ایک **ضعیف** ونادار شخص جو زندگی کے آخری لمحے گزار رہا تھا اور مرور وقت سے اس کی کمر میں خم آ گیا تھا اپنے بیٹوں کے

ساتھ بہت خوش و خرم زندگی بسر کر رہا تھا۔ جب جنگ کا نقارہ بجا اور حضرت طالوت نے اسرائیلیوں کو جنگ کی دعوت دی تو بوڑھے نے اپنے تین بچوں کا انتخاب کیا اور انہیں حکم دیا کہ تیار ہو جاؤ۔ اپنے بھائیوں کی مدد کرو اور جہاد میں حصہ لو۔ پھر اپنے چھوٹے بچے کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا: بیٹے! تم بھی جہاد میں حصہ لو۔ تم صرف اپنے بھائیوں کو کھانا کھلانا اور میرے اور ان کے درمیان سفارت کرو۔ تمھاری ڈیوٹی ہو گی کہ تم روز میدان جنگ کی خبر مجھے دو گے۔ ہاں میدان جنگ سے دور رہنا' اس کی ہولناکیوں میں نہ جا گھسنا اور اس آگ کو تاپنے کی قطعاً کوشش نہ کرنا کیونکہ جنگ بچوں کا کھیل نہیں۔ تم ابھی کم سن ہو۔ نہ تو تمہارا شمار مردوں میں ہے اور نہ نوجوانوں میں۔ جنگ ان لوگوں کے لیے چھوڑ دینا جو اس کی ٹکر کے ہیں۔ اور جو جانتے ہیں کہ جنگ کس چیز کا نام اور میدان کارزار میں کس طریقے سے پینترا بدلا جاتا ہے۔

اس بچے کا نام داؤد تھا۔ بچپنے اور کم سنی کے باوجود بھی چہرے پر نور چمکتا تھا اور آنکھوں سے ذہانت جھانکتی تھی۔ لگتا تھا کہ یہ بچہ حسن ظاہری کے ساتھ ساتھ حسن معنوی میں بھی اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت داؤد اپنے بھائیوں کے ساتھ چل پڑے میدان جہاد میں انہیں ایک دیو ہیکل نظر آیا۔ یہ ایک عمالقی بہادر تھا اور مبارزت کی دعوت دے رہا تھا۔ کوئی بھی اس کی دعوت کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ سب بہادر اس کی قامت کو دیکھ کر لرزہ براندام تھے۔ بچے نے اس عمالقی بہادر کے بارے پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ جالوت مشہور عمالقی بہادر ہے۔ بچہ نے دریافت کیا کہ پھر بہادر کیوں اس کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ کیوں ان کی نظریں زمین میں گڑھی جاتی ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ جالوت دشمن لشکر کا سردار ہے۔ اس کی تیغ زنی کے قصے زبان زد عام ہیں۔ جس نے بھی اس کی دعوت کو قبول کیا وہ یا تو قتل ہوا یا زخمی واپس۔ آیا۔ اس کی ہیبت کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اس کے خوف سے پورے لشکر میں سراسیمگی چھائی ہوئی ہے۔ طالوت نے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ جو شخص اس بہادر کو قتل کرے گا اور اس فتنے سے اہل ایمان کو بچائے گا وہ طالوت کا جانشین ہو گا اور اس کی بیٹی سے نکاح کرے گا۔ داؤد کے دل میں غیرت و حمیت کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ اسے یہ بات بہت بری محسوس ہوئی کہ ایک عمالقی کافر

مقابلے کی دعوت دے رہا ہے اور اہل ایمان کی صفوں کے سامنے اتراتا پھرتا ہے مگر کوئی بھی اس کے ساتھ مقابلے کو تیار نہیں۔ پورا لشکر خوف اور بزدلی پر اتر آیا ہے۔

داؤد اڑ کر طالوت کے پاس پہنچے۔ اور جالوت کے ساتھ مقابلے کی اجازت مانگی کہ شاید اس کافر کا قتل اس کے ہاتھ سے مقدر ہو۔ طالوت نے بچے کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور سوچا کہ ایک کم سن بچہ اس قوی ہیکل کا کیا مقابلہ کرے گا۔ وہ تو پہلے حملے میں موت کی گھاٹ اتر جائے گا۔ صرف ایک ہی وار سے اس کا معصوم سر تن سے جدا ہو جائے گا۔ اور اس کی مقدس روح پرواز کر جائے گی۔ داؤد نو عمری اور بچپنے میں بہت پیارا فرشتہ لگ رہا تھا۔ طالوت نے کہا: اے بچے۔ جنگ تیرے بس کا روگ نہیں۔ یہ کام بڑوں کے لیے چھوڑ دے۔ اس شخص کا مقابلہ کوئی باہمت طاقتور بہادر ہی کر سکتا ہے۔

داؤد نے کہا میری صغر سنی پہ مت جائیے۔ اور میری جسمانی کمزوری کو مت دیکھیے۔ بلکہ ایمان کی اس حرارت کو مد نظر رکھیے جو میرے سینے میں شعلہ زن ہے اور یقین کے اس نور کا لحاظ کیجئے جس سے نہاں خانہ دل میں روشنی ہے۔ کل ہی کا واقعہ ہے شیر نے میرے باپ کی بکریوں پر حملہ کر دیا۔ میں نے اُس کا پیچھا کیا اور اسے قتل کر دیا اسی طرح ایک دن ایک خونخوار ریچھ میرے راستے میں حائل ہو گیا۔ میں اس پر ٹوٹ پڑا اور اسے آن واحد میں قتل کر ڈالا۔ دل کی قوت کا اعتبار ہونا چاہیے نہ کہ عمر کا۔ اور جنگ میں عزم و ہمت کی ضرورت ہوتی ہے موٹے جسم کی نہیں۔

طالوت بچے کے لہجے میں سچائی کو بھانپ گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ بچہ بہت بہادر اور جنگجو ہے۔ وہ ضرور کچھ کر گزرے گا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اگر تیرا ارادہ ہے تو اس پہاڑ سے ٹکرا جا۔ اللہ تیرا حامی و ناصر ہوگا۔ وہ ذات خود تیری نگہداشت اور حفاظت فرمائے گی طالوت نے بچے کو جنگی لباس پہنایا۔ تلوار حمائل کی، خود سر پر رکھا۔ لیکن داؤد بہت چھوٹا تھا۔ زرہ پہنی تو تلوار نہ اٹھ سکی۔ اس لیے تلوار رکھ دی۔ سارا جنگی لباس اتار دیا۔ ایک ڈنڈا لے لیا غلیل تھامی اور چند پتھر لیکر میدان میں اُتر پڑا اور دعوتِ جنگ قبول کر لی۔

حضرت طالوت نے کہا۔ اے بچے! ایک ڈنڈے اور غلیل سے اس شخص کا مقابلہ کیسے کرو گے۔ یہ تو تیر اور تلوار کا مقام ہے۔ داؤد نے نے جواب دیا میں جانتا ہوں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ جس خدا نے مجھے شیر کے آہنی پنجوں اور ریچھ کی خون آشام

کنکیوں سے بچایا ہے وہ اب بھی میری حفاظت فرمائے گا اور مجھے اس پر غلبہ دے گا۔ اگرچہ یہ سرکش اپنے سب داؤ کام میں لائے گا اور مجھے قتل کرنے کی پوری کوشش کرے گا مگر میرا خدا مجھے اپنی نگاہِ لطف میں رکھے گا۔

داؤد آگے بڑھے۔ عزم و ہمت اس کے لیے مضبوط پناہ گاہ تھی اور صدقِ ایمان ناقابل تسخیر قلعہ۔ لوگ دیکھ رہے ہیں۔ ہر دل داؤد کی محبت سے سرشار ہے اور ہر زبان پر اس کی جرأت اور بہادری کا تذکرہ۔

جب جالوت نے دیکھا کہ اس کا مدمقابل ایک کمزور چھوٹا سا بچہ ہے جو نہ تلوار اُٹھا سکتا ہے اور نہ کمان تھام سکتا ہے تو اس نے تمسخر اڑایا اور داؤد کو حقارت سے دیکھا۔ پوچھا سچ کسی بہادر ماں کی گود میں پلے ہو لیکن یہ ڈنڈا کیسا۔ کیا کسی کتے کو ڈرانا ہے یا کسی بچے سے مقابلہ ہے۔ تلوار اور ڈھال تیرے ہاتھ میں نظر نہیں آ رہی۔ تیرے جسم پر تو زرہ بھی نہیں۔ سب اسلحہ پہن کر کیوں نہیں آیا؟ لگتا ہے جینے کے ارادے نہیں ہیں۔ زندگی سے تنگ ہو مگر تو ابھی بچہ ہے تو نے زندگی کی کلفتیں تو دیکھی نہیں تو نے تو آرام ہی آرام دیکھا ہوگا لیکن میں حیران ہوں کہ تو مرنے پر بضد کیوں ہے۔ ہاں اگر تو اپنی ماں کی گود کو ویران کرنا چاہتا ہے تو ذرا قریب آ۔ دو قدم آگے بڑھ کر دیکھ۔ میں ایک ہی لمحے میں تیرے جسم کا خون نچوڑ کر پی جاؤں گا صرف ایک آن میں تیری زندگی کا صحیفہ لپیٹ دوں گا اور یہ کمزور جسم چیل کووں اور وحشی درندوں کا لقمہ تر بن جائے گا۔

داؤد نے جواب دیا: زرہ اور ڈھال' تیر اور تلوار تجھے مبارک۔ میرے لیے بس اللہ کا نام کافی ہے جو بنی اسرائیل کا معبود ہے جنہیں تو نے ذلت و رسوائی سے دوچار کر رکھا ہے۔ ابھی پتہ چل جائے گا کہ تلوار اپنا کام کرتی ہے یا اللہ کی مشیئت پوری ہوتی ہے۔

داؤد نے پتھر لیکر غلیل پر چڑھایا اور جالوت کا نشانہ لیکر چھوڑ دیا۔ جالوت کا سر پھٹ گیا خون کا فوارہ بہہ نکلا اور قدم لڑکھڑا گئے۔ داؤد نے وار پر وار کیے اور پتھر پھینکتا رہا حتی کہ جالوت زمین پر آ رہا اور دم توڑ دیا۔ فتح کا نعرہ بلند ہوا۔ جالوت کے قتل ہو جانے پر دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ نکلا۔ بنی اسرائیل نے بھاگتے ہوئے لشکر کا پیچھا کیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیے اور دشمن سے اپنی گزشتہ شکست کا بدلہ لیکر عظمت رفتہ کو پھر حاصل کر لیا۔

طالوت اور داؤد کے تعلقات

داؤد جب فتح و نصرت کا پھریرا لہراتا واپس پلٹا تو وہ پوری قوم کا ہیرو بن چکا تھا۔ لوگ داؤد کی محبت کا دم بھر رہے تھے۔ ہر زبان پر داد و تحسین تھی اور ہر گھر میں داؤد کی بہادری کی داستان تھی۔ وہ جس طرف نکل جاتے فرط محبت سے گردنیں جھک جاتیں اور آنکھیں فرش راہ بن جاتیں داؤد جوان ہوا تو طالوت نے وعدہ کے مطابق اپنی بچی داؤد کو بیاہ دی اور اسے دل و جان سے چاہنے لگا۔ ہر کام میں داؤد سے مشورہ لیتا۔ ہر مشکل میں اس سے رائے لیتا۔ دونوں میں قلبی تعلق کے ساتھ ساتھ نسبی تعلق بھی قائم ہو چکا تھا۔ دونوں مجاہد فی سبیل اللہ تھے اور اس قدر مشترک نے ان روابط کو اور زیادہ مستحکم بنا دیا تھا۔ اس روحانی اور قلبی تعلق سے داؤد کے لیے فتح مبین اور فوز کبیر کی راہیں کشادہ ہو گئی تھیں۔ وہ جب بھی میدان میں اترتا کامیابی سمٹ کر قدموں میں آجاتی۔ یہ اللہ کا فضل تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے۔

دل کتنے ہی صاف کیوں نہ ہوں امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ ان میں کدورت کا آنا ایک فطرتی بات ہے۔ محبت کتنی ہی خالص ہو زندگی کے کسی موڑ پر اس میں میل آسکتی ہے۔ ایک صبح داؤد اپنے سسر طالوت کے پاس گیا تو دیکھا کہ طالوت کا چہرہ اترا ہوا ہے اور وہ کچھ ناراض سا دکھائی دیتا ہے۔ بات چیت میں وہ پہلی سی مٹھاس نہیں۔ ہنستا ہے تو تکلف برتتا دکھائی دیتا ہے۔ نہ وہ پہلی سی بے تکلفی ہے اور نہ گزری رفاقتوں کا کوئی رنگ۔ گفتگو میں احتیاط ہے اور لہجے سے حقد و کینہ ٹپکتا ہے۔

یہ تبدیلی کیسی؟ ان کے دل میں یہ کدورت کیوں؟ آخر کس وجہ سے طالوت میں وہ پہلی سی محبت نہیں۔ مودت اور رفاقت کا رنگ پھیکا کیوں پڑ گیا ہے۔ کیا کسی نے چغلی کھائی ہے۔ کیا داؤد وہ تلوار نہیں جسے خود خدا نے بے نیام کیا ہے۔ کیا وہ ایک مجاہد نہیں جو کبھی جنگ سے بیزار نہیں ہوا۔ کیا وہ ایک غازی نہیں جو کبھی میدان میں ملول نہیں ہوا۔ کیا اس نے فتح پر فتح حاصل نہیں کی۔ کیا اس نے میدان میں شجاعت اور بہادری کے جوہر نہیں دکھائے۔ کیا طالوت اسے دل و جان سے اپنا محافظ نہیں سمجھتا جو دشمنوں سے اس کی ہر لمحہ حفاظت کر رہا ہے اور قدم قدم پر اس کی نگہداشت کا فرض ادا

کر رہا ہے۔ کیا وہ طالوت کا داماد اور اس کی بچی کا خاوند نہیں۔ پھر یہ دوری کیوں۔ یہ تلخیاں اور ترشیاں کیسی ؟؟؟؟

داؤد بار بار سوچتا لیکن اس کے پاس طالوت کے اس بدلے ہوئے رویے کا کوئی جواب نہیں تھا۔ داؤد اور اس کی بیوی میں شروع دن سے گہری محبت تھی اس لیے طالوت کو اپنی بچی کی طرف سے بھی کوئی شکایت نہ تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ طالوت کے رویے میں اچانک تبدیلی کیوں آگئی ہے۔

نصف رات بیت چکی ہے۔ ابھی چاند کی روپہلی کرنیں زمین پر پھیلنے کا ارادہ کر رہی ہیں۔ شہر پر ویرانے کی سی خاموشی چھائی ہوئی ہے داؤد اپنی بیوی مکیال سے باتیں کر رہا ہے۔ اچانک وہ خاموش ہو گیا۔ مکیال نے پوچھا میرے سر تاج یہ اچانک خاموشی کیسی۔ نصیب دشمناں کچھ پریشانی ہے کیا؟ داؤد نے سرگوشی کی آواز میں بتایا کہ مکیال! تو ایک عرصہ سے میرے ساتھ ہے۔ میرا رویہ نہ جانے صحیح ہے یا غلط۔ مجھے ایک شک ہے اور ہو سکتا ہے وہ میرا وہم ہو۔ تو نے دیکھا ہو گا کچھ دنوں سے تیرے والد گرامی کا لہجہ اکھڑا اکھڑا ہے۔ اس کے دل میں ضرور کوئی کبید گی ہے۔ لگتا ہے وہ کسی بات سے ہم پر ناراض ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی خطرناک منصوبے پر سوچ وبچار کر رہے ہیں۔ کیا تجھے بھی یہ احساس ہوا ہے؟

مکیال نے جواب دیا۔ داؤد تو نے یہ بات بتا کر میرے اندر آہیں بھر دی ہیں تو نے مجھے خون رونے پر مجبور کر دیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں تم سے کچھ نہیں چھپاتی۔ اور جو بات مجھے معلوم ہو تجھے اس سے بے خبر نہیں رکھتی۔ یہ حقیقت ہے کہ میرے باپ نے جب آپ کی مقبولیت دیکھی۔ بنی اسرائیل کی آپ سے محبت' آپ کی تعظیم و تکریم اور ان کے دلوں پر رعب و جلال دیکھا اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کی فتوحات کا سلسلہ اور ملک میں اثر و رسوخ کا خیال کیا تو انہیں اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں تیری مقبولیت ان کی امارت کے خاتمے کا سبب تو نہیں بن جائے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ سلطنت شاداب چراگاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور ایک عظیم قلعہ شمار ہوتی ہے۔ کوئی بھی بادشاہ اپنی مملکت کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ وہ دل و جان سے اسلحہ کے بل بوتے پر اس کی حفاظت کرتا ہے۔ بادشاہ اپنے خواص واعیان کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے اور اپنے

اہل و عیال اور مخلص ساتھیوں سے بھی ہوشیار رہتا ہے۔ اسی لیے ہر شخص پر نظر رکھتا ہے۔ وہ کبھی اپنے معتمد علیہ شخص کے بارے بھی وہم و گمان کا شکار ہو جاتا ہے اور محض شک کی بناء پر لوگوں کو سزا دے دیتا ہے۔

میرا باپ اگرچہ مخلص مؤمن' جید عالم اور نیک سیرت انسان ہے لیکن وہ ایک بادشاہ بھی تو ہے۔ وہ بھی دوسرے بادشاہوں کی طرح سوچتا ہے۔ ایک سلطان کے دل میں دوسرے سلاطین جیسے اندیشے جنم لے سکتے ہیں۔ میں تو اتنا جانتی ہوں اور ہو سکتا ہے میری سوچ صحیح نہ ہو۔ کہ میرا باپ تجھ سے خلاصی چاہتا ہے اور تیری جانشینی کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ وہ تیرے پر کاٹ کر تجھے اڑنے سے باز رکھنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ احتیاط سے کام لو اور اپنی زندگی کی فکر کرو۔ جو کچھ میں سوچ رہی ہوں اگر وہ صحیح ہے تو تیری جان بچ جائے گی اور اگر معاملہ کچھ اور ہے تو بھی احتیاط کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

یہ باتیں سن کر داؤد کے دل کو قدرے سکون آگیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: مکیال! میں ایک سپاہی ہوں۔ میں نے طالوت کے جھنڈے تلے جنگیں لڑی ہیں۔ میرے دل میں ایمان کی دولت ہے۔ میں نے ہمیشہ اس پونجی کی حفاظت کی ہے۔ ہو سکتا ہے طالوت کی یہ سوچ وسوسہ شیطانی کا نتیجہ ہو۔ نفس امارہ نے انہیں اکسایا ہو۔ ممکن ہے میری معمولی سی کوشش سے وہ نفس کے فریب اور شیطان کے جال سے بچ نکلیں۔ پھر داؤد آرام کی نیند سو گیا گویا وہ طالوت کے دلی خیالات کی خبر تک نہیں رکھتا۔

ایک دن داؤد اپنے گھر میں سو رہا تھا۔ طالوت آیا اور اسے نیند سے بیدار کیا اور کہا: آج میں بہت پریشان ہوں۔ ایک مہم سر کرنی ہے۔ آج خبر ملی ہے کہ کنعانی پھر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ انہوں نے ہمارے مقابلے کیلئے ایک بہت بڑا لشکر ترتیب دے لیا ہے۔ اور مزید سپاہیوں کی بھرتی کی جا رہی ہے۔ معاملہ بہت سنگین نوعیت رکھتا ہے۔ لگتا ہے جنگ ہو گی۔ اور اس مہم میں صرف آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔ کسی اور پر مجھے اعتماد نہیں۔ آپ لشکر ترتیب دیں اور تلوار بے نیام کر کے دشمن پر حملہ آور ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ واپسی پر آپ کے ہاتھ میں فتح کا جھنڈا لہرا رہا ہو یا پھر آپ کی لاش سپاہیوں کے کندھے پر واپس آئے۔

طالوت سمجھ رہا تھا کہ داؤد اس منصوبے میں کام آجائے گا لیکن داؤد اپنے قائد کے ارادے بھانپ چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس حکم کے پیچھے کیا مقاصد کام کر رہے ہیں۔ اسے معلوم تھا کہ خیر کے لبادے میں شر اور فتنہ پوشیدہ ہے۔ لیکن پھر بھی داؤد نے حکم کی تعمیل کی اور کنعانیوں کے خلاف جنگ کرنے کو چل دیا۔ میدان کارزار گرم ہوا داؤد نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ وہ دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا دور تک نکل گیا اسے یہ خبر بھی نہ رہی کہ موت اس پر گر رہی ہے یا وہ موت پر گر رہا ہے۔ اس نے زندگی کی پرواہ نہ کی۔ اسے یہ فکر نہ تھی کہ وہ جنگ سے زندہ پلٹے گا یا لاش میدان میں تڑپ کر خاک آلود ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کی مدد فرمائی۔ اور آپ فتح و نصرت کا پھریرا لہراتے واپس آگئے۔

اس سے طالوت کے دل میں اور زیادہ کینہ پیدا ہو گیا اور یہ فتح سانپ بن کر اسے ڈسنے لگی۔ وہ داؤد کو سخت ناپسند کرنے لگا۔ اب اس کی یہ مقبولیت اس سے نہیں دیکھی جاتی تھی اس نے داؤد کے قتل کا ایک اور منصوبہ بنایا۔ لیکن داؤد کی بیوی کو اس منصوبے کا بروقت علم ہو گیا۔ وہ افتاں و خیزاں داؤد کے پاس پہنچی۔ اس کے چہرے سے خوف و ہراس ٹپک رہا تھا۔ اور آواز گھٹی ہوئی تھی۔ اس نے ہانپتے ہوئے بس اتنا کہا: داؤد اپنی جان بچاؤ۔ بھاگ جاؤ یہاں سے کہیں دور چلے جاؤ ورنہ میں لٹ جاؤں گی اور تیری جدائی کا غم میری زندگی کا چراغ گل کر دے گا۔

داؤد کے پاس بھاگنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ اس کا کہیں دور چلے جانا ضروری تھا۔ رات ہوئی تو اس نے ایک اونٹ لیا اور حسد و کینہ کی اس دنیا کو خیرباد کہہ کر بہت دور چلا گیا۔ ایمان و یقین سے دل لبریز تھا اور یہی دولت سفر میں واحد سہارا تھی۔

داؤد کے بھاگ جانے کے بعد لوگوں کو طالوت کی سازش کا علم ہو گیا۔ طالوت بنی اسرائیل کی نظروں سے گر گیا۔ سب رعایا اس کے خلاف ہو گئی۔ اور لشکر تتر بتر ہو گیا۔ اب طالوت کو انجام کی فکر لاحق ہوئی۔ اس نے تلوار بے نیام کر لی اور محض شک کی بناء پر کئی لوگوں کی گردنیں اڑا دیں۔ جو مجرم تھے وہ بچ گئے اور جو بے گناہ تھے مارے گئے۔ کافر کو معافی مل گئی اور مؤمن سزا کا سزاوار ٹھہرا۔ اس کے بعد طالوت علماء کی طرف متوجہ ہوا اور انہیں اذیتیں دینا شروع کر دیں قراء ستائے جانے لگے

متقیوں کی جان پر بن آئی طالوت کسی طرح عوام کے دلوں میں رعب ڈالنا چاہتا تھا۔ اس سے اگرچہ وقتی طور پر گردنیں جھک گئیں لیکن ایک مجبور اور مقہور لشکر میدان میں کب ساتھ دیتا ہے۔

داؤد زندہ رہا اور اسی ملک میں طالوت کی ستم ظریفیوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ وہ اپنی قوم کی مدد سے بادشاہ کی ہر سازش سے بچ جاتا تھا۔ اسے پتہ تھا کہ طالوت مجھ سے نفرت کرتا ہے اور میرے قتل کے درپے ہے۔ وہ کسی قیمت پر میری بقا نہیں چاہتا ہر حال میں مجھے موت کی نیند سلانا چاہتا ہے۔ لیکن پھر بھی داؤد خاموش ہے۔ طالوت کے خلاف کوئی سازش نہیں کرتا۔ اسے عوام میں بہت مقبولیت حاصل ہے وہ ایک آواز پر بنی اسرائیل کو طالوت کے خلاف جمع کر سکتا ہے لیکن نہیں اس کی راہ میں کچھ رکاوٹیں ہیں۔

داؤد ایک جنگل میں مقیم تھا۔ وہ سب غم بھول چکا تھا۔ آپ کے بھائیوں اور چند دوسرے لوگوں نے آپ کو بڑی کوشش کے بعد آخر تلاش کر لیا۔ لوگ خفیہ طریقے سے داؤد کے پاس جمع ہونا شروع ہو گئے۔ کبھی ایک شخص آرہا ہے تو کبھی سینکڑوں لوگ قافلے کی صورت میں حاضر خدمت ہو رہے ہیں۔ لیکن طالوت کو کچھ علم نہیں تھا کہ داؤد کہاں ہے۔

ایک دن حضرت داؤد اپنی پناہ گاہ سے نکلا تاکہ طالوت کے بارے کچھ معلوم کرے۔ داؤد اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ طالوت چند سپاہیوں کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ داؤد درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپ کر سب کچھ دیکھتا رہا۔ طالوت قریب سے قریب تر ہوتا گیا۔ وادی کے سرے پر پہنچ کر اس نے گھوڑے کی باگ کھینچی اور اتر پڑا۔ سپاہی بھی گھوڑوں سے اتر آئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد سب گہری نیند سو رہے تھے۔ کیونکہ وہ سفر کرتے کرتے تھک گئے تھے۔

داؤد درختوں سے نکلا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ سب آرام سے سو رہے تھے۔ داؤد نے چپکے سے ہاتھ بڑھایا اور طالوت کے پہلو سے نیزہ نکال لیا۔ پھر بغیر آہٹ پیدا کیے پیچھے ہٹا اور دور ہوتا چلا گیا۔

طالوت بیدار ہوا تو نیزہ غائب تھا۔ وہ بہت پریشان ہوا کہ نیزہ کون لے گیا۔ بہت تلاش کیا لیکن نیزہ نہ مل سکا۔ اسی پریشانی کے عالم میں ایک شخص حاضر ہوا۔ بادشاہ

نے اس سے پوچھا تو کون ہے اور کیوں آیا ہے۔ اس نے بتایا میں داؤد کا قاصد ہوں میں داؤد کا پیغام بادشاہ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ حیران تھا۔ کہ داؤد اسی ملک میں زندہ و سلامت ہے۔ قاصد سے پوچھا کیا پیغام لائے ہو۔ قاصد نے بتایا: اللہ تعالیٰ نے داؤد کو تیرے سر پر لا کھڑا کیا۔ اگر وہ چاہتا تو تیرا کام تمام کر دیتا۔ لیکن وہ پاک طینت، نہایت شریف اور ایماندار شخص ہے۔ پھر قاصد نے نیزہ طالوت کو واپس کر دیا اور واپس چلا گیا۔

قاصد کے یہ الفاظ طالوت کے دل میں اتر گئے۔ اس کا سویا ہوا احساس بیدار ہو گیا۔ وہ بہت نادم ہوا۔ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔ اشک بار آنکھوں سے واپس آیا۔ وہ بہت شرمندہ تھا کہ اس نے اپنے ایک وفادار سپاہی سے ناانصافی کی ہے۔ وہ اس سلوک کے لائق نہیں تھا۔ ■ سوچ رہا تھا کہ بے گناہ علماء اور قراء کا قتل ناقابل معافی جرم ہے۔ کل وہ حضور باری تعالیٰ میں کیا جواب دے گا۔ وہ بہت غمگین تھا اور اپنی زیادتیوں کا اعتراف کر رہا تھا۔ وہ اللہ کریم سے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا۔ کچھ ہی دن بعد طالوت اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ بنی اسرائیل حضرت داؤد کو واپس لے آئے اور ان کے ہاتھ پر گروہ در گروہ بیعت کرنے لگے۔ اللہ کریم نے داؤد کے طفیل اس سلطنت کو استحکام بخشا۔ اور داؤد کو حکمت اور ہم کلامی کے شرف سے نوازا۔

"حضرت داؤد علیہ السلام"

آزمائش

اوریابن حنان کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ دوسرے لوگوں کی طرح اس کا بھی اپنا گھر ہوتا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ سکون سے زندگی گزارتا اور زندگی کے بکھیڑوں میں وہ اس کی ساتھی ہوتی، دکھ درد میں اس کا ساتھ دیتی۔ اوریا کی آئیڈیل کوئی عام عورت نہیں تھی بلکہ ایک پری جمال۔ سراپا دلبری۔ اس قدر معصوم کہ پری گمان ہو۔ جس کی آنکھوں میں زمانہ سما جائے اور جس کی ایک ادا دیکھ کر کائنات کی نبضیں رک جائیں۔ جو عقل چھین لے اور ہوش وحواس اچک لے۔ جس میں ہر وہ خوبی اور دل بری کی ہر وہ ادا ہو جسے دیکھنے کی آنکھ تمنا کر سکتی ہے یا ایک دل جس کی آرزو کر سکتا ہے۔

اپنے اس خوبصورت خواب کی تعبیر اور گم شدہ دولت کی تلاش میں اوریا کا زیادہ وقت صرف نہ ہوا۔ بلکہ بہت جلد اس کی کشتی ساحل مراد تک پہنچ گئی۔ اس کے خوابوں کی ملکہ اپنی ہی قوم کی ایک خوبصورت دوشیزہ سابع بنت شائع تھی۔ اوریا نے جب سابع کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہی میری آرزوؤں کا قبلہ ہے۔ فوراً اس کے گھر جا کر پیغام دے دیا۔ سابع کے گھر والوں نے بخوشی اس رشتے کو قبول کر لیا۔ اور منگنی ہو گئی اوریا کی تمام پریشانیاں ختم ہو گئیں اور وہ بہت مطمئن اور مسرور نظر آنے لگا۔

اوریا چاہتا تھا کہ جتنا جلد ممکن ہو وہ سعادت بخش زندگی کے راستوں پر چل دے اور سابع بنت شائع کے ساتھ نکاح کر کے اسے اپنے گھر لے آئے۔ اس کے لیے سابع کے ساتھ زندگی گزارنا تمام خوشیاں اور مسرتیں حاصل کرنے کے مترادف تھا۔ اس کی سوچ تھی کہ اس کی مسرتوں اور راحتوں کی امین سابع ہے وہ لمحہ لمحہ گننے لگا۔ بڑی شدت سے اس دن کا انتظار کرنے لگا جس دن سابع اس کے گھر میں قدم رکھے گی۔

اوریا جوان تھا۔ اور جوانوں کو اپنے وطن اور اپنی ملت کے لیے قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ اوریا وطن کا قرض چکانا چاہتا تھا۔ اسے اپنے وطن کی خاطر امن و سلامتی کی زندگی کو تج کرنا تھا۔ اس لیے اس نے سب کچھ چھوڑا اور حضرت داؤد کے لشکر میں شمولیت اختیار کر لی۔ آج کوئی جذبہ اس کے راستے میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے تمام تعلقات کو قوم اور وطن کی آزادی پر قربان کر دیا تھا۔ تمام جذبوں پر جہاد فی سبیل اللہ کا مقدس جذبہ غالب آ گیا تھا۔

اس بہادر جوان نے فریضہ جہاد کی ادائیگی میں کسی کاہلی اور سستی کو روا نہ سمجھا۔ بلکہ حکم ملتے ہی اٹھا اور لشکر کی تیاری اور جہاد کے انتظامات میں لگ گیا۔ سابع کی محبت دل میں موجزن ضرور تھی لیکن اسے اطمینان تھا کہ اب سابع اس کی اور وہ سابع کا ہو چکا ہے۔ کوئی بھی انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتا۔ وقت چاہے جتنا طول پکڑ لے اور جدائی کی گھڑیاں چاہے جتنی ہی لمبی ہو جائیں وہ سابع سے الگ نہیں ہو سکتا۔ پس اسے جہاد کا فریضہ ادا کرنا چاہیے۔ پھر واپس اس جگہ آ جانا چاہیے جہاں اس کا دل اپنی محبوبہ سے لگا ہے اور جہاں اسکی تمناؤں کا مرکز سابع رہتی ہے۔

لشکر کو گئے کئی دن گزر گئے۔ اوریا کی دن اور راتیں ہفتوں اور مہینوں میں بدلتی گئیں۔ غزوات کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا۔ اس جوان کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ صبر کرے اور جہاد کی راہ میں ہر چیز بھول جائے یہاں تک کہ اللہ نے جو فیصلہ کیا ہے اپنے انجام کو پہنچ جائے۔

گھر اور وطن سے دور اس بہادر سپاہی کی قسمت میں جو طویل غیر حاضری مقدر تھی اس میں جدائی کی وہ گھڑی بھی آ گئی جو نہ ختم ہونے والی تھی۔ یہ رات سحر آشنا ہوتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔ افق پر امید کی

کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی۔ کوئی چمکتا ستارہ طلوع ہوتے ہوئے دکھائی نہیں دیتا تھا۔

طویل عرصے پر محیط اوریاء کی غیر حاضری نے لوگوں کے دلوں سے یہ بات بھلادی تھی کہ سابع کے ساتھ اس کی منگنی ہو چکی ہے یا نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر مہ لقاء' حسینہ بنی اسرائیل سابع بنت شائع پر پڑ گئی۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ اس کے رشتے کی بات ہو چکی ہے۔ آپ اس کے والدین کے گھر تشریف لے گئے اور سابع کا اپنے لیے رشتہ مانگا۔ سابع کے والدین اللہ کے نبی کو خالی ہاتھ کیسے لوٹا سکتے تھے۔ پھر داؤد علیہ السلام سے تعلق داری کوئی معمولی شرف تو نہیں تھا۔ اوریا بھی مدت سے غائب تھا۔ سابع جوان تھی۔ والدین اسے کب تک بٹھائے رکھتے۔ اوریا کی واپسی کے متعلق کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کب ہو گی۔ آخر انہوں نے اس رشتہ کو قبول کر لیا۔ سابع بنت شائع کی شادی حضرت داؤد سے ہو گئی۔ اور میاں بیوی خوش و خرم زندگی گزارنے لگے۔

لیکن آسمان کی اس چھت کے نیچے ایک شخص ایسا بھی تھا جس کے لیے یہ خبر قیامت سے کم نہ تھی۔ لیکن پانی سر سے گزر چکا تھا۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ اللہ ہی ہے جو مجبوروں کے زخموں پر مرہم رکھتا ہے۔ اور انسانیت کی جبین سے ذلت اور رسوائی کا پسینہ پونچھتا ہے۔

داؤد علیہ السلام اپنی اس نئی دلہن سے بہت خوش تھے۔ اور اسے ٹوٹ کر چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ حسن ظاہری کے ساتھ حسن معنوی سے بھی مالامال تھیں۔ اور وہ بھی حضرت داؤد کو بہت چاہتی تھیں۔ شادی کے بعد بھی حضرت داؤد کے معمولات میں فرق نہ آیا۔ ایک عرصے سے وہ ایک خاص نظام الاوقات کی پابندی کر رہے تھے۔ آپ کا وقت چار حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصہ اپنی ذات کے لیے۔ دوسرا عبادت خداوندی کے لیے تیسرا عدل و انصاف کے قیام کے لئے اور چوتھا حصہ اپنی قوم کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ اس چوتھے حصے میں آپ لوگوں کو وعظ و تلقین فرماتے اور اللہ کی شریعت کے احکام کی پابندی کا درس دیتے۔

داؤد علیہ السلام بیک وقت نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ ان کے دروازے پر پہرے دار اور سپاہی متعین تھے۔ جو ان معمولات کو اور اصولوں کو قائم رکھنے میں مدد

دیتے تھے۔ اس لیے وہ لوگوں کو خلل اندازی اور بدانتظامی سے روکتے تھے۔ کہ کہیں فتنہ وفساد نہ پیدا ہو اور تمام لوگوں کو سہولت کے ساتھ بروقت عدل وانصاف مہیا ہو۔

دو اجنبی جن میں تمام مردانہ خصلتیں اور خصوصیات موجود تھیں قواعد و ضوابط کی پرواہ کیے بغیر سارے قوانین کو پس پشت ڈالتے ہوئے پہرہ داروں کے پاس آئے اور کہا کہ ہم اسی وقت حضرت داؤد سے ملنا چاہتے ہیں یہ وقت عدالت کیلئے متعین نہیں تھا اور اس وقت حضرت زائرین سے ملاقات نہیں فرماتے تھے۔ پہرہ داروں کے پاس انہیں واپس بھیج دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ اس لیے انہیں اجازت نہ ملی اور واپس بھیج دیے گئے۔ پہرہ داروں نے بتا بھی دیا کہ یہ وقت ملاقات کا نہیں آپ فلاں وقت تشریف لائیں تو نبی اللہ داؤد علیہ السلام سے ملاقات ہو سکتی ہے۔

پہرہ داروں کے لیے محال تھا کہ وہ ان معجزانہ قدرت کے حامل لوگوں کو روک لیتے۔ دراصل دو فرشتے تھے جو انسانوں کے روپ میں آئے تھے۔ انہیں ہر حالت میں داؤد کے پاس جانا تھا۔ انہیں کوئی ضروری کام تھا۔ انہوں نے داؤد پر حکمت صادقہ اور حجت قاطعہ نافذ کرنا تھی۔ وہ جس غرض سے آئے تھے اس میں حضرت داؤد کے لیے ایک نصیحت اور کامیابی کی دلیل موجود تھی۔ فرشتوں نے دیوار کو پھلانگا اور داؤد کے کمرہ عبادت میں داخل ہو گئے۔ حضرت داؤد انہیں دیکھ کر ڈر گئے۔ وہ بغیر آپ کی اجازت کے اور بغیر کسی اطلاع کے آپ کے سامنے بیٹھے تھے۔ فرشتوں نے عرض کی:

(لَاتَخَفْ خَصْمَانِ بَغٰی بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا اِلٰی سَوَاءِ الصِّرَاطِ)

”ڈریے نہیں ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں۔ زیادتی کی ہم میں سے ایک نے دوسرے پر۔ آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمائیے اور بے انصافی نہ کیجئے۔ اور دکھائیے ہمیں سیدھا راستہ“ (ص: ۲۲)

داؤد علیہ السلام اس معاملے کو نہ سمجھ سکے اور یقین کر بیٹھے کہ واقعی ان دونوں کے درمیان نزاع ہے۔ اس لیے فوراً حق وانصاف پر مبنی فیصلے کی ٹھان لی۔ آپ نے پوچھا بتاؤ کیا جھگڑا ہے۔

ان میں سے ایک نے بتایا کہ یہ شخص میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک میرا بھائی لالچ میں آگیا ہے۔ اور نفس کی پیروی پر اتر آیا ہے اور لالچ کے ہاتھوں مجبور چاہتا ہے کہ میں اپنی ایک بھیڑ بھی اس کے حوالے کر دوں۔ جب میں نے اس سے جھگڑا کیا تو وہ جھگڑنے میں مجھ پر غالب آگیا ہے اور باتوں میں مجھ کو بالکل خاموش کر دیا ہے کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ فصیح اور حجت بازی اور دلائل دینے میں بہت تیز ہے۔

داؤد علیہ السلام نے دوسرے شخص کی طرف دیکھا اور اس سے نزاع کی تفصیل پوچھی۔

اس نے بھی کہا کہ ہاں میرے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور اس کے پاس صرف ایک۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ ایک بھی میرے حوالے کر دے تاکہ میرے پاس پوری سو ہو جائیں۔ داؤد علیہ السلام نے پوچھا: کیا تیرا بھائی وہ دنبی تمہیں دینا نہیں چاہتا؟ اس نے کہا ہاں وہ اس پر راضی نہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام غصے سے لال پیلے ہو گئے۔ اور اسے لعنت ملامت کرنے لگے۔ اور فرمایا میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سخت سزا دوں گا۔ وہ آدمی بولا۔ اے داؤد! آپ مجھ سے زیادہ سزا کے حق دار ہیں۔ آپ کے حرم میں پہلے سے ننانوے عوتیں موجود ہیں۔ اور اوریا کی صرف ایک۔ مگر پھر بھی آپ اس کو چاہنے لگے اور نکاح کر کے اسے حرم میں لے آئے۔ اور تم نے اوریا کی وفا اور عزت کا کوئی لحاظ نہ کیا۔

داؤد علیہ اسلام نے یہ حکمت بھرا قول ایک خبیر اور بصیر کی زبان سے سنا تو نظر اٹھا کر اپنے اردگرد نظر دوڑائی لیکن وہاں کوئی شخص نہ تھا۔ دونوں شخص پلک جھپکنے کی دیر میں غائب ہو گئے تھے۔ آپ سمجھ گئے کہ وہ فرشتے تھے اور اللہ کی طرف سے ایک سبق لیکر آئے تھے۔ آپ زاروقطار رونے لگے سر سجدے میں رکھ دیا اور اللہ کریم سے اپنی خطا کی بخشش مانگنے لگے اللہ کریم نے آپ کی لغزش سے درگزر فرمادیا اور آپ کو انبیاء مکرمین کے مرتبہ پر قائم رکھا۔

اس واقعہ سے یہ درس دینا مقصود ہے کہ کوئی شخص بھی الٰہی قوانین کے

دائرے سے باہر نہیں ہے۔ احکام خداوندی کی پابندی ہر شخص پر فرض ہے اگرچہ کوئی نبی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کسی نبی سے کوئی خطا یا نسیان ہو جائے تو وہ بھی مؤاخذہ کے دائرہ میں آئے گا۔ محض نبوت کی وجہ سے اس کا مؤاخذہ ترک نہیں کیا جائے گا۔ اللہ کریم نے داؤد علیہ السلام کا مؤاخذہ فرمایا حالانکہ آپ عظیم المرتبت اور بلند مقام کے حامل نبی تھے۔ یہ عتاب اس لیے تھا تا کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ قانون کی نظر میں عام و خاص سب برابر ہیں۔ ہر شخص کو اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس سے یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ مظلوم کے حق سے ہرگز غفلت نہ برتی جائے۔

اصحاب السبت

شریعت موسوی میں یہ حکم تھا کہ ہفتے کے سات دنوں میں سے ایک دن دنیا کے تمام کاموں سے چھٹی ہو گی۔ اس مقررہ دن کو دنیا کا کوئی کام نہ کیا جاتا بلکہ تمام لوگ صرف عبادت کرتے 'حمد باری تعالیٰ ہوتی' اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی یاددہانی کی جاتی اور اللہ کی یاد سے تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کیا جاتا۔

پہلے پہل تو عبادت کیلئے جمعہ کا دن مقرر تھا لیکن اسرائیلی چاہتے تھے کہ عبادت کیلئے وہ دن مقرر ہو جس دن اللہ تعالیٰ کائنات کی تخلیق سے فارغ ہوا ہے۔ وہ ہفتے کا دن تھا۔ لہٰذا اللہ کریم نے ان کی رغبت اور چاہت کے مطابق عبادت کے دن کو جمعہ کی بجائے ہفتہ مقرر فرما دیا۔ اس روز حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے۔ انہیں نعمت ہائے خداوندی اور اکرام الٰہی یاد دلاتے اور سب مل کر اللہ کی عبادت کرتے۔

سالوں پر سال بیتتے چلے گئے لیکن سنیچر کا احترام بدستور قائم رہا۔ اسرائیلی دنیا کے کام کاج چھوڑ کر صبح سے شام تک عبادت کرتے۔ تسبیح و تہلیل کرتے اور اللہ کی نعمتیں یاد کر کے ان کا شکر ادا کرتے۔ کئی نسلیں گزر گئی تھیں لیکن سنیچر کا احترام باقی تھا۔ شریعت کے اس حکم میں طویل وقت گزر جانے کے باوجود بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اور اسرائیلیوں میں کوئی فرد اس کے احترام میں کوئی سستی روا نہیں رکھتا تھا۔

بحر احمر کے کنارے ایک بستی تھی۔ جس کا نام غالباً ''اَیْلَہ'' تھا۔ اس بستی میں سب اسرائیلی رہتے تھے۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا دور تھا۔ ان لوگوں پر

ضروری تھا کہ وہ اپنے بزرگوں کی سنت اور طریقے کا التزام کرتے ہفتے کے دن کوئی دنیوی کام نہ کرتے بلکہ صرف عبادت کرتے۔ شکار' تجارت صنعت و حرفت کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتے کیونکہ اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے اور ان پر سنیچر کا احترام ضروری تھا۔

ساحل پر دو سفید پتھر تھے۔ ہفتے کو مچھلیاں ان پتھروں کی طرف نکل آتیں اور پورا دن نہایت امن و سکون سے پانی کی سطح پر تیرتی رہتیں۔ کیونکہ اس دن انہیں شکار کا خوف نہیں ہوتا تھا۔ ساحل کے ان دو سفید پتھروں کے قریب ہفتے کو مچھلیوں کی کثرت دکھائی دیتی لیکن کوئی شخص ان کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتا کیونکہ یہ دن عبادت کا تھا اور سب لوگ تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوتے تھے۔ جب رات ہوتی مچھلیاں واپس سمندر میں چلی جاتیں اور شکار کرنے والوں کو دوسرے دن بہت کم مچھلیاں دکھائی دیتیں۔ پورا ہفتہ یہی صورت حال رہتی۔ صرف سنیچر کے دن مچھلیاں کثرت کے ساتھ ساحل کے سفید پتھروں کا رخ کرتیں۔ اچھلتیں' تیرتیں اور خوراک حاصل کرتیں لیکن سورج غروب ہوتے ہی واپس چلی جاتیں۔

حرص و ہوس کے جذبات مشتعل ہو گئے۔ بستی کے فاسق و فاجر لوگوں کے دلوں میں لالچ کے دواعی انگڑائی لینے لگے۔ وہ انبیاء کی تعلیمات سے غافل' تمام نصیحتوں کو پس پشت ڈالے باہم مشورہ کرنے لگے کہ آخر ہم اتنے نالائق تو نہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم ایک فرسودہ رسم کی پیروی میں اپنی معاشی حالت کی تباہی پر تلے بیٹھے ہیں ہفتے کے روز مچھلیاں کثرت سے ساحل پر نمودار ہوتی ہیں اور ہم خواہ مخواہ متقی بنے پھرتے ہیں۔ ہم اس سنہری موقعہ سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے۔ پورا ہفتہ محنت کرتے ہیں لیکن ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ اگر صرف سنیچر کو شکار کر لیں تو پورا ہفتہ آرام سے گھر بیٹھے کھاتے رہیں۔ پہلے ہم شکاری ہیں اور پھر کچھ اور۔ ہمیں شکاری بن کر سوچنا چاہیے۔ اور ہمیں شکار کا صحیح طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

ہم ان مذہبی پابندیوں کو نہیں مانتے۔ اس سے ہمیں بلکہ پوری بستی کی اقتصادیات کو خدشہ ہے۔ ہم سنیچر کے دن ہی جائیں گے اور اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق دل کھول کر شکار کریں گے۔ ہمیں کسی کی پرواہ نہیں۔ صدیوں پہلے کی شریعت کی پابندی بنیاد پرستی کی انتہاء ہے۔

سنیچر کا دن طلوع ہوا۔ یہ فساق شکار کو چل دیے اور بغیر کسی مشقت کے بہت ساری مچھلیاں شکار کر لائے۔ پھر انہیں بھونا' پکایا اور مزے لے لے کر کھانے لگے۔ وہ بہت خوش تھے اور اپنی روشن خیالی کے گن گا رہے تھے۔

جب یہ خبر بستی کے پرہیزگار لوگوں تک پہنچی کہ فلاں لوگوں نے ہفتے کے دن مچھلیوں کا شکار کیا ہے تو وہ ان کے پاس گئے اور انہیں بہت سمجھایا اور انہیں خدا خوفی کی تلقین کی لیکن ان کے فسق و فجور میں کوئی کمی نہ آئی بلکہ سرکشی اور عناد میں اضافہ ہوا اور ان بہی خواہوں پر فرسودہ خیالی کا الزام لگانے لگے۔ شریعت کی مخالفت دیکھ کر بستی والوں کو غصہ آگیا اور ہتھیار سجا کر بستی کا محاصرہ کر لیا اور ان لوگوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ کیونکہ وہ اطاعت خداوندی سے بغاوت کر چکے تھے اور فسق و فجور کی دلدل میں پھنس کر رہ گئے تھے۔

فاسق لوگوں کو یہ بے دخلی بہت ناگوار محسوس ہوئی اور ہفتے کے دن شکار سے رکنا انہیں بہت برا لگا۔ کیونکہ وہ دیکھ چکے تھے کہ سنیچر کے دن مچھلیاں کثرت سے ساحل پر آجاتی ہیں۔ انہوں نے اہل شریعت سے کہا: یہ بستی صرف تمہاری نہیں۔ ہم بھی اس کے باسی ہیں۔ تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم ہمیں بستی سے بے دخل کرو۔ اور خود اس میں رہو۔ ہم کسی صورت اپنے گھر تمہارے حوالے نہیں کر سکتے۔ یہ ہمارا وطن ہے' ہماری جنم بھومی ہے یہاں سے رزق حاصل کرتے ہیں ہم بھلا اسے کیسے چھوڑ دیں۔ مناسب یہ ہے کہ اس بستی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں۔ سمندر کی مچھلیاں فریقین میں مشترک ہونگی۔ ہر گروہ اپنے اپنے طریقے کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے آزاد ہوگا۔ کوئی کسی پر قدغن نہیں لگائے گا۔

اہل شریعت بستی کی تقسیم پر راضی ہو گئے۔ وہ تو صرف یہ چاہتے تھے کہ کسی طریقے سے یہ الگ ہوں۔ بستی تقسیم ہو گئی۔ ایک طرف اہل ایمان شریعت کی پابندی کرتے اور دوسری طرف فسق و فجور کی محفلیں گرم ہوتیں۔ فاسقوں نے لہو و لعب کو اختیار کیا اور ایسی نہریں نکال لیں جو بستی کو سمندر سے ملاتی تھیں۔ ہفتے کی رات مچھلیاں ان نہروں کے ذریعے بستی کے دروازوں تک پہنچ جاتیں اور جب ہفتے کا دن گزر جاتا مچھلیاں واپس ہونے لگتیں لیکن واپسی کے راستے مسدود ہو چکے

ہوتے۔اس طرح کوئی مچھلی واپس سمندر کو نہ جا سکتی۔

لیکن اہل ایمان انہیں عذاب خداوندی سے ڈراتے انہیں نصیحت کرتے اور شریعت کی پابندی کی تلقین کرتے۔جب نصیحت کا یہ سلسلہ دراز ہو گیا اور ان کی زیادتی اور سرکشی میں آئے دن اضافہ ہوتا گیا تو۔

قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْمُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا

"کہا ایک گروہ نے ان میں سے کہ تم کیوں نصیحت کرتے ہو اس قوم کو۔اللہ جنہیں ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں عذاب دینے والا ہے سخت عذاب" (الاعراف:۱۶۴)

تو انہوں نے ان بدبختوں کو گمراہی کی وادی میں بھٹکتے چھوڑ دیا اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ بند کر دیا۔

بستی کے اس حصے میں فسق و فجور کی محفلیں جمتی رہیں شریعت کی خلاف ورزی کا سلسلہ دراز ہوتا گیا۔وہ فسق اور گناہ میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ حکومت کو ان کی طرف توجہ کرنا پڑی۔ حضرت داؤد علیہ السلام ان کی کارستانیوں سے تنگ آگئے اور ہاتھ اٹھا کر حضور باری تعالیٰ میں دعا کی۔الٰہی میری مدد فرما اور ان سرکشوں سے اپنی رحمت چھین لے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست کو قبول فرما لیا اور ان کی تمنا پوری کر دی۔ بستی ایک بڑے بھونچال سے لرز اٹھی۔اہل ایمان اس سے تھرا کر رہ گئے اور اپنے گھروں سے نکل گئے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَاذُكِّرُوْا بِهٖ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ

"پھر جب انہوں نے فراموش کر دی جو انہیں نصیحت کی گئی تھی (تو) ہم نے نجات دے دی انہیں جو روکتے تھے برائی سے اور پکڑ لیا ہم نے ان کو جنہوں نے ظلم کیا برے عذاب سے۔ بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے"

(الاعراف:۱۶۵)

"حضرت سلیمان علیہ السلام"

سلیمان اور بلقیس

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اللہ کی رضا اور لوگوں کی سہولت کے لیے بیت المقدس میں ایک ہیکل تعمیر کی جائے۔ آپ اس کام میں لگ گئے حتیٰ کہ ایک عالی شان اور بلند وبالا عمارت تعمیر ہو گئی۔ جب تعمیر ہیکل کا کام اختتام پذیر ہوا تو حضرت سلیمان بہت خوش ہوئے اور ایک اطمینان اور سکون کی کیفیت دل ودماغ پر چھا گئی۔ پھر دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ اب اللہ کے حکم کی پیروی کی جائے اور حج کے لیے ایک بڑے اجتماع کا اہتمام کیا جائے۔

آپ نے رخت سفر باندھا اور حرم پاک کی طرف چل دیے۔ جتنے دن جی چاہا وہاں رہے اور فریضہ حج ادا کیا اور نذر پوری کی۔ مناسک حج اور نذر پوری کرنے کے بعد بیت المقدس کو الوداع کہا اور رخصت ہو گئے۔ یمن منزل مقصود تھی۔ ارض صفاء میں قیام فرمایا لیکن پانی کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ چشموں کی تلاش کا حکم دے دیا۔ لوگوں نے سر توڑ کوشش کی لیکن پانی نہ مل سکا۔ سب خائب وخاسر واپس آ گئے۔

کوچ کا نقارہ بجا اور قافلہ وہاں سے چل پڑا۔ آپ نے پرندوں کا جائزہ لیا اور ہد ہد کو تلاش کیا تا کہ کہیں پانی کا پتہ بتلائے لیکن ہد ہد غائب تھا۔ آپ نے قسم اٹھائی کہ

اگر وہ غیر حاضر ہے تو میں ضرور اسے سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر ڈالوں گا۔ معافی کی صرف یہی صورت ہے کہ وہ پختہ دلیل پیش کرے جس سے اس کی مجبوری سامنے آجائے اور اس کا دامن صاف ہو جائے۔ لیکن زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ھدھد سر ہلاتا اور دم کو حرکت دیتا ہوا حاضر ہوا۔ وہ حضرت کی تعظیم بجا لایا اور تکلیف پر معذرت چاہتے ہوئے آگے بڑھا اور عرض کی کہ اے اللہ کے نبی! میں ایک ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہ تھی۔ اور آپ کی قوت اور ملکی اسباب اس چیز پر مطلع ہونے سے قاصر تھے میں ایک ایسے راز سے پردہ اٹھانا چاہتا ہوں جس کا شاید آپ نے کبھی سوچا بھی نہ ہو۔ یہ راز آج تک مخفی تھا لیکن آج مجھ غلام کی وجہ سے اللہ آپ کو اس سے باخبر کرنا چاہتا ہے۔

اس دلچسپ گفتگو نے سلیمان علیہ السلام کے غصے کو ٹھنڈا کر دیا۔ آپ اس راز سے بغیر کسی دیر کے واقف ہونا چاہتے تھے۔ آپ نے بڑی بے صبری سے پوچھا ھدھد! بتاؤ کیا خبر ہے؟ کس راز سے میں ابھی تک ناواقف تھا۔ ھدھد نے عرض کی: بادشاہ سلامت! یہ خبر ملک سبا سے تعلق رکھتی ہے۔ اہل سبا کی حکمران ایک عورت ہے۔ اس ملک کو اللہ نے ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال کر رکھا ہے اور اس حکمران عورت کا تخت نہایت ہی عظیم الشان ہے۔ لیکن ان نعمتوں اور عظیم مملکت کے باوجود یہ اپنے رب سے ناواقف ہیں۔ شیطان نے انہیں اپنے دام تزویر کا شکار بنا رکھا ہے۔ وہ پلید ان کی نس نس میں اتر گیا ہے اور وہ اندھا دھند اس کی پیروی کر رہے ہیں وہ اللہ سے بالکل تعلق توڑ کر شیطان کے بندے بن گئے ہیں۔ ملکہ خود بھی اور اس کی رعایا بھی سب اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ مجھے اس کی شان و شوکت دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور میں سکتے میں آگیا۔ کیا ہی بہتر ہوتا اور کیا ہی مناسب ہوتا کہ اس شان و شوکت کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کو سجدہ کرتے جو کہ دل کے بھیدوں سے واقف ہے اور جس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور عرش عظیم کا مالک ہے۔

سلیمان علیہ السلام یہ عجیب و غریب خبر سن کر حیران ہونے لگے۔ اور محسوس کیا کہ ھدھد غلط نہیں کہہ رہا۔ آپ نے اسے رد نہ کیا بلکہ فرمایا میں اس سلسلے میں تحقیق کروں گا اور دیکھوں گا کہ یہ بات سچ ہے یا تو نے غلط بیانی کی ہے۔ اگر یہ خبر صحیح

ہے تو میرا یہ مکتوب لے جا اور اس عورت کو پہنچا دے۔ پھر ذرا ہٹ کر کھڑا ہو جا اور دیکھ کہ وہ اس مکتوب پر کس رد عمل کا اظہار کرتے ہیں۔

ھد ھد نے خط لیا اور بلقیس کی طرف اڑ گیا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ ھد ھد روزن سے داخل ہوا اور خط اس کی جھولی میں ڈال دیا۔ بلقیس نے خط اٹھا لیا اور پڑھنا شروع کیا:

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ

"یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ تم لوگ غرور و تکبر نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے پاس فرمانبردار بن کر" (النمل: ۳۱)

ملکہ نے وزرا اور امراء کو جمع کیا' اکابرین کی مجلس بلائی اور ان کی تسلی کے لیے ان سے مشورہ کیا۔ ملکہ اپنے اعیان حکومت پر مکمل اعتماد کرتی تھی اور ہر معاملے میں ان کی رائے ضرور لیتی تھی۔ شاید اسے یہ بھی خوف ہوتا ہوگا کہ کہیں کوئی ایسا فیصلہ نہ کر بیٹھے جو ملکی اور قومی مفاد کے حق میں بہتر نہ ہو۔ پہلے اس نے خط کی عبارت پڑھی اور پوچھا بتاؤ اس خط کے مندرجات کے بارے تمہاری کیا رائے ہے۔ درباریوں نے جواب دیا: ہم تو حرب و ضرب کے لوگ ہیں ہم ان معاملات سے واقف نہیں۔ آپ جانیں اور آپ کا کام ہم تو حکم کے پابند ہیں۔ جو حکم ملے گا سر آنکھوں پر۔ ہم آپ کے اشارے کے منتظر ہیں۔ آپ کے ہر فیصلے کے سامنے ہمارے سر تسلیم خم ہونگے۔ ملکہ نے درباریوں کی گفتگو سے یہ اندازہ لگالیا کہ وہ دفاع کرنا چاہتے ہیں اور بغیر لڑے اطاعت پر راضی نہیں ہیں۔ ملکہ نے کہا تمہارا خیال درست نہیں۔ دفاعی جنگ قرین دانشمندی نہیں۔ میری یہ رائے ہے کہ صلح کر لینا بہتر ہے۔ اور عقل مند اور صائب الرائے کو ابتداء وہاں سے کرنی چاہیے جہاں سے بھلائی اور خیر کی توقع زیادہ ہو۔ یاد رکھو کہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اور معزز شہریوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں۔ مفتوحہ بستی کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی ہے۔ ثقافت کا چہرہ بد نما ہو جاتا ہے۔ آزاد غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیے جاتے ہیں اور ظلم و ستم اور خونریزی کا

بازار گرم ہو جاتا ہے۔ فاتحین کا شروع سے یہی طریقہ چلا آرہا ہے اور یہی زمانے کا دستور ہے۔ میں سلیمان کی خدمت میں تحفہ بھیجنا چاہتی ہوں۔ اس میں ہر قسم کی قیمتی، مہنگی نفیس اور نایاب چیزیں ہونگی۔ اس تحفے کے ذریعے میں اپنے ملک کو اس کے ہاتھوں سے بچانا چاہتی ہوں اور یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ سلیمان کس قسم کا بادشاہ ہے۔ کیا وہ کشور کشائی کا شوقین ہے یا کسی عظیم مقصد سے واقف ہے۔

بلقیس نے انواع واقسام کی چیزیں اکٹھی کیں۔ اور انہیں چند عزت دار لوگوں کے ہاتھ سلیمان کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ قاصد تحفہ لیکر چل پڑے۔ ھدھد جو یہ تمام باتیں سن رہا تھا اڑا اور سلیمان علیہ السلام کو خبر دی۔ حضرت سلیمان نے ملاقات کی تیاری شروع کر دی۔ جنوں کو حکم دیا کہ فوراً ایک خوبصورت اور مضبوط محل تعمیر کریں۔ جنوں نے ایک حیرت افزا اور مضبوط محل تعمیر کر دیا۔ جسے دیکھ کر دل جھوم اٹھیں، آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں اور روح پر دہشت طاری ہو جائے۔

بلقیس کے قاصد پہنچے تو سلیمان کی شان و شوکت دیکھ کر مبہوت ہو گئے آپ نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور خوب عزت افزائی کی کچھ دیر گزر گئی تو آنے کا مقصد دریافت فرمایا۔ قاصدوں نے تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کیا ہے؟ قاصدوں نے کہا یہ تحفہ ہے جو ملکہ بلقیس نے حضور کی خدمت میں بھیجا ہے۔ آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بڑی نرمی سے فرمایا۔ اپنا تحفہ واپس لے جاؤ۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ میں اللہ کا نبی ہوں اور ایک وسیع ملک کا فرماں روا بھی۔ جو نعمتیں اللہ نے مجھے دی ہیں مخلوق میں کسی اور کو عطا نہیں ہوئیں۔

میں ایک نبی اور بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوں میں تمہاری یہ رشوت ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ اللہ کے نبی کے قدموں میں اگر پہاڑ کے برابر سونا بھی ڈال دیا جائے تو بھی وہ اشاعت حق کے فریضہ سے باز نہیں آئے گا۔ تمہارے نزدیک یہ ظاہری زندگی ہی سب کچھ ہے۔ تم ان تحفوں سے خوش ہو رہے ہو کہ یہ کوئی نایاب اور قیمتی چیزیں ہیں۔ یہ تحفے واپس لے چلو ہم ایک ایسا لشکر لیکر آرہے ہیں جن کے مقابلے کی تمہیں تاب نہیں اور ہم تمہیں اس ملک سے ذلیل کر کے نکال دینگے۔ سبا کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اور عزت، ملک اور فرماں روائی ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گی۔

قاصد واپس چلے گئے اور بلقیس کو جو دیکھا تھا اور جو سنا تھا سب کچھ بتا دیا۔ بلقیس سمجھ گئی اور کہنے لگی' اطاعت اور فرمانبرداری کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔ ہمیں فوراً جواب دینا ہوگا اور وقت ضائع کیے بغیر ہمیں ان کی دعوت کو قبول کرنا ہوگا۔

جب سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ ملکہ بلقیس وزراء اور امراء کے ساتھ ملاقات کے لیے آ رہی ہے تو آپ نے جنوں سے جو مطیع و فرمانبردار تھے فرمایا ملکہ سبا کی آمد سے قبل اس کا تخت کون لا سکتا ہے۔ ایک بڑا جن اٹھا اور عرض کرنے لگا میں مجلس کے برخواست ہونے سے پہلے تخت خدمت عالی میں پیش کر سکتا ہوں۔ میں قوت و طاقت کے ساتھ ساتھ امانت دار بھی ہوں۔ تخت میں جڑے قیمتی ہیرے اور جواہرات میں ہرگز خیانت نہیں کروں گا۔ ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا جسے اللہ نے علم و حکمت سے نواز رکھا تھا اور گویا ہوا اے اللہ کے نبی میں وہ تخت آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے پیش کر دوں گا۔

آپ نے تخت لانے کا حکم دے دیا۔ فوراً تخت پر نظر پڑی۔ پل جھپکنے سے قبل تخت پہنچ چکا تھا۔ بے ساختہ زبان پر کلمات تشکر جاری ہو گئے۔ بولے یہ میرے رب کا فضل و کرم ہے۔ یہ اس کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ وہ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ بیشک جس شخص کے دل میں اللہ کی نعمتوں کی قدر ہوتی ہے اور اس کی بزرگی کا احساس ہوتا ہے ان کے اخلاق پاکیزہ ہوتے ہیں۔ ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں اور وہ اپنے رب کا شکر بجا لاتے ہیں کیونکہ شکر کا فائدہ تو خود انسان کو ملتا ہے مگر جس دل میں اللہ کی نعمتوں کی قدر نہیں ہوتی' ان کی سوچ میں خباثت بھری ہوتی ہے وہ دین و دنیا میں نقصان اٹھاتے ہیں اور ایسے لوگ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ تو بے پرواہ اور غنی ہے اسے کسی کی کیا احتیاج۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کے تخت میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کر دو اور اس کے ظاہر میں معمولی سا ردوبدل کر ڈالو۔ دیکھتے ہیں کہ کیا ملکہ اپنے تخت کو پہچان سکتی ہے یا نہیں۔

بلقیس پہنچ گئی۔ اس سے دریافت کیا گیا۔ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے۔ اپنے تخت کے یہاں موجود ہونے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ تو اسے سبا میں چھوڑ آئی تھی۔

لیکن اس کی شکل و شباہت دیکھ کر حیران ہو گئی اور کہنے لگی لگتا تو ایسے ہے کہ یہ وہی تخت ہے۔ لیکن...... حیرانی اور پریشانی کے عالم میں وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی اور ساکت و صامت بت بنی کھڑی رہی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا محل نفاست اور خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس میں جہاں دوسری نفاستوں کا لحاظ رکھا گیا تھا ایک یہ ندرت بھی رکھ دی گئی تھی کہ فرش بلور کا تھا اور نیچے پانی رواں تھا۔ ملکہ سبا کو جب اذن باریابی ملا اور وہ محل میں داخل ہونے لگی تو اسے محسوس ہوا کہ پانی کی موجیں رواں ہیں اور ان سے گزر کر شرف باریابی حاصل کرنا ہے۔ اس لیے اس نے اپنے پائنچے چڑھا لیے کہ کہیں کپڑے پانی میں بھیگ نہ جائیں۔ آپ نے اسے اپنی غلطی پر متنبہ کیا اور فرمایا یہ پانی نہیں بلکہ بلوریں فرش ہے جس کے نیچے پانی نظر آرہا ہے۔ اس کی آنکھیں کھل گئیں دل سے غفلت کے پردے ہٹ گئے۔ فوراً بارگاہ خداوندی میں عرض کی: بار الٰہ میں آج تک تیری عبادت سے روگرداں رہی۔ آج تک تیری رحمت سے محروم رہی۔ اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم ڈھایا۔ میں تیرے نور اور تیری رحمت سے بے خبر رہی اب میں سلیمان کے ساتھ تجھ پر خلوص دل سے ایمان لاتی ہوں۔ اور تیری فرمانبرداری کا قلادہ زیب گلو کرتی ہوں۔ تو ہی سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

حکمت سلیمان

داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے تخت حکومت پر متمکن ہیں۔ ان کے درمیان پھوٹنے والے جھگڑوں کا فیصلہ فرماتے ہیں۔ دینی دنیوی کاموں میں لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کی وحدت کی کوشش کرتے ہیں اور معاش کی خبر گیری فرماتے ہیں۔ لوگ اپنے حالات سے انہیں آگاہ کرتے ہیں اپنے اختلافات پیش کرتے ہیں اور آپ ان کے باہمی جھگڑوں، لڑائیوں کا منصفانہ فیصلہ فرماتے ہیں۔

سلیمان کم سن ہیں۔ زیادہ سے زیادہ عمر گیارہ برس ہو گی۔ داؤد بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئے ہیں۔ لوگ متفکر ہیں کہ داؤد کے رخصت ہو جانے کے بعد کیا ہو گا۔ مسند عدالت کو کون رونق بخشے گا۔ حضرت داؤد بھی سوچتے ہیں میرے بعد سلطنت کا کیا

بنے گا۔ کون بنی اسرائیل کی معاش اور معاد میں رہنمائی فراہم کرے گا۔ اپنے بیٹوں پر ایک نظر فرمائی۔ سوچا سلیمان عمر میں سب سے چھوٹا ہے مگر ہے بڑا سیانا۔ علم و حکمت میں سب پر فائق۔ ذہانت و فطانت کے میدان میں سب سے آگے۔ ابھی تو اس کی صلاحیتیں کم سنی کے پردے میں ہیں جوان ہو گا تو حکمت و معرفت کا بادشاہ ہو گا۔ فہم اتنا سنجیدہ اور اتنا صاحب بصیرت ہے کہ حیرانگی ہوتی ہے۔ بڑا ہو گا تو علم و حکمت کے مطلع پر نیر تاباں ہو کر چمکے گا۔

داؤد یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتے۔ اسی لیے کئی روز سے سلیمان کو عدالت میں شریک کر رہے تھے۔ جب فیصلہ فرماتے تو انہیں ساتھ رکھتے تاکہ اسلامی دستور کا انہیں علم ہو جائے اور فیصلے کرنے کے ڈھنگ سے واقفیت کے ساتھ ساتھ رائے میں استحکام آ جائے۔ حضرت سلیمان بھی والد کی صحبت سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے اور ملکی معاملات میں بڑی گہری دلچسپی کا مظاہرہ کرتے۔

ایک دن مجلس قضا منعقد ہوئی۔ حضرت داؤد کے پہلو میں حضرت سلیمان بھی تشریف فرما تھے۔ دو شخص پیش ہوئے۔ ایک نے کہا: میری کھیتی بالکل تیار ہو چکی تھی۔ بس کاٹنے کی دیر تھی۔ فصل اس قدر اچھی کہ دیکھنے والے عش عش کر اٹھیں۔ پچھلی رات اس شخص کی بھیڑیں میرے کھیت میں بکھر گئیں اور سارا کھیت چٹ کر گئیں۔ ایک بالی ایک تنکا بھی باقی نہیں بچا۔ گڈریا رات بھر مزے سے سوتا رہا۔ صبح تک ریوڑ کھیت میں پھرتا رہا۔ میری ساری محنت اکارت چلی گئی۔ کل جو کھیت دعوت نظارہ دیتا تھا آج چٹیل میدان بن چکا ہے۔ کھیت کے مالک کی بات ختم ہو گئی تو آپ نے ریوڑ کے مالک کی طرف ہاتھ کا اشارہ کیا کہ اگر اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہو تو کہے لیکن اس نے کوئی دلیل نہ دی۔ جرم کا اعتراف کر لیا اور سر جھکا کر فیصلے کا انتظار کرنے لگا۔

حضرت داؤد نے فیصلہ سنایا: بھیڑیں کھیت کے مالک کے سپرد کی جائیں۔ یہ اس کے نقصان کا بدلہ ہو گا اور یہی بھیڑوں کے مالک کے جرم کی سزا ہے کیونکہ بھیڑیں بغیر گڈریے کے ساری رات کھیت میں پھرتی رہی ہیں عدالت کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ بادشاہ دربار برخواست کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اچانک ایک باریک سی معصوم سی آواز فضا میں ارتعاش پیدا کر گئی۔ یہ آواز حضرت سلیمان کی تھی سلیمان ابھی بچہ تھا۔ لیکن سبھی جانتے

تھے کہ وہ بہت حکیم' بہت دانا ہے۔ وہ معاملات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس کی رائے اور سوچ میں اللہ نے ایک حسن اور ایک گہرائی رکھ دی تھی کیونکہ عنقریب اس نے ایک وسیع مملکت کی فرماں روائی کا بیڑا اٹھانا تھا۔

آپ حضرت داؤد کے پہلو سے اٹھے اور بصد ادب و احترام بولے والد گرامی اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔ عدالت میں سناٹا چھا گیا ہر شخص کی نظریں سلیمان کے معصوم چہرے پر لگی تھیں۔ سب لوگ مہر بلب تھے کہ دیکھیے یہ ننھا فرشتہ کیا کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کے نبی کا حکم سر آنکھوں پر لیکن اس تنازع کا ایک حل اور بھی ہے۔ جو عدل و انصاف کے زیادہ قریب ہے۔ میری سوچ کے مطابق فیصلہ یہ ہونا چاہیے کہ ریوڑ کھیت کے مالک کے سپرد کیا جائے اور کھیت ریوڑ کے مالک کو دے دیا جائے۔ بھیڑوں کا اصل مالک کھیت کو تیار کرے اس میں بیج بوئے اور فصل کی تیاری تک کھیت کی پوری نگہداشت کرے۔ کھیت کا اصل مالک بھیڑوں کو اپنے پاس رکھے۔ اس عرصے میں دودھ 'اون اور بچوں سے فائدہ اٹھائے۔ فصل کی کٹائی سے ایک دن قبل ہر شخص اپنی اپنی ملکیت واپس لے لے۔ یعنی بھیڑیں اپنے مالک کو لوٹا دی جائیں اور کھیت کھیت کے مالک کے سپرد کر دیا جائے۔ اس میں کسی شخص کی حق تلفی نہیں ہو گی۔ میرے نزدیک یہ فیصلہ زیادہ مناسب رہے گا۔ سب لوگ اس فیصلے پر دم بخود رہ گئے اور اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو اطمینان ہو گیا کہ سلیمان بہترین جانشین ہے۔

سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے بیٹے سلیمان علیہ السلام کو جانشین اور اپنا ولی عہد مقرر فرماتے ہیں۔ حالانکہ وہ ابھی کم سن اور بچے ہیں۔ کسی بھی شخص کے دل میں یہ بات آسکتی ہے کہ داؤد پر اپنی بڑائی کا نشہ سوار تھا۔ وہ غرور و تکبر کے انسان تھے اور اپنے وسیع و عریض ملک نے ان کا دماغ خراب کر دیا تھا۔ وہ دیناوی اغراض و مقاصد کی تکمیل چاہتا تھا وہ محض ایک بادشاہ تھا اور ایک بادشاہ مملکت کی باگ ڈور کسی غیر کے ہاتھ نہیں دے سکتا چاہے وہ کتنا ہی نیک' متقی اور لائق ہو۔ لیکن نہیں یہ سب خدشات غلط ہیں۔ داؤد اگرچہ بشر تھے' بنی آدم میں سے ایک لیکن بنی آدم میں کئی ایسے لوگ ہیں جنہیں اللہ

تعالیٰ نے نبوت کا شرف عطا فرمایا اور دنیا والوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے چن لیا۔ داؤد علیہ السلام کا بڑا بیٹا ابشالوم قوی ہیکل اور بڑا طاقتور اسے دنیوی معاملات کا گہرا تجربہ بھی ہے۔ وہ ملک کے اندرونی اور بیرونی معاملات سے واقف ہے اور انہیں سلجھا سکتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ مملکت کے کاموں سے دور اور خلافت اور جانشینی سے محروم۔

ابشالوم باپ کے اس فیصلے پر راضی اور مطمئن نہیں۔ اس لیے وہ دل ہی دل میں اس فیصلے کو چیلنج کر دیتا ہے اور فیصلہ کر لیتا ہے کچھ بھی ہو وہ اپنی سلطانی کی خاطر جنگ کرے گا اور اپنے حق کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔ ابشالوم عرصے تک یہود کو اپنے قریب کرنے کی کوشش کرتا رہا اور ان سے نہایت نرمی اور مہربانی سے پیش آتا رہا۔ جب ان کے درمیان کوئی جھگڑا سر اٹھاتا تو فوراً فریقین کے درمیان صلح کرا دیتا اور حق دار کا حق اسے دلوا کر رہتا۔ وہ بنی اسرائیل کے معاملات کی اصلاح کے لیے سرگرم عمل دکھائی دیتا تھا۔ لحہ لحہ ان کی خبر گیری پر صرف کرتا۔ یہ سب مہربانیاں یہ سب کوششیں ایک خاص مقصد کی خاطر ہو رہی تھیں۔ آخر ایک دن وہ تمام حدود کو پھیلانگ گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے دروازے پر بیٹھ گیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو اپنے پاس روک لیا تاکہ تمام فیصلے خود کرے اور تمام امور کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کا ہر فرد اس کا ممنون احسان ہو۔ صرف اس کا گرویدہ ہو۔ اس کی بڑائی اور دانائی کے گن گائے اور بنی اسرائیل کو یہ یقین آجائے کہ حکومت کے تمام معاملات کی نگرانی ابشالوم کر رہا ہے تاکہ تمام لوگ اس کے سامنے اطاعت و فرمانبرداری کی گردنیں جھکا دیں اور جب وہ آواز دے تو سب اس کی طرف کھچے چلے آئیں۔

ابشالوم نے جب تیاری مکمل کر لی۔ اور مکر و فریب کا جال بچھا دیا اور اسے کسی قدر اطمینان آگیا کہ اب یہودی اس کے گرویدہ ہو چکے ہیں۔ اور وہ اس کی ہر بات ماننے کے لیے تیار ہیں تو حضرت داؤد کی خدمت میں پیش ہوا اور عرض کی۔ ابا جان! میں "جدون" جانا چاہتا ہوں۔ میں نے ایک نذر پوری کرنی ہے۔ اجازت لیکر باہر آگیا اور چند جاسوس جو پہلے سے تیار تھے بھیجے اور انہیں سمجھا دیا "جب تم نرسنگے کی آواز سنو جو تمہیں جمع کرنے کے لیے بجایا جائے گا تو بھاگتے ہوئے آنا اور میری بادشاہت کا اعلان کر

دینا۔ یہی بنی اسرائیل کے لیے بہتر اور تمہارے حقوق کی ضمانت کے لیے ضروری ہے۔ اسی طریقے سے یہ عظیم مملکت قائم اور محفوظ رہ سکتی ہے۔ شور برپا ہو گیا۔ اور فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ہر طرف چیخ و پکار ہر طرف شور و غوغا سنائی دینے لگا۔ دارالسلطنت ایک طوفان کی لپیٹ میں آگیا۔ ایک ایسے تند و تیز طوفان کی زد میں جو خشک و تر ہر چیز کو اکھیڑ لے جاتا ہے۔

داؤد علیہ السلام کو پتہ چلا کہ ابشالوم نے بغاوت کر دی ہے۔ تو اس فتنہ و فساد کی پرواہ کیے بغیر آپ اپنے فیصلے پر ڈٹے رہے اور بہادری اور صبر کا مظاہرہ کیا۔ اپنے ارد گرد موجود لوگوں کو حکم دیا کہ ابشالوم کچھ بھی کر سکتا ہے وہ ایک باغی ہے۔ رشتوں کا تقدس اس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ آؤ ہم بھاگ نکلیں کیونکہ ابشالوم سے خطرہ ہے۔ وہ ہم پر حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔

حضرت داؤد اپنے وفادار غلاموں اور ساتھیوں کے ساتھ نکلے اور دریائے اردن کو عبور کیا۔ اس مختصر سے قافلے میں عورتیں بھی تھیں اور معصوم بچے بھی۔ ننگے پاؤں روتے پیٹتے جبل زیتون کی سنگلاخ پہاڑی پر چڑھ گئے۔

بنی اسرائیل میں ایسے لوگ بھی تھے جو اس مصیبت پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اور آپ علیہ السلام کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ وہ کسی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ آگئے تھے۔ آپ کے مخلص ساتھیوں نے ان کو چپ کرانے کی ٹھانی مگر داؤد علیہ السلام نے انہیں منع فرما دیا۔ اور حسرت و یاس کے الفاظ میں کہنے لگے انہیں کچھ نہ کہو جب میرا بیٹا میرے خون کے درپے ہے تو دوسروں سے کیا شکوہ۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور عاجزی و انکساری سے دعا کی: الٰہی اس فتنے سے ہمیں محفوظ فرما اور اس مصیبت کو ٹال دے۔

داؤد علیہ السلام کے چلے آنے پر ابشالوم دارالسلطنت میں داخل ہوا اور تمام امور کی باگ ڈور سنبھال لی۔ حضرت داؤد نے اپنے چند جنگی قائدوں کو بھیجا کہ وہ جائیں اور معاملے کو دانائی اور حکمت سے سلجھانے کی کوشش کریں اور ہو سکے تو باغی ابشالوم کو قتل کر ڈالیں۔ مشیت کی کتاب میں شاید یہی لکھا تھا کہ ایک رحیم باپ اپنے بیٹے کے قتل کا حکم صادر کرے گا۔

یہ لوگ ابشالوم کے پاس پہنچے۔ اور اسے بہت سمجھایا لیکن بے سود۔ انہیں یقین آگیا کہ بغاوت کو فرو کرنے کا واحد راستہ ابشالوم کو قتل کر دینا ہے۔ انہوں نے یکبارگی حملہ کر کے ابشالوم کو قتل کر دیا اور اس طرح یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔

سلیمان کرسئ حکومت پر متمکن ہوئے۔ اس کے قلمرو میں ایک وسیع و عریض علاقہ آتا تھا۔ یہ مملکت دنیا کی عظیم ترین مملکت تھی۔ سلیمان کے مرتبے کا بادشاہ روئے زمین پر نہیں تھا۔ ان کی حکومت کی حدود بہت وسیع تھیں۔ ہوائیں بھی ان کے تابع فرمان تھیں۔ وہ ان کی مرضی اور منشاء کے مطابق چلتی تھیں۔ پرندے زیر فرمان تھے اور ان کی بولیاں بھی انہیں سکھادی گئی تھیں۔ وہ ان سے خبر رسانی کا کام لیتے تھے اور کسی پرندے کو مجال دم زدن نہیں تھی۔

آپ پر اللہ تعالیٰ کا ایک اور خصوصی انعام ہوا۔ اللہ نے ایک معدنی چشمہ جاری کر دیا جو پگھلی ہوئی چاندی باہر پھینکتا تھا۔ جنات کاریگر اس چاندی سے مکانات اور محلات تعمیر کرتے تھے۔ وہ اس چاندی سے کئی برتن ڈیوڑھیاں' تماثیل' ھنڈیاں' دیگیں اور کئی دوسری چیزیں تیار کرتے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد حکومت اور نبوت کی تمام ذمہ داریاں آپ نے ادا کرنا شروع کیں۔ اللہ نے ایسی سلطنت صرف سلیمان کے نصیب میں لکھی تھی' منطق الطیر کا علم جنات کی تسخیر' ہواؤں پر حکمرانی آپ پر ختم ہو گئی اور آپ کے بعد کسی اور جانشین کو یہ چیزیں عطا نہیں ہوئیں۔ آپ پرندوں کی صرف بولیاں نہیں جانتے تھے بلکہ ان کی لغت میں ان سے ہم کلام بھی ہوتے اور انہیں کئی ڈیوٹیاں سونپتے جو وہ خوشی پوری کرتے۔ ان سے زیادہ تر پیغام رسانی کا کام لیا جاتا۔

ایک دن سلیمان علیہ السلام سیاحت کے لیے نکلے۔ جنوں' انسانوں اور پرندوں کا ایک عظیم اژدھام ساتھ تھا۔ سفر کرتے کرتے ایک چٹیل میدان میں جا نکلے۔ راستے میں چیونٹیوں کی ایک وادی آئی۔ ایک چیونٹی نے دور سے اس اژدھام کو دیکھ لیا اور ڈر گئی۔ اسے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ اژدھام انہیں پاؤں سے روند نہ ڈالے۔ اس نے فوراً اپنی بستی کی دوسری چیونٹیوں کو اطلاع دی کہ وہ اپنے بلوں میں

گھس جائیں کیونکہ سلیمان اپنے لاؤلشکر سمیت آرہے ہیں۔ اور کہیں وہ لاعلمی میں انہیں روند نہ ڈالیں۔

سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی یہ بات سن لی۔ اور سمجھ گئے کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ آپ ہنس دیے اور بہت خوش ہوئے کہ اللہ کریم نے حشرات الارض کے متعلق بھی انہیں الہام بخشا ہے اور وہ ان کی گفتگو کو بھی سمجھ گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کو تعجب بھی ہوا کہ اتنی چھوٹی مخلوق کو اتنا ادراک اور اتنا شعور بخش دیا۔ گویا چیونٹی یہ جانتی تھی کہ سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور اللہ کا کوئی نبی شعوری طور پر مخلوق خدا کو تکلیف نہیں دیتا۔

آپ علیہ السلام کا سر تشکر وامتنان کے جذبے سے جھک گیا اور حضور باری تعالیٰ میں دعا کی۔ الٰہی تیری نعمتیں بے شمار ہیں۔ مجھے ان نعمتوں کے شکر کی توفیق بھی عطا کر دے اور میرے لیے نیکی کے راستے آسان فرمادے۔ اس دنیا میں بھی اپنی ہدایت اور رہنمائی سے سرفراز فرما اور قیامت کے روز بھی اپنے نیک بندوں کے زمرے میں شامل فرمانا۔

بنی اسرائیل کے متعلق خدائی فیصلہ

فساد یہودیوں کی سرشت میں ہے۔ وہ دور بھی آگیا کہ وہ گمراہی کی دلدل میں گھستے چلے گئے۔ ان میں سرکشی اور بغاوت کا میلان پیدا ہوتا گیا۔ امن وسلامتی رخصت ہوئی اور فتنہ وفساد کی چنگاریاں سلگنے لگیں۔ یہودیوں کے دل رحمت کے جذبوں سے عاری اور انبیاء کی تعظیم وتکریم کی کیفیات سے خالی ہوگئے بات اس سے بھی بہت آگے بڑھ گئی علماء ومشائخ حقوق اللہ کا انکار کرنے لگے۔ اللہ کے رسولوں کی تکذیب بعض کا قتل شریعت کی تعلیمات سے روگردانی معمولی بات تھی۔ اس اخلاقی پستی کی وجہ سے وہ عذاب خداوندی کے مستحق بن گئے تھے۔ انہوں نے گویا خود ہلاکت اور بربادی کے قانون کو حرکت دے دی تھی۔

لیکن اللہ کریم اس وقت تک کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا جب تک ان کی طرف کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجتا۔ اس وقت تک کسی قوم کے باغیوں کو سزا سے دوچار نہیں کرتا جب تک ان کے لیے راہ مستقیم کو واضح نہیں کر دیتا۔

حضرت ارمیا علیہ السلام کو یہودیوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا گیا۔ ارمیاء انھی کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے انہیں حق کی دعوت دی اور حکم خداوندی سے آگاہ فرمایا اور بتایا : اے میری قوم : تمہاری سرکشی حد سے بڑھ گئی ہے اور تمہاری شرارتیں عام ہو گئی ہیں۔ تمہارا رب تم سے ناراض ہے۔ میرے پاس یہ اللہ کی کتاب ہے جسے تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ اللہ کا تم پر حق ہے جس کے تم منکر ہو۔ تم جانتے ہو کہ اللہ نے تم پر کتنی نعمتیں نچھاور کی ہیں۔ اس نے تم پر فضل واحسان کی انتہاء کر دی ہے۔ تمہیں ظاہری نعمتیں بھی دی ہیں اور باطنی برکتوں سے بھی نوازا ہے۔ اسی ذات نے تمہیں یہ حکومت عطا کی۔ یہ عظیم سلطنت جس کی دنیا میں مثال نہیں۔ اسی نے تمہیں فرماں روائی بخشی اور غلامی کی لعنت سے خلاصی دی اور تمہیں اپنے زمانہ کے تمام لوگوں پر فضیلت عطا کی۔

کل ہی کی تو بات ہے سخاریب بابل کا بادشاہ ظلم وستم کا پیکر اپنا لشکر جرار لیکر نکلا کہ تمہارے گھروں کو مسمار کرے۔ تمہاری جنم بھومی میں غلغلہ فتح بلند کرے اگر اسے چھوڑ دیا جاتا اور اس کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کھول دیا جاتا تو تم سب کو فناہ کی گھاٹ اتار دیتا۔ تمہاری جمعیت کو بکھیر دیتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت اشعیاء کے ذریعے تم پر رحمت فرمائی۔ وہ ایک داعی بن کر آئے۔ دنیا کی فکر سے آزاد محض اللہ کی خاطر' صرف اس ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ اس طلسم کدہ عصیاں میں اترے تاکہ تمہیں اس ظالم و جابر شخص کے مکر و فریب سے بچائیں۔ انہوں نے تمہارے لیے دعائیں کیں تمہارے لیے روئے اور آنسوؤں میں بھیگی آواز میں اللہ تعالیٰ سے التجائیں کیں۔ ان کی دعائیں قبول ہوئیں۔ اللہ نے تمہارے دشمنوں کو ناکام و نامراد لوٹا دیا۔ انہیں شکست' عبرت ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ذلت و مسکنت ان کا مقدر ٹھہری۔ پورا لشکر تباہ ہوا۔ جو اکا دکا لوگ بچ گئے جان لیوا امراض کا شکار ہوئے اور دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بن گئے۔

لیکن تم نے اشعیاء علیہ السلام کو کیا صلہ دیا۔ تم نے اپنے مخلص سے کیا برتاؤ کیا۔ تمہیں کچھ یاد ہے ؟ اگر ایسا مخلص کسی اور قوم میں مبعوث ہوتا تو وہ اس سے محبت اور الفت کا سلوک کرتے۔ ان کے احسانات کو یاد رکھتے۔ سب لوگ اس کی طرف داری

کرتے۔ اس کی بات پر توجہ دیتے اور ان پر زندگی کی متاع عزیز تک قربان کر دیتے لیکن: وائے حسرتا! تم نے بہت برا کیا۔ تم نے ایک جلیل القدر نبی کی اہانت کی۔ انہیں ذلیل و خوار کر دیا۔ اسی پر اکتفار کرتے تو بھی کوئی بات تھی لیکن تم نے اپنے محسن کو قتل کر ڈالا۔ تم نے اپنے مخلص کو اپنے ہاتھوں ذبح کر ڈالا۔ تم نے ایک بے گناہ کے خون سے ہاتھ رنگ لیے۔ ایک معصوم پیغمبر سے بدسلوکی کی۔ حتی کہ اس پاکباز کی مقدس روح نیک اور مکرم روح تمہارے جور و جفا کی شکایت کرتی ہوئی حریم قدس میں جا پہنچی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہاری نافرمانی اور کفر سے برأت کا اعلان کیا تم آج بھی وہی تاریخ دہرانا چاہتے ہو۔ تمہارے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تم گناہوں میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے ہو۔ ظلم و زیادتی پر ایک دوسرے کو ابھارتے ہو۔ تم اپنی آنکھوں سے ظلم برپا ہوتے دیکھتے ہو لیکن کسی کو منع نہیں کرتے۔ شاید تم نے تورات جیسی کتاب سے بھی تزکیہ حاصل نہیں کیا شاید انبیاء کسی اور علاقہ میں وعظ و تلقین کرتے رہے۔

میری بات پر غور کرو۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا ہوں۔ میری اس بات کو خدائی وعید یقین کرو۔ اللہ نے مجھے وحی کی ہے کہ میں تمہیں حق کی طرف بلاؤں اور آنے والے عذاب سے تمہیں باخبر کروں اگر تم اس بدمستی سے باز نہ آئے اور جہالت پر ڈٹے رہے اور اپنی کتاب کی طرف رجوع کر کے اس کے بتائے ہوئے طریقے کو اختیار نہ کیا۔ شریعت کے قانون کی تضحیک کی۔ نیکی اور راستبازی ترک کر دی تو وہ تم پر ایسے غلاموں کو چڑھا لائے گا جو تند خو ہونگے اور ایسے لشکر بھیجے گا جو بہت قوی ہونگے۔ تمہیں ایک ایسے دشمن سے پالا پڑے گا جس کا لوہا بہت سخت ہو گا۔ ایسی فوج سے سامنا ہو گا جس کا حملہ ہلاکت خیز ہو گا وہ ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جن کے دل میں رحم کا کوئی جذبہ نہیں ہو گا۔ وہ رحمت اور رافت کے نام سے بھی واقف نہیں ہونگے۔ وہ تمہیں پیشانی کے بالوں سے پکڑیں گے اور تمہیں ذلیل و رسوا کر دیں گے۔ وہ تمہارے گھروں میں گھس جائیں گے۔ وہ تمہارے ان شاندار محلوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ تمہارے مضبوط قلعے گر کر ہموار راستے بن جائیں گے۔ تمہارے سرسبز و شاداب باغ شیروں کی کچھار بن جائیں گے۔ تمہارے پکے ہوئے یہ کھیت تیندوؤں اور چیتوں کی آماجگاہ بن جائیں گے۔ عبادت گاہیں جو تمہارے دلوں کی جان اور اطمینان کا سبب ہیں

زمین بوس ہو جائیں گی۔ تمہارا خون ارزاں اور بے وقعت ہو جائے گا اور تمہاری حیثیت محض چارے کی ہو گی جسے کوئی بھی کاٹ سکتا ہے۔ تم یا تو قتل ہو جاؤ گے یا پھر پابجولاں غلام قوم کے ذلیل قوم بن جاؤ گے۔

میں تمہیں نصیحت کر رہا ہوں اور میں اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہوں۔ میں حتی الوسع تمہیں باخبر کر رہا ہوں۔ اب تمہاری مرضی چاہو تو میرے راستے کی پیروی کرو چاہو تو کسی اور راستے پر نکل دوڑو۔

امرائے یہود نے استہزاء کے انداز میں پوچھا: کیا تو نے اسی لیے بلایا تھا؟ بس تو یہی نصیحت کرنا چاہتا تھا؟ ارمیاء! تو نے خدا پر جھوٹ بولا ہے۔ یہ محض بہتان ہے۔ کیا جس خدا نے ہمیں مخلوق سے چنا۔ اپنی کتاب کے لیے ہمارا انتخاب کیا کیا وہ ہمارا ملک کافروں کے ہاتھ میں دے دے گا۔ جو آگ کی پوجا کرتے ہیں اور بتوں کو سجدہ کرتے ہیں؟ یہ سب باتیں من گھڑت ہیں۔ ان میں ذرا بھی سچائی نہیں۔ تو وہم و گمان کی وادی میں بھٹک رہا ہے۔ آؤ لوگو! یہ شخص ہمیں خواہ مخواہ پریشان کرتا ہے۔

حضرت ارمیاء نے فرمایا: نہیں بخدا ذرا ٹھہر جاؤ۔ میری بات پر دھیان دو۔ لوگو! اللہ انہیں عذاب کی صورت میں بھیج رہا ہے جس طرح طاعون اور سیلاب کا عذاب آیا تھا۔ اس میں فرق ہی کیا ہے کہ تم سیلاب اور طوفان سے ہلاک ہو یا ایک ظالم بادشاہ تمہاری جڑ کاٹ دے اور تمہیں نیست و نابود کر دے۔ اللہ گواہ ہے کہ میں نے تمہیں نصیحت کر دی ہے اور اللہ کا پیغام پہنچانے میں کوئی خیانت نہیں کی۔ اب فیصلہ تم نے کرنا ہے کہ کیا بہتر ہے۔

سردار پھر بولے: اے ارمیا اب بس بھی کر۔ بہت ہو چکی نصیحت۔ تو نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ اسی وجہ سے تو یہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ اور تیری عقل کھو گئی ہے۔ اس لیے تو اس قدر ملامت پر اتر آیا ہے۔ اب تیرا ایک ہی علاج ہے کہ تیرے ہاتھ پاؤں باندھ دیے جائیں اور کسی اندھیری کوٹھڑی میں تجھے نظر بند کر دیا جائے کسی دور دراز مقام کی طرف نکال دیا جائے تاکہ ہماری عیش و آرام کی زندگی میں کوئی کدورت نہ آئے۔ دوسری صبح اللہ کا یہ نبی ارمیاء علیہ السلام پابجولاں قید خانے میں تھے۔

آخر وہ دن بھی آ گیا جس کی بات ارمیاء کرتے تھے۔ ایک دن مشرق سے افق در افق پھیلتا ہوا غبار نظر آیا۔ غبار ہر لمحہ بڑھتا اور پھیلتا گیا۔ روشنی کی کرنیں فضا میں

محصور ہو گئیں اور زمین پر تاریکی کی چادر تن گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد غبار چھٹ گیا۔ یہ آندھی نہیں تھی۔ ایک طوفان بلا خیز تھا۔ ایک لشکر جرار بڑھتا چلا آرہا تھا۔ یہ وہی عذاب تھا جس کی پیشگوئی کی پاداش میں اللہ کا نبی زینت زنداں بنا ہوا تھا۔

غبار کیا چھٹا کہ بنی اسرائیل کی آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹ گئے لیکن وقت گزر چکا تھا۔ مہلت کی گھڑیاں ختم ہو چکی تھیں۔ بخت نصر تاجدار بابل عذاب الٰہی بن کر پہنچ چکا تھا۔ اب کون اس طوفان کا راستہ روک سکتا تھا۔ کون اس سیل بے کراں کے راستے میں حائل ہونے کی جرأت کر سکتا تھا۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کیا یہ وہی عذاب نہیں جس کی بات ارمیاء نے کی۔ اگر یہ وہی ہے تو لو ہم ہلاک ہو گئے۔

بخت نصر کا لشکر خدائی عذاب کی صورت میں اچانک نمودار ہوا۔ اس نے کسی کو سوچنے کا موقعہ بھی نہ دیا اور عقاب کی طرح جھپٹا شیر کی مانند دھاڑا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ وہ اور آگے بڑھا اور ظلم و ستم کا ایک خونی باب رقم کر دیا۔ کسی کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ کوئی گھر نہ چھوڑا۔ سب کچھ نیست و نابود کرتا گیا۔ بلند و بالا محلات مٹی کا ڈھیر بن گئے۔ بستے گھر اجاڑ دیے۔ ہنستی اور مچلتی جوانیاں خون میں نہلا دیں۔ تقدس مآب آنچل سروں سے نوچ لیے اور ہر طرف ظلم و ستم کی انتہاء کر دی۔

بیت المقدس! اس کا تقدس پامال ہوا۔ اسکی شرافت اور پاکیزگی کو داغدار کیا۔ اس میں عبادت خداوندی ممنوع ٹھہری۔ مرد موت کی گھاٹ اترے جو بچے طوق و سلاسل پہنے اسیری میں بابل پہنچے۔ اب یہ مقدس وادی ملک خداداد و عدے کا ملک ایک ویرانہ تھا جہاں وحشتیں قہقہے لگا رہی تھیں۔

کئی سال گزر گئے، کئی عرصے بیت گئے بخت نصر دنیا سے کوچ کر گیا اور اس کے بعد بابل کی زمام اقتدار ایک نرم خو، نیک سیرت اور رحیم شخص کے ہاتھ میں آئی۔ اس نے دیکھا کہ بنی اسرائیل ذلت و مسکنت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور صبح و شام رسوائی کے جوئے تلے جتے ہیں تو اس نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں اور ان کی ذلت کی وجہ کیا ہے۔ اسے بتایا گیا کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ یہ عظیم بادشاہ جلیل القدر نبی حضرت داؤد کے پوتے ہیں۔ ان کا اصل وطن شام ہے۔ ان کا ملک نہایت مردم خیز اور شاداب ہے۔ آپ کے دادا بخت نصر نے انہیں شکست دی اور انہیں ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا۔ جو بچ گئے وہ مختلف ملکوں میں بکھیر دیے گے اور ذلت و رسوائی کی ایک طویل رات ان کا مقدر ٹھہری۔

بادشاہ یہ داستان سن کر پریشان ہو گیا۔ اس کی رحم پسند طبیعت پر اس کا بہت زیادہ اثر ہوا اس نے حکم دیا کہ یعقوب کی اولاد جہاں بھی ہے اسے یکجا کرو انہیں دنیا کے کونے کونے سے چن چن کر اکٹھا کرو۔ اور انہیں آزاد کر کے باعزت اپنے وطن جانے دو۔ تاکہ وہ پہلے کی طرح قوی زندگی کی ایک لڑی میں پرو جائیں اور عزت کی زندگی بسر کریں۔

بنی اسرائیل اپنے وطن واپس آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ پھر انہیں اپنی نعمتوں سے نوازا۔ اولاد و اموال کی فراوانی ہو گئی۔ کھیتیاں لہلہانے لگیں۔ مویشی بڑھنے لگے اور سعادت و مسرت کے تمام اسباب عود کر آئے۔

اب چاہیے تو یہ تھا کہ اسرائیلی ماضی سے سبق سیکھتے اور اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے لیکن ان کی شر پسند طبیعتوں نے بھلائی اختیار کرنے اور اصلاح پر آمادہ ہونے میں بہت دیر کر دی۔ یہ وہی قوم تو تھی جس نے یوسف کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی تھی اور انہیں تکلیف میں مبتلا کر دیا تھا۔ انہوں نے ہی موسیٰ علیہ السلام کی بار بار نافرمانی کی تھی یہ کب راہ راست پر۔ آنے والے تھے۔ ان کے دل کب اطمینان سے مانوس ہوتے۔ کب یہ سرکشی کی روش ترک کر سکتے تھے۔ پھر وہی سرکشی کی راہیں تھیں اور اسرائیلی قوم۔ وہی عصیاں و نافرمانیاں تھیں اور یوسف کے بھائی تھے۔ لیکن ان پر حجت تمام کرنا ضروری تھا۔ حضرت زکریاء علیہ السلام تشریف لائے ان کے بعد حضرت یحیٰی آئے۔ یہ رحیم و کریم نبی جلیل القدر نبی لیکن وہی ہوا جو پہلے ہوتا تھا کہ پرانے زخم پھر تازہ ہو گئے ہیں۔ پرانی رنجشیں پھر یاد آگئی ہیں۔ اسرائیلی آپ کے خون کے پیاسے تھے۔ معصوم خون ان کے منہ کو لگ چکا تھا۔ اپنے محسنوں کے خون سے ہاتھ رنگ لیے۔

انتقام خداوندی کی تلوار پھر بے نیام ہوئی۔ یونانی تیغ بے نیام بن کر ٹوٹے اور بخت نصر کے ظلم کی یاد تازہ کر دی۔ ملک یونانیوں کے ہاتھ رہا۔ عبادت خانے مسمار ہوئے۔ انسانوں کو بے دریغ ذبح کیا گیا۔ جو بچ گئے دنیا کے کونے کونے میں بکھیر دیے گئے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے انہیں ذلیل و خوار کر دیا اور غضب خداوندی کے مستحق بن گئے۔

ذَالِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَالِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ

"حضرت عزیر علیہ السلام"

عزیر علیہ السلام اپنے باغ میں تشریف فرما تھے۔ ہر طرف شادابی اور زرخیزی تھی۔ ٹھنڈے سائے روح میں تازگی بھر رہے تھے۔ انگوروں کی بیلوں سے بھرے بھرے خوشے لٹک رہے تھے۔ پیڑوں پر عنادل میٹھے ترانے الاپ رہی تھیں' رنگے برنگے پرندے منظر میں دلکشی اور جاذبیت کے ہزاروں رنگ بھر رہے تھے۔

آپ صرف چند لمحے یہاں رکے۔ حسین و دلکش نظاروں کو دیکھا اور اللہ کی قدرت و جبروت کے مظاہر پر دنگ رہ گئے۔ انگور اور انجیر سے ایک ٹوکری بھری۔ کچھ روٹیاں ساتھ لیں' گدھی پر سوار ہوئے اور گھر کی راہ لی۔

راستے میں چلتے چلتے وہ کائنات کے راز اور عظمت وجود کے بارے میں سوچنے لگے۔ یہ سوچ لمحہ بہ لمحہ گہری ہوتی گئی۔ اس خیال اور سوچ میں راستے سے الگ ہو گئے ہر قدم منزل سے دور کرتا گیا اور چلتے چلتے بہت دور نکل گئے۔ جب خیال آیا تو دیکھا کہ کسی ان دیکھے راستے پر گامزن ہیں۔ کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہاں ہیں' کس سمت چل رہے ہیں۔ قدم خود بخود اٹھ رہے تھے۔ چلتے چلتے ایک ویران و سنسان بستی میں پہنچے۔ جو زبان حال سے کسی ایسی قوم کی داستان کہہ رہی تھی جس کے وجود کو گردش ایام نے بکھیر دیا اور موت کے بے رحم پنجوں نے ہمیشہ کی نیند سلا دیا تھا۔ بستی بس موہوم

سے نشانات تھے اور کسی قدیم تہذیب کے مٹتے ہوئے نشانات۔ انسانی ہڈیاں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں اور بوسیدہ جسم خاک میں ملتے جارہے تھے۔ آپ یہاں ٹھہر گئے۔ کھانے کی ٹوکری پاس رکھ لی اور گدھے کو ذرا فاصلے پر باندھ دیا۔ اور ستانے کے لئے ایک بوسیدہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ گرمی کی شدت ذرا کم ہو گئی تھی۔ کیونکہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلنی شروع ہو گئی تھی اور بادل کا ایک ٹکڑا سورج کی بے رحم کرنوں کے راستے میں حائل ہو گیا تھا۔ آپ بہت تھک چکے تھے۔ موسم ذرا مہربان ہوا تو آنکھ لگ گئی لیکن نہیں انہیں گھر پہنچنا تھا سر کو جھٹک دیا اور اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن اچانک سوچ کا دھارا بدل گیا۔ یہ گلے سڑے جسم بوسیدہ ہڈیاں جنہیں نہ تمازت کا شعور نہ ٹھنڈک کا کچھ احساس پھر سے کیونکر زندہ ہونگی۔ اسی خیال اور سوچ میں نیند نے دبوچ لیا اور اس خاموش فضا اور پر سکون منظر کا ایک مکمل حصہ بن گئے۔ یہ محسوس ہوا گویا یہ بھی راہی ملک عدم ہو چکے ہیں۔

اسی نیند میں سو سال کا عرصہ بیت گیا۔ بچے بوڑھے ہو گئے۔ آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہو گئیں۔ پرانی قومیں مٹ گئیں نئے لوگ سردار بنے۔ نہ جانے کتنی تبدیلیاں رونما ہوئیں کتنے منظر بدل گئے لیکن عزیر علیہ السلام جسم بلا روح کی طرح ایک ہی جگہ پڑے سوتے رہے۔ یہ نیند موت کی نیند تھی۔ عضو عضو الگ ہوا۔ انگ انگ بکھر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ جو چیز لوگوں کو حیران کرتی ہے جسے یہ بعید از قیاس یقین کرتے ہیں۔ جس نظریے کو وہ اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ وہ حواس اور عقل کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا آج اسے لوگوں کے سامنے بیان کر دے۔

اللہ نے عزیر علیہ السلام کی ہڈیوں کو جمع فرمایا۔ جسم کو درست کیا اور اس میں روح لوٹا دی۔ وہ چاک و چوبند پہلے کی طرح صحت مند اور جوان اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں یوں محسوس ہوا گویا تھوڑی دیر سو کر بیدار ہوئے ہیں۔ گدھا تلاش کیا۔ سامان کو ادھر ادھر دیکھا لیکن کچھ بھی نہیں تھا۔

ایک فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کی۔ عزیر! ذرا بتاؤ تو یہاں کتنی دیر قیام رہا۔ آپ نے بلا تامل فرمایا۔ یہی ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ فرشتے نے بتایا۔ نہیں۔ عزیر! آپ یہاں ایک سو سال ٹھہرے ہیں۔ اتنی طویل مدت تم اسی جگہ پڑے رہے تمہیں

شبنم بھگوتی رہی بارشیں برستی رہیں جھکڑ آئے لیکن ان تمام حادثات کے باوجود آپ کا کھانا تروتازہ ہے اور مشروب ویسے کا ویسا ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں میں دیکھو کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ لیکن گدھا مر چکا ہے اس کی ہڈیاں بکھری پڑی ہیں۔ اس کے جسم کا ہر جوڑ الگ ہو گیا ہے۔ عنقریب تم دیکھو گے کہ اللہ کریم کیسے بوسیدہ ہڈیوں کو جوڑتا ہے اور کیسے ان میں زندگی کے آثار پیدا فرماتا ہے۔ یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کہ آپ کو یقین آجائے کہ دنیوی زندگی کے بعد اخروی زندگی افسانہ نہیں اک حقیقت ہے۔ اس سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تیری وساطت سے لوگوں کو مخفی حقائق پر یقین آجائے اور مذہب کی سچائی عیاں ہو جائے۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہی گدھا زندہ ہو جاتا ہے اور آپ کے سامنے قیامت کی حقانیت کھل جاتی ہے۔ آپ اللہ کی قدرت دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں۔

اَعلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ"

"میں جان گیا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"

(بقرہ: ۲۵۹)

آپ نے گدھے کی باگ تھامی اور چل دیے۔ چاہتے تھے کہ زمین سمٹ جائے اور ایک لمحے میں گھر پہنچ جاؤں۔ لیکن راستہ بھول کر تو سو سال پہلے ادھر آنکلے تھے۔ آج تو سب کچھ بدل گیا تھا۔ راستے اجنبی محسوس ہوتے تھے۔ ماضی کا چہرہ حال کے پردوں میں چھپ گیا تھا۔ لیکن ایک وارفتگی تھی۔ ایک جنون تھا۔ گھر کی محبت تھی کہ خود بخود قدم اٹھتے جاتے تھے۔ اچانک اپنی بستی میں جانکلے۔ اگرچہ بہت تبدیل ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اپنی بستی تھی۔ ایک گھر کے صحن میں جا کھڑے ہوئے۔ ایک بوڑھی ماں نظر آئی۔ کمر کمان کی طرح دوہری ہو چکی تھی نقاہت سے قدم اٹھ نہیں سکتے تھے۔ اللہ کی قدرت کہ اتنی طول العمری میں بھی زندہ تھی۔ نہ جانے اس بوڑھی نے کتنی بہاریں دیکھی ہونگی کتنی خزائیں جھیلی ہونگی ان کی آنکھوں سے بصارت رخصت ہو چکی تھی یہ عزیر کی ماں تھیں جنہیں سو سال قبل آپ نے جوانی میں الوداع کہا تھا۔ اس وقت تو ان کے جسم میں تازگی ہی تازگی تھی۔

آپ نہ پہچان سکے کہ یہ مقدس چہرہ ماں کا ہے لیکن نہ جانے کیوں ادب سے آنکھیں خود بخود جھکی جاتیں تھیں۔ آپ نے بڑے احترام سے پوچھا ماں جی کیا یہی گھر عزیر کا ہے؟ بوڑھی کی آواز آنسوؤں میں بھیگ گئی۔ جسم پر کپکپی سی طاری ہو گئی۔ بصد مشکل رندھی ہوئی آواز میں بس اتنا کہہ سکی۔ ہاں...... اور پھر ایک طویل خاموشی چھا گئی۔ عزیر نے سر اٹھا کر دیکھا۔ بوڑھی کی آنکھوں میں آنسو تھے جو جھریوں بھرے چہرے سے ٹپک کر نیچے گر رہے تھے۔ ہونٹوں کے گوشوں میں تھر تھراہٹ تھی۔ اس نے پھر ہم کلامی کے انداز میں کہنا شروع کیا۔ عزیر تو جا چکے اب تو لوگ ان کا نام بھی بھول گئے۔ میں تو عزیر کا نام سننے کے لیے ترس گئی تھی۔ آج آپ نے سوتے نغمے جگا دیئے۔ میرا غم تازہ کر دیا۔ لیکن بیٹا نہ جانے کیوں مجھے پہلی بار محسوس ہوا ہے کہ کسی نے دل کی گہرائیوں سے عزیر کی طرح مجھے ماں کہا ہے بیٹا بتا تو کون ہے۔ عزیر کا قریبی دوست یا اس کے بیٹوں کا واقف کار۔

عزیر علیہ السلام نے بوڑھی ماں کے ہاتھ تھام لیے اور کہا۔ اماں! میں عزیر ہوں۔ اللہ نے مجھ پر سو سال موت طاری رکھی۔ پھر مجھے نیا وجود بخشا اور زندگی لوٹا دی۔ بوڑھی اماں بے قرار ہو گئی: اور تھراتی آواز میں ذرا زور دے کر کہا: نہیں تم عزیر نہیں ہو سکتے۔ وہ تو مرد صالح تھا۔ مستجاب الدعوات۔ ہاتھ اٹھتے تھے تو خالی نہیں لوٹتے تھے۔ اللہ سے جو کچھ مانگتا مل جاتا تھا۔ جس مریض کی شفاء کی درخواست کرتا دعا قبول ہوتی اور مریض تندرست ہو جاتا۔ اگر تو عزیر ہے تو اللہ سے دعا کر کہ وہ مجھے کھوئی ہوئی توانائیاں واپس لوٹا دے اور میری بصارت لوٹ آئے۔ عزیر علیہ السلام نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ بس ایک لمحے کی دیر میں بوڑھی ماں کا چہرہ گلاب کے پھول کی مانند کھل اٹھا۔ مدتوں بیتی بہار واپس آگئی۔ ان کی نس نس میں نئی زندگی کا خون دوڑنے لگا اور آنکھوں میں کھوئی ہوئی روشنی واپس آگئی۔ ماں دوڑ کر عزیر سے لپٹ گئی۔ ان کے ہاتھ پاؤں چومنے لگی۔ جی بھر کر پیار کیا۔ پھر دوڑی دوڑی اپنی قوم کی طرف گئی جس میں عزیر کے بیٹے پوتے تھے۔ ان میں کچھ تو اسی سال اور کچھ پچاس سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ ان میں آپ کے ہم عصر چولی دامن کے ساتھی دوست بھی تھے جو بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان کی ہڈیاں کمزور ہو گئیں تھیں اور وہ چراغ سحری کی طرح ٹمٹما

رہے تھے۔ عزیر کی والدہ ماجدہ دور سے چیخیں۔ عزیر جسے آپ سو سال سے تلاش کر رہے تھے وہ واپس آ گئے۔ وہ اسی طرح تندرست و توانا ہیں اور جوانی کی عمر میں ہیں۔

والدہ ماجدہ کے پیچھے پیچھے عزیر علیہ السلام بھی پہنچ گئے۔ ایک سیانا' بلند اخلاق' مضبوط جسم کا مالک شخص ان کے سامنے تھا۔ سب نے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ لیکن بوڑھی کی بصارت اور جوانی ایسی دلیل تھی جسے جھٹلانا آسان نہیں تھا۔ سو سال کا عرصہ کچھ کم عرصہ نہیں ہے۔ پھر عزیر تو یہ دعویٰ بھی کر رہے تھے کہ یہ ان کی دوسری زندگی ہے۔ مانیں تو کیسے مانیں۔ یقین کریں تو کیسے یقین کریں۔ جھوٹ سب جھوٹ کی آوازیں آنا شروع ہو جاتی ہیں لیکن ایک شخص اشارا کرتا ہے اور سب لوگ آن واحد میں خاموش ہو جاتے ہیں۔ یہ عزیر کا بیٹا ہے جو اب بوڑھا ہو چکا ہے وہ گویا ہوتا ہے۔ لوگ اسے بولتا دیکھ کر گوش بر آواز ہو جاتے ہیں : وہ کہتا ہے یونہی جھٹلا دینا مناسب نہیں۔ ہمیں آزما لینا چاہیے۔ تحقیق کر لینی چاہیے۔ اے مسافر! میرے والد کے دائیں کندھے پر تل کا نشان تھا جو اسے دوسرے لوگوں سے امتیاز بخشتا تھا۔ ذرا کندھا دکھائیے۔ اگر تم سچے ہو کندھے سے کپڑا ہٹایا گیا تو نشانی موجود تھی۔ دائیں کندھے پر تل بالکل نمایاں تھا جس طرح آپ کے بیٹے نے کہا تھا۔ لیکن یہ کوئی خاص نشانی نہیں۔ تل کسی بھی شخص کے دائیں کندھے پر ہو سکتا ہے۔ کوئی ایسی نشانی ہو جس سے دل مطمئن ہو جائیں۔ اچھا تاریخ بتاتی ہے کہ بخت نصر کے حملے کے وقت عزیر موجود تھے۔ جب تورات شریف جلا دی گئی تو زمین پر تورات کے بہت کم لوگ حافظ تھے۔ ان حفاظ میں ایک عزیر علیہ السلام کا نام بھی ہے۔ اگر تو واقعی عزیر ہے تو تورات پڑھ کر سنا۔ حضرت نے توریت شریف کی تلاوت شروع کر دی۔ کوئی نص آگے پیچھے نہ ہوئی۔ کوئی حرف ادھر ادھر نہ ہوا۔ آپ بڑی روانی سے تورات کی تلاوت کرتے رہے۔

اس دلیل کو کون جھٹلا سکتا تھا۔ لوگ اللہ کے نبی سے لپٹ لپٹ کر ملنے لگے۔ سب ان کی تصدیق کرنے لگے۔ لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ زیارت کو حاضر ہونے لگے مبارک بادیاں ملنے لگیں۔ ہر طرف خوشی کے شادیانے بجنے لگے لیکن...... محبت اندھی ہوتی ہے آنے والی نسلوں نے اس واقعہ سے نصیحت حاصل نہ کی ان کی سرکشی میں اضافہ ہوا۔ حضرت عزیر کی تعلیمات کی پرواہ نہ کی اور کہنے لگے عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰہ

حق و باطل کا معرکہ

دو اسرائیلی بھائی جنہیں ایک ہی ماں نے دودھ پلایا تھا اور ایک ہی باپ کی صلب سے تھے اپنی طبیعت میں ایک دوسرے سے کلیتہً مختلف تھے۔ جس طرح تمام نباتات اسی ایک ہی زمین سے اگتی ہیں لیکن ہر ایک کا اپنا رنگ اور اپنا ذائقہ ہوتا ہے۔ کلیاں ایک ہی غنچے سے چٹختی ہیں لیکن ہر کلی کا اپنا رنگ اور اپنی خوشبو ہوتی ہے۔ اسی طرح ان دونوں بھائیوں کی طبیعت میں واضح تضاد تھا۔ یہودہ ایماندار' علم و معرفت کا حامل' متقی' پرہیز' صابر و شاکر جوان تھا۔ دنیا اور اس کی زیب و زینت سے کوسوں دور' مال و متاع کی حرص سے پاک اللہ کریم پر توکل جیسے اس اوصاف کی طبیعت میں رچ بس گئے تھے۔ اس کا دوسرا بھائی قطروس کافر' منکر خدا بہت کنجوس اور بخیل تھا۔ وہ اپنے ہاتھ سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں جانے دیتا تھا۔ اس کے دل و دماغ پر دولت کا بھوت سوار تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ طبیعت کا چڑچڑا اور دل کا بہت سخت تھا۔ والد نے ان کیلئے بے بہا دولت چھوڑی تھی۔ دونوں بھائیوں نے باپ کے آنکھیں موندتے ہی ساری دولت' مال مویشی بانٹ لیے اور اپنی اپنی سرشت اور طبیعت کے مطابق دولت میں تصرف کرنا شروع کر دیا۔ ہر ایک کا اپنا راستہ تھا۔ اور دولت خرچ کرنے کا اپنا نظریہ۔

یہودہ مال لے کر اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کی: اے میرے رب! میں اس مال میں تیری رضا اور خوشنودی کے مطابق تصرف کرنا چاہتا ہوں۔ میں تیری عطا کردہ ان نعمتوں کا شکر کرتا ہوں اور جنت کی خاطر تیرے راستے میں یہ پونجی قربان کرتا ہوں۔ اس نے بے دریغ راہ خدا میں مال لٹانا شروع کر دیا۔ جو بھی غریب آتا جھولی بھر کر واپس لوٹتا۔ اسیر آزاد ہونے لگے۔ یتیموں کی پرورش شروع ہو گئی اور صلاح و فلاح کے دوسرے کئی کاموں میں اپنی دولت خرچ کرنے لگا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سب مال خرچ ہو گیا اور نوبت فقر و فاقہ تک جا پہنچی۔ لیکن یہودہ مطمئن تھا۔ اسے کوئی پریشانی نہیں تھی بلکہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اک گونا خوشی محسوس کر رہا تھا۔ جو مل جاتا کھا لیتا۔ جیسا میسر آتا پہن لیتا اور راضی برضا قناعت اور توکل کی زندگی بسر کرنے لگا۔

دوسرا بھائی جس کا نام قطروس تھا وہ کوڑی کوڑی سنبھالتا رہا۔ مال تجوریوں میں بھرتا گیا۔ تالے لگاتا گیا۔ اور مال آئے روز دوگنا چوگنا ہوتا گیا۔ سائل آتا دروازے پر دستک دیتا لیکن خالی ہاتھ واپس ہو جاتا۔ تنگ دست فریاد کرتا ایک وقت کی روٹی طلب کرتا لیکن اسے ایک لقمہ بھی نہ مل پاتا۔ اس نے فقیر کی صدا سے کان بند کر لیے تھے مسکینوں کو دیکھنے سے آنکھیں موند لی تھیں۔

قطروس نے دو باغ لگوائے جن پر ایک عرصے تک کام ہوتا رہا۔ باغ کیا تھے کہ قطروس نے ان کی تیاری پر زندگی کی ساری دولت لٹادی تھی۔ یہ دونوں باغ انگور کے تھے۔ دونوں خوب شاداب ہوئے خوب پھلے پھولے بیلیں دور دور تک پھیل گئیں۔ سائے گھنے ہو گئے اور جنت کے حسین مناظر کی یاد تازہ ہو گئی۔ دونوں باغوں میں سیر کرنے کے لیے روشیں تیار ہوئیں۔ صاف پانی کی نہریں جاری ہوئیں۔ راستوں پر گلاب اور چنبیلی کے پھول لگائے۔ باغوں کے چاروں طرف کھجور اور سرو کے اونچے اونچے درخت لگوائے۔ سنبل و ریحان کی کیاریاں تیار کرائیں گویا خلد بریں اپنے زرق برق لباس اور پوری آب و تاب کے ساتھ زمین پر آگئی ہو۔ گھاس سے ڈھکی زمین، لٹکتے گوشے، سبز پتے ٹھنڈا میٹھا پانی۔ چٹختی اور مہکتی کلیاں۔ نغمہ سنج قمریاں حتیٰ کہ دیکھنے اور سننے کے سب فتنے سب نزہتیں موجود تھیں۔

آئے دن رزق میں اضافہ ہوتا گیا۔ پھلوں میں اور برکتیں پیدا ہوئیں اللہ نے اسے بچے دیے جن سے اس کی زندگی کی رونقوں اور خوشگواریوں میں اور اضافہ ہوا۔

اللہ کی جن نعمتوں میں وہ لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ مال اولاد کی ان خوشیوں میں جنھوں نے اس کے دل میں ٹھنڈک بھر دی تھی اسے چاہیے تھا کہ وہ ان نعمتوں کے صانع ان کے خالق کے متعلق سوچتا۔ اس ذات کا عرفان حاصل کرنے کے لیے ان مظاہر میں غور و خوض کرتا۔ فطرت کی رنگینیاں دیکھ کر قدرت کی طاقتوں کی معرفت حاصل کرتا۔ اس ذات کا شکر ادا کرتا اس کی حمد و ستائش میں رطب اللسان ہوتا لیکن جن لوگوں کو نعمتیں سرکش بنا دیتی ہیں۔ دولت ان کی بصارت چھین لیتی ہے وہ غفلت میں بہت آگے نکل جاتے ہیں اور لاپرواہی میں حد سے گزر جاتے ہیں یہاں تک کہ گردش لیل و نہار کا ہاتھ ان کے دروازے پر آ دستک دیتا ہے تب وہ خواب غفلت سے بیدار

ہوتے ہیں۔ جب تباہی سامنے پہنچ جاتی ہے تو تب ان کے دلوں سے سرکشی کے پردے ہٹتے ہیں۔

قطروس کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ جوں جوں اس کی دولت بڑھتی گئی اسکی سرکشی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اس کے منہ سے شکر کا ایک لفظ ادا نہ ہو سکا۔ نخوت و تکبر میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ یہ دولت اللہ کی دین ہے۔

ایک دن اس کا بھائی یہودہ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس اس کے محل کے قریب سے گزرا۔ قطروس نے اسے دیکھ لیا۔ اسے بلا لیا۔ لعنت ملامت کی اور بہت برے طریقے سے پیش آیا۔ وہ حقارت کے لہجے میں کہنے لگا۔ تیرا مال و دولت کہاں گیے۔ وہ سونا چاندی کیا ہوا؟ ؟ ذرا دیکھ تجھ میں اور مجھ میں کتنا فرق ہے تو بدحال ہے اور چیتھڑوں میں ملبوس۔ تیرا کوئی دوست نہیں کوئی بھائی نہیں۔ مگر میں عیش کر رہا ہوں۔ میرے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے۔ بچوں سے گھر پر رونق ہے۔ ہزاروں خادم میرے آگے پیچھے پھرتے ہیں۔ لوگ میری راہ میں پلکیں بچھاتے ہیں۔ آیئے میرے باغ میں ذرا چل کر دیکھیے۔ انگوروں کے گچھے لٹک رہے ہیں۔ درخت بہار دکھا رہے ہیں' پانی رواں دواں ہے۔ گھنے سائے ہر طرف پھیلے ہیں۔ پھولوں سے ٹہنیاں لدی سر جھکائے کھڑی ہیں۔ پھل پک کر تیار ہو چکے ہیں۔ ذرا دیکھیے میری عقل مندی کہ میں نے ایسے بیجوں کا انتخاب کیا ہے کہ یہ باغ سال میں دو مرتبہ پھل لاتے ہیں۔ اور ان کا پھل بھی کچھ کم نہیں۔ میں چن چن کر تھک جاتا ہوں۔ یہ نعمتیں دائمی ہیں یہ کبھی ختم نہیں ہوں گی اور مال و دولت کا یہ زریں لباس کبھی بوسیدہ نہیں ہو گا۔

رہی قیامت جس کے برپا ہونے کا تجھے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے اور حشر جس کے وقوع اور وجود کا تو قائل ہے تو مجھے یہ سب وہم لگتا ہے۔ یہ ایک فرسودہ خیال ہے۔ اگر تو ذرا بھی غور و فکر اور سوچ وبچار سے کام لے تو یہ سب تجھے ایک افسانہ لگے اور تو بھی میری طرح اس کا انکار کر دے۔ اگر یہ سب کچھ حقیقت ہو تو بھی میں اللہ کے حضور انعام پاؤں گا۔ اس باغ سے بہتر باغ مجھے مل جائے گا اور ان پھلوں سے زیادہ پھل مجھے میسر آئیں گے۔ ذرا دیکھ کہ اس نے اس دنیا میں بھی مجھے اپنی نعمتوں کے لیے چن لیا ہے اور آخرت میں بھی یہ نعمتیں مجھے بہر حال عطا ہو نگی۔ یہودہ نے جواب دیا: تو کفر

بک رہا ہے کیونکہ تو بعثت کا انکار کر رہا ہے اور اخروی زندگی کی حقیقت کو جھٹلا رہا ہے۔ خبردار! منہ سنبھال کے بات کر اللہ کی پکڑ میں آجائے گا۔ کیا اللہ ہی نے انسان کو مٹی سے پیدا نہیں کیا۔ پھر اسے رحم مادر میں نطفہ بنایا۔ پھر نطفے کو گاڑھے خون میں تبدیل کیا۔ پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا تیار کیا۔ پھر یہ لوتھڑا ہڈیوں میں بدل گیا اور ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا اور ڈھانچے میں روح پھونک دی۔ یہ ہے انسان کی حقیقت۔ اس راز میں کس قدر قدرت کی آفرینیاں اور نیرنگیاں بول رہی ہیں۔ کیا جس مالک نے ایک ذرہ خاک کو اس قدر رعنائی اور حسن نقش دیا وہ دوبارہ اسے پیدا نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے تخلیق کردہ جسم کو بکھیر کر دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ نہیں تیری یہ سوچ جہالت پر مبنی ہے۔ دوسری زندگی قادر مطلق کیلئے کچھ مشکل نہیں۔ لیکن تیرے دل پر پردے پڑے ہیں اور تیرے کانوں میں بوجھ ہے۔ تیری عقل پر دولت پرستی کے حجاب ہیں جو تجھے کھلی حقیقتیں بھی نظر نہیں آتیں اور تو اللہ کی قدرتوں کا انکار کرتا ہے۔

پھر تو مجھے فقر کا طعنہ دیتا ہے۔ اپنے مال کی کثرت پر اتراتا ہے۔ لیکن یاد رکھ میں اس فقر میں بھی تجھ سے زیادہ غنی ہوں۔ دولت جلب زر' کثرت مال و زر کا نام نہیں جو ہمیشہ دل پر حاوی رہتے ہیں بلکہ دولت زر و جواہر سے استغناء سے عبارت ہے۔ یہ قیمتی جواہرات جن پر تو فخر کر رہا ہے' مال و دولت جنہیں تو گن گن کر رکھتا ہے میرے نزدیک چمکتے ٹھیکرے سے زیادہ نہیں۔ دولت اک سراب ہے۔ یہ خوبصورت اور خوش کن باغات محض ایندھن ہیں کل یہ خشک ہو جائیں گے تو انہیں ہوائیں اڑائے پھریں گی۔ حشم و خدم کی جماعت جو تیرے آگے پیچھے دوڑ رہی ہے اور تیرے ایک اشارے کی منتظر نظر آتی ہے یہ صرف برائی میں تیرے معاون ہیں۔ تجھے فتنے اور نافرمانی میں مبتلا رکھنے والے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی بھروسے کے قابل نہیں۔ یہ سب خوشامدی اور تیری دولت کے طالب ہیں۔ بس مجھے تو اتنا ہی کافی ہے کہ میرا مالک میرا نصیر اور کفیل ہے۔

میرا تو یہ یقین ہے کہ دو وقت کی روٹی اور صحت سب سے بڑی متاع ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں ہر فکر سے آزاد ہوں۔ کسی چیز کا دل میں کھٹکا نہیں۔ میں کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا کوئی مجھ پر حکمران نہیں بس یہ دولت کیا کم ہے۔ فاقہ کے دن اللہ کو یاد کرتا ہوں اور جس دن پیٹ بھر کر روٹی مل جاتی ہے اس کا شکر کرتا ہوں اور حمد

وثنا کرنے لگتا ہوں۔ اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو گی۔ میرے بھائی جو دولت اللہ کی یاد سے غافل کر دے اور جو مال خدا کی نافرمانی کا سبب بن جائے اس سے تو یہ فقر بہتر ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ مجھے صبر کا اجر دے اور میں نے اس کی راہ میں جو پونجی لٹائی ہے وہ اسے پسند آجائے اور تیرے ان باغوں سے مجھے نواز دے۔ جن نعمتوں پر تو نازاں ہے وہ مالک چاہے تو مجھے ان سے کہیں بہتر نعمتوں سے سرفراز فرما دے۔

تیرے یہ باغ آندھیوں اور طوفانوں سے محفوظ نہیں۔ کسی وقت بھی ان پر بجلی گر سکتی ہے۔ یہ کسی بھی وقت ناگہانی آفت کا شکار ہو سکتا ہیں۔ یہ سرسبز و شاداب پتے خشک ہو سکتے ہیں۔ انگور کھائے ہوئے بھوسے کی مانند زمین پر گر سکتے ہیں۔ یہ پانی جو نہروں میں رواں دواں ہے اور زمین کو نئی زندگی بخش رہا ہے جس سے روشوں پر پھول اور باغوں میں شادابی ہے زمین کی گہرائیوں میں گم ہو سکتا ہے۔ پھر تو ہزار کوشش سے تلاش کرے تو بھی وہ نہیں مل سکے گا۔ بس دنیا کی یہ زیب و زینت اتنی سی حیثیت رکھتی ہے۔ اس پر اترانا کیا اس پر ناز و فخر کیا؟

یہودہ نے بات ختم کر دی۔ اس کا بھائی باغوں میں خراماں چلنے لگا۔ اور اپنی دولت و ثروت پر خوش ہونے لگا۔ اور غفلت میں وقت گزرتا گیا' ایک قیمتی متاع ضائع ہوتی رہی لیکن وہ مگن رہا۔

ایک دن صبح سویرے قطروس باغ کی سیر کو نکلا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک عجیب منظر ہے۔ جہاں کل باغ اپنے حسن کی خیرات لٹا رہے تھے آج وہاں ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ تمام بہاریں رخصت ہو چکی تھیں۔ درختوں کے پتے جھڑ گئے تھے۔ ٹہنیاں ٹوٹ کر زمین پر بکھری پڑی تھیں۔ روشیں ویران ہو چکی تھیں خشک گھاس اور ایندھن مکروہ منظر پیش کر رہا تھا۔

قطروس نے جب یہ منظر دیکھا تو حلق خشک ہو گیا زبان گنگ ہو گئی۔ جسم کا خون منجمد ہو گیا۔ اب سمجھا کہ دنیوی دولت کی کیا حیثیت ہے۔ سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ سر عاجزی سے جھک گیا۔ عقل ٹھکانے لگ گئی اور کف افسوس ملنے لگا اور کہنے لگا۔

يٰلَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا

(اے کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا)

باغ والے

پو پھٹی اور نسیم صبح فرحت وانبساط کے پھول بکھیرنے لگی۔ ایک بوڑھا تھکے قدموں اور ٹوٹتے سانسوں کے ساتھ ایک باغ میں آنکلا۔ بڑھاپے نے اس کے ہاتھ میں لاٹھی تھمادی تھی۔ کمر کمان کی مانند دوہری ہو چکی تھی۔ وہ اپنی عمر کا لمحہ لمحہ گن رہا تھا۔ باغ کی سیر اس کا معمول بن چکا تھا۔ یہ باغ ضروان میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ بوڑھا روزانہ صبح اس کے دروازے پر اپنی لاٹھی سے دستک دیتا تھا۔

یہ باغ کیا تھا بس جنت کا ایک ٹکڑا جیسے زمین پر آگیا ہو بلند و بالا درخت۔ پھلوں سے لدی ٹہنیاں' رواں دواں پانی کی ندیاں۔ قسم قسم کے پھولوں کی کیاریاں زمین پر لہلہاتا سبزہ پرندوں کی نغمہ سرائی لالہ وگل کی معطر مہک گویا بوڑھے کو مرنے سے قبل ہی جنت کی تصویر پیش کر دی گئی تھی۔ باغ میں سب پھل' سب رنگ موجود تھے۔ یہ باغ صرف بوڑھے کیلئے ہی فرحت و مسرت کا سبب نہیں بلکہ عام لوگوں کے لیے بھی جائے امن و مسرت تھا۔ لوگ اس کی چھاؤں میں بیٹھتے بات چیت کرتے اور ایک دوسرے کو قصہ سناتے۔

بوڑھے کا گھر باغ کے ایک کونے میں تھا۔ وہ سبز پودوں اور خوبصورت درختوں کے درمیان چلتا اور پھولوں کی مہک سے مشام جاں کو معطر کرتا۔ جب پھلوں سے لدی ٹہنیوں کو جھکا دیکھتا تو اس کا چہرہ خوشی و مسرت سے تمتما اٹھتا۔ بلبلوں اور قمریوں کی طرب انگیز آواز اس کے کانوں کو بہت بھلی محسوس ہوتی۔ سیر کرنے کے بعد بوڑھا جائے نماز کو چل دیتا اور عبادت کر کے اللہ کی ان نعمتوں کا شکر بجالاتا۔ وہ ہمیشہ یہ دعا کرتا کہ الٰہی تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے دولت کی فراوانی کے زعم باطل میں گرفتار نہیں کیا۔ اور تو نے مجھے دنیا کے فتنوں اور شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رکھا۔

بوڑھا روزانہ سیر کے بعد اللہ کا شکر ادا کرتا یہ اس کا روزمرہ کا معمول تھا۔ لیل و نہار کا یہ سلسلہ جاری رہتا اور آخر پھل چننے کا وقت بھی آجاتا۔ بوڑھا مالیوں اور مزدوروں کو بلاتا اور فصل کی کٹائی اور پھلوں کی چنائی شروع ہو جاتی۔ اسی دوران غریب اور فقیر لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے اور بوڑھا ہر ایک کی جھولی بھرتا جاتا

اور کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتا۔ کٹے ہوئے جو خوشے بچ جاتے یا جو بالیاں ہاتھوں سے گر جاتیں وہ بھی فقیروں اور مسکینوں کے لیے چھوڑ دی جاتیں۔ ہر سال یہ بزرگ اسی طرح دولت لٹاتا اور غریبوں کی خبر گیری کرتا۔

یہ داد و دہش دیکھ کر بوڑھے کے بچوں سے نہ رہا گیا۔ بھلا وہ اپنا مال بے دریغ لٹتا کیسے دیکھ سکتے تھے۔ باغ کے پھلوں کو بے دام کیسے دوسروں کو دے سکتے تھے۔ انہوں نے سوچا باغ کی آمدنی میں ہمارا حصہ ہی کیا ہے۔ فقیروں کے برابر یا ان سے بھی کچھ کم۔ کیوں نہ ہم اپنی دولت کو سنبھالیں۔ والد کو مشورہ دیں کہ سخاوت کا یہ سلسلہ بند کر دے۔

وہ ایک شام اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ باتوں باتوں میں ایک نے کہا ابا جان آپ کی اس سخاوت سے ہماری حق تلفی ہو رہی ہے۔ اور ہمیں ہمارا حصہ نہیں مل رہا ہے۔

دوسرے نے اس کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: ابا جان غریب پروری کا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا تو ہمارے پاس ایک کوڑی بھی نہیں بچ پائے گی اور ساری دولت فقیر اور غریب لے جائیں گے۔ آپ تو زندگی گزار چکے ہیں ہمیں مجبوراً در در کی ٹھوکریں کھانا پڑیں گی۔

تیسرا بھی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن بوڑھے نے اس کو خاموش کر دیا اور فرمایا: تمہاری سوچ صحیح نہیں۔ تم وہم کا شکار ہو۔ یہ مال جس پر تم ملکیت جتا رہے ہو اور جسے اپنا مال کہہ رہے ہو تمہارا یا میرا نہیں یہ سب مال و دولت یہ باغ یہ مویشی اللہ کی ملکیت ہے۔ ہاں اس نے ہم پر احسان کیا ہے اور ہمیں اس کا تصرف دے دیا ہے۔ ہم صرف اس کے امین ہیں مالک نہیں ہیں۔ سب مال و متاع کا مالک تو وہ خود ہے۔ یہ اسی ذات کا حکم ہے کہ میں اس کے مال میں اس کے حکم کے مطابق تصرف کروں اور اس سے اس کی مخلوق کو فائدہ پہنچاؤں۔ فقراء و مساکین کا اس مال میں حق مقرر ہے مسافروں اور تنگ دستوں کا بھی اس میں حصہ ہے۔ پرندوں اور چوپایوں کی خوراک بھی اس میں موجود ہے۔ ان حصہ داروں سے جو کچھ بچ جاتا ہے صرف وہ ہمارا حق ہے۔ میں سخاوت کر کے ان پر احسان نہیں کرتا میں تو اللہ کا حکم بجا لاتا ہوں۔ اس سے مال پاک ہو جاتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ میں تو جوانی سے اسی راہ پر

چل رہا ہوں۔ ادھیڑ عمر میں بھی یہ طریقہ رہا اب بڑھاپے میں اور عمر کی ان آخری گھڑیوں میں میں اس راہ کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔

چند دن اور انتظار کرو۔ تم دیکھ رہے ہو میرے سر کے بال سفید ہو گئے ہیں۔ جسم لاغر ہو گیا ہے۔ کمر جھک گئی ہے اور بیماریوں نے چاروں طرف سے مجھے گھیر رکھا ہے۔ میں زیادہ دن تم میں زندہ نہیں رہوں گا۔ میں بہت جلد اپنے مالک سے جاملوں گا۔ پھر تم جانو اور تمہارا کام۔ یہ ساری دولت سب مال و متاع مال مویشی کھیت باغ سب تمہاری وراثت ہو نگے۔ تم اپنی مرضی کرنا۔ لیکن یہ بات یاد رکھو۔ اگر اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ مال میں برکت فرمادے گا۔ اگر بخل سے کام لیا تو ساری نعمتیں وہ تم سے واپس لے لے گا۔ وہ قادر مطلق ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

چند دن بعد بوڑھا بیمار ہو گیا اور اس کے جسم کی رہی سہی توانائیاں بھی دم توڑ گئیں۔ اور ایک دن وہ غریب پرور بالدار شخص اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور ساری دنیا اور اس کے بکھیڑے دوسروں کو سونپ گیا۔

باغ پک کر تیار ہو گیا۔ پھل چننے کا وقت آپہنچا۔ حسب معمول فقیر اپنے حصے کا پھل لینے کی تیاریاں کرنے لگے۔

رات کے وقت تینوں بھائی ایک جگہ جمع ہوئے اور فصل کی کٹائی اور پھلوں کی چنائی کے بارے میں مشورہ کرنے لگے۔ ایک نے کہا باغ کے پھلوں میں سائل اور فقیر کا کوئی حق نہیں۔ اب یہ درخت راہ گیروں اور مسافروں کو سایہ مہیا نہیں کریں گے۔ کوئی غریب اس طرف کا رخ بھی نہیں کرے گا۔ سارا پھل ہم تین بھائیوں میں تقسیم ہو گا۔ ہم اپنی مرضی اور صوابدید سے اسے خرچ کریں گے اور سنبھال کر رکھیں گے۔ اس سے ہماری دولت بڑھ جائے گی اور ہم بڑی عزت و شان کے مالک بن جائیں گے۔

منجھلے نے کہا۔ اس کی سوچ اور طبیعت باپ سے ملتی تھی اور وہ دوسروں کے لیے خیر کا جذبہ رکھتا تھا۔ نہیں۔ تم جسے خیر گمان کر رہے ہو اس کی تہوں میں شر لپٹا ہوا ہے۔ جس اقدام سے تمہیں نفع کی امید ہے اس سے مجھے نقصان کی بو آرہی ہے۔ یہ باغ جڑوں سے اکھڑ جائے گا۔ اگر مسکینوں اور فقیروں کو حق نہ دیا تو تم ان کی بد دعاؤں اور آہوں سے مطمئن نہیں رہو گے۔ اگر تم نے انہیں محروم کیا تو وہ تمہارے خیر خواہ

نہیں رہیں گے۔ حق داروں کو ان کا حق دو اور اپنے والد گرامی کے طریقے کو مت چھوڑو۔ فقیروں کو ان کا حق دیکر جو بچ جائے گا وہ بھی کچھ کم نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دے گا اور اس کو اپنے فضل سے بڑھا دے گا۔

وہ یہ باتیں سن کر آپے سے باہر ہو گئے اور کہنے لگے۔ ایسی بے تکی باتیں مت کرو۔ بند کرو اپنی یہ تقریر۔ ہم تمہاری یہ نصیحتیں نہیں سننا چاہتے وہ پھر بولا۔ ٹھیک ہے تمہیں میرا یہ مشورہ قبول نہیں نہ سہی۔ تم میری بات نہیں مانتے تو نہ مانو لیکن جاؤ نماز پڑھو اور اللہ کو یاد کرو۔ کیونکہ نماز برائی اور بے حیائی سے روک دیتی ہے۔ ہو سکتا ہے اللہ تمہارے دل سے غفلت کے پردے ہٹا دے اور تمہارے دلوں میں ان خانماں خرابوں کا درد جاگ اٹھے۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور خاموش رہے۔

ساری رات مشورے ہوتے رہے حتیٰ کہ رات کی تاریکیاں صبح کے اجالوں میں تبدیلی ہو گئیں۔ اس سے پہلے کہ دن کی روشنی پوری طرح پھیل جاتی اور فقیر لوگ نیند سے بیدار ہوتے پھل چنتے اور اپنے اپنے حصے کا پھل باہم تقسیم کرنے کا ارادہ کرتے (اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ) انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ ضرور توڑ لیں اس کا پھل صبح سویرے اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا (القلم: ۱۷'۱۸)

اللہ تعالیٰ جو نیتوں کا جاننے والا اور دلی خیالات سے واقف ہے اس نے انہیں مہلت ہی نہ دی کہ وہ مسکینوں کو محروم کریں اور سائل اور محروم کے حق کو غصب کریں۔ باغ پر ایک مصیبت نازل کر دی جس نے پودوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ پھلوں کو گرا دیا اور ٹہنیوں اور پتوں کو خشک کر دیا۔

جب روشنی اچھی طرح پھیل گئی اور سورج طلوع ہو گیا تو ایک عجیب منظر تھا۔ باغ کی دیوار پر کھڑے وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کیا ہمارا باغ یہی ہے۔ کل جب ہم اسے چھوڑ کر گھر گئے تو یہاں گھنے درخت تھے' پانی کی ندیاں رواں تھیں پھول مہک رہے تھے' خوشے لٹک رہے تھے ہر طرف بہار ہی بہار تھی لیکن صرف ایک رات کے اندر یہ تبدیلی۔ آخر یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ شاید یہ ہمارا باغ ہی نہیں۔ ہم کسی اور کے باغ میں آنکلے ہیں۔

منجھلے بھائی نے کہا: نہیں۔ یہ وہی باغ ہے۔ اس سے پہلے کہ تم فقیروں کو محروم کرتے اللہ تعالیٰ نے تمہیں محروم کر دیا۔ تم نے برا سوچا یہ سب اس بری نیت کا نتیجہ ہے اب اپنی حرماں نصیبی پر ماتم کرو۔

اَلَمْ اَقُلْ لَکُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ قَالُوْا: سُبْحَانَ رَبِّنَا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ۔ فَاَقْبَلَ بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَلَاوَمُوْنَ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا اِنَّا کُنَّا طٰغِیْنَ۔ عَسٰی رَبُّنَا اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْھَا اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ

کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے پاک ہے ہمارا رب بیشک ہم ہی ظالم تھے۔ پھر ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے تف ہے ہم پر۔ ہم ہی سرکش تھے۔ امید ہے ہمارا رب ہمیں (اس کا) بدلہ دے گا جو بہتر ہو گا اس سے ہم (اب) اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ (القلم: ۲۸تا۳۲)

لیکن فیصلہ ہو چکا تھا۔ اب صرف افسوس کیا جا سکتا تھا۔ انہیں اپنے کیے کی سزا ملنی چاہیے تھی۔

کَذٰلِکَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ

"(دیکھ لیا) ایسا ہوتا ہے عذاب۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ کاش! یہ لوگ (اس حقیقت) کو جانتے" (القلم: ۳۳)

"حضرت ایوب علیہ السلام"

انسان کی تخلیق۔ ان کی عبادت' معصیت اور ان کی اطاعت کے متعلق فرشتوں میں گفتگو چل نکلی۔ ایک فرشتے نے کہا: آج روئے زمین پر ایوب علیہ السلام سے بہتر کوئی انسان نہیں۔ وہ بڑے ایماندار اور بڑے زاہد عابد ہیں۔ اللہ نے انہیں رزق بھی بہت زیادہ دیا ہے اور ان کی عمر بھی زیادہ ہو گی۔ وہ بڑے سخی ہیں۔ ان کے مال میں سائل اور محروم کا مقررہ حق ہے۔ زندگی کے شب و روز عبادت اور شکر میں بسر ہو رہے ہیں۔ ان کی عبادت امیر اور مالدار لوگوں کے لیے بہترین اسوہ اور دلیل ہے۔ سب لوگ ان کی بات مانتے ہیں اور ان کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں۔

ابلیس نے ان کی یہ گفتگو سن لی۔ وہ ان سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اسے یہ بات بڑی ناگوار گزری کہ کوئی انسان زمین میں اس قدر مخلص اور بندگی کے راستے پر کاربند ہو۔ جس طرح کہ ایوب مخلص اور عبادت گزار ہے حالانکہ اس نے زمین میں فتنہ و فساد کی قسم اٹھا رکھی ہے۔ سرکشی اور نافرمانی پھیلانے کا عزم کر رکھا ہے۔ آج تک وہ برابر کوشش کرتا آرہا ہے کہ نیک اور پرہیزگار لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرے۔ وہ مردود جھٹ سے ایوب علیہ السلام کے پاس پہنچا تاکہ انہیں گمراہ کرے اور بھٹکا دے۔ شیطان نے غور کیا کہ دولت کی ریل پیل ہے۔ سونے چاندی کے سکوں

سے وہ کھیل رہا ہے ہر طرف دولت و ثروت پھیلی ہے۔ لیکن دولت کی فراوانی نے بھی اس بندہ خدا کے پاؤں میں لغزش پیدا نہیں کی۔ دنیوی مال و جاہ کی چکا چوند سے بھی راہ مستقیم سے سر مو منحرف نہیں ہوا۔ بلکہ اس فتنے اور آزمائش کے باوجود بھی شب و روز ذکر الٰہی میں محو ہے۔ اپنوں سے حسن سلوک کرتا ہے غلاموں اور خدمت گزاروں کی خدمت پر کمر بستہ ہے۔ کوئی بھوکا دستک دیتا ہے تو کھانا پاتا ہے۔ ننگا آتا ہے تو کپڑے لے جاتا ہے۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی اور امیروں کی رہائی کے لیے کوشاں ہے۔ اس سب سے بڑھ کر وہ ظالموں کو ظلم سے روکتا ہے' جاہلوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتا ہے دنیا میں علم و آگہی کی روشنی پھیلانے کے لیے کوشاں ہے۔

شیطان نے کوشش کی کہ ایوب کے دل کے قریب ہو اور وسوسہ اندازی کرے۔ اسے زیر کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ دنیا اور اس کی زیب و زینت سے اس کے دل کو میلا کیا جائے۔ لیکن اسے فوراً احساس ہو گیا کہ یہ کان تو بری بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ اس کے پہلو میں موجود دل اتنا پاکیزہ ہے کہ ہوا و ہوس کا غبار اس کی صفوت کو میلا نہیں کر سکتا۔ وہ تو ایک مخلص بندہ ہے اور اللہ کے مخلصین پر تو اس کا فریب چل بھی نہیں سکتا۔ شیطان یہ صورت حال دیکھ کر بہت پریشان ہو گیا اور اس کے جسم میں غم کی بجلی سی کوند گئی۔

شیطان بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا۔ اور اس طرح کھڑا ہوا جس طرح رانندہ درگاہ بننے سے پہلے کھڑا ہوتا تھا اور عرض کی۔ اے میرے رب! تیرا بندہ ایوب جو تیری عبادت میں مشغول ہے۔ تسبیح و تہلیل میں ہمہ تن مصروف ہے جس کے دل میں تیری یاد کا چراغ روشن ہے اور جس کی زبان پر تیری حمد و ثناء کا گیت ہے وہ یہ سب کچھ بے لوث نہیں کر رہا۔ بلکہ یہ عبادت' یہ ریاضت یہ ذکر و تسبیح یہ ہاو ہو سب اس لیے ہیں کہ تو نے اسے مال و دولت سے نوازا ہے۔ تو نے زر و جواہرات پر اسے تصرف بخشا ہے۔ اسے اولاد جیسی نعمت عطا کی ہے۔ اس کے پاس سب کچھ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ یہ دولت یہ ثروت باقی رہے۔ الٰہی! یہ ہزاروں کی تعداد میں بکریاں اور اونٹ' سینکڑوں گدھے اور گائیں۔ گھر میں چلتے پھرتے خادم اور غلام اور اولاد کی خوشیاں یہ وسیع و عریض شاداب کھیت اور زر و جواہرات کے سکے سب چیزیں یہ سب نعمتیں اس قابل نہیں کہ تیرے شکر میں اس کی معاونت کریں اور اسے تیری عبادت پر ابھاریں۔ تاکہ

یہ نعمتیں کہیں فنا نہ ہو جائیں اور سلب نہ کر لی جائیں۔ اس کی عبادت کا اصل سبب دنیاوی رغبت اور دولت کے چھن جانے کا خوف ہے۔ ذرا یہ نعمتیں چھین کر تو دیکھ۔ ثروت و دولت سے اس کا دامن خالی تو کر دیکھ اس کی زبان تیری تسبیح و تہلیل سے کس طرح گنگ ہوتی ہے۔ کس طرح اس کا دل تیری اطاعت سے اعراض کرتا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا۔ اے مردود تیری سوچ غلط ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ایوب میرا سچا بندہ اور مخلص مؤمن ہے۔ وہ میری عبادت صرف اس لیے کرتا ہے کہ میں عبادت کے لائق ہوں۔ وہ میرا ذکر فقط اس لیے کرتا ہے کہ میں حمد و ثنا کا استحقاق رکھتا ہوں۔ اس کی شوق عبادت اور جذبہ ذکر دنیوی مصلحت اور ذاتی منفعت سے پاک اور مبرا ہے۔

مگر چونکہ ایوب یقین کا مینارہ نور اور صبر و توکل میں اعلیٰ مثال ہے اس لئے میں نے اس کا مال و دولت تیرے لیے مباح کر دیا ہے۔ اپنے ساتھی سنگتی اور معاون و مددگار اکٹھے کر لے اور کر لے جو تیرے جی میں آئے پھر دیکھ انجام کار کیا ہوتا ہے۔

ابلیس انہی قدموں پر واپس پلٹا۔ اپنے دوسرے احباب و اقارب شیطانوں کو اکٹھا کیا اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب کے مال کو ضائع کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ جاؤ اور اس کا سب مال و متاع ضائع کر دو۔ میں چاہتا ہوں میرا ہر شاگرد اس کام کی کوشش کرے اور ایوب کے مال کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ضائع کرے تاکہ اس بندہ خدا کے دونوں ہاتھ خالی ہو جائیں اور ہم اس طریقے سے اس کے ایمان کو سلب کر دیں۔

سب شیطان اس کام میں جٹ گئے۔ ایوب کی دولت ضائع ہونا شروع ہو گئی حتیٰ کہ مال مویشی گھوڑے گدھے اونٹ بکریوں کے ریوڑ، غلام سب کچھ ناطق و صامت خشک و تر سب کچھ ضائع ہو گیا اور ایوب علیہ السلام کا دامن صاف ہو گیا۔ ابلیس ایک بوڑھے، دانا اور تجربہ کار شخص کا روپ دھار کر ایوب علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا تیری دولت جل کر راکھ ہو گئی۔ تیری کھیتی ویران ہوئی۔ تیرے مویشی ہلاک ہوئے۔ تیرا سب مال و متاع اکارت گیا۔ لیکن تو ابھی عبادت میں مشغول اور حمد و ثنا میں رطب اللسان ہے۔ لوگ تو کہہ رہے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایوب کو اپنی دولت پر بڑا ناز تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایوب نے منصوبہ بندی نہیں کی اور سب مال زکوٰۃ و صدقات میں ضائع کر دیا کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر اللہ شر سے بچا سکتا اور بھلائی عطا کر سکتا تو ایوب اس سلوک کا زیادہ مستحق تھا کہ اس کا مال ضائع نہ

ہوتا۔ بعض لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے ایوب کے ساتھ یہ سلوک اس لیے کیا ہے کہ اس کے دشمن خوش ہوں اور دوست رنجیدہ خاطر۔

ابلیس سوچ رہا تھا کہ یہ خبر فاجع اور اطلاع ناگہانی ایوب کے پاؤں میں لغزش پیدا کر دے گی اور وہ اتنی بڑی مصیبت پر صبر نہیں کر سکے گا لیکن ایوب کا یقین کامل تھا۔ ان کا ایمان بڑا پختہ تھا۔ ان کا دل تقویٰ سے لبریز اور ان کی رائے مستحکم اور اٹل تھی۔ انہوں نے جواب دیا: مال و دولت اللہ کی دین تھی۔ اس نے اپنا مال واپس لے لیا۔ یہ میرے پاس امانت تھی وہ امانت اس کریم نے واپس لے لی۔ اتنا کرم کیا کم ہے کہ میں اس کی عطا کردہ نعمتوں سے، اس کی امانت سے ایک طویل عرصے تک لطف اندوز ہوتا رہا۔ الحمد للہ کہ اس نے یہ نعمتیں ایک عرصہ تک ہمیں عطا کیے رکھیں اور آج بھی اس کی حمد و ثنا بیان کروں گا کہ عطا کرنے والے نے اپنی عطائیں واپس لے لیں۔ وہ راضی ہو یا ناراض میں تو اس کا بندہ ہوں۔ اس کی تعریف کیا کروں گا۔ وہ نفع دے یا نقصان سے دوچار کرے وہ اس جہان کا مالک ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے ملک عطا کر دیتا ہے جس سے چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت سے سرفراز کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔ ایوب علیہ السلام یہ کہہ کر سجدے میں گر گئے اور ابلیس ناکام کھڑا دیکھتا رہا۔

ابلیس پھر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا۔ وہ دجل و فریب کا کوئی نیا جال پھینکنا چاہتا تھا۔ مولا! ایوب تیری عطاؤں کا شکر کرتا رہا ہے اور اتنی بڑی مصیبت پر بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا لیکن یہ بھی ذاتی مصلحت کی بناء پر ہو رہا ہے۔ اسے اولاد جیسی نعمت میسر ہے۔ وہ اس خوف سے سجدہ ریز اور حمد خواں ہے کہ کہیں زندگی کا یہ واحد سہارا نہ چھن جائے۔ کہیں ہمت نہ ٹوٹ جائے۔ تو مجھے اس کے بچے پر مسلط کر پھر دیکھ کہ کس طرح وہ اس صبر و شکر کے مقابلے میں کفر و انکار کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ایوب مال و دولت کی کمی کو کیسے محسوس کرے۔ اولاد جو اس کمی کو پورا کر رہی ہے۔ بچے کی ہلاکت اس کے شوق عبادت اور ذوق ریاضت کو کند کر دے گی کیونکہ اولاد سب سے بڑی آزمائش ہے۔ انسان سب سے زیادہ اولاد کو چاہتا ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا: جا میں نے ایوب کے بچے پر بھی تجھے مسلط کر دیا۔ لیکن اتنا یاد رکھ کہ ایوب کے ایمان میں کوئی کمی نہیں آئے گی اس کے عزم و ہمت کے مقابلے میں اس مصیبت کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔

ابلیس واپس آیا: اپنے چیلوں کو بلا لیا اور بتایا کہ ایوب کے بیٹے کی ہلاکت کا اذن مل گیا ہے جاؤ اور اسے ہلاک کر دو۔ شیاطین گئے حضرت کا بیٹا اپنے دوستوں کے ساتھ ایک محل میں خوشی خوشی بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ شیطانوں نے محل کی بنیادوں کو اکھاڑ دیا۔ اور محل دھڑام سے زمین پر آ گرا۔ سب لوگ دب کر مر گئے۔ اکا دکا لوگ زخمی حالت میں نکال لیے گئے۔

شیطان انسان کا روپ دھار کر تعزیت کے لیے آیا اور وسوسہ اندازی کرنے لگا: ایوب! ذرا دیکھ تو تیرا اکلوتا بیٹا دب کر مر گیا۔ اس کے دوست آشنا زخمی ہوئے۔ اللہ نے تجھے عبادت کا کیا یہی صلہ دیا؟ کیا یہی ایمانداری اور پرہیزگاری کا نتیجہ ہے؟ یہ تو اللہ نے تیری بڑی حق تلفی کی ہے۔

ایوب علیہ السلام کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ آہوں اور سسکیوں کی زبان میں فرمایا۔ یہ بیٹا بھی اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔ اب اس نے اپنی امانت واپس لے لی ہے۔ وہ عطا کرے یا چھین لے۔ راضی ہو یا ناراض ہو۔ کرم کرے یا امتحان لے اس کی مرضی۔ وہ ہر حال میں تعریف کا مستحق ہے۔ پھر انہوں نے سر جھکا دیا اور حمد و ستائش کرنے لگے۔ شیطان یہ دیکھ کر جل بھن گیا اور مارے غصے کے پھٹنے اور کانپنے لگا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شیطان تیسری مرتبہ حاضر ہوا اور عرض کی۔ پروردگار! ایوب کا مال ضائع ہوا، بچہ مر گیا، لیکن ابھی تک اس کا جسم تو سلامت ہے۔ وہ بالکل خالی ہاتھ تو نہیں تندرستی کی نعمت تو اسے حاصل ہے۔ وہ تو اس امید پر سجدے پہ سجدہ دے رہا ہے کہ تو مال واپس کر دے گا۔ اور اولاد سے بھی نواز دے گا۔ ابھی اس کی امید کے چراغ روشن ہیں۔ ذرا اس کے جسم پر تسلط کا اذن ہو پھر دیکھیے سجدوں کا یہ سلسلہ کیسے رکتا ہے۔ صبر کی یہ مضبوط ڈور کیسے کٹتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایوب اگر بیمار ہو گیا اور بیماری نے ذرا بھی شدت اختیار کر لی تو وہ تیرا نام بھول جائے گا۔ ذوق عبادت اور شوق انابت کا جذبہ دم توڑ دے گا۔

مشیت خداوندی ایوب کو صبر و شکر اور ایمان و یقین کا ایک کامل نمونہ بنانا چاہتی تھی۔ اس کا یہ اقتضاء تھا ایوب کی سیرت دردمندوں، مریضوں اور بے نواؤں کے لئے مینارہ نور ثابت ہو۔ ایوب کے قدموں کے نشان رہروان شوق کے لئے نشان منزل قرار پائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذکر جمیل کو رہتی دنیا تک بلند رکھنا چاہتا تھا۔ اور

آخرت میں انہیں مقام رفیع سے نوازنا چاہتا تھا اللہ نے اسی لیے ابلیس کو حکم دیا۔ جا تجھے اجازت ہے۔ ایوب کی صحت کو تباہ و برباد کر دے۔ لیکن ان کی پاکیزہ روح، ان کی حمد کناں زبان، معرفت کا گنجینہ دل اور نور علم سے روشن دماغ تیری دسترس سے باہر ہیں۔

ابلیس مکر و فریب کا جال لیکر ایوب علیہ السلام کے پاس پہنچا اور ایک سانس پھونک کر ساری توانائیاں ماند کر دیں۔ صحت ناکارہ ہو گئی جسم مضمحل ہو گیا، بیماری نے شدت اختیار کر لی اور پہلو جسم سے الگ کرنا مشکل ہو گیا۔ لیکن اس آزمائش میں بھی دل یاد الٰہی سے غافل نہ ہوا۔ ایمان کی دولت سلامت رہی بلکہ صبر و شکر میں اور اضافہ ہوا۔ ایمان و یقین میں زیادہ استحکام آ گیا۔ بیماری جس قدر بڑھتی گئی۔ کمزوری جس قدر شدت اختیار کرتی گئی شکر اور اطاعت گزاری میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا۔ اور ایمان و یقین میں پختگی آتی گئی۔ دن مہینوں میں بدلے اور مہینے سالوں میں مگر ایوب علیہ السلام تندرست نہ ہوئے۔ جسم کمزور ہو کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا۔ رنگ زرد پڑ گیا اور چہرے کی ہڈیاں گوشت سے عاری ہو گئیں۔ درد کی وجہ سے بستر پر لیٹنا دوبھر ہو گیا۔ دوست ساتھ چھوڑ گئے۔ رفیق منہ موڑ گئے۔ رشتہ دار اور تعلق دار اعراض برتنے لگے۔ بس ایک رحیم اور مہربان بیوی تھی جو سائے کی طرح ساتھ لگی رہی۔ اس بیماری میں بھی اخلاص و محبت کا ثبوت دیتی رہی اور خدمت میں جتی رہی۔ اس وفا شعار عورت نے ایوب پر اپنے ہاتھوں کا سایہ کیے رکھا اور اپنے دل کے پروں کو ان پر پھیلائے رکھا۔ اسے کوئی فکر تھی تو ایوب کی زندگی کی فکر تھی۔ وہ ان کے درد و غم کو اپنے جسم و روح میں محسوس کرتی۔ وہ ایوب علیہ السلام کی بہترین رفیقہ سفر تھی۔ اس حالت میں بھی زبان پر اللہ کی حمد و ستائش اور دل میں ایمان و یقین کی شمع روشن تھی۔ زبان پر ایک لمحہ کیلئے حرف شکایت نہ لائی۔ راضی برضا رہی اور ایوب کی خدمت کی سعادت حاصل کرتی رہی۔

ابلیس لعین کو ایوب کے صبر و شکر نے تھکا دیا تھا۔ وہ سب حربے استعمال کر چکا تھا لیکن یقین کے اس کوہ گراں سے ٹکرا کر اپنا ہی سر تھام لیا تھا۔ وہ بہت مایوس تھا۔ نہ تو دولت کا تیر کارگر ثابت ہوا اور نہ فقر و فاقہ کا دام کچھ کام آسکا۔

اپنے چیلوں کو بلایا اور شکایت کی کہ مال و دولت ضائع کر کے بھی وہ اس بندہ مؤمن کو راہ راست سے نہیں ہٹا سکے۔ ہر مصیبت اور آزمائش نے اس کے قدموں کو اور مضبوط کر دیا ہے۔ اس کی صحت برباد ہوئی اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا لیکن اس کے

جذبہ شوق میں کوئی کمی نہیں آئی۔ وہ سب کچھ لٹا کر بھی راضی اور خوش ہے۔

چیلوں نے کہا: اے دجل وفریب کے بادشاہ! تیری چالیں۔ تیرے وسوسے تیرے سب مکروفریب اور راہ مستقیم سے بھٹکانے کے سارے حربے کیا ہوئے؟ کیا وہ سب باطل ٹھہرے۔ کوئی داؤ بھی ایوب کو جادہ حق سے برگشتہ نہیں کر سکا۔ تو جو ایک لمحے میں فتنے برپا کر دیتا ہے ایک اشارے میں عزت کے تاج چھین لیتا ہے ایوب تیرے سامنے بھی نہ ہار پایا یہ تو کوئی یقین کا مستحکم پہاڑ ہے۔

ایک چیلے نے بصد ادب گزارش کی۔ معلم شیطنت! ذرا یہ تو بتایئے کہ تو نے آدم کو کیسے بھلا دیا تھا۔ اس کی برگشتگی میں کس کا انتخاب کیا تھا۔ شیطان کا چہرہ کھل اٹھا اور کہا۔ میں نے اس کام کے لئے عورت کا انتخاب کیا تھا۔ حواء کے ذریعے آدم کو زیر کیا تھا۔ چیلے نے کہا تو استاذ تلبیس! پھر دیر کا ہے کی؟ ایوب کو بھی اسی دام میں گرفتار کرو۔ ابلیس نے کہا۔ تو نے بہت اچھی رائے دی۔ یہی ایک طریقہ کارگر ثابت ہو سکتا ہے۔ ابلیس اسی وقت ایوب علیہ السلام کی بیوی کی طرف چل دیا۔ حضرت کی بیوی اپنے بیمار خاوند کی خدمت میں مشغول تھی۔ شیطان انسانی روپ میں حاضر ہوا اور پوچھا: محترمہ آپ کا خاوند کہاں ہے؟ اس نے حضرت ایوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا یہی میرے خاوند ہیں۔ یہ بیمار ہو گئے ہیں اور بہت کمزور پڑ گئے ہیں۔ بیماری اور درد کی وجہ سے انہیں کسی کل قرار نہیں نہ یہ مردوں میں ہیں اور نہ زندوں میں۔

جب شیطان نے ان کی یہ گفتگو سنی تو دل میں کہنے لگا کہ ابھی یہ راہ حق سے بھٹکی۔ شیطان نے وسوسہ اندازی کر کے اسے ایوب کی جوانی یاد دلائی۔ ان کی صحت اور تندرستی کی حسین تصویر خیال کے پردوں پر پیش کی۔ مال و دولت کی فراوانی کا نقشہ کھینچا۔ پھر اسے یاد دلایا کہ کس طرح وہ مصیبتوں میں گھر گیا اور اس پر پے درپے مشکلوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ شیطان نے کئی حیلوں بہانوں سے اس کے اندر غم واندوہ کے جذبات کو ابھارنے کی پوری کوشش کی۔ پھر اس کے رد عمل کو معلوم کرنے کے لئے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھنے لگا اور دل میں پیدا مایوسی کو اور بڑھانے لگا۔ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگیں۔ آپ کا رب کب تک آپ کو اس مصیبت میں مبتلا رکھے گا۔ تیرا مال کہاں گیا؟ تیرا بچہ کیا ہوا؟ تیرے دوست، رفیق، رشتہ دار سب کہاں گئے؟ کہاں ہے تیرا وہ شباب اور تیری عزت جس

کی دنیا میں دھوم تھی؟ آپ نے فرمایا تو یقیناً شیطان کے دھوکے میں آ گئی ہے۔ تو گزری عزت اور مرنے والے بچے پر آنسو بہا رہی ہے۔ آپ کی بیوی کہنے لگی: آپ اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے کہ وہ اس غم واندوہ سے ہمیں نجات دے۔ اور اس مصیبت سے خلاصی بخشے۔

آپ نے پوچھا: میں کتنا عرصہ نازو نعم میں رہا؟

بیوی نے جواب دیا: تقریباً اسی سال۔

آپ نے پوچھا: اور میں اس مصیبت میں کتنے عرصے سے گرفتار ہوں۔

بیوی نے کہا: ستر سال۔

آپ نے فرمایا: مجھے تو یہ دعا کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ میں کیسے کہوں کہ وہ اس آزمائش کو واپس لے لے۔ کیا میں اتنی دیر بھی اس کی آزمائش پر صبر نہ کر سکا جتنی دیر اس کی نعمتوں اور برکتوں میں پلتا رہا اور لطف اندوز ہوتا رہا۔ لگتا ہے تیرا ایمان کمزور ہو گیا ہے۔ تیرا دل خدا کے فیصلے پر تنگی محسوس کر رہا ہے۔ اگر میں شفایاب ہوا اور اللہ نے مجھے پہلی سی قوت عطا کر دی تو میں تجھے سو کوڑوں کی سزا دوں گا۔ آج کے دن سے میرے قریب بھی مت آنا۔ میں تیرے ہاتھوں کا کھانا پینا حرام خیال کرتا ہوں۔ کیا میں نے تمہیں مجبور کیا ہے کہ تو اس مصیبت میں میرا ساتھ دے۔ کیا میں نے تیری منت کی ہے کہ تو میری خدمت کرے۔ جا چلی جا۔ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دے حتیٰ کہ جو خدا کو منظور ہے وہ پورا ہو۔

ایوب علیہ السلام تنہا رہ گئے۔ بیماری نے شدت اختیار کر لی اور دکھوں میں اضافہ ہو گیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ لہجے میں شکایت اور ناراضگی نہیں بلکہ عاجزی اور انکساری ہے میرے مولا! میں بیماری میں مبتلا ہوں۔ اور تو سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

اس گھڑی تک ایوب علیہ السلام ایمان و یقین کی انتہائی بلندیوں کو چھو چکے تھے۔ شیطان کے وسوسوں سے محفوظ صبر و تحمل کا عجیب مظاہرہ کر چکے تھے۔ اگر یہ مصیبتیں پہاڑوں پر پڑتیں تو ان کے کلیجے بھی شق ہو جاتے لیکن ایوب علیہ السلام نے ان مصیبتوں کو برداشت کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ایک عظیم مرتبے اور بلند مقام کی حامل شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ صبر کی ایک اعلیٰ مثال ہیں۔ پیغمبران ایمان میں ایک

اعلیٰ مرتبے کے پیغمبر ہیں۔ اللہ نے انہیں وہاں پہنچادیا جہاں ازل سے ان کا پہنچنا لکھا تھا۔ امتحان ہو چکا تھا صرف صلہ ملنا باقی تھا۔

اللہ نے آپ کی سن لی اور دعا قبول ہوئی وحی کی یہ آواز کانوں سے ٹکرائی۔ اے میرے محبوب بندے مصیبت کی گھڑیاں ختم ہو گئیں غم کا زمانہ بیت چکا اب دیکھ ہم تجھے کیسا صلہ عطا کرتے ہیں۔ زمین پر اپنا پاؤں مار اس سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلے گا۔ پھر اس پانی سے غسل کر اور اس سے پیاس بجھا۔ تیری صحت لوٹ آئے گی۔

ایوب علیہ السلام نے زمین پر پاؤں مارا۔ چشمہ پھوٹ نکلا۔ آپ نے پانی پیا اور غسل بھی کیا۔ فوراً صحت حال ہو گئی۔ کمزوری جاتی رہی۔ زخم مندمل ہو گئے۔ نشانات تک مٹ گئے اور ساری تندرستی لوٹ آئی گویا کبھی کسی بیماری نے جسم کو چھوا تک نہ تھا۔

آپ کی بیوی کا دل بھر آیا۔ آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئیں اور وہ بے چین بے قرار ہو کر واپس پلٹی کہ اسی سال تک جس کی نعمتوں اور مسرتوں سے شادکام ہوئی آج مصیبت کے لمحوں میں اسے چھوڑ دینا مناسب نہیں۔ کمرے میں داخل ہوئی تو اچانک ایک تنومند، خوبصورت کڑیل جوان شگفتہ چہرہ لیے اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ تصویر حیرت بنی اسے دیکھتی رہی۔ وہ نہ پہچان سکی کہ یہ اس کے سرتاج ایوب ہیں۔ لیکن عمر کی کئی بہاریں ان کے ساتھ گزاری تھیں۔ زیادہ دیر پریشانی نہ اُٹھانا پڑی اور حضرت ایوب سے لپٹ گئیں اور اللہ کی حمد و ثنا کرنے لگیں کہ اس نے انہیں صحت و عافیت لوٹا دی ہے۔ اور ان کے ایمان و یقین پر کس قسم کی آنچ نہیں آنے دی۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے میرے مخلص بندے ایوب تنکوں کی ایک مٹھی لے اور اس سے اپنی بیوی کو آہستہ آہستہ مار تاکہ تیری قسم پوری ہو جائے۔ اللہ نے یہ حکم دیا کیونکہ وہ اپنی اس مخلص بندی پر رحم کرنا چاہتا تھا جس نے مصیبت کے دنوں میں ایک نبی اور اپنے خاوند کی خدمت کی تھی۔

ایوب علیہ السلام کو صبر کا صلہ دیا گیا۔ مال و دولت کی پھر سے فراوانی ہو گئی۔ پہلے سے زیادہ خوبصورت اور نیک و صالح بچے عطا فرما دیا۔ ایوب علیہ السلام کی سیرت انسانیت کے لیے ایک مثال اور مینارہ نور قرار پائی۔

”حضرت یونس علیہ السلام“

طلسم کدہ صنم پرستی نینوا کی سرزمین میں جہالت اور شرک کی دبیز تاریکیوں کے درمیان حضرت یونس علیہ السلام نے شمعِ ایمان ویقین روشن کی۔ انسانیت جہاں گوناگوں بتوں کے سامنے سجدہ ریز تھی وہاں توحید کا علم بلند کیا۔ ایک جاہل قوم بت پرست قوم شرف انسانیت سے بے بہرہ قوم کو للکارا: ذہنوں سے بت پرستی کا خیال نکالو۔ اپنی جبینوں کو غیر کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے بچالو۔ ذرا باطن میں جھانکو۔ اپنے اردگرد محیط کائنات میں غور کرو۔ تم سوچو گے غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس عالم رنگ ونور کے پیچھے ایک قادر مطلق ذات ہے جو سب سے بڑا ہے یکتا اور غنی ہے۔ جو اس کا مستحق ہے کہ صرف اس کی عبادت ہو۔ صرف اس کی تقدیس بیان ہو۔ اس اللہ نے مجھے تمہارے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اس نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی خبر دوں اور تمہیں اس کا عرفان بخشوں کیونکہ جہالت نے تمہارے دلوں کو اندھا کر رکھا ہے اور تمہاری آنکھوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔ تم نہ تو حق کو دیکھ سکتے ہو اور نہ غور و فکر سے کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہو۔

نینوا کے باسیوں نے حضرت کی باتیں سنیں تو گویا انہیں سانپ سونگھ گیا۔ کیونکہ ایسی گفتگو سننے سے ان کے کان شناسا نہیں تھے۔ انہوں نے خدائے واحد و یکتا

کے متعلق اس سے پہلے ایک لفظ بھی نہیں سنا تھا انھوں نے سوچا صرف ایک شخص پوری قوم کے خلاف علم بغاوت بلند کرے اور ایک عام آدمی اپنے رسول اور ہادی ہونے کا دعویٰ کرے یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔

لوگوں کی آنکھوں سے شعلے برسنے لگے۔ نینوا کی سرزمین پر بتوں کے خلاف آواز اٹھانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بت پرست قوم چیخ اٹھی: یونس! ذرا عقل کے ناخن لے تو یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ ہم اپنے دیوتاؤں سے رشتہ عبودیت توڑ ڈالیں اور انہیں چھوڑ کر کسی ان دیکھے خدا کی محبت کا دم بھرنا شروع کر دیں ان دیوتاؤں سے عبادت کوئی نئی بات نہیں ہمارے اسلاف انہی دیوتاؤں کے پجاری تھے۔ کیا کوئی نئی بات ہو گئی ہے، کائنات میں کوئی حادثہ رونما ہو گیا ہے کہ ہم اپنے معبود تبدیل کر لیں۔ اور تیرے نئے دین کے سامنے گردنیں جھکا دیں جسے تو نے اچانک گھڑ لیا ہے۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی دعوت و تبلیغ شروع کر دی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! اپنی آنکھوں پر پڑے تقلید کے پردے اتار پھینکو۔ اپنی عقلوں کے اردگرد وہم و گمان کے بنے جالوں کو تار تار کر دو۔ ذرا سوچو اور غور کرو۔ یہ بت جن کے سامنے تم صبح و شام پیشانیاں رگڑتے ہو۔ اور اپنی حاجت روائی اور دفع شر کے لیے ان پر بھروسہ کرتے ہو کیا وہ کسی نفع و نقصان کے مالک بھی ہیں یا نہیں۔ کیا ان میں کسی چیز کو پیدا کرنے کی طاقت ہے؟ یا یہ کسی چیز کو موت دینے کی قدرت رکھتے ہیں۔؟ کیا یہ کسی مریض کو شفا دے سکتے ہیں؟ یا کسی تندرست کو بیماری میں مبتلا کر سکتے ہیں؟ اگر میں انہیں نقصان دینا چاہوں تو کیا ان میں اتنی طاقت ہے کہ میرا ہاتھ پکڑ لیں اور مجھے روک دیں؟ اگر میں ان بے جان مورتیوں کو گرا دوں تو ان میں اتنی ہمت ہے کہ خود بخود اٹھ کھڑی ہوں؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔

پھر کیوں تم میری دعوت پر کان نہیں لگاتے کیوں اس دین کو قبول نہیں کرتے جس کو میں خدا کی طرف سے لے کر آیا ہوں؟ یہ دین تمہارے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ یہ نیکی کا فروغ چاہتا ہے اور برائی کی بیخ کنی کا خواہاں ہے۔ ظلم اس کی نظر میں مبغوض اور عدل و انصاف اس کی نگاہ میں محبوب ہے۔ یہ دین امن و سلامتی کا داعی ہے۔ تسلی اور اطمینان کی دولت ہے۔ یہ مسکین کی خبر گیری کرتا ہے اور فقیر کی

دلجوئی کرتا ہے۔ بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے اور نادار و غریب کی مدد کرتا ہے۔

مگر نینوا کے باسیوں نے بہت برے رد عمل کا اظہار کیا اور بہت برا جواب دیا۔ کہنے لگے : یونس! تو ہماری طرح کا ایک انسان ہے۔ تو اسی قوم کا ایک فرد ہے ہم تجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ تمہاری باتیں سن کر ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ ہم تیری دعوت سننے کے لیے تیار نہیں۔ تقریر بند کر۔ ہمارے پاس ان فضول باتوں کے سننے کے لئے وقت نہیں۔ یہ سب فرضی کہانیاں ہیں۔ من گھڑت قصے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا : میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اسی لیے تمہیں اچھی باتیں بتا رہا ہوں۔ میں تم سے جھگڑنا نہیں چاہتا میں تو تمہیں یہ بات سمجھانا چاہتا ہوں کہ میری دعوت کو غور سے سنو۔ اگر تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا تو میرا مقصد پورا ہو جائے گا اور جس بھلائی کی مجھے توقع ہے وہ بھلائی تمہیں نصیب ہو جائے گی۔ اگر تم نے ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا تو یاد رکھو یہ انکار ایک مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہو گا۔ ایک عذاب کا موجب بنے گا ایک ہلاکت کا سبب قرار پائے گا جو تمہاری جڑ کاٹ کر رکھ دے گا۔ میں تمہیں اللہ کے اس عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہاری سرکشی کی پاداش میں عنقریب نازل ہونے والا ہے۔

اللہ کے نبی کی بات صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ لوگ بپھر گئے اور نتائج و عواقب کی پرواہ کیے بغیر کہہ اٹھے۔ جا کسی اور کو بے وقوف بنا۔ ہم تیرے دین کو قبول نہیں کرتے۔ دھمکیاں کیوں دیتا ہے ذرا لے آ اس عذاب کو جس کے سنتے ہمارے کان پک گئے ہیں۔

یونس علیہ السلام کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ ایک قدم بھی ان کے ساتھ چلنا مشکل ہو گیا۔ ان کی ہدایت کی ساری امیدیں منقطع ہو گئیں۔ آپ نے وعظ و تلقین کا سلسلہ بند کر دیا اور قوم کو گمراہی کی اس وادی میں بھٹکتا کھلا چھوڑ دیا۔ رخت سفر باندھا اور یاس و قنوط کی پرچھائیاں دل میں لیے چل کھڑے ہوئے۔

کیا میں نے انہیں دعوت نہیں دی اور انہوں نے میری دعوت کو ٹھکرا دیا کیا میں نے انہیں غور و فکر کرنے کی تلقین نہیں کی مگر وہ نہیں مانے کیا میں ان سے بار بار جھگڑتا نہیں رہا مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی اب حق دعوت ادا ہو چکا۔ اب ان کی ہدایت کی امید عبث ہے۔ یونس علیہ السلام نے یہ سوچا اور شہر کو خیر باد کہہ کر چل

دیئے شاید وہ کچھ دیر اور دعوت و تبلیغ کا یہ سلسلہ جاری رکھتے تو انہیں مایوسی نہ ہوتی کئی لوگ ایمان لے آتے۔ کئی اپنی روش سے باز آتے اور توبہ و استغفار کرتے اور انابت کی راہ پر نکل آتے۔ لیکن یونس علیہ السلام نے ان کے رویے سے مایوس ہو کر شہر چھوڑ دیا کہ اب اللہ ان کو سزا دے گا کیونکہ ہٹ دھرمی اور سرکشی کی یہی سزا ہے۔ مگر تقدیر کو کچھ اور منظور تھا۔

یونس علیہ السلام نینوا سے تھوڑی دور گئے ہونگے کہ عذاب کہ آثار نمودار ہونے لگے۔ اور ہلاکت کی نشانیاں دکھائی دینے لگیں۔ نینوا کی فضا طوفان سے ڈھک گئی۔ لوگ خوف سے کانپ اُٹھے۔ لرزہ بر اندام ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ ہر شخص پریشان تھا ہر دل اداس تھا۔ اب انہیں خیال آگیا کہ یونس ٹھیک فرماتے تھے۔ ان کی دعوت حق پر مبنی تھی۔ اس کی دھمکی سچی تھی۔ جس عذاب کی انہوں نے بات کی وہ تو آچکا ہے۔ اور ایک مرتبہ پھر عاد و ثمود اور نوح علیہم السلام کی اقوام کا قصہ دوہرایا جارہا ہے۔

لیکن فوراً انہیں یہ سوچ آئی کہ کیوں نہ یونس علیہ السلام کے سچے خدا کے حضور التجا کریں۔ وہی اس طوفان سے ہمیں بچا سکتا ہے۔ بس وہ ایمان لے آئے اور استغفار کرنے لگے۔ نینویٰ کو چھوڑ دیا۔ پہاڑوں اور صحراؤں کی راہ لی۔ اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے کیلئے ایک نیا انداز اپنایا۔ ماؤں نے معصوم بچوں کو اپنے آپ سے الگ کر دیا۔ اونٹنیوں سے اُن کے بچے الگ کر دیے۔ گاؤں سے بچھڑے، بکریوں سے بکروٹے۔ گھوڑیوں سے بچھیرے چھین لیے۔ انسان و حیوان سب چیخ و پکار کرنے لگے۔ ہر طرف ماتم جاری ہو گیا۔ ہر طرف آنسوؤں کی نہریں جاری ہو گئیں۔ اللہ کو یہ درماندگی بڑی پسند آئی۔ رحمت جوش میں آگئی۔ عذاب کے بادل ہٹنے لگے۔ اللہ نے نینوا کی انابت اور توبہ کو قبول فرمالیا۔ کیونکہ وہ توبہ میں مخلص تھے اور دعاؤں میں سچے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کاش یونس علیہ السلام واپس آجاتے اور نینویٰ میں ہمارے درمیان رسول معلم اور امام کی حیثیت سے زندگی گزارتے۔

لیکن یونس علیہ السلام انہیں چھوڑ کر جا چکے تھے۔ اور نینوا کو خیرباد کہہ کر نہ معلوم کس راہ چل نکلے تھے۔ یونس علیہ السلام سفر کرتے کرتے ساحل سمندر تک پہنچے۔ وہاں چند آدمی سمندر میں سفر کرنے کو تیار کھڑے تھے۔ آپ نے انہیں

درخواست کی کہ مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔ اور اسی کشتی میں سوار کرلیں۔ انہوں نے ان کی بات مان لی اور انہیں عزت و تکریم سے بٹھایا کیونکہ آپ کی جبین مبارک سے شرافت و کرامت کا نور ٹپک رہا تھا اور تقویٰ و پرہیزگاری کی عبارت رقم تھی۔ لیکن ساحل سے زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے کہ موجوں میں تلاطم برپا ہو گیا اور کشتی ڈولنے لگی۔ سواریاں ڈر گئیں کہ ابھی ڈوبے۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ آنکھوں سے پریشانی اور مایوسی ٹپکنے لگی۔ غرقابی واضح نظر آرہی تھی بچنے کا کوئی طریقہ نظر نہیں آرہا تھا۔ صرف ایک صورت تھی کہ کشتی کا بوجھ ہلکا کیا جائے۔ سواریوں نے مشورہ کیا کہ قرعہ اندازی کی جائے اور جس شخص کے نام قرعہ پڑے اسے سمندر میں پھینک دیا جائے۔ قرعہ ڈالا گیا۔ قرعہ میں یونس علیہ السلام کا نام نکلا لیکن ان کی جلالت شان اور مقام و مرتبہ کے پیش نظر انہیں کشتی سے نہ اتارا گیا۔ دوسری مرتبہ پھر قرعہ اندازی ہوئی اس مرتبہ بھی قرعہ انھی کے نام نکلا لیکن پھر بھی انہیں سمندر میں نہ پھینکا تیسری مرتبہ قرعہ ڈالا گیا تو پھر یونس علیہ السلام کا اسم مبارک نکلا۔

یونس علیہ السلام بھانپ گئے کہ اس میں کوئی راز پوشیدہ ہے کوئی ربانی تدبیر کارفرما ہے۔ آپ کو یقین آگیا کہ میں نے نینوا کو چھوڑ کر غلطی کی ہے۔ اسے اس وقت تک قوم کو نہیں چھوڑنا چاہیے تھا جب تک اللہ تعالیٰ ہجرت کی اجازت اور سفر کا اذن نہ دیتا۔ آپ نے سمندر میں چھلانگ لگادی اور اپنے آپ کو موجوں کے حوالے کر دیا۔ منہ زور موجوں نے انہیں بری طرح لپیٹ لیا اور سمندر کی تاریکیوں نے اللہ کے نبی کو اپنے دامن میں محفوظ کرلیا۔

اللہ کریم نے ویل مچھلی کو حکم دیا کہ وہ اس مسافر کو نگل لے اور اسے اپنے پیٹ میں چھپالے لیکن اس کے گوشت پر خراش تک نہ آئے اور ہڈیوں کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالی کا نبی اور پیامبر ہے۔ انہوں نے تاویل و اجتہاد سے کام لیا لیکن غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے۔ انہیں قوم نے بہت برا جواب دیا اور انہوں نے جلد بازی کی۔ اب وہ اپنے کیے پر نادم ہیں۔ اپنے اس فیصلے پر پریشان ہیں۔ میرا یہ بندہ تیرے جسم میں امانت ہے۔ تجھے وقت آنے پر یہ امانت ادا کرنا ہو گی۔

یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا۔ تاریکی ہی تاریکی ہے۔ ہر طرف گھپ اندھیرا ہے۔

ایک تو مچھلی کا پیٹ اور دوسرا سمندر کی گہرائی۔ ایسے عالم میں یونس علیہ السلام کے دل پر کیا بیتی ہو گی۔ دل غم کے اندھیروں میں ڈوب گیا۔ اس اندھیری رات میں ایک روشنی کی کرن نظر آئی۔ ایک نور چمکا اور سارے اندھیرے کافور ہو گئے۔ یہ امید کی روشنی تھی۔ یہ اللہ کی رحمت اور بندہ نوازی کے خیال کا نور تھا۔ آپ نے عرض کی: اے بندہ نواز، بے آسروں کا آسرا، وسیع رحمت کا مالک توبہ قبول کرنے والا گناہوں کو معاف کرنے والا میری مدد فرما۔ ظلمتوں اور تاریکیوں میں ایک آواز گونجی

لَا اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ)

اللہ کریم نے اپنے بندے کی دعا قبول فرمائی اور مچھلی کو حکم دیا کہ وہ اس امانت کو ساحل پر اگل دے۔ کیونکہ اب وہ مقررہ وقت آ گیا ہے اور قضاء و قدر کا اٹل فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ مچھلی نے یونس علیہ السلام کو ساحل پر اگل دیا۔ جسم کمزور و نزار ہے۔ جسم بس ہڈیوں اور چھتروں کا ڈھانچہ ہے۔ نرم و گداز گوشت موسمی اثرات کا مقابلہ کرنے کے لائق نہیں۔ اللہ کے حکم سے فوراً ایک بوٹی اگتی ہے۔ اور یونس علیہ السلام کے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اسی بوٹی سے اللہ تعالیٰ انہیں کھانے کو پھل بھی دیتے ہیں اور سایہ بھی مہیا فرماتے ہیں۔ آپ کے جسم میں آہستہ آہستہ طاقت آنا شروع ہو جاتی ہے اور زندگی کی شادابی لوٹ آتی ہے۔

جب آپ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے اور جسم بالکل تندرست اور توانا ہو گیا تو حکم ملا کہ اپنے ملک کو واپس لوٹ جاؤ جہاں تیرے رشتہ دار اور بہن بھائی بستے ہیں۔ وہ ایمان لا چکے ہیں اور ایمان کی بدولت سعادت مند زندگی گزار رہے ہیں۔ انہوں نے سب مورتیاں توڑ ڈالی ہیں۔ اب اس شہر میں آپ شرک کے تعفن سے بیزاری محسوس نہیں کریں گے۔ کوئی تجھے نہیں ستائے گا۔ سب تیری واپسی کی راہیں تک رہے ہیں۔

یونس علیہ السلام نینوا واپس آ گئے۔ انہیں بہت تعجب ہو رہا تھا کہ جب وہ نینوا کو چھوڑ کر گئے تھے تو ہر طرف دیوتاؤں کی حکومت تھی۔ شرک و بت پرستی کی تاریکی تھی لیکن آج کوئی بھی دیوتاؤں کا پجاری نہیں تھا سب کی زبان پر توحید کا نغمہ تھا۔ ہر سر میں عبادت خداوندی کا سودا سمایا تھا۔

"حضرت زکریاء علیہ السلام"

زکریا اور یحییٰ علیہما السلام

حضرت زکریاء علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے کئی زمانے بیتے۔ کئی مدتیں گزر گئیں۔ سر کے سارے بال دودھ کی طرح سفید ہوئے۔ ہڈیاں کمزور ہو گئیں۔ اور کمر جھک گئی۔ چلنے میں بڑی مشکل پیش آتی اسی لیے زندگی گھر اور ھیکل میں تقسیم ہو کر رہ گئی تھی ھیکل میں تشریف لے جاتے اپنا فرض منصبی ادا کرتے لوگوں کو تلقین کرتے اور دن بھر یاد خدا میں مصروف رہنے کے بعد رات گئے واپس گھر لوٹ آتے جہاں آپ کی بیوی آپ کا شدت سے انتظار کر رہی ہوتی۔ ان کی عمر بھی بیت چکی تھی۔ بس جسم و روح کا ایک رشتہ باقی تھا کہ زندہ شمار ہوتیں۔ سر میں سفیدی جسم میں کمزوری۔ گھر کا کام بھی نہیں ہو پاتا۔ جسم میں اگر طاقت کی کوئی رمق باقی ہے تو وہ غریب پروری کی نذر ہو کر رہ گئی ہے۔ جو کچھ ہاتھ آتا اس سے غریبوں کی اشک شوئی کرتیں یا سائل کی جھولی میں کچھ ڈال کر اس کی محرومیوں کا ازالہ کرتیں۔ سب کچھ لٹا کر خالی ہاتھ گھر لوٹ آتیں۔ گھر کیلئے اللہ کی رحمت ہوتی اور زبان پر صرف اس کی نعمتوں کا شکر ہوتا۔

آپ کی عمر مبارک نوے سال ہو چکی تھی لیکن اولاد نہیں تھی۔ جو زندگی کا بہترین میوہ اور خوشیوں کا اہم ترین سبب ہے۔ آپ رات کو گھر واپس آتے تو اس کمی کو بہت محسوس کرتے۔ اولاد سے محرومی کا تصور دل کو بے چین کر دیتا اور جب عمر کا خیال کرتے تو ساری امیدیں منقطع ہو جاتیں۔ سوچتے ہم چند دنوں کے مہمان ہیں۔ موت منہ کھولے گھات میں بیٹھی ہے کسی وقت بھی زندگی کا دھاگا کٹ سکتا ہے۔ حکمت کا وارث کون ہو گا۔ اس بار امانت کو کون اٹھائے گا۔ اس کے موالی اور چچیرے تو شریر ہیں۔ کسی مضبوط ہاتھ کا ہونا ضروری ہے جو ان کو لوٹ کھسوٹ سے روک سکے۔ اگر انہیں روکنے والا کوئی نہ ہوا تو ھیکل کا تقدس پامال ہو جائے گا غریبوں کی پونجی لٹ جائے گی۔ شریعت کو تبدیل کر دیں گے اور فساد کی راہ پر چل کر معالم کتاب کو تبدیل کر دیں گے۔

یہ سوچ حضرت زکریاء علیہ السلام کو بہت پریشان کرتی۔ آپ اکثر متفکر رہتے۔ لیکن صبر و شکر اور برداشت کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔

اللہ کے نبی کی زبان شکوہ کے لفظ سے پاک ہوتی ہے اس لیے شکایت کا ایک حرف بھی نہ کہہ پاتے۔ جب رات اپنے پردے لٹکا دیتی اور ہر سو تاریکی چھا جاتی تو اگرچہ زبان پر حرف شکایت نہ آتا مگر آنسو حرف بن کر دل کی ساری کیفیت بیان کر دیتے۔

یہ الٰہی فیصلہ تھا ورنہ کون ہے جس کی دعا اللہ کے نبی کی نسبت زیادہ قبول ہوتی ہے ؟ اس دیر میں کوئی راز پنہاں تھا ورنہ زکریا سے زیادہ قبولیت دعا کا کون استحقاق رکھتا تھا ؟ اس محرومی کے پیچھے کوئی بھید چھپا تھا جسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ اس نعمت کے عطا نہ کرنے میں کوئی خاص سبب کار فرما تھا بہر حال زکریاء علیہ السلام کی زبان پر شکر اور قضاو قدر کے فیصلوں پر صبر و استقامت تھی۔

حسب معمول حضرت زکریاء ایک روز ھیکل کو تشریف لے گئے۔ نماز ادا کی اور دوسرے مناسک اور معمولات سے فارغ ہو کر حضرت مریم کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ مریم کسی سوچ میں غرق تھیں۔ اور سامنے پھل پڑے تھے۔ آپ نے ان پھلوں کو دیکھا تو انگلی دانتوں میں دبالی۔ یہ پھل اس موسم کے نہیں تھے۔ یہ پھل موسم گرما کے ہیں لیکن موسم تو سردی کا ہے۔ پھر یہ پھل یہاں پہنچ کیسے گئے۔ مریم کو تو کوئی ملنے بھی نہیں آتا۔ جب سے میں نے قرعہ جیتا ہے اور مریم کی کفالت کی

سعادت حاصل کی ہے اس کا تو کسی سے تعلق ہی نہیں رہا۔ مجاور قرعہ ہار کر الگ ہو گئے ماں نذر پوری کر کے چل دیں اور اپنی بچی کو میرے اور خدا کے سپرد کر گئیں وہ تو کبھی اسے ملنے بھی نہیں آئیں۔ اس کے سب رشتہ دار اس سے لاتعلق ہیں کیونکہ اب وہ خدا کی ہو گئی ہے۔ تو پھر یہ پھل کہاں سے آئے؟ یہاں کیسے پہنچ گئے۔ حجرے کے دروازے بند ہیں۔ کوئی آتا بھی تو کیسے آتا۔ یہ تو کوئی انہونی ہے۔ حضرت زکریاء سر نہوڑائے سوچتے رہے لیکن کسی نتیجہ پر نہ پہنچے۔

آخر حضرت مریم سے اس راز کے بارے پوچھ لیا۔ مریم تیرے پاس یہ پھل کہاں سے آگئے؟ مریم نے عرض کی یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ جونہی صبح ہوتی ہے تو یہ رزق حاضر پاتی ہوں اور جب شام آتی ہے تو بھی یہ رزق حاضر پاتی ہوں۔ حالانکہ میں نے اسے پانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اور کبھی اس بھلائی کیلئے حضور باری تعالیٰ میں دعا نہیں کی۔ یہ تو بس اس کا احسان ہے۔ وہ بغیر کسی دعا کے بغیر مانگے کسی کوشش کے بغیر محض اپنے فضل سے عطا فرما رہا ہے اے اللہ کریم کے جلیل القدر نبی! اس میں تعجب اور حیرانگی کی کیا بات ہے کیا اللہ وہی نہیں جو جسے چاہتا ہے بے انداز رزق عطا کرتا ہے۔

زکریاء علیہ السلام کی سوچ کے دھارے تبدیل ہو گئے: پاکیزہ بچی اور اس کی الٰہی مہمان نوازی نے دل میں بچے کی طلب کا جذبہ اور بھڑکا دیا۔ سوچنے لگے جس کریم نے بند کمرے میں بے موسم کے پھل مریم کو عطا کیے ہیں وہ مجھے اس پیرانہ سالی میں بچہ عطا نہیں کر سکتا۔ اگرچہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور بڑھاپے نے میرے سر پر کفن کی سفید چادر بچھا دی ہے لیکن وہ قادر مطلق ہے۔ وہ مجھے اس عمر میں بھی بیٹا عطا کر سکتا ہے۔ میری بیوی اگرچہ بانجھ ہے۔ اب اس کی عمر بھی مایوسیوں کی حد کو پہنچ گئی ہے۔ اس کے دل میں اولاد کی محبت کا جذبہ ماند پڑ گیا ہے لیکن جو ذات مریم کو نواز سکتی ہے اور بند کمرے میں رزق مہیا کر سکتی ہے اس کے لیے اس عمر میں بچہ عطا کر دینا کیا مشکل ہے۔ میں اس فانی عمر میں بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود اللہ سے بچے کی دعا کروں گا کیونکہ وہ کسی کی دعا کو رد نہیں کرتا۔ میں اس کے در رحمت پر دستک دوں گا۔ کیونکہ وہ سائل کو خالی دامن نہیں جانے دیتا۔

آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھادیے اور بصد عاجزی وانکساری عرض کرنے لگے :

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ

"اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے

بہتر ہے" (الانبیاء : ۸۹)

اللہ کیسے اپنے بندے کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج نہ رکھتا۔ کیسے اس کے دامن طلب کو خالی رکھتا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ آپ حجرہ عبادت میں مشغول عبادت تھے کہ ندا آئی :

يٰزَكَرِيَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا

"اے زکریا! ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے (کی ولادت) کا۔

اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے نہیں بنایا اس کا کوئی ہم نام اس سے

پہلے" (مریم : ۷)

زکریاء علیہ السلام نے آواز سنی تو حیرت و تعجب میں کھو گئے۔ وہ اللہ کی قدرت سے غافل نہیں تھے انہیں اپنی دعا کی قبولیت کی قوی امید تھی لیکن یہ کیفیت اس لیے طاری ہوئی کہ ایک آرزو مند اپنی آرزو کو پورا ہوتا ہوا دیکھ رہا تھا اور ایک سائل اپنی حاجت کو پورا ہوتا محسوس کر رہا تھا۔ پھر ہاتھ اٹھائے اور عرض کی : تو مجھے بچہ کیسے عطا فرمائے گا جبکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے ؟ ان کا پوچھنا کسی شک کی بنا پر نہیں تھا بلکہ اطمینان قلبی چاہتے تھے جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا ؟ قیامت کے روز لوگوں کو کیسے اٹھائے گا ؟

فرشتوں نے عرض کی : کیا وہ اللہ جس نے تمہیں وجود بخشا اس بات پر قادر نہیں کہ بڑھاپے میں تمہیں بچہ عطا فرمائے ؟ اے اللہ کے نبی اگرچہ آپ بوڑھے ہیں لیکن دیکھ تیرا مالک تو اسباب کا محتاج نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ آپ نے پھر دعا کی۔ الٰہی اس عطا پر کوئی نشانی، کوئی علامت مقرر فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست بھی منظور کر لی اور فرمایا کہ آپ تین دن تک کسی سے کلام نہیں کر سکیں گے۔ ضرورت کے وقت بھی آپ کی زبان ایک لفظ بھی ادا نہیں کر سکے گی اور اشارے سے بتانا پڑے گا کہ مدعا کیا ہے۔

بڑھاپے کی اس عمر میں زکریاء علیہ السلام کے گھر یحییٰ علیہ السلام جیسے سعادت مند بچے کا تولد ہوا۔ زکریاء علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور دل سے مایوسیوں اور غموں کا تمام غبار دھل گیا۔

اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی اور شریعت موسوی کا نگہبان مقرر کیا۔ آپ عبادت الٰہی میں اس طرح مشغول ہوئے کہ کسی چیز کا کوئی ہوش نہ رہا جسم سوکھ کر کانٹا بن گیا۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئیں۔ چہرہ زرد پڑ گیا۔ علم میں آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ تورات کے تمام علوم و معارف کا احصاء کر لیا شریعت کے اسرار و غوامض سے اللہ نے مکمل آگاہی بخش دی۔ اصول و فروع میں آپ کا قول قول فیصل ٹھہرا۔ لوگ حاضر خدمت ہوتے آپ شریعت کے مطابق ان کی تربیت فرماتے۔ انہیں مسائل سے آگاہ کرتے۔ شریعت کا مقتضاء سمجھاتے اور باہمی جھگڑوں اور تنازعات کا عدل و انصاف سے فیصلہ فرماتے۔ شریعت میں کسی مداہنت کو برداشت نہ کرتے۔ لومۃ لائم کی کچھ پرواہ نہ کرتے۔ جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے میں مشہور تھے تعلیم وارشاد میں کسی باغی، کسی بادشاہ کے رعب و دبدبہ کو خاطر میں نہ لاتے۔

ایک دن کسی نے آکر بتایا کہ فلسطین کا حاکم ھیرودیس اپنی بھتیجی ھیرودیا سے عشق کرتا ہے۔ کیونکہ ھیرودیا کوئی عام لڑکی نہیں۔ وہ ظاہری حسن میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی۔ اس کا قد سرو کی گردن جھکا دیتا ہے تو آنکھوں میں غزلان دشت کی طرح زمانے کی گہرائی ہے۔ اس کی زلفوں میں اندھیری راتوں کی سیاہی ہے تو رخساروں پر ڈوبتے سورج کی لالی اس کے ہونٹ گلاب کی پتیوں سے زیادہ شگفتہ ہیں باتوں میں شہد کی سی مٹھاس ھیرودیس اس کی جوانی پر فریفتہ اور اس کے حسن میں از خود رفتہ ہو گیا ہے۔ ھیرودیس اسی مہ لقا کو اپنی بیوی بنانے پر تلا ہوا ہے حالانکہ وہ اس کے بھائی کی بیٹی ہے ھیرودیا کی ماں بھی بادشاہ کی ہم خیال ہے لڑکی کے رشتہ دار اور تعلق دار بھی اس پر رضامندی کا اظہار کر رہے ہیں۔ گویا شریعت کا استہزاء شروع ہو چکا ہے۔

یحییٰ علیہ السلام جوش میں آجاتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں یہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ عقد باطل ہے۔ تورات کی آیات کی روشنی میں یہ زنا ہے۔ میں اس نکاح کی علی الاعلان مخالفت کرتا ہوں اور اس حرکت کے خلاف علم جہاد بلند کرتا ہوں۔

اس آواز کی گونج پورے شہر میں پھیل گئی۔ محل میں۔ بادشاہ کے حرم میں۔ معابد میں، محافل میں گھروں میں ہر جگہ اس فتوے کی آواز گونجنے لگی۔ ھیرودیا یہ فیصلہ سن کر سیخ پا ہو گئی۔ آنکھوں سے شعلے ٹپکنے لگے۔ یحییٰ کون ہوتا ہے ہمارے ذاتی معاملات میں دخل دینے والا۔ اسے یہ جرأت کیسے ہوئی کہ فلسطین کی سب سے حسین لڑکی بادشاہ کی محبوبہ کا نام بھی زبان پر لائے۔ ھیرودیا کے دل میں یحییٰ کی دشمنی نے ڈیرے ڈال دیے۔ اسی غیض و غضب سے اس کا حسن بھی متاثر ہوا جس پر ہر لحہ بادشاہ کی نگاہیں جمی تھیں۔ اس مرض کا کوئی علاج نہیں تھا۔ اس بیماری سے شفایاب ہونے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ اس کی آرزوئیں پوری ہوں۔ وہ سوچی کہیں بادشاہ یحییٰ کی مقبولیت اور شخصیت سے متاثر ہو کر شادی سے ہاتھ کھینچ نہ لے۔ کہیں وہ رانی بنتے بنتے رہ نہ جائے اور یحییٰ اس کی تمناؤں کا گلہ نہ دبا ڈالے۔ اس کے دل میں یحییٰ علیہ السلام کے لیے نفرت ہی نفرت تھی اس کا دل غیض و غضب کے شعلے کی مانند بھڑک اٹھا تھا۔ وہ اس آگ کو بجھانا چاہتی تھی لیکن اس کے آنسو اسکی ناکامیوں کا پسینہ اس کے لیے ناکافی تھا۔ اس کے لیے یحییٰ کے خون کی ضرورت تھی۔

اس نے سوچا وہ کسی بھی صورت اپنے خواب کی تعبیر حاصل کرے گی وہ جانتی تھی کہ صرف حسن کی دولت ہی اسے اپنے مقصد تک پہنچا سکتی ہے۔ اس نے جی بھر کر سنگھار کیا۔ قیمتی سے قیمتی کپڑے پہنے۔ نادر و نایاب ہار سجائے، حسن کی تلوار بے نیام کیے عشوہ و ناز و ادا دکھاتی اپنے عاشق چچا کے کمرے میں پہنچی ایک گل ریز تبسم اور فتنہ خیز ادا سے اپنے چچا کے دل و دماغ پر چھا گئی اور شکر جیسی میٹھی زبان میں اس سے باتیں کیں۔ ھیرودیس اس فتنہ جمال کی تاب نہ لا سکا اور ہوش و خرد کی ساری دولت اس کے قدموں میں نچھاور کر بیٹھا۔ وہ بادشاہ تھا وہ اپنی محبوبہ اپنی معشوقہ کو سب کچھ دے سکتا تھا۔ اس لیے اس کی تمنا اور آرزو پوچھنے لگا۔ ھیرودیا نے کہا خدا بادشاہ کا تخت سلامت رکھے۔ یہ باندی آپ کے اشارے کی پابند ہے اور حکم کی قیدی ہے۔

پھر بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگی۔ اگر بادشاہ اپنی اس باندی کو راضی کرنا چاہتا ہے تو صرف ایک صورت ہے کہ یحییٰ بن زکریاء کا سر کاٹ کر میرے قدموں میں رکھ دے۔ جس نے ہر جگہ بادشاہ کو اور مجھے ذلیل ورسواء کر دیا ہے۔ اور آج ہر محفل میں ہر گھر میں بس ہمارے عشق کے چرچے ہو رہے ہیں۔ اگر بادشاہ مناسب خیال کرے تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سکون اور غم کا علاج اسی میں ہے کہ یحییٰ کا سر قلم ہو جائے۔

ھیرودیس نے اپنی محبوبہ کی بات مان لی۔ اس کے حسن نے اسے بے چین کر دیا اور ضمیر و وجدان کی آواز سے کان بند کر کے حکم دیا کہ یحییٰ بن زکریا کا سر پیش کیا جائے۔ بس ایک ہی لحہ گزرا ہو گا کہ یحییٰ کا سر مبارک اس آفریدہ جمال کے قدموں میں پڑا تھا۔ ھیرودیا نے سر مبارک کو دیکھا تو اس کے غیض و غضب کا شعلہ بجھ گیا۔ یحییٰ علیہ السلام رہروان حق کے لیے مشعل راہ ٹھہرے جبکہ ھیرودیا اور بنی اسرائیل پر قیامت تک کیلئے لعنت برسنے لگی۔

"حضرت مریم"

ام مریم کی گود خالی تھی کیونکہ وہ بانجھ تھی۔ وہ تمنا کرتی ہو گی کہ کاش اس کی گودی میں بھی کوئی بچہ ہوتا جس کی حسین طلعت سے وہ اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتی۔ وہ جب بھی کسی پرندے کو اپنے بچوں کو دانا کھلاتے دیکھتی ہو گی یا کسی عورت کو بچے پر ممتا لٹاتے دیکھتی ہو گی تو اس کی یہ خواہش شدید ہو جاتی ہو گی اور وہ آسمان کی طرف دیکھ کر اشک بہا دیتی ہو گی۔ وہ عمر کے اس حصے میں پہنچ چکی تھی جہاں بچوں کی امید رخصت ہو جاتی ہے اور عورتیں محسوس کرنے لگتی ہیں کہ اب ان کے خزاں رسیدہ گلشن میں کبھی کوئی پھول نہیں کھلے گا۔ اولاد جو وحشتوں میں وجہ تسلی ہوتی ہے۔ تنہائیوں کی بہترین ساتھی ہوتی ہے جنہیں دیکھ کر ماں کی زندگی مسکرا اٹھتی ہے اور جنہیں سینے سے لگا کر ماں زمانے کی ساری کلفتیں ساری مصیبتیں بھول جاتی ہے ام مریم اس نعمت سے محروم تھیں۔

اس احساس نے ام مریم کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ وہ تمنا کرتی کہ کاش میری ساری دولت لٹ جاتی اور اس کے بدلے مجھے ایک معصوم سا، من موہنا سا بچہ مل جاتا۔ میں زندگی بھر کی پونجی لٹا کر دیکھتی تو ایک معصوم بچہ ٹکٹکی باندھ کر میری طرف دیکھ رہا ہوتا وہ اسے امی کہہ کر آواز دیتا اور اس کے گلے سے لپٹ جاتا۔ اور وہ اسے

دوڑ کر اٹھاتی۔ اسے سینے سے لگاتی اسے چومتی اور اپنی راحتیں اپنی آسائشیں اس کے آرام پر قربان کر دیتی۔ وہ بڑا ہوتا۔ دوڑتا بھاگتا میرے ارد گرد دوڑتا پھرتا۔ وہ ضد کرتا کچھ مانگتا اور میں اس کی ضد کو پورا کرتی اور وہ خوش ہو کر دوڑتا۔ اس کے حسن کی اس کی حسین فطرت کی زمانے میں دھوم ہوتی اور میرا جھریوں بھرا چہرہ تمتما اٹھتا۔

انھی خوابوں میں وقت گزرتا گیا۔ سالوں پر سال بیت گئے لیکن یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ جوں جوں ام مریم بوڑھی ہوتی گئی اولاد کی خواہش جوان ہوتی گئی۔ وہ تنہائیوں سے اکتا گئی تھی۔ ناامیدی نے اس کی زندگی میں تلخیاں بھر دی تھیں۔ پھل دار درختوں پر رشک آتا تو کبھی بچوں والی عورتوں کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتی رہتی۔

یوں لگتا ہے کہ اس کے نہاں خانہ دل سے جبلت کی ایک آواز اٹھتی ہو گی اور وہ اس باطنی آواز کو سنتی ہو گی اور اس کا پیچھا کرتی ہو گی کہ بچے کی آواز کس طرف سے آرہی ہے۔ عورت کی یہ سب سے میٹھی خواہش رہی ہے کہ اس کے پہلو میں ایک ننھا سا بچہ ہوتا جو اسے پیار کی نظروں سے دیکھتا۔ یہ خواہش عورت کی فطرت میں موجود ہے حتی کہ چھوٹی بچیوں میں بھی یہ خواہش انگڑائیاں لیتی ہے اور وہ گڑیاں پٹولے کھیل کر اس کی تشفی کرتی ہیں۔

ام مریم کے ہاتھ بارگاہ خدا میں خود بخود اٹھ گئے۔ آنکھوں سے اشکوں کی لڑی لگ گئی۔ سر عاجزی اور انکساری سے جھک گیا۔ دعا کی اور نذر مانی کہ اگر اس کی تمنا پوری ہوئی۔ امید بر آئی اور گود آباد ہو گئی۔ تو وہ اسے بیت المقدس پر تصدق کرے گی۔ وہ اللہ کے گھر کی خدمت اور جاروب کشی کے لیے وقف ہو گا۔ اور وہ اس بچے سے ذاتی خدمت بالکل نہیں لے گی بلکہ اس کا سارا وقت ساری توانائیاں بیت اللہ کے لیے وقف ہوں گی اور وہ ہیکل کی جاروب کشی کے لیے آزاد ہو گا۔

یہ نذر اس بات کی دلیل تھی کہ ام مریم کی یہ خواہش فطرت کی ودیعت کردہ ہے۔ وہ اپنی خدمت نہیں چاہتی تھی محض اس خواہش کی تکمیل چاہتی تھی جو اس کے اندر پہلے دن سے رکھ دی گئی تھی۔ اسے بڑھاپے کا سہارا درکار نہیں تھا۔ کوئی وارث نہیں چاہیے تھا۔ اس کے نام و نشان کو باقی رکھنے والا مقصود نہیں تھا۔ اسے صرف ایک بچے کی ضرورت تھی جس کی تمنا لے کر وہ اس دنیا میں آئی تھی۔

اللہ کریم نے ام مریم کی دعا سن لی۔ دعا قبول ہو گئی۔ دعا کے چند ماہ بعد انہیں محسوس ہونے لگا کہ پہلو میں جنین حرکت کر رہا ہے۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا بلکہ ساری کائنات ہنستی مسکراتی نظر آنے لگی۔ مایوسیوں کی تاریکی چھٹ گئی۔ غم واندوہ کی سیاہ راتیں سحر آشنا ہو گئیں۔ آنگن میں بہاریں کھیلنے لگیں۔ زمانے کی ساری خوشیاں گویا اس کے دامن میں آگئی ہوں۔ وہ بہت خوش تھی۔ اپنے خاوند کو بار بار بتاتی۔ اپنی منت کا تذکرہ کرتی۔ اس موضوع پر کئی ساعتوں پر محیط گفتگو ہوتی۔ ابو مریم بھی اس خبر کو سن کر خوش ہوتا اور اس کے دل کی کلی بھی کھل جاتی۔ اب یہ میاں بیوی زندگی کی ساری محرومیاں بھول گئے تھے سب غم خوشیوں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ طمانیت اور سرور نے دل کو گھیر لیا تھا اور بہتے آنسو ختم چکے تھے۔

اسی اثنا میں کہ ام مریم اپنی امیدوں اور میٹھے خوابوں کے مزے لوٹ رہی تھیں اور دن گن گن کر بچے کی پیدائش کا انتظار کر رہی تھی کہ ان کے دل پر ایک اور چوٹ لگی۔ اس چوٹ کا زخم خاصا گہرا تھا۔ غم والم کی آندھیاں چلنے لگیں۔ مسرتیں غموں میں اور فرحتیں بے چینیوں اور بے قراریوں میں بدل گئیں۔ ابو مریم عمران اچانک خوشی کی امید میں راہیِٔ ملک عدم ہو گئے۔

ام مریم پر غم واندوہ کے گویا پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں۔ اس بے وقت کی جدائی پر آنکھوں سے اشکوں کی روانی کوئی عجیب بات نہیں۔ وہ سوچتی کاش عمران کچھ دن اور زندہ رہتا تو اپنے لخت جگر کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کرتا اس کی تمنا کے پھول مہک اٹھتے۔ اس کے دل میں خوشی و مسرت کے شادیانے بج اٹھتے۔ لیکن قضا و قدر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ الٰہی فیصلوں کو کون ٹال سکتا ہے۔ ام مریم اکیلی رہ گئی۔ جیسے پرندہ اپنے ڈار سے بچھڑ جاتا ہے۔ چہرے کی جھریاں گہری ہو گئیں لیکن وقت زخم مندمل کر دیتا ہے۔ وقت گزرتا گیا اور امیدیں جوان ہوتی گئیں۔ محرومیوں کی دھند میں سعادتوں کے چراغ جل اٹھے۔ جوں جوں وقت قریب آرہا تھا غم کے ساتھ ساتھ ایک خوشی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک بے قراری سی تھی۔ غم و خوشی کے اس سنگم پر ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ کبھی خاوند کی جدائی میں دل پریشان ہو جاتا اور کبھی بچے کی خوشی اس غم پر غالب آجاتی اور زمانہ مسکرا اٹھتا۔ ام مریم کو اللہ تعالیٰ سے بہتری کی امید تھی۔ اور

یہی امید اس کا بہترین سہارا تھی۔ رحم میں اچھلنے والے بچے کی امید نے دل کی ویران بستی کو آباد کر دیا تھا۔ اور غم کی جگہ خوشی و مسرت نے لے لی تھی۔

بچے کی پیدائش کا وقت آگیا۔ ام مریم پر وہی کیفیات چھا گئیں جو وضع حمل کے وقت عورتوں پر چھا جاتی ہیں۔ مولود اس دنیا میں آگیا۔ لیکن بچی تھی۔ ساری خوشیاں ماند پڑ گئیں اور امیدوں کے اجالے پر حسرتوں کے اندھیرے غالب آئے۔ تقدیر نے اس بیچاری کے ساتھ یہ کیسا کھیل کھیلا۔ اپنے رب کی رحمت کا دروازہ کھٹکھٹایا:

الٰہی! میں تو بچے کی تمنا کر رہی تھی کہ تیری خوشنودی کے لیے اور تشکر و امتنان کے جذبے کی تشفی کے لیے اسے تیرے گھر کی خدمت کے لیے وقف کروں گی۔ ہیکل کی جاروب کشی کے لیے اسے آزاد کر دوں گی۔

لیکن میں تو ایک بچی کی ماں بن گئی ہوں۔ اور بچیاں تو تیرے گھر کی خدمت کے لیے وقف نہیں ہو سکتیں۔ دل غم میں ڈوب گیا۔ مایوسی کی موجوں نے زندگی چھیننے کی کوششیں شروع کر دیں۔ بچی کا نام مریم رکھا اور اللہ سے درخواست کی کہ میرے رب اس کی خود حفاظت فرما۔ اسے اسم با مسمیٰ بنا۔ اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے اپنی حفاظت میں لے لے۔

دل بجھا ہوا تھا۔ روح مضمحل تھی۔ کتنے غم تھے جو پے در پے آئے تھے۔ جوانی تو ساری حزن و ملال میں گزری کیونکہ اولاد نہیں تھی۔ لیکن جب یہ کرب ختم ہوا۔ اللہ نے سن لی اور بچے کی امید لگ گئی تو زمانے نے بے وفائی کی اور خاوند اللہ کو پیارا ہو گیا۔ پھر بھی ایک امید تھی۔ ایک سہارا تھا کہ بچہ ہو گا اور اسے بیت اللہ شریف کی خدمت کے لیے وقف کرے گی لیکن بچی پیدا ہوئی۔ جس سے اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا اور پرانے زخم پھر تازہ ہو گئے۔

لیکن غم کے ان اندھیروں میں بھی وہ خدا کی یاد سے غافل نہ ہوئیں اور دعا کی۔ اللہ نے اس کی بیچارگی پر نظر رحمت فرمائی اور دعا قبول ہو گئی۔ یہی تحفہ اپنی بارگاہ میں قبول کر کے اپنی بندی کی لاج رکھ لی۔ ام مریم کی خواہش تھی کہ میرے دل کا ٹکڑا بیت اللہ شریف کی خدمت کرے اللہ نے اس خدمت کے لیے مریم کو قبول فرما لیا۔ اور اسے بتا دیا کہ میں جانتا ہوں کہ تیرے ہاں بچی ہوئی ہے لیکن جس بچے کی تجھے خواہش

تھی وہ اس بچی جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سے یمن وسعادت کا کبھی نہ مرجھانے والا ایک پھول کھلے گا جس کی مہک سے بنی اسرائیل مشام دل کو معطر کریں گے۔

وہ یہ الہام پا کر بہت خوش ہوئی۔ اسے یقین آ گیا کہ اللہ کریم نے اس کی عزت افزائی فرما دی ہے۔ اور اسے اپنی رحمت اور نعمت کے لیے چن لیا ہے اس نے بچی کو کپڑے میں لپیٹا اور اٹھا کر بیت المقدس کی راہ لی۔ بیت المقدس میں پہنچ کر بچی مجاوروں کے سامنے رکھ دی اور انہیں بتایا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ یہ بچی بیت المقدس کی خدمت کرے گی۔ لو اب یہ تمہارے حوالے۔ بچی مجاوروں کے حوالے کر کے واپس آ گئی۔

اس عورت کو جانے دیجئے جس کا خاوند کل فوت ہوا اور آج وہ اپنی بچی بیت اللہ کے مجاوروں کے سپرد کر کے واپس آ گئی۔ بلکہ اس عورت کا تصور کیجئے جس نے اللہ کے فیصلے کے سامنے گردن جھکا دی۔ تقدیر کے لکھے پر راضی ہو گئی اور اس کا دل اس بات پر مطمئن ہو گیا کہ اس کی نذر پوری ہوئی اور بچی خدمت کے لیے اچھے طریقے سے قبول کر لی گئی۔ اور یہ شرف اللہ نے صرف اور صرف اسے عطا کیا ہے کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکا۔

ذرا چشم تصور سے یہ بھی دیکھو کہ ام مریم نے اپنی محبت کی قربانی دی۔ اپنی پیاری بچی کی محبت کو رضائے خداوندی کے لیے قربان کر دیا۔ وہ ممتا کے جذبے سے مجبور اپنی بچی کی محبت میں ہیکل کو جاتی ہے لیکن دور سے کھڑی ہو کر اس کے احوال کے بارے استفسار کرتی ہے جب خیر و عافیت معلوم کر لیتی ہے تو مطمئن ہو جاتی ہے اور بچی کو دیکھے بغیر واپس لوٹ آتی ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتی ہے کہ اس نے اس کی قربانی کو قبول کیا ہے اور اس پر بڑا فضل واحسان فرمایا ہے۔

اب ذرا دیکھیں کہ معصوم بچی جو بیت اللہ شریف میں اللہ کی مہمان ہے اس پر کیا بیتتی ہے جب ام مریم اس بچی کو بیت اللہ شریف میں لے گئی تو مجاوروں کے حوالے کر کے واپس آ گئی تو سب مجاور اس کی طرف کھچے چلے آئے۔ ہر آدمی یہ چاہتا کہ عمران کی بچی کی کفالت کی سعادت اسے حاصل ہو کیونکہ عمران ان کا امام اور بزرگ تھا۔ ان تمام مجاوروں سے زیادہ اصرار زکریاء علیہ السلام کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مریم کی خالہ چونکہ میرے گھر میں ہے لہذا اس کی کفالت کا زیادہ حقدار میں ہوں۔ میں

اسے پالوں پوسوں گا۔ اسے گھر میں ماں کا پیار ملے گا اور میں اس کی اچھے طریقے سے تعلیم و تربیت کروں گا۔ کیونکہ میں اس سے نسبی تعلق بھی رکھتا ہوں اس لیے میں اس کو تم سب سے زیادہ محبت دے سکتا ہوں۔

تنازعہ شدت اختیار کر گیا۔ مناظرہ اور مجادلہ طول پکڑ گیا۔ بحث و تمحیص کا سلسلہ دراز ہو گیا۔ ہر شخص کے پاس کوئی نہ کوئی معقول دلیل تھی اس لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ ہر شخص کے لہجے میں سچائی تھی۔ ہر شخص کی باتوں سے خلوص ٹپکتا تھا۔ ہر آدمی دوسرے پر اپنی فضیلت بھی جتا رہا تھا۔ تمام بیت المقدس کے مجاور تھے۔ کس کو ترجیح دی جائے۔ کس کی بات مانی جائے؟

زکریاء علیہ السلام اپنے آپ کو اس فضل کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو اس کام کے لیے دوسروں سے زیادہ مناسب خیال کر رہے تھے۔ جب یقین ہو گیا کہ ان کے درمیان اتفاق ممکن نہیں بلکہ ان کی جمعیت ٹوٹی جاتی ہے اور اختلاف بڑھتا چلا جا رہا ہے تو مجاوروں نے کہا ہم اس وقت تک زکریاء کی بات نہیں مانیں گے اور انہیں اپنے آپ سے زیادہ حقدار نہیں سمجھیں گے جب تک وہ قرعہ اندازی میں ہم سے نہیں جیت جاتا۔

زکریاء علیہ السلام راضی ہو گئے کہ چلو قرعہ اندازی کے ذریعے اسی بات کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ تمام مجاور ایک نہر پر گئے اور اپنے قلم نہر میں پھینک دیے۔ زکریاء علیہ السلام کا قلم پانی کی سطح پر تیرنے لگا جبکہ باقی مجاوروں کے قلم ڈوب گئے۔

یہ دیکھ کر سب نے سر جھکا لیے اور زکریاء علیہ السلام کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ بچی زکریاء علیہ السلام کے سپرد ہو گئی۔ آپ نے اسے کفالت میں لے لیا اور اس کی ولایت کو قبول کرتے ہوئے اس کی تربیت کے اہتمام کی ذمہ داری اٹھالی۔

زکریا علیہ السلام بچی کو لے کر بہت خوش تھے۔ انہوں نے دل میں عزم کر لیا کہ جب رب کریم نے اس سعادت کے لیے مجھے چن لیا ہے تو میں اس کی کفالت میں کوئی کمی نہیں چھوڑوں گا اور راحت و آرام کے سارے سامان حتی المقدور اس معصوم کے قدموں میں لا کر رکھ دوں گا۔ یہ کوئی معمولی قسم کی بچی نہیں تھی ایک ایسی بچی تھی جس کو اللہ کی مہمانی کا شرف حاصل ہو گیا تھا اور زکریا علیہ السلام کے ہاں کوئی بچہ بھی

نہیں تھا اس لیے آپ مریم سے والد کا سا پیار کرتے۔ یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری تھی۔ ایک بچی کی تربیت جس کی جوانی کی طرف آنکھیں اٹھ سکتی تھیں۔ اس لیے محبت نے جوش مارا احساس ذمہ داری اجاگر ہوا اور حضرت زکریا علیہ السلام نے سوچا کہ وہ بچی کو لوگوں کے شور و شغب سے دور رکھے گا اور اپنے آپ کو اس کی دیکھ بھال کیلئے وقف کر دے گا اور اس کے کمرے میں کسی اور کو نہیں جانے دے گا۔ زکریاء علیہ السلام نے بیت المقدس کے اندر ہی ایک حجرہ تعمیر کر دیا۔ یہ حجرہ الگ تھلگ بھی تھا اور بلند وبالا بھی۔ اس طرف جانے کے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا اور سیڑھیاں چڑھ کر جانا پڑتا تھا۔ اس لیے کسی اجنبی شخص کے لیے اس طرف آنا مشکل تھا۔ زکریاء علیہ السلام لحظہ لحظہ بچی کی خبر لیتے اور دروازے کے سامنے چلتے پھرتے رہتے۔ تاکہ تسلی رہے اور اس کے آرام و آسائش میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔

آپ اس کی پرورش اور تربیت سے ایک طمانیت محسوس کرتے اور بچی کو ہنستا مسکراتا دیکھتے تو ان کے چہرے پر بھی مسرت کی لہر دوڑ جاتی۔ ان کی یہ کوشش ہوتی کہ مریم کو ہر آسائش میسر رہے اور زندگی کے سارے اسباب اسے فراہم ہوں۔ وہ خدمت کی اس راہ پر تندہی سے گامزن تھے کہ ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ اس واقعہ نے زکریاء علیہ السلام کو انگشت بدنداں کر دیا۔

زکریاء علیہ السلام کمرے میں داخل ہوتے تو پھل موجود پاتے۔ انہیں یقین تھا کہ اس معصوم بچی کے کمرے میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں آسکتا۔ بلکہ کسی شخص کو اس حجرے کے دروازے پر دستک دینے کی بھی جسارت نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ پھل کہاں سے آجاتے ہیں۔ اور کون ہے جو اس کمرے میں پھل پہنچا دیتا ہے۔ انہوں نے بہت غور کیا لیکن کچھ سمجھ نہ آیا بہت سوچ وچار کی لیکن بے سود۔ ذہن کے دروازے پر بار بار دستک دیتے رہے لیکن اس سوال کا کوئی جواب نہ مل سکا۔ آخر ایک دن اس معمے کے بارے مریم سے پوچھ لیا۔ مریم! یہ رزق جو دنیا کی نعمتوں سے مختلف ہے کہاں سے آیا ہے حالانکہ اس پھل کا موسم نہیں اور نہ تیرے پاس کوئی شخص پہنچ سکتا ہے۔

مریم نے جواب دیا: بیشک یہ اللہ کی طرف سے ہے اور بلا شبہ وہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

زکریاء علیہ السلام جی کی یہ باتیں سن کر سراپا محبت بن گئے اپنا سر جھکا لیا اور سمجھ گئے کہ مریم کس مقام و مرتبہ کی حامل ہے۔ وہ جان گئے کہ آج دنیا میں اس مقام کی حامل کوئی اور خاتون نہیں۔ اللہ نے اسے خواتین عالم سے چن لیا ہے۔

اس کرامت اور اللہ کی اس قدرت کو دیکھ کر دل میں سوتا ہوا پیار کا جذبہ جاگ اٹھا کہ کاش ان کے گھر میں بھی ایک بچہ ہوتا۔

وہ جانتے تھے کہ بوڑھے ہو گئے ہیں اور اس عمر میں بچوں کی تمنا محض خواب ہے لیکن اللہ کے نبی کا یقین پہاڑوں کے عزم کو چکنا چور کر دیتا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان کی بیوی الزبتھ بانجھ ہے اور بہت بوڑھی ہو چکی ہے لیکن وہ کئی دن سے اپنی انکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ قدرت اسباب کی محتاج نہیں۔ وہ جانتے تھے کہ قدرت چاہے تو اس کے لیے اس بڑھاپے میں بھی زندگی کا سب سے قیمتی تحفہ اور میٹھا پھل عطا کرنا کوئی مشکل نہیں اس لیے انہوں نے بارگاہ ایزدی میں گزارش کی اور بہت آہستہ سرگوشی کے سے انداز میں عرض کی اور تمنا کی کہ مولا مجھے بھی اولاد کی نعمت سے نواز دے۔ میری تمنا کی جھولی میں ایک سدا بہار پھول ڈال دے۔ ان کے لہجے میں درماندگی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ایک امید اور یقین کی کیفیت بھی تھی۔

(رب انی وھن العظم منی واشتعل الرأس شیباً ولم اکن بدعائك رب شقیاً وانی خفت الموالی من ورائی وکانت امرأتی عاقراً، فھب لی من لدنك ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعله رب رضیا)

"اے میرے رب! میری حالت یہ ہے کہ کمزور و بوسیدہ ہو گئی ہیں۔ میری ہڈیاں اور بالکل سفید ہو گیا ہے (میرا) سر بڑھاپے کی وجہ سے اور اب تک نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو اے میرے رب! اور میں نامراد رہا ہوں۔ اور میں ڈرتا ہوں (اپنے بے دین) رشتہ داروں سے (کہ وہ) میرے بعد (دین ضائع نہ کریں) اور

میری بیوی بانجھ ہے۔ پس بخش دے مجھے اپنے پاس سے ایک وارث۔ جو وارث بنے میرا اور وارث بنے یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا۔ اور بنادے اسے اے رب! پسندیدہ (سیرت والا)" (مریم: ۴تا۶)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور تمنا پوری کر دی اور فرمایا۔

(یٰزَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ اسْمُہٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا)

"اے زکریا! ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے (کی ولادت) کا۔ اس کا نام یحییٰ ہو گا ہم نے نہیں بنایا اس کا کوئی ہم نام اس سے پہلے" (مریم: ۷)

مریم پھلی پھولی اور جوان ہوئی۔ اس کے بازوؤں میں قوت آگئی اور اس کا دل تقویٰ اور پرہیز گاری سے آباد ہو گیا۔ آپ بیت المقدس میں ٹھہری عبادت خداوندی میں مشغول رہیں اور غائب سے رزق پہنچتا رہا اور آپ خلوص نیت سے بیت اللہ شریف کی خدمت اور مجاورت کرتی رہیں حتیٰ کہ ان کی سیرت طیبہ ضرب المثل بن گئی۔

"عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام"

مولود مسعود

حسب معمول مریم اپنے حجرۂ اعتکاف میں بیٹھیں حضور باری میں تسبیح و تہلیل و عبودیت کا نذرانہ پیش کر رہی تھیں۔ اچانک کیفیت بدل گئی۔ روح میں بے چینی سی دوڑنے لگی اور ایک ان جانا سا خوف خون میں گردش کرنے لگا ایسی کیفیت کبھی پہلے طاری نہیں ہوئی تھی۔ نظر اٹھا کر کیا دیکھتی ہیں کہ فرشتہ حاضر ہے۔ یہ فرشتہ مردانہ روپ میں ہے تا کہ اللہ کی یہ بندی ڈر نہ جائیں اور انسیت اور اپنائیت سی محسوس کریں۔ آپ نے ایک اجنبی کو دیکھ کر بھاگ جانے کا ارادہ کیا اور اللہ کی پناہ مانگی کیونکہ وہ نہیں جانتی تھیں کہ یہ فرشتہ ہے۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ کوئی فاجر و فاسق شخص ہے۔ اور کسی بری نیت سے ادھر آنکلا ہے۔ آپ چونکہ تقیہ، مومنہ، عفیفہ اور طاہرہ تھیں اس لیے فوراً طمانیت لوٹ آئی اور خوف دور ہو گیا۔ پھر فرشتے نے یہ کہہ کر گفتگو شروع کر دی۔

اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا

"میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ میں عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ فرزند" (مریم: ۱۹)

آپ کے دل پر غم والم کے بادل چھا گئے اور حزن و ملال کی موج نے گھیر لیا لیکن اس خوف و ہراس نے بھی آپ کی زبان مبارک سے طاقت گویائی نہ چھینی۔ آپ نے اپنی تمام توانائیاں مجتمع کیں، خاموشی کو توڑا اور فرشتے سے حجت کے لہجے میں گفتگو کرنے لگیں۔

اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا

"کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بد چلن ہوں" (مریم: ۲۰)

قال: کَذٰلِکِ قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا

"جبرائیل نے کہا یہ درست ہے (لیکن) تیرے رب نے فرمایا یوں بچہ دینا میرے لیے معمولی بات ہے اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنائیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لیے اور سراپا رحمت اپنی طرف سے اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے" (مریم: ۲۱)

پھر فرشتہ چلا گیا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

مریم حیران و ششدر بیٹھی اس گفتگو کے متعلق غور و فکر کرنے لگیں۔ اس واقعہ سے اس کے دل میں ڈر اور خوف پیدا ہو گیا تھا۔ اور ایسا ہونا طبعی بات تھی کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ جب لوگ ایک کنواری دوشیزہ کو بچہ اٹھائے دیکھیں گے تو حشر برپا کر دیں گے۔ اس خیال نے ان کے قدموں کے نیچے سے زمین کھینچ لی۔ اور اسے مضطرب اور پریشان کر دیا۔ کیونکہ وہ اس شک کو دیکھ رہی تھیں جو لوگوں کے دلوں میں بدمستی پیدا کرنے والا تھا۔ اور اس تعجب کو سمجھتی تھی جو لوگوں کو انگشت نمائی پر مجبور کر سکتا تھا۔ وہ تنہائی پسند ہو گئیں اور اکیلے رہنے لگیں۔ غم نے انہیں اپنے آہنی پنجوں میں دبوچ لیا اور خوف نے انہیں لرزہ براندام کر دیا۔ وہ اس خوفناک راز کے متعلق ہمیشہ سوچتی رہتیں جو ان کے دل میں دفن تھا۔

کئی ماہ گزر گئے۔ روح کو بے چین کر دینے والے دکھوں، پے در پے آنے والے حزن و ملال اور پریشان کن وسوسوں نے مریم کی زندگی تلخ کر دی۔ ان کا سارا وقت پریشانی اور تنہائی کی نذر ہو گیا۔ زندگی ایک بوجھ بن کر رہ گئی۔ نہ کھانا پینا اچھا لگتا تھا اور نہ عبادت میں وہ پہلی سی محویت محسوس ہوتی تھی۔ پس ہر وقت یہی سوچ ذہن پر سوار رہتی اور یہی خیالات پریشان کرتے رہتے۔ آخر وہ تنگ آ گئیں اور غم والم کی تصویر بنے بیت المقدس کو چھوڑ اپنے گاؤں "ناصرت" کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ناصرت آپ کا مولد اور جائے پیدائش تھا۔ آپ نے ایک ایسے گھر میں قیام کیا جو زندگی کی سہولیات سے خالی تھا۔ جہاں فقر کا بچھونا تھا اور فاقوں بھری طویل راتیں تھیں۔ یہ گھر انہیں لوگوں کی نظروں سے بچا سکتا تھا اور تاڑنے والوں کی نظروں سے چھپا سکتا تھا۔ لگتا ہے وہ اپنی قوم سے بھی نہیں ملتی ہوں گی اور اپنے خاندان سے بھی کوئی میل جول نہیں رکھتی ہوں گی۔ انہوں نے تھکاوٹ اور بیماری کا بہانہ کیا ہو گا کہ کہیں یہ راز عیاں نہ ہو جائے اور اس کا چھپا معاملہ نظروں میں نہ آ جائے اور لوگ ابھی سے انگشت نمائی شروع نہ کر دیں۔ اور یہ راز کہیں موضوع گفتگو اور افسانہ نہ بن جائے۔ جوں جوں وقت قریب آ رہا تھا ان کے حزن و ملال میں اضافہ ہو رہا تھا کہ جس راز کو آج تک چھپائے رکھا اور جس چیز پر ابھی تک کسی کو خبر نہیں ہونے دی وہ اچانک ظاہر ہو جائے گا۔ اے میرے مولا! یہ تقدیر نے کیا مذاق کر دیا ہے۔ رات کے ان پردوں میں کیا راز پنہاں ہے۔ وہ ایک ایسے باوقار خاندان کی بیٹی ہیں جس کا تنا مضبوط اور ٹہنیاں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ اس کا باپ برا تھا نہ اس کی ماں نافرمان۔ تو پھر کیوں اس کی عزت پر نکتہ چینی ہو۔ وہ اس عار سے کیسے بچے گی؟ کیسے وہ اپنے دامن کی پاکیزگی کا دعویٰ کرے گی؟۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑا گھمبیر مسئلہ تھا۔ یہ ایسا واقعہ تھا جس کے خوف سے بچوں کو بھی بڑھاپا آ جائے۔ کیا بھیانک تصور تھا کہ لوگ کہیں گے کہ مریم نے تقدس کی متاع گراں مایہ لٹا دی جس کی حفاظت کے لیے ایک دوشیزہ جان پر کھیل جاتی ہے۔ اس نے اپنے خاندان کی شرافت کو داغدار کر دیا۔ اس نے اپنی قوم کی وجاہت داؤ پر لگا دی اس نے اپنے گھر کو ذلت اور پستیوں کی دلدل میں دھکیل دیا۔ ان کی ناک کاٹ کر رکھ دی۔ انہیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ یہ تمام باتیں ہونگی حالانکہ

اس نے تو کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا کسی معصیت اور نافرمانی سے اپنا دامن آلودہ نہیں کیا۔ وہ اس جرم سے بری ہے اور جو کچھ لوگ سوچیں گے اس سے پاک اور منزہ ہے۔

مشکل کی اس گھڑی میں اور مصیبت کے ان لمحات میں وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ صرف ایک ہی صورت تھی کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے اپنا سر جھکا دیتی اور سب کچھ تقدیر پر چھوڑ دیتی اور دیکھتی کہ کیا ہوتا ہے اور وقت کیا تصویر پیش کرتا ہے۔ بلاشبہ عبادت و ریاضت اور تقویٰ و پرہیزگاری نے ان کی ڈھارس بندھائی اور ان کا بوجھ ہلکا کیا۔ وہ اس مشکل سے بچ نکلنے کا راستہ دیکھنے لگیں اور اپنے حراساں دل کے لئے سکون اور اطمینان کی پرچھائیاں محسوس کرنے لگیں۔ آپ نے سوچا فرشتے نے بچے کی بشارت کے ساتھ کیا یہ خوشخبری نہیں دی تھی کہ ان کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ پنگھوڑے میں گفتگو کرے گا۔ کیا معصوم کی یہ گفتگو لوگوں کے اعتراض کے جواب کے لیے کافی نہیں۔ کیا یہ ایسی دلیل نہیں جو ان کی برأت اور طہارت کو واضح کردے۔

یہی چیز تھی جو مریم کے دل کو تسلی دیتی اور اسی امید سے اس کے دل کا غبار قدرے صاف ہو جاتا اور انہیں خلاصی کا راستہ نظر آنے لگتا۔

وضع حمل کا وقت قریب آگیا۔ آپ نے دردِزہ کو محسوس کیا۔ گاؤں سے نکلیں اور یہ درد انہیں کھجور کے خشک تنے کے پاس لے گیا۔ یکا و تنہاء کوئی پرسان حال نہیں کوئی معاون اور مددگار نہیں۔ نہ کوئی سہیلی ہے کہ دو حرف تسلی کے کہے نہ کوئی دایہ ہے کہ علاج کرے۔ اس کنواری ماں کو وضع حمل میں کس قدر دکھ اٹھانا پڑا ہوگا۔ آخر اس کھلی فضا میں بچہ پیدا ہو گیا۔

وحشت و تنہائی نے انہیں پریشان کر دیا اور بن باپ کے بچے کو جنم دینے کے تصور سے تھر تھر کانپنے لگیں۔ بچے کو حسرت و یاس کی نظروں سے دیکھا اور آرزو کرنے لگیں کہ کاش زمین پھٹتی اور وہ اس میں غائب ہو جاتیں۔ اور شادی سے پہلے ماں بننے سے پہلے دنیا کو چھوڑ دیتیں۔ یاس و قنوط کی زبان میں کہنے لگیں۔

يَالَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا

"کاش! میں مر گئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کر دی گئی ہوتی" (مریم: ۲۳)

وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا کرے۔ حیرت واستعجاب میں سوچتی رہیں غم کھائے جارہا تھا۔ حزن وملال کے بھنور میں روح کانپ رہی تھی۔ آپ غم کی اسی حالت میں زمین پر بیٹھ گئیں اور چند لمحے بھی نہیں گزرے ہوں گے اللہ کی رحمت کی برکھا ہونے لگی۔ اللہ کریم نے آواز دی۔ اس آواز سے حضرت مریم کے سب غم دور ہو گئے۔ سب اندیشے ناپید ہو گئے، دل میں سکون واطمینان لوٹ آیا۔ ندا اس کے پاؤں کی طرف سے آرہی تھی کہ

اَلاَّ تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا

غمزدہ نہ ہو جاری کر دی ہے تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی۔ (مریم: ۲۴)

اس ندی کا پانی اس چٹیل میدان میں بہہ رہا ہے۔

وَهُزِّیْٓ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا

اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر پکی ہوئی کھجوریں۔ (مریم: ۲۵)

اللہ کی اس عطا کردہ خوراک کو کھاؤ تاکہ ضائع شدہ قوت بحال ہو جائے اور تمہارا دل اللہ کی قدرت کا نظارہ دیکھ کر خوش ہو جائے جس نے کھجور کے خشک تنے کو ہرا کر دیا ہے۔ اور اپنے دل کو خوش کر دے کہ وہ اللہ تیرے دامن کو لوگوں کے الزامات سے پاک کر دے گا جس نے اس بے آب وگیاہ میدان میں پانی جاری کر دیا ہے۔

بیشک یہ معجزہ حضرت مریم کی برات اور عفت کا ناقابل تردید ثبوت تھا۔ یہ ایک ایسی علامت تھی جس سے ملامتیوں اور معترضوں کی زبان کو تالا لگ سکتا تھا لیکن مریم تو تہمت سے بچنا چاہتی تھیں۔ یہ دلیل تو اس کی تشفی کر سکتی تھی جو بچے کی پیدائش کی جگہ آتا۔ آپ کو تو ایسا جواب چاہیے تھا جو ان لوگوں کی زبان بند کر سکتا جو انہیں شہر میں بچہ اٹھائے دیکھیں گے تو ان پر لعنت وملامت اور طعن وتشنیع کے تیر برسانا شروع کر دیں گے۔ اس لیے مریم پوری طرح مطمئن نہیں تھیں اور دل ابھی تک پریشان اور مضطرب تھا۔

گویا اللہ کریم نے اس مولود مسعود کو والدہ کی حیرتوں کی وجہ بتادی تھی اور ان کے دلوں میں جاری کش مکش سے آگاہ فرمادیا تھا تو بچے نے ایک ایسی گفتگو کی جو اس کی براءت کے لیے کافی تھی اور وہ ملامت کرنے والوں کو بآسانی چپ کرا سکتی تھی۔ بچے نے کہا۔

فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَداً فَقُوْلِيْ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحمٰنِ صَوْماً فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِياً

(پھر اگر تم دیکھو کسی آدمی کو تو (اشارے سے اسے) کہو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمٰن کے لیے (خاموشی کے) روزے کی۔ پس میں آج کسی انسان سے گفتگو نہیں کروں گی" (مریم :۲۶)

حضرت مریم مطمئن ہو گئیں اور ان کی پریشانی ختم ہو گئی۔ ہمت کر کے گاؤں کی راہ لی۔ بچہ اٹھائے جونہی بستی میں قدم رکھا تو چرچا ہونے لگا اور بات پوری بستی میں پھیل گئی۔ لوگ زبان درازی کرنے لگے۔ مریم کی عفت و پاکدامنی پر نکتہ چینی ہونے لگی۔ ہر طرف سے تف تف اور پھٹکار کی آوازیں آنے لگیں۔ خاندان کے کچھ لوگ تو کاٹنے کو دوڑے۔ مریم یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ عمران کی بچی کی گود میں بن بیاہے بچہ۔ ہارون کی نسل کی دوشیزہ کی پاک دامنی پر یہ داغ ؟

يَامَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئاً فَرِيًّا۔ يَا اُخْتَ هَارُوْنَ مَاكَانَ اَبُوْكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِياً

"اے مریم! تم نے بہت ہی برا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی" (مریم: ۲۷، ۲۸)

آپ خاموش رہیں اور اپنی براءت کے لئے اور ایک لفظ بھی نہ کہہ سکیں۔ حیاء سے گردن جھک گئی اور زبان میں یارائے تکلم نہ رہا۔ بس اتنا کہہ سکیں : میں نے رب رحمٰن کی خوشنودی کے لیے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ میں ایک لفظ بھی اپنی زبان سے ادا نہیں کروں گی۔ اگر تم جواب چاہتے ہو۔ میری پاکیزگی کی دلیل درکار ہے تو آؤ اس بچے سے پوچھو۔ آپ نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے اور اس کے اشارے پر استہزاء کرنے لگے۔

كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا

"ہم کیسے بات کریں اس سے جو ابھی گہوارے میں (کمسن) بچہ ہے" (مریم،۲۹)

لیکن اس معصوم بچے کی زبان بول اٹھی۔ معصوم گلے سے جو ابھی پوری طرح تکمیل کے مراحل بھی طے نہیں کر سکا تھا ایک آواز آنا شروع ہو گئی اور سارے شک لوگوں کی ساری غلط فہمیاں دور کر دیں۔ بچے کی آواز میں ایک حقیقت کا رعب تھا۔ بات میں کمال فصاحت وبلاغت کی چاشنی تھی۔ گلاب کی پنکھڑی کی طرح شگفتہ ہونٹ آہستہ آہستہ حرکت کر رہے تھے اور لوگوں کی طرف دیکھ کر یہ معصوم اپنی ماں کی عفت اور اللہ کی قدرت کو عیاں کر رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ میری ماں پر تہمت نہ لگاؤ۔ ان کی شان میں گستاخی نہ کرو سن لو۔

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیاً وَّ جَعَلَنِیْ مُبَارَکاً اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ مَادُمْتُ حَیًّا۔ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیاً۔ وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیاً

"میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے۔ اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔ اور اسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوۃ دینے کا جب تک میں زندہ رہوں۔ اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا اور اس نے نہیں بنایا مجھے جابر (اور) بد بخت۔ اور سلامتی ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے" (مریم: ۳۰ تا ۳۳)

کیا اس کے بعد بھی کسی دلیل کی ضرورت تھی جو ان کے باطل کو مٹاتی یا ایسی برھان درکار تھی جو ان کی کذب بیانی کا پردہ چاک کرتی۔ کیا اللہ نے اس بچے کو حکمت کی زبان عطا نہیں کر دی تھی۔ اور اس معصوم کو اسی لمحے نبوت کی بلندیوں پر فائز نہیں کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ ابھی جھولے میں جھول رہا تھا اور اپنی ماں کی گود میں پڑا بچہ تھا؟ بچے کی

گفتگو حضرت مریم کی برأت کے لیے بہت بڑی دلیل اور ان کی عفت کے لیے عظیم معجزہ تھی۔ کیونکہ اس کم سنی میں اللہ تعالیٰ نے ایک بچے کو قوت گویائی عطا کر دی تھی۔ جو بن باپ کے مریم کے ہاں پیدا ہوا تھا۔ یہ اس بات کا بین ثبوت تھا کہ جو ذات ایک کم سن بچے کو حکمت بھری گفتگو کی نعمت عطا کر سکتی ہے وہ بن باپ پیدائش سے ہر گز عاجز نہیں ہو سکتی۔ یہ بچہ لفظ کن سے تخلیق ہو گیا اس پر نکتہ چینی نہیں ہونی چاہیے۔ اس کی شان میں گستاخی اور اس کی ماں کی عفت و پاکدامنی پر زبان طعن دراز کرنا اللہ کی قدرت کے انکار کے مترادف ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ اس آواز نے لوگوں کو انگشت بدنداں کر دیا ہو گا۔ اس کھلے معجزے کو دیکھ کر ان کی زبانیں گنگ ہو گئی ہونگی۔ گود میں لیٹے ایک کمسن بچے کی حکمت بھری گفتگو سے پوری بستی تھرا گئی ہو گی۔ بہر حال کچھ بھی ہوا ایک بچے نے ماں کی برأت ظاہر کر دی تھی۔ ایک معصوم نے اللہ کی قدرتوں کا انمٹ ثبوت مہیا کر دیا تھا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح شہر میں پھیلتی چلی گئی۔ ہر گھر میں معصوم گفتگو کے تذکرے تھے۔ ہر محفل میں مریم کے نومولود بچے کے چرچے تھے۔ کوئی کہتا بنی اسرائیل کا نجات دہندہ مسیح تشریف لایا ہے کوئی کہتا غریبوں کا آسرا، بے نواؤں کا سہارا مسیحا تشریف لے آیا ہے۔ اب تو ذہن صاف ہو چکے تھے۔ لوگوں کو اپنی غلطی کا یقین آگیا تھا۔ مریم کی عفت کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ عیسیٰ کے بے مثل و عدیم النظیر ہونے کے چرچے ہو رہے تھے۔ ہر شخص یہی کہہ رہا تھا کہ عمران کا نواسہ بڑی شان کا بنی ہو گا۔

یہ مت سمجھیے کہ اس علاقہ کے تمام لوگوں نے اس معجزے کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور ایسا تو کبھی ممکن بھی نہیں کہ کسی حقیقت کو تمام لوگ مان لیں۔ بعض لوگوں نے اسے خرافات کہا۔ اور اسے مریم کے خاندان کی من گھڑت کہانی گمان کیا۔ ان کا خیال تھا کہ فضیحت سے بچنے کے لیے یہ واقعہ گھڑ لیا گیا ہے ورنہ ایک معصوم بچے میں یہ طاقت کہاں کہ وہ گفتگو کرے ایک کنواری کے لیے یہ ممکن کہاں کہ وہ مرد کے ملاپ کے بغیر بچہ جنے۔ اتنی بڑی دلیل نے بھی ان کے کانوں کے بوجھ کو ہلکا نہ کیا۔ اتنے واضح

معجزے نے بھی ان کے شکوک کو زائل نہ کیا۔ لیکن یہ لوگ آٹے میں نمک کے برابر تھے۔ اور ان کا تعلق ایسے لوگوں سے تھا جو جہالت کے اندھیروں میں بہت آگے جا چکے تھے۔ جو کسی صورت میں حق کو قبول نہیں کرتے۔ بڑی سے بڑی دلیل بھی ان کے وسوسوں کو دور نہیں کر سکتی۔ ایسے کور باطن اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ جس اللہ نے بغیر ستونوں کے آسمان کو ایستادہ کر رکھا ہے۔ جس کے ہاتھ میں کائنات کی بادشاہی ہے۔ جو لفظ کن سے انسان کی تخلیق کر سکتا ہے۔ جو کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے صرف اتنا کہنا پڑتا ہے کہ ہو جا تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اس ذات، قادر مطلق اللہ کی قدرت سے کیا یہ بعید ہے کہ وہ ایک کنواری کو بن مرد کے بچہ عطا کر دے۔ وہ جو مسبب الاسباب ہے جس نے بغیر اسباب کے یہ کائنات ایجاد کی ہے کیا اب وہ کسی سبب کا محتاج ہو گیا ہے۔ کیا وہ یہ طاقت نہیں رکھتا کہ مالوف اور مشہور طریقے سے ہٹ کر کوئی کام کرے۔

ایسے لوگوں کی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ وہ وہم و گمان اور خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کی باتوں کو کوئی وزن نہیں دینا چاہئے اور ان کی رائے کی کوئی قدر نہیں ہونی چاہیے۔ ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں کینہ ہوتا ہے اور ان کی روح کو انکار کی بیماری مضمحل کر دیتی ہے۔ اور یہ بیماری ان کے دلوں میں اتر کر ان کی سوچ کو بانجھ کر دیتی ہے۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مریم نے ان کور باطنوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اور بڑائی و خود ستائی کی بیماری میں مبتلا اس جماعت کو کبھی خاطر میں نہ لائیں۔ آپ ناصرت میں قیام پذیر رہیں اور بچے کی پوری پوری دیکھ بھال کرتی رہیں۔ اپنے مولود مسعود۔ روح کے قرار اور دل کے ٹکڑے کی بڑی تندہی سے تربیت کی۔ کیونکہ جانتی تھیں کہ عنقریب اللہ اس کو اپنے فضل خاص، رحمت اور شفقت سے نوازے گا۔ اور خود اسے دامن رحمت میں تھام کر نبوت کے شرف سے بہرہ اندوز کرے گا۔

نبوت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوسرے بچوں کی طرح پروان چڑھے اور ایک خوبصورت جوان کی طرح عہد شباب کو پہنچے۔ ہاں فضیلت کے آثار اور نبوت کی علامات ظاہر و باہر تھیں۔ جب آپ ساتھیوں اور دوستوں کے ساتھ بستی سے باہر کھیلنے جاتے تو انہیں بتاتے کہ وہ کیا کھا کر آئے ہیں اور گھروں میں کیا رکھ آئے ہیں۔ جب آپ بستی کے معلم کے پاس جاتے اور سبق لینے کے لیے استاد کے سامنے بیٹھتے تو ایک عجیب منظر دیکھنے کو ملتا۔ ان کے پڑھنے کا طریقہ عام بچوں سے الگ ہوتا۔ اور ان کے سبق یاد کرنے کا انداز بڑا نرالہ ہوتا۔ آپ استاد کی ہر بات بڑے غور سے سنتے اور ان کی توضیح اور تشریح پر پوری توجہ مبذول رکھتے۔ معلم جو کچھ پڑھاتا فوراً ازبر ہو جاتا اور جب سبق سنانے کی باری آتی تو کوئی لفظ آگے پیچھے نہ ہوتا۔ ایک ایک لفظ صحیح سناتے۔

ایک دن آپ والدہ کے ساتھ ناصرت سے بیت المقدس گئے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک بارہ سال تھی۔ مختلف رنگ و نسل کے لوگ وہاں جمع تھے لیکن کوئی بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح نہیں تھا۔ ان میں سے کسی شخص، کسی قوم سے آپ مرعوب نہ ہوئے۔ خوبصورت منظر، آنکھوں کو خیرہ اور دل کو مست کر دینے والے مظاہر سے آپ نے کوئی اثر قبول نہ کیا۔ دنیا اور اس کے فتنوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ بچپنے کی عمر جس میں بچے صرف کھیل کود کو پسند کرتے ہیں اور لہو و لہب کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں آپ نے اس عمر میں بھی کمال سنجیدگی کا ثبوت دیا اور ان تمام چیزوں سے توجہ ہٹا کر علم کے میدان میں اپنے آپ کو اتار دیا۔ اور مجاوروں سے اکتساب علم میں لگ گئے۔ اور علم و معرفت کے گھاٹ پر جا کھڑے ہوئے۔ بیت المقدس میں درس ہو رہا تھا آپ بیٹھ گئے اور علماء کی گفتگو پر کان لگا دیے۔ وہ تورات کو چھوڑ کر آبائی روایات اور عجیب و غریب دلچسپ قصے بیان کر رہے تھے۔ آپ نے ایک ایک لفظ غور سے سنا۔ آپ حلقہ درس میں موجود لوگوں کی طرح چپ چاپ بیٹھے رہے اور کاہنوں کی باتوں کو غور سے سنتے رہے لیکن لوگوں کی طرح ہر بات پر علماء کی تصدیق نہیں کی۔ عوام الناس کی طرح اندھی تقلید کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ جب علماء نے من گھڑت آبائی

روایات کو تورات کے نام سے پیش کرنا شروع کیا تو مسیح علیہ السلام چپ نہ رہ سکے۔ آپ نے حق کی تلوار بے نیام کرلی اور کاہنوں پر ٹوٹ پڑے۔ آپ نے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ سوالوں کے ذریعے ان سے قوت گویائی چھین لی۔ یہ ایک عجیب منظر تھا۔ بیت المقدس کے بڑے بڑے کاہن ایک لڑکے کے سامنے بے بس تھے۔ آج سے قبل کسی کو اعتراض کی جسارت نہیں ہوئی تھی۔ کاہنوں پر اعتراض دین موسوی کی توہین تصور ہوتا لیکن مسیح علیہ السلام نے ان کی اجارہ داری اور جھوٹے تقدس کا بت پاش پاش کر دیا تھا۔ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو روکنے لگے۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام میں الٰہی روح بول رہی تھی۔ علماء میں اتنی سکت کہاں کہ وہ کسی کی مثبت تنقید کو برداشت کرتے۔ آتش زیرپا عیسیٰ علیہ السلام کو لعن طعن کرنے لگے۔ لیکن آپ ان کی تنقید سے دل برداشتہ نہ ہوئے۔ ان کے اس رویے سے خاموشی اختیار نہ کی بلکہ سوالوں کی بارش کرتے رہے اور دلائل کے انبار لگاتے رہے۔

اس بحث و تمحیص میں اس قدر مشغول ہوئے کہ کھانا پینا بھی یاد نہ رہا۔ مریم آپ کی واپسی کا انتظار کرتی رہیں۔ کافی وقت گزر گیا لیکن آپ نہ آئے۔ مریم نے انہیں ہر اس مقام پر تلاش کیا جہاں آپ ہو سکتے تھے اور ہر اس جگہ دیکھا جہاں ان کے جانے کا امکان تھا لیکن تھک ہار کر واپس آگئیں اور عیسیٰ علیہ السلام کہیں بھی نہ ملے۔

آپ نے سوچا شاید بچہ ہے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بتائے بغیر ناصرت کو چلا گیا ہو لہٰذا آپ بھی ناصرت کو روانہ ہو گئیں۔ جب گھر پہنچیں اور عیسیٰ علیہ السلام وہاں بھی نہ ملے تو آپ تلاش کرتیں۔ لوگوں سے پوچھتیں انہی پاؤں پر بیت المقدس کو لوٹیں اور پھر سے بچے کو تلاش کرنا شروع کیا۔

کوئی مکان نہ چھوڑا جس میں داخل نہ ہوئی ہوں۔ کوئی دروازہ نہ چھوڑا جسے نہ کھٹکھٹایا ہو۔ آپ تلاش و جستجو میں بیت اللہ شریف کے صحن میں جا پہنچیں۔ دیکھا کہ عیسیٰ کاہنوں سے مناظرہ کر رہے ہیں۔ علماء سر نہوڑائے ان کے دلائل سن رہے ہیں اور کسی میں طاقت نہیں کہ اس کم سن عالم کے سوالات اعتراضات کا جواب دے۔ مریم یہ رنگ دیکھ کر دنگ رہ گئیں اور ان پر ایک نامعلوم سا خوف بھی طاری ہو گیا کیونکہ کاہنوں کے منہ لگنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

مریم نے عیسیٰ علیہ السلام کو آواز دی اور پوچھا وہ کہاں کھو گیا تھا۔ انہیں اس لاپرواہی پر تنبیہ کی۔ غائب ہونے پر ناراض ہوئیں اور ملامت کیا کہ میں تیری تلاش میں کیسے مارے مارے پھرتی رہی ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام خاموشی سے سر جھکائے ماں کی سرزنش سنتے رہے اور پھر بڑے ادب سے جواب دیا۔ امی جان میں کاہنوں کے ساتھ بات کرنے میں مشغول ہو گیا اور ان سے سوال و جواب کرنے لگ گیا۔ دونوں ماں بیٹا روانہ ہوئے اور اپنے گھر ناصرت کو پہنچ گئے۔

جب عمر مبارک تیس برس ہوئی تو روح الامین خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ یہ آپ کی رسالت کی ابتداء تھی۔ آج سے انہوں نے بنی اسرائیل کو دعوت دینے کا کام شروع کرنا تھا۔ فرشتے نے آپ کو اللہ کی طرف سے ایک کتاب بھی دی جو تورات کی تصدیق کرتی تھی۔

آپ نے دعوت وارشاد کا کام شروع کر دیا اور اللہ کی اطاعت کی طرف بلانے لگے۔ آپ ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہے کہ یہودی ہٹ دھرمی اور تعصب کو چھوڑ دیں اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔ بنی اسرائیل راہ مستقیم سے منحرف ہو چکے تھے۔ تورات کی تعلیمات کو پس پشت ڈال رکھا تھا اور آبائی روایات کی پابندی پر مصر تھے۔ علماء شرع کی حالت عوام الناس کی نسبت زیادہ قابل رحم تھی۔ ان کی تعلیمات کا محور و مرکز جلبِ زر اور حبِ دنیا ہو کر رہ گیا تھا۔ ان کی ساری تبلیغ قربانیوں اور نذرانوں کے اردگرد گھومتی تھی۔ وہ غریبوں کی دولت کو لوٹتے اور مسکینوں کی کمائی سے تجوریوں کو بھرتے تھے۔ وہ تلقین کرتے کہ سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ قیمتی تحائف اور نذرانے ھیکل میں پیش کیے جائیں کیونکہ ان کا مطمع نظر یہ تھا کہ غریبوں کی خون پسینے کی ساری کمائی ان کی جیبوں میں سمٹ آئے۔ اور ان کے خزانے سونے اور چاندی سے بھر جائیں اگرچہ یہ غریب نانِ شبینہ کو ترس جائیں اور اپنی ضرورتوں کو تج کر دیں۔ کاہن اس کام کے لیے آبائی روایات کو کام میں لاتے اور ان کی سیرت کے حوالے دیتے اگرچہ وہ اس مال و دولت کو اپنی ذات کے لیے خرچ کرتے تھے۔

یہودیوں میں ایک فرقہ ایسا بھی تھا جو قیامت کا انکار کرتے اور حشر کو مستبعد خیال کرتے اور جزاء و سزا کی تکذیب کرتے تھے۔ ایک فرقہ کا مطمع نظر اور

مقصد زیست دنیوی زیب و زینت تھا وہ دنیا کی لذتوں میں کھو گئے تھے اور نفس کی پیروی میں تمام حدود کو پھلانگ گئے تھے۔ ان لوگوں کی خلوت اور جلوت میں واضح فرق تھا۔ بڑے بڑے جبوں میں سوداگروں کی جماعتیں تھیں جو مذھبی علماء کا روپ دھار کر لوگوں سے مال بٹور رہی تھیں۔ یہ سب کچھ لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتے تھے۔ تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر سکیں۔ اور انہیں اپنے پنجوں میں اس طرح کس دیں کہ انہیں اپنے سود و زیاں کا خیال تک نہ رہے۔ ان حالات میں عیسیٰ علیہ السلام کا ستارہ چمکا اور ان کا سورج روشن ہوا۔ اور اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا کہ آپ اپنی قوم کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لائیں۔ آپ نے ان کی ہدایت کے لیے کوئی راستہ نہ چھوڑا جس پر نہ چلے ہوں اور کوئی دروازہ نہ چھوڑا جس پر دستک نہ دی ہو۔ آپ ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہے کہ یہ لوگ گمراہی کی اس دلدل سے نجات پالیں اور تاریک تررات سے خلاصی حاصل کریں۔

علماء شرع کو محسوس ہو گیا کہ یہ سیلاب تو انہیں بہالے جائے گا اور انہوں نے دیکھا کہ یہ خطرہ انہیں نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ کیونکہ یہ شخص جس کا نام عیسیٰ ہے انہیں خواہشات کی پیروی پر ٹوکتے ہیں۔ لذتِ دنیوی میں ڈوبنے پر سرزنش کرتے ہیں۔ مال و دولت جمع کرنے اور اس میں مسابقت کی کوشش پر ملامت کرتے ہیں۔ وہ ان کے کارناموں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ ان کی بداخلاقی سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں۔ وہ کسی کی رعایت نہیں کرتے۔ انہیں کسی کی مذہبی اجارہ داری پسند نہیں۔ وہ ہر شخص کو نیکی کی راہ دکھانے پر مصر ہیں۔

تمام فقہی اور فریسی ان کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ عیسیٰ جہاں جاتے ہیں جس معبد میں وعظ و تلقین کرتے ہیں مذہبی رہنما ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور ان کی نبوت کی تکذیب کرتے ہیں۔

لیکن وہ ان کی جمعیت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ ان کی دشمنی کو کسی خاطر میں نہیں لاتے۔ بلکہ تمام اندیشوں سے بالاتر ہو کر راہ حق پر گامزن رہتے ہیں اور سچائی کی دعوت کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ وہ قریہ قریہ جاتے ہیں۔ بستی بستی چکر لگاتے ہیں۔ یہودیوں کے باطل عقیدوں کا رد کرتے ہیں، ان کی آبائی روایت کی قلعی کھولتے

ہیں۔ لوگ معجزہ کا مطالبہ کرتے ہیں تاکہ ان کی رسالت پر مہر تصدیق ثبت ہو۔ کوئی ایسی دلیل جس سے پیغام کی تثویب ہوتی ہو کوئی ایسی حجت جو شکوک و شبہات کو دور کرتی ہو۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ آپ کو واضح اور عیاں معجزوں سے نوازتا ہے اور دلائل قاہرہ سے ان کی نبوت کی صداقت کو ظاہر و باہر کر دیتا ہے۔ آپ مٹی سے پرندوں کی مورتیاں بناتے ہیں پھر ان میں پھونکتے ہیں تو وہ اللہ کے اذن سے پرندے بن جاتے ہیں جنم کے اندھوں کو بینا کر دیتے ہیں۔ کہ یہ سب اعجاز آفرینیاں عیسیٰ کی نبوت کی دلیل ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کی سرکشی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ وہ اپنی گمراہی میں پختہ تر ہوتے جاتے ہیں۔ اور ان معجزات کو جادو کہہ کر جھٹلانے لگتے ہیں۔

کچھ خوش بخت آپ کی دعوت کو گوشِ ہوش سے سنتے ہیں۔ یہ غریب لوگ ہیں جن کی آنکھیں دولت کی چکا چوند سے بند نہیں ہوئیں۔

یہ فاقہ مست ہیں جن کے دل دنیا پرستی کے غلافوں سے محفوظ ہیں یہ لوگ آپ کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور آپ کی حمایت کا اعلان کر دیتے ہیں۔ آپ ان لوگوں کو لیکر قریہ قریہ بستی بستی جاتے ہیں اور دکھی انسانیت کی خدمت کے ساتھ ساتھ انہیں اصلی دین سے روشناس کراتے ہیں۔ آپ قلعہ نما معبودوں میں بیٹھے مذہبی اجارہ داروں پر یلغار کرتے ہیں جنہوں نے دین کو گھر کی لونڈی بنا رکھا ہے۔ ان جگادریوں کو للکارتے ہیں جو دین کو معمولی پونجی کے عوض بیچ ڈالتے ہیں۔ آپ عید کے روز بیت المقدس کو تشریف لے جاتے ہیں۔ مختلف علاقوں سے لوگ یہاں جمع ہو چکے ہیں۔ آپ ان تمام لوگوں کو حق کی دعوت دیتے ہیں لوگ محبت بھری اور خلوص پر مبنی حق کی آواز سن کر آپ کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو پورے انہماک سے سنتے ہیں۔ بہت سارے خوش نصیب دامن سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور آپ کے پیروؤں کی کثرت ہو جاتی ہے۔

یہ منظر کاہنوں سے دیکھا نہیں جاتا۔ ان کے دل میں چھپے کینے اور حسد کی کوئی انتہاء نہیں رہتی وہ سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور اس شخص سے نجات کی تدبیریں کرنے لگتے ہیں۔ لیکن ان میں یہ سکت کہاں کہ آپ کو تکلیف دیں یا نقصان پہنچائیں کیونکہ ان کی حفاظت کا ذمہ تو اللہ کریم نے لے رکھا ہے اور وعدہ کر رکھا ہے کہ میرے محبوب کسی

بد طینت کا ہاتھ تیری ذات تک نہیں پہنچ پائے گا۔ تیرے خلاف بڑھنے والے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں گے۔ تجھے کسی صورت اکیلا نہیں چھوڑا جائے گا۔

دستر خوان

حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھر سے نکلے۔ شہروں میں گھومے، بستیوں میں چکر لگائے۔ لوگوں کو دین کی دعوت دی۔ لوگوں کو بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کا پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔ آپ ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہے کہ ظلم کی یہ تاریک رات سحر آشنا ہو جائے شرک وبت پرستی کے روشن الاؤ بجھ جائیں۔ دنیا طلبی اور جاہ پرستی کی کالی گھٹائیں چھٹ جائیں۔ اس مقدس اور متبرک کام میں آپ کے حواری بھی آپ کے ساتھ تھے۔ وہ قدم بقدم آپ کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ آپ کی پشت پناہی کر رہے تھے اور تقویت کا باعث بنے ہوئے تھے۔ یہ لوگ خوشی و غم میں ساتھ تھے۔ آپ کے ساتھ سفر کی صعوبتیں جھیلتے اور زندگی کی مشکلات کا سامنا کرتے۔ یہی باوفا ساتھی تھے جو عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے دشمنوں کے درمیان حائل ہو گئے تھے۔ آپ کی طرف اٹھنے والے ہاتھوں سے آپ کا دفاع کر رہے تھے۔ آپ جہاں بھی ٹھہرتے یہ لوگ آپ کی حفاظت کا فریضہ ادا کرتے اور دشمنوں کی چالیں کامیاب نہ ہونے دیتے۔

عیسیٰ علیہ السلام ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک ایسے خاندان کے چشم وچراغ تھے جس میں تقویت کا باعث بننے والے بازو بہت کم تھے۔ جس میں اعوان وانصار کی تعداد بہت کم تھی۔ اسی لیے اس خاندان میں عصبیت کا شعلہ ماند پڑ چکا تھا۔ اور عصبیت ہی کا جذبہ ظالموں کو ظلم سے باز رکھتا ہے اور زیادتی کرنے والوں کی سازشوں کو ناکام بناتا ہے اسی لیے تو قوم شعیب نے اپنے نبی کو کہا تھا۔

مَانَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ وَاِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَااَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ

"ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے اور بلا شبہ ہم دیکھتے ہیں تجھے کہ تو ہم میں بہت کمزور ہے۔ اور اگر تمہارے کنبہ کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم نے تمہیں سنگسار کر دیا ہوتا اور نہیں ہو تم ہم پر غالب" (ھود: ۹۱)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواری ایک بستی میں ٹھہرتے اور پھر وہاں سے دوسری بستی کی طرف چل دیتے اور دوسری سے تیسری کا رُخ کر لیتے۔ اور یہاں تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد کسی اور بستی کو رختِ سفر باندھ لیتے۔ ان کی زندگی کا سفر کہیں ختم نہ ہوتا۔ حتی کہ ایک دن آپ اور آپ کے ساتھی ایک بیابان جنگل میں جا پہنچے زمین بنجر تھی۔ سبزے کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔ حواری بھوک کی شدت سے لوٹ پوٹ ہونے لگے پیاس سے حلق سوکھ کر کانٹا بن گیا۔ بھوک اور پیاس کی وجہ سے جسم نقاہت اور کمزوری محسوس کرنے لگا۔ چلتے چلتے جسم تھکاوٹ سے چور چور ہو گیا۔ نہ کھانے کو کھانا تھا نہ پینے کو پانی۔

سب مل بیٹھتے ہیں اور اپنے امور کے بارے تبادلہ خیال کرنے لگے۔ اور ایک دوسرے کی رائے معلوم کرنے لگے۔ یہ گفتگو اشاعت دین کے بہترین اسباب کے متعلق تھی۔ سوچتے کہ شاید باہمی مشورہ سے اس کارِ خیر کو مزید بہتر طریقہ سے چلانے میں مدد ملے۔ اور راستے کی رکاوٹیں کسی طرح دور ہو جائیں۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ فقہیی اور فریسیوں کی سازشیں آئے دن بڑھتی جاتی ہیں کوئی ایسا طریقہ سوچا جائے کہ ان کی مخالفت دین کی اشاعت میں رکاوٹ پیدا نہ کر سکے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دی۔ ان کی کوششوں کو سراہا۔ انہیں بتایا کہ تمہاری امیدیں نتیجہ خیز ثابت ہوں گی۔ تمہاری سب مشکلات آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گی۔ فقہیوں اور فریسیوں کی مخالفت تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ آپ بیٹھے بیٹھے انہیں شریعت کے مسائل سے آگاہ کرنے لگے۔ اور ان کے سامنے ایسے امور کی وضاحت کی جن کو سمجھنے سے یہ لوگ قاصر تھے۔ حواری آپ کے معجزات کی حقانیت کو جانتے تھے۔ اسی لیے تو انھوں نے آپ کی نبوت کو تسلیم کیا تھا آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوئے تھے اور آپ پر جان نثار کرنے کو تیار نظر آتے تھے لیکن وہ مزید اطمینان چاہتے تھے ان کی دلی تمنا تھی کہ ان کے یقین میں اور اضافہ ہو۔

اسی رغبت کے پیش نظر حواری اپنے خیالات کا برملا اظہار کر دیتے۔ ایک حواری نے عرض کی اے عیسیٰ علیہ السلام کیا اللہ رب العزت آسمان سے دستر خوان نازل کر سکتا ہے؟

یہ سوال اس لیے نہیں تھا کہ معاذ اللہ حواریوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ میں کوئی شک تھا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر وہ طعن کر رہے تھے۔ حاشا و کلا۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ نہ انہیں اللہ کی قدرت میں شک تھا نہ نبوت کی صداقت میں طعن۔ کیونکہ وہ تو اللہ پر کامل ایمان لا چکے تھے اور مسیح علیہ السلام کی نبوت کو صدق دل سے مان بیٹھے تھے۔ وہ تو اس حقیقت کا برملا اظہار کرتے تھے کہ ہم ایمان لائے اور گواہ رہے کہ ہم نے سر اطاعت جھکا لیے اور آپ کی قیادت اور امامت کو صدقِ دل سے تسلیم کر لیا۔ ہماری باگ ڈور اب آپ کے ہاتھ میں ہے جو حکم ہو گا ہم بدل و جاں اس کی پابندی کریں گے جو لوگ ہر قدم پر نبی کا ساتھ دیں اور مخالفتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے حق کی آواز پر لبیک کہیں ان کے دل شک و ارتیاب سے خالی ہوتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے دل بھی ہر شک سے بالاتر تھے ان کی یہ عرضداشت کسی شک کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ یقین کی نعمت کے حصول کا ایک سوال تھی جیسا کہ ابراہیم خلیل اللہ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی تھی۔

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی

"اے میرے رب تو مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ فرمائے گا"

عیسیٰ علیہ السلام اس سوال کو سن کر مضطرب اور پریشان ہو گئے اور ان کے انجام سے تھرا گئے۔ فرمانے لگے۔ اگر تم ایماندار ہو تو خدا سے ڈرو اور ایسے معجزات کا مطالبہ نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ معجزات تمہاری آزمائش اور تمہارے لیے فتنہ قرار پائیں۔ ذرا دیکھو اللہ نے تم پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ تمہارے دلوں کو یقین اور اطمینان کی دولت نصیب ہے۔

یہ سوال عناد اور کبر و نخوت کی بنیاد بن سکتا ہے۔ تم کیوں گناہ کی دلدل میں پھنسنا چاہتے ہو۔ کیوں اس جرم کے ارتکاب پر مصر ہو۔ کیا اس سے پہلے تم نے میرے ہاتھوں معجزے صادر ہوتے نہیں دیکھے؟ جنم کے اندھوں کو کس نے بینائی دی کوڑھیوں کی شفا کس کے ہاتھوں ہوئی۔ مردہ کو باذن اللہ کس نے زندگی دی؟ کیا یہ سب معجزے دیکھ لینے کے باوجود بھی تمہارے دل میں ابھی شک کا کانٹا موجود ہے؟ اب بھی تمہارے باطن میں کیا وہم و گمان کا غبار باقی ہے؟ جو معجزے تم دیکھ چکے ہو ان

میں تو اتنی قوت ہے کہ جو ہر باطل کو مٹا سکتے ہیں اور ہر شک کو دور کر سکتے ہیں۔ اے میرے ہمسفرو! اس برے خیال کو دل سے نکال کر پھینک دو اور ان وسوسوں کو ترک کر دو۔ کیونکہ یہ ایک مؤمن کی شایانِ شان نہیں۔

حواری حضرت کو منانے لگے اور ان کے غصے کو دور کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ انہیں بتایا کہ کس وجہ سے وہ اس معجزے پر اصرار کر رہے ہیں۔

بڑے ادب سے عرض کرنے لگے۔ اور اسلام کو ہم نے صدق دل سے تسلیم کر لیا ہے۔ نہ ہم آپ کے معجزات کے منکر ہیں اور نہ ہمیں آپ کی رسالت میں کوئی شک ہے۔ ہم مرتے دم تک آپ کی نبوت کا اقرار کرتے رہیں گے اور آپ کی دعوت کی حقانیت کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہیں گے۔ ہم نے یہ سوال ایک مقصد کے لیے کیا ہے۔ معجزے کے مطالبہ میں ایک مدعا پوشیدہ ہے۔ حضور ہم بہت بھوکے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ اٹھیں گے تو خالی نہیں لوٹیں گے۔ مائدہ نازل ہو گا اور ہمارا کام بن جائے گا۔ حضور دیکھیے نا ہمارے پیٹ خالی ہیں اور اب تو زندگی کی ڈور سلامت رکھنا بھی مشکل لگ رہا ہے۔ اگر آپ کے کرم سے مائدہ اترے گا تو ہم اپنی بھوک مٹا لیں گے۔

حالانکہ ہم نے دلیل دیکھ کر اللہ کی قدرت کا یقین کر لیا ہے اور معجزات کا مشاہدہ کر کے اللہ کی طاقتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ کائنات کی کھلی کتاب اس کی قدرتوں کی مظہر ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہمیں اس کے وجود پر مکمل یقین ہے۔ اور آپ کے ہاتھوں کی اعجاز نمائی بتاتی ہے کہ آپ اللہ کے برحق رسول ہیں۔ اگر حضور مائدہ نازل فرمادیں تو اس میں فائدہ ہی ہے۔ ایک تو ہم بھوک مٹا لیں گے اور دوسرے ہمارے ایمان و یقین میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ اور ہمارے دل اور زیادہ مطمئن ہو جائیں گے۔

حضور آپ تسلی رکھیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ کے معجزے بیمار دلوں کو شفا بخشتے ہیں۔ شک کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی آپ کی نبوت نے ہمیں سہارا دیا اور ہم آپ کی دعوت کی سچائی کو جان گئے۔ اور آئندہ بھی ہمارے اندر کوئی شک کا مادہ آپ نہیں پائیں گے اور کسی بھی بے وفائی اور عہد شکنی کا ارتکاب نہیں دیکھیں گے۔ ہم نے معجزے کا مطالبہ محض اس لیے کیا ہے تاکہ صداقت کی دلیل اور

واضح ہو جائے۔ دل اور مطمئن ہو جائیں اور یقین اور پختہ ہو جائے۔

حضور ہم پر نظر کرم فرمایئے! ہم جانتے ہیں کہ آپ ٹھیک فرمارہے ہیں۔ آپ کا کلام وحیٔ خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہے۔ اُس نے آپ پر ساری نعمتیں نچھاور فرمادی ہیں۔ آپ کے ہاتھوں پہلے جتنے بھی معجزے صادر ہوئے تمام کا تعلق زمین سے تھا۔ اور جس معجزے کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں وہ آسمانی ہے۔ یہ پہلے معجزوں سے بڑا اور زیادہ حیرت افزاء ہو گا۔ جب آپ یہ معجزہ دکھائیں گے تو ہم اس کی تشہیر کریں گے اور اس کی لوگوں کے سامنے گواہی دیں گے جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ اسلام کی نعمت سے مالا مال ہونگے اور آپ پر ایمان لانے والے اور آپ کی پیروی کرنے والے تعداد میں بڑھ جائیں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام نے جب ان کا اصرار دیکھا اور آپ کو محسوس ہوا کہ اب وہ کسی صورت میں اس مطالبے سے باز نہیں آئیں گے۔ تو آپ سمجھ گئے کہ ان کا مقصد دین کی بہتری ہے وہ کسی شک یا کسی عناد کی وجہ سے مطالبہ نہیں کر رہے۔ وہ مخلص ہیں اور دین کی اشاعت چاہتے ہیں۔ اس لیے آپ نے ان کی بات مان لی اور اللہ کے حضور عرض کی: اے اللہ! اے کائنات کے مالک، زمین و آسمان کے مدبر۔ اپنی مخلوق کی بگڑی بنانے والے اور اپنے بندوں کے کام میں آسانیاں پیدا کرنے والے رب!

أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَ
آيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ

"اتار ہم پر خوان آسمان سے۔ بن جائے ہم سب کے لیے خوشی کا
دن (یعنی) ہمارے اگلوں کے لیے بھی اور پچھلوں کے لیے بھی
اور (ہو جائے) ایک نشانی تیری طرف سے۔ اور رزق دے ہمیں
اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ (سورۃ مائدہ: ۱۱۶)

اللہ کریم نے آپ کی سن لی اور دعا قبول فرمالی اور حکم دیا: میں دستر خوان تم پر اُتار رہا ہوں تاکہ ان لوگوں کو آپ کی سچائی کا اور زیادہ یقین ہو جائے۔ اور آپ کی نبوت کی صداقت کو وہ دل کی گہرائیوں سے تسلیم کر لیں۔ لیکن انہیں بتا دیجئے کہ یہ معجزہ ان کے لیے اتمامِ حجت ہو گا۔ انہیں مائدہ کی صورت میں ایک ایسی دلیل دی جا رہی ہے

باطل جس کے نہ سامنے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ پس اس کے بعد بھی جو شخص انکار کرے گا تو میں اسے وہ عذاب دوں گا جو دنیا میں کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔

اللہ تعالیٰ نے مائدہ نازل فرمادیا۔ کثرت سے رزق آنا شروع ہو گیا مال و دولت کے ڈھیر لگ گئے۔ اللہ نے وعدہ پورا فرمادیا اور آپ کی نبوت کی تائید فرمادی۔ جب عیسیٰ علیہ السلام نے رزق کی فراوانی دیکھی تو آپ اس فتنے کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی اس رزق کو ان کے لیے رحمت بنانا اور نعمت رکھنا۔ الٰہی یہ معجزہ ان کو ایمان ثابت کی طرف لے جائے اور راہ مستقیم پر گامزن رکھے۔ پھر اپنے حواریوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

لو اللہ نے یہ مائدہ نازل فرمادیا۔ پس تم اللہ کا عطا کردہ یہ رزق کھاؤ جس کی تمہیں خواہش تھی اور اس کا شکر ادا کرو تا کہ اللہ کے فضل میں اور اضافہ ہو۔

حواریوں نے جی بھر کر کھایا۔ اور اس سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور اس سے ان کا ایمان پختہ ہو گیا۔ پھر لوگ اس عظیم معجزہ اور قدرت کی واضح نشانی کا ذکر کرنے لگے۔ اس سے کئی لوگ ایمان لائے جبکہ جو پہلے سے مؤمن تھے ان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوا۔

انجام

عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا پیغام پہچانے میں ہر ممکن کوشش کی۔ رات دن لوگوں کو دعوت دیتے لیکن کبھی بھی تھکاوٹ کی شکایت نہیں کی۔ آپ نے یہودی علماء کی مادہ پرستی اور عیش پسندی پر خوب نکتہ چینی کی۔ آپ نے انہیں عار دلائی کہ تم دولت الفاظ کے بندے ہو۔ تم شریعت کے صرف ظاہر کی پابندی میں اسیر ہو کر رہ گئے ہو اور دین کی روح اور صراط مستقیم سے بہت دور نکل گئے ہو۔ آپ نے انہیں للکارا۔ ظالمو جو کچھ تم لوگوں کو سکھاتے ہو خود اپنے عمل سے اُس کی تکذیب کرتے ہو۔

وہ ہوس کے بندے، کبر و نخوت کے پیکر اس لہجے میں بات سننے کے عادی نہ تھے آج تک انہیں کسی نے نشانہ تنقید نہیں بنایا تھا۔ اس لیے وہ عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن بن گئے لیکن عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے اعلانِ جنگ، ان کی دشمنی اور ان کی

جاسوسی کی کوئی پرواہ نہ کی۔

حتیٰ کہ آیات بینات نے ان کی عقلوں کو مغلوب کر دیا اور معجزات نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور حق کا نور ان کی حجت بازیوں پر چھا گیا۔ اب ان میں حق کے مقابلے کی کوئی سکت نہیں تھی۔ اور نور کی ان شعاعوں کو دلوں تک پہنچنے اور غالب آنے سے روکنے کا اُن کے پاس کوئی طریقہ نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلاتے رہے اور ان کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ انہیں خدا واسطے کا بیر تھا اور خواہ مخواہ کی عداوت تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے واضح دلائل دیکھ کر بھی محض حسد اور کینہ کی وجہ سے وہ انکار پر مصر تھے۔ دراصل انہیں خوف تھا کہ اگر انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی تو انہیں اس دولت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ ان کا وہ مقام و مرتبہ نہیں رہے گا جو اب ہے بلکہ اس درویش صفت نبی کی تصدیق سے ان کی سلطانی کا صحیفہ لپٹ جائے گا۔

لیکن اس مخالفت کے باوجود بھی عیسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں میں آئے دن اضافہ ہوتا رہا۔ اگرچہ یہ بھی دنیادار لوگ تھے اور ان میں زیادہ دینی سمجھ بوجھ نہیں تھی لیکن تھے بڑے پکے مؤمن۔

یہودی بھلا حق کی اشاعت کو کیسے برداشت کرتے۔ آپ کی راہ میں روڑے اٹکانے لگے اور آپ کی دعوت کے اثر کو کم کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ لوگوں کے دلوں میں شک کا بیج بونے کی سر توڑ کوششیں ہونے لگیں۔ مگر ان کی ایک بھی پیش نہ گئی۔ عیسیٰ علیہ السلام ماہ تاباں کی مانند تاریکیوں کے پردے چاک کرتے رہے اور روشن ستارے کی مانند گم کردہ راہ مسافروں کو منزل کا نشان بتاتے رہے۔ دعوت الی اللہ کی گونج ہر گھر سنائی دینے لگی۔ آپ جہاں بھی جاتے لوگوں کو اصل دین سے آگاہ کرتے اور علماء شرع کی بداعمالیوں کا پردہ چاک کرتے جاتے۔

آپ بے خطر ان کے نظریات پر تنقید کرتے اور ان کی سوچ کارد کرتے یہاں تک کہ یہودی علماء آپے سے باہر ہو گئے اور برداشت کا یارا کھو بیٹھے۔ اور تو کچھ کر نہ سکتے تھے حکومت کا سہارا لیا۔ اعیانِ سیاست اور رجالِ حکومت کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک جھوٹی تصویر پیش کی۔ آپ کو ایک باغی، فتنہ باز۔ فساد کا موجد اور

حکومت کا طلب گار ثابت کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے یہ سب الزامات اس لیے لگائے تاکہ ارباب سیاست بھی کاہنوں کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور مسیح دشمنی میں ان کی پشت پناہی کریں۔ کیونکہ اسی میں کاہنوں کو کامیابی اور آرزوؤں کی تکمیل نظر آرہی تھی۔

عیسیٰ علیہ السلام تنہا تھے۔ نہ تو خاندانی عصبیت تھی کہ حمایت ہوتی اور نہ ہی قبیلہ اتنا طاقتور تھا کہ پشت پناہی اور مدد کرتا۔ مگر پھر بھی آپ نے ان کی دشمنی کی کوئی پرواہ نہ کی اور مخالفت اور چالبازی کو پرکاہ کی بھی حیثیت نہ دی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کا کفیل تھا۔ اور قدرت خود ان کے لیے سلامتی کا دامن پھیلائے ہوئے تھی۔ آپ اللہ کا پیغام پہنچارہے تھے اور اللہ کی طرف لوگوں کی رہنمائی کر رہے تھے اس لیے رب قدوس نے انہیں کافروں کی سازشوں سے بچالیا اور منکرین حق کی چالوں سے انہیں محفوظ رکھا۔ اللہ نے آپ سے وعدہ کیا کہ کافروں کی کوئی سازش کامیاب نہیں ہو گی اور ان کی سب کارستانیاں اور مکروفریب خود ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہونگے۔

علماء یہود نے جب عیسیٰ علیہ السلام کی مقبولیت دیکھی تو گھبرا گئے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تنقید لوگوں کو ان سے منحرف کر رہی ہے اور لوگ ان کے خلاف ہوتے جاتے ہیں تو وہ تھرا گئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے تو فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے ان کے ماننے والے انقلاب پیدا کر دیں۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام جو پیغام لائے تھے وہ تورات کی تصدیق کرتا تھا۔ لیکن منکرین حق تورات کو کہاں مانتے تھے۔ انہوں نے تو اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا تھا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتار دیا تھا۔ ان کا مطمع نظر تو دولت تھی وہ تو دین پر دنیا کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کی عبادت میں بھی دولت کی ہوس چھپی تھی۔ وہ تو صرف اتنا چاہتے تھے کہ لوگ ان کے گرویدہ رہیں تاکہ نذرانوں کی بارش ہوتی رہے۔ وہ کسی کی تنقید کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ دین میں اجارہ داری کے خواہاں تھے اور اسی چیز کو قائم ودائم رکھنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مذہبی اقتدار کی کرسی سلامت رہے اور بس۔ جب ساری کوششیں ناکام ہو گئیں سارے داؤ پیچ ناکارہ ثابت ہوئے دعوت وارشاد کو روکنے کے سارے حربے بے نتیجہ ثابت ہوئے تو منکرین بوکھلا گئے۔ سر جوڑ کر بیٹھے اور مسیح کے خلاف ایک نئی

سازش سوچی۔ آپ کے راستوں میں گماشتے پھیلا دیے۔ ملک میں اپنے جاسوسوں کا ایک جال پھیلا دیا۔ ایسے لوگ تیار کیے جو مسیح علیہ السلام کے پیچھے پیچھے چلتے اور یہ ڈھنڈورا پیٹتے کہ اے بنی اسرائیل اس شخص سے بچو یہ جادوگر ہے۔ ان بدباطنوں نے مکر و فریب کے جال پھیلا دیے۔ گلی گلی قریہ قریہ یہ بات مشہور کر دی کہ یہ سب معجزے حق کی دلیل نہیں ہاتھ کی صفائی ہیں لا علاج مریضوں کی شفا نبوت کی دلیل نہیں حکمت و دانائی اور تجربہ کی کرشمہ سازی ہے۔ آنکھوں کی بینائی کے سارے قصے من گھڑت ہیں۔ جس نے دیکھا تو محض جادو کے اثر سے دیکھا اور پھر نابینا ٹھہرا۔ شیطان اس کا ساتھی ہے۔ وہی اس کی پشت پناہی کرتا ہے اور وہی اس شعبدہ بازی میں اس کا معاون ہے۔

یہ کہانت کا منکر ہے۔ آبائی روایات کا دشمن ہے۔ سبت کی تقدیس کا خیال نہیں رکھتا اور اس دن بھی دنیوی کام کرتا رہتا ہے۔ ان پر یہ بھی الزام دھرتے کہ وہ شریعت کو نہیں مانتا۔ دین کا مذاق اڑاتا ہے۔ انبیاء سابقین کی صداقت کا انکار کرتا ہے۔ اور ان کے پیش کردہ عقائد اور تعلیمات کو جھٹلاتا ہے۔

لیکن یہ الزامات بھی ان کی دعوت کے اثر کو زائل نہ کر سکے۔ اور حق کی یہ آواز بدستور قریہ قریہ بستی بستی گونجتی رہی۔ فقیہی اور فریسی جانتے تھے کہ ان کا ایک ایک لفظ دلوں میں اترتا جاتا ہے ایک ایسے ماہر تیر انداز کی مانند جس کا کوئی نشانہ خطا نہیں جاتا۔

لوگ کاہنوں کے متعلق سرگوشیاں کرنے لگے۔ ان کے حلقے سے لوگ جماعت در جماعت الگ ہونے لگے۔ یہ روح فرسا منظر دیکھ کر وہ ڈر گئے کہ اب تو دولت ہاتھوں سے گئی۔ رزقِ وافر کے ذرائع منقطع ہوئے اور سرداری اور چودھراہٹ کا سورج غروب ہوا۔ ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور ایک نئی چال چلنے کا سوچنے لگے۔ بہت غور و فکر کے بعد آخر یہ فیصلہ ہوا کہ مسیح سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ اور اس کی گونج دار آواز کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جائے تاکہ ان کی امارت رخصت نہ ہو اور سرداری بدستور قائم رہے۔

کاہن دین سے کس قدر بے بہرہ تھے۔ صراط مستقیم سے کتنے دور جا چکے تھے کہ مل بیٹھ کر ایک نبی کے قتل کا مشورہ کر رہے تھے۔ ایک ایسے نبی کا قتل جو ان کی

کتاب کو مانتا تھا۔ ان کے دین کی صداقت کا قائل تھا۔ اس کا جرم تھا بھی تو صرف اتنا کہ وہ انہیں حدود اللہ کی پاسداری کا درس دیتا تھا اور گناہوں کو چھوڑنے کی تلقین کرتا تھا۔ اس کا گناہ صرف یہ تھا کہ وہ ان کو حقیقی دین کی طرف مائل کرنا چاہتا تھا اور اس پر اخلاص کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتا تھا۔

عیسیٰ علیہ السلام کا قتل اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ اگر وہ خود اس کی تلاش میں نکلتے تو تھک کر چور ہو جاتے اور ناکام و نامراد لوٹتے۔ اس لیے سوچا کوئی اور حربہ استعمال کیا جائے۔ کسی آسان راستے کا انتخاب کیا جائے۔ طے پایا کہ میٹھی امیدوں اور دنیوی زیب و زینت کا سہارا لیا جائے۔ اعلان کیا کہ جو شخص عیسیٰ کی خبر دے گا منہ مانگا انعام پائے گا۔ جاسوس پھیل گئے۔ تلاش شروع ہو گئی لیکن کوئی پتہ نہ چلا کہ عیسیٰ کہاں رہتا ہے۔ کاہنوں نے جاسوسوں کو ایک اور فرض بھی سونپ دیا کہ وہ یہ خبر بھی مشہور کر دیں کہ عیسیٰ رومی حکومت کے خلاف بغاوت کرنا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لیے ایک فوج ترتیب دے رہا ہے۔

فقیہی اور فریسی بیت المقدس میں جمع ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سوچ وچار کرنے لگے۔ یہ کانفرنس جاری تھی۔ ہر شخص غیض و غضب میں جل رہا تھا۔ کس طریقے سے عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو روکنا چاہیے۔ لیکن سب کوششیں ناکام سب ترکیبیں بے اثر۔ سارے راستے تنگ۔ کوئی حربہ کامیاب نہیں ہو رہا۔ وہ سوچتے ہیں کہ عیسیٰ کی تبلیغ کا سلسلہ کچھ دن اور جاری رہا تو ان کی دولت لٹ جائے گی۔ ان کی سیادت کا چاند گہنا جائے گا اور لوگ ان کی عقیدت کا قلادہ گلے سے اتار پھینکیں گے۔ اسی جان لیوا مایوسی اور ہمہ گیر غم والم میں بیٹھے کسی نئی تدبیر کے تانے بانے بن رہے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگرد پر نظر پڑی جو آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اُن کی طرف آ رہا تھا۔ وہ خوف زدہ سا محسوس ہو رہا تھا۔ اسی لیے اس کے قدم ٹھیک سے زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ کوئی خاص بات اہل مجلس کے گوش گزار کرنا چاہتا ہے۔

جب وہ اندر آ گیا تو کاہن اٹھے اور اس سے بیت المقدس میں بے وقت آنے کی وجہ پوچھی۔ شاگرد نے جب اپنی باطنی خباثت کا اظہار کیا تو کاہنوں کے چہرے کھل

اٹھے۔ اُن کی ساری پریشانی خوشی و مسرت میں بدل گئی۔ یہودی مذہب کے انکار نے اس کی نیند حرام کر دی ہے۔ لوگوں کا گروہ در گروہ عیسیٰ کے جھنڈے تلے جمع ہونا اُس کی آنکھ کے لیے تنکا ہے۔ اسے قطعاً یہ چیز پسند نہیں کہ عیسیٰ کا نظریہ بڑھے لیکن وہ دن بدن مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ لوگ اس کی تائید پر کمربستہ ہوتے جاتے ہیں۔ پھر اس شخص نے بڑی بے چینی اور خوف کے ملے جلے جذبات میں اس بات کا اظہار کیا کہ میں عیسیٰ کا ٹھکانا جانتا ہوں اور تمہیں اس کی رہائش کا پتہ بتا سکتا ہوں۔ تاکہ تمہارا یہ غم و غصہ راحت و سکون میں بدل جائے اور تم اس سے انتقام لیکر زندگی کی دلچسپیاں واپس لوٹا سکو اور قلق و اضطراب کے بھور سے نکل کر پھر سے اپنی پہلی حالت پر سکون و اطمینان محسوس کر سکو۔

اس کا اتنا کہنا تھا کہ کاہنوں کے دل دھک دھک کرنے لگے اور چہروں پر ایک امید کی روشنی پھیل گئی۔ وہ اس کے اور قریب ہوئے۔ اُسے سبز باغ دکھائے۔ اس کے سامنے خواہشات کے دفتر کھول دیے۔ وہ ان کی باتیں سن کر خوش ہو گیا اور داد و دہش کی باتیں سن کر بے خود سا ہو گیا۔ اس کے سینے میں لالچ کا ایک الاؤ جل رہا تھا اور حقد و کینہ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور وہ ان شعلوں کو بجھانا چاہتا تھا اس الاؤ کو سرد کرنا چاہتا تھا۔

کاہن اُس شخص کو لے کر رومی گورنر کے پاس گئے۔ اُس نے بادشاہ کے سامنے ساری بات کھول دی۔ بتا دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کیا چاہتے ہیں۔ کاہن اعظم نے اس شخص کے ساتھ سپاہی بھیجے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ لائیں تاکہ ان پر مقدمہ چلایا جا سکے اور سزا دی جائے۔

عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کی سازشوں سے بے خبر نہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان لوگوں نے شر و فساد کے کیا جال بچھا رکھے ہیں۔ وہ اس سے بھی واقف تھے کہ فقیہوں نے میرے متعلق کیا فتویٰ صادر کیا ہے۔ انہیں خبر تھی کہ یہودیوں کے جاسوس میری تاک میں ہیں اور بادشاہ کے کارندے مجھے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اس لیے احتیاطاً آپ ٹھکانے بدلتے رہے۔ آج ادھر ظاہر ہوئے تو کل ادھر جا چھپے۔ اس حالت میں بھی دعوت و تبلیغ کے فریضے سے غفلت نہ برتی۔ اپنی رسالت کا اعلان کرتے

رہے۔ تلقین کرتے رہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور منکرات سے دور رہو۔ اپنے حواریوں کو برابر یہ نصیحت فرماتے رہے کہ وہ ان کے ساتھ رہیں اور ایک لمحے کے لیے بھی ان سے جدا نہ ہوں۔

ایک دن آپ اپنے حواریوں کے ساتھ اس باغ میں تشریف فرما تھے جہاں آپ رات بسر کرتے تھے۔ حواری یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ جگہ محفوظ ہے اور انہیں یہاں آتے جاتے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ نہ تو کاہن اس جگہ کا پتہ لگا سکتے ہیں اور نہ حکومت کے خفیہ گماشتے یہاں پہنچ سکتے ہیں لیکن یہ ان کا وہم تھا۔ رات کی تاریکی انہیں نہیں چھپا سکتی تھی اور اندھیرے ان کی حفاظت کرنے سے عاجز آ گئے تھے۔ تلاش کرنے والے یہاں تک پہنچ چکے تھے اور اب عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری ان کے بالکل سامنے تھے۔

جب حواریوں نے دیکھا کہ سپاہی پہنچ چکے ہیں اور آپ کو اور انہیں گھیرے میں لے رہے ہیں تو انہوں نے حضرت کی مدد کو ترک کر دیا اور انہیں اکیلا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مگر شانِ خداوندی سے یہ بعید تھا کہ وہ اپنے محبوب بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اکیلا چھوڑ دیتا اور انہیں دشمنوں کے حوالے کر دیتا جبکہ انہوں نے اعلائے کلمۃ الحق کے لیے یہ جہاد کیا تھا۔ وہ اللہ جس نے معجزات کے ذریعے آپ کی مدد فرمائی کرامات کے ساتھ پشت پناہی کی اور دشمنوں کے مکر و فریب سے بچانے کا وعدہ کیا وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اکیلا چھوڑ دیتا یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا؟

اس خوف اور تنہائی کی گھڑی میں اللہ کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دستگیری فرمائی۔ آپ قدرتِ خداوندی سے سپاہیوں کی نظروں سے اوجھل رہے۔ انہیں عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل ایک اور شخص وہاں کھڑے نظر آیا۔ وہ فوراً اس شخص پر جھپٹ پڑے اور اسے گریبان سے پکڑ لیا۔ اس شخص نے جب یہ حالت دیکھی تو خوف سے نڈھال ہو گیا۔ زبان مارے وحشت کے خشک ہو گئی اور ایک لفظ بھی اپنی صفائی میں نہ کہہ سکا۔ اس میں اتنی طاقت ہی نہ رہی کہ وہ اپنا دفاع کرتا یا حقیقتِ حال سے لوگوں کو آگاہ کرتا۔ وہ سر جھکائے لرزہ بر اندام چلتا رہا۔ کسی نے بھی اس کے بارے زیادہ تحقیق نہ کی۔ کیونکہ اتنے انبوہ اور بڑے اجتماع میں اکثر لوگ تحقیق نہیں کرتے اور انفعال اور اضطراب میں بے سوچے ایک کام کر گزرتے ہیں۔ ایسے موقعہ پر غور و

فکر بہت کم کیا جاتا ہے بس ملتے جلتے حالات و واقعات کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔ پکڑا جانے والا شخص یہودہ تھا جس نے عیسیٰ علیہ السلام کی مخبری کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے کیے کی سزا اسی دنیا میں دے دی اور یہ اس کی خیانت اور فریب کا بدلہ تھا۔ سپاہی اس شخص کو شور و غوغا اور خوشی اور مسرت کے نعروں کی گونج میں سولی کے پاس لے گئے اور اسے صلیب پر لٹکا کر قتل کر دیا اُن کا گمان تھا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر چکے ہیں حالانکہ۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ، وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ۔ مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا

"حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ اُسے سولی چڑھا سکے بلکہ مشتبہ ہو گئی ان کے لیے (حقیقت) اور یقیناً جنہوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وہ بھی شک و شبہ میں ہیں۔ ان کے متعلق۔ نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اور نہیں قتل کیا انہوں نے اُسے یقیناً بلکہ اُٹھا لیا ہے اُسے اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔

(النساء: ۱۵۸۔۱۵۹)

"ذوالقرنین"

ذوالقرنین لڑتا بھڑتا، علاقوں پر علاقے فتح کرتا جہاد کی غرض سے مغرب کی طرف روانہ ہو گیا۔ اونچے نیچے راستے چلتا بلند پہاڑوں کے عزم کو شکست دیتا فلک بوس چوٹیوں کو سر کرتا اقصیٰ مغرب کی طرف بڑھتا گیا۔ جس نے بھی راستہ روکنے کی کوشش کی ذوالقرنین نے اس کے ہتھیار ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ جو بھی اس کی طرف بڑھنے لگا اس نے اس کے شہپر کاٹ کر رکھ دیے۔ گرمی، سردی کی کوئی پرواہ نہ کی۔ دشوار گزار راستوں کو خاطر میں نہ لایا کیونکہ اللہ نے اسے اپنی زمین میں تمکنت عطا کی تھی۔ اسے اطاعت وانقیاد کے اسلحہ سے لیس سپاہ دی تھی۔ اور ہر اُس چیز سے نواز دیا تھا جس کی ایک بادشاہ کو ملک کے معاملات چلانے میں ضرورت ہوتی ہے۔ اسے جنگ میں فتح مبین اور برکت وسعادت عطا کر رکھی تھی۔

وہ رات دن سفر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ گدلے پانی والے چشمے تک جا پہنچا۔ اس جگہ کھڑے ہو کر یوں نظر آتا تھا گویا اس چشمے میں سورج غوطہ لگا رہا ہے اور چھپ رہا ہے۔ ذوالقرنین نے دیکھا کہ اس سے گزرنا ممکن نہیں اور اس سے پرے کوئی میدان بھی نہیں کہ جہاں جہاد کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اس مقام پر ذوالقرنین کا واسطہ ایک ایسی قوم سے پڑا جو کفر کی وادی میں بری طرح بھٹک رہی تھی۔ اسے دیکھ کر

ذوالقرنین دل تھام کر رہ گیا اور ان کی سرکشی اور فحاشی نے اسے بری طرح متاثر کیا۔ یہ لوگ پرلے درجے کے ظالم بھی تھے۔ فساد اور خونریزی میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ وہ شیطان کی ہر بات مانتے تھے اور ہر خواہش نفس کے سامنے گردن جھکا دیتے تھے۔ ذوالقرنین نے ان کے متعلق استخارہ کیا۔ اللہ کریم نے اسے دو راستے دکھائے اور ان میں سے ایک راستے کے انتخاب کا اختیار دے دیا۔ ایک راستہ تو یہ تھا کہ ذوالقرنین اس کافر اور منکر قوم کو تلوار کی گھاٹ اتار دے اور انہیں ظلم و ستم اور کفر والحاد کی سزا دے۔ دوسرا راستہ یہ دکھایا کہ انہیں مہلت دے۔ وعظ و نصیحت کرے۔ ہو سکتا ہے کوئی ہدایت حاصل کر لے۔ برائی سے باز آجائے اور گمراہی کا راستہ چھوڑ دے۔ ذوالقرنین نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ ان کے قتل سے ہاتھ کھینچ لیا اور حسن سلوک سے ان کے دل جیتنے کی کوشش کرنے لگے۔ پھر اُن کو متنبہ کیا۔

اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِۨ الْحُسْنٰى وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا

"جس نے ظلم (کفر و فسق) کیا تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے۔ پھر اسے لوٹا دیا جائے گا اس کے رب کی طرف تو وہ اُسے عذاب دے گا بڑا ہی سخت عذاب۔ اور جو شخص ایمان لایا اور اچھے عمل کیے تو اس کے لیے اچھا معاوضہ ہے اور ہم اسے حکم دیں گے۔ ایسے احکام بجالانے کا جو آسان ہوں گے" (الکہف: ۸۷۔۸۸)

ذوالقرنین ایک عرصہ تک وہاں رہا۔ ظلم سے ظالم کو روکا مظلوم کی مدد کی اور اسے سہارا دیا۔ عدل وانصاف کے قیام کا اہتمام کیا اور اصلاحِ احوال کا جھنڈا گاڑا۔

پھر اپنی عنانِ عزم مشرق کی طرف موڑ دی۔ لڑتا جھگڑتا، فتح و نصرت کے پھریرے لہراتا۔ جہاد میں سعادتوں اور خوش بختیوں کو دامن میں سمیٹتا انتہائے مشرق کی طرف چلتا رہا۔ یہاں تک کہ زمین کے اس علاقے تک جا پہنچا جہاں آبادی کی انتہائی سرحدیں ختم ہوتی دکھائی دیتی تھیں۔ وہاں ایسی اقوام کو پایا جن پر سورج گویا طلوع ہو رہا

ہو۔ لیکن نہ تو ان لوگوں کے پاس سر چھپانے کے لیے کوئی گھر تھے اور نہ بیٹھنے کے لیے سایہ دار درخت۔ شاید وہ اسی وجہ سے تہذیب و ثقافت سے بہت دور اور علم و معرفت سے بالکل خالی دامن تھے۔ ذوالقرنین نے یہاں علم گاڑا اور اپنے علم اور حسنِ رائے سے انہیں خوب متاثر کیا۔ پھر انہیں چھوڑ کر آگے بڑھا۔ اور جنگ کرتا اور کامیابیاں حاصل کرتا دو پہاڑوں کے درمیان آخری آبادی تک جا پہنچا۔ یہاں ایک ایسی قوم آباد تھی جن کی لغت کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اور ان سے بات چیت محال نظر آتی تھی۔ یہ لوگ یاجوج اور ماجوج کے پڑوس میں رہتے تھے۔ یاجوج اور ماجوج پرلے درجے کے فسادی تھے اور پوری دنیا کے لوگوں سے زیادہ گمراہ اور شیطان تھے۔

اس علاقہ کے لوگوں نے جب دیکھا کہ ذوالقرنین بڑا جنگجو، بہادر، وسیع مملکت کا مالک بادشاہ، لشکر جرار کا قائد ہے تو انہوں نے درخواست کی کہ ان کے اور یاجوج و ماجوج کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دیں جو ان کو ان فسادیوں سے بچائے اور وہ ادھر کا رُخ نہ کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ قوم جبلی طور پر شرارتی اور فسادی ہے۔ نہ تو یہ تلوار کی زبان سمجھتے ہیں اور نہ کوئی نصیحت ان پر اثر کرتی ہے۔ بادشاہ اگر یہ دیوار تعمیر کر دے تو وہ اس کے بدلے میں بہت ساری دولت دیں گے اور اپنی پونجی ان کے قدموں پر نثار کر دیں گے۔ مگر ذوالقرنین کی فطرت میں بھلائی اور انسان ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا۔

مَامَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ

"وہ دولت جس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے" (الکھف: ۹۵)

ذوالقرنین نے کہا کہ آپ صرف ہماری مدد کریں اور ہاتھ بٹائیں۔ ان لوگوں نے لوہے، پیتل، لکڑی اور سیمنٹ کے ڈھیر لگا دیے۔ آپ کے حکم سے دونوں پہاڑوں کے درمیان خلا کو پر کرنے کے لیے لوہے کی چادریں رکھی گئیں اور پھر ان کے ارد گرد لکڑی اور سیمنٹ لگا دیا گیا۔ پھر آگ لگا کر پیتل پگھلایا اور یہ پگھلا ہوا پیتل اس دیوار پر انڈیل دیا۔ اس طرح دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط دیوار بن گئی جسے عبور کرنا

ناممکن ہو گیا۔اب یاجوج وماجوج کے لیے مشکل ہو گیا کہ وہ اس دیوار کو عبور کریں یا توڑ کر حملہ آور ہوں۔ اس طرح ذوالقرنین کے ذریعے اللہ کریم نے اس آبادی کو یاجوج و ماجوج کے حملوں سے بچالیا جو آئے دن انہیں ستاتے رہتے تھے اور ان کا مال و اسباب لوٹ کر ان کی زندگی اجیرن بنادیا کرتے تھے۔

ذوالقرنین نے جب دیوار تعمیر کرلی اور اسے اندازہ ہو گیا کہ اب اس دیوار کو عبور کرنا ممکن نہیں رہااور یہ ایک ناقابل شکست قلعہ ہے تو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے یہ نعرہ بلند کیا۔

هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۔ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا

"یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے مجھے یہ توفیق بخشی) اور جب آجائے گا میرے رب کا وعدہ تو وہ اسے ریزہ ریزہ کردے گا۔اور میرے رب کا وعدہ (ہمیشہ) سچا ہوا کرتا ہے" (الکہف : ۹۸)

"اصحاب کہف"

عید کا دن تھا۔ اس دن اہل افسس بتوں کا میلا منعقد کرتے اور اجتماعی عبادت بجالاتے تھے۔ ایک امیر گھرانے کا نوجوان جسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا وہ اس ہنگامہ آرائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ وہ ان بتوں کی عبادت کے فلسفے کو سمجھنے سے قاصر تھا کیونکہ وہ ان خداوں کی خدائی کا منکر تھا۔ اس دن بھی وہ نوجوان حیران و پریشان تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان کی خدائی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ یہ لوگ ان مورتیوں کے سامنے گردنیں کیوں جھکاتے ہیں۔ وہ اس جلوس سے نکلا اور دور ہوتا گیا۔ وہ دور ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر سوچ وبچار کرنے لگا۔ وہ متفکر تھا اور حیران تھا کہ آخر ان بے جان مورتیوں کے سامنے سر کیوں جھکتے ہیں۔

وہ ابھی اسی درخت کے سائے میں بیٹھا تھا کہ بتوں کی عبادت اور خدائی سے بیزار ایک اور نوجوان بھی اسے آملا۔ پھر تیسرا، چوتھا...... اس طرح نو، نوجوان ایک جگہ جمع ہو گئے۔ یہ سب نواجوان بت پرستی سے بیزار تھے انہوں نے ایک، جگہ جمع ہونے کا مقصد معلوم کر لیا تھا۔ ان کی بے تابی اور پریشانی کی وجہ ایک ہی تھی۔ ان کی سوچ ایک جیسی تھی۔ ان کی روحوں نے گویا ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے گلے ملے۔ ان کی رائے کے دھارے آپس میں گلے مل رہے تھے۔ نظریاتی ہم آہنگی نے

ان کے دلوں میں محبت کی جوت جگادی تھی۔ اگر چہ ان کی قوم الگ الگ تھی۔ خاندان جدا جدا تھا۔ لیکن سوچ اور فکر کی یک رنگی نے انہیں جسم وروح کے تعلق کی طرح جوڑ دیا تھا۔ دوستی سب کچھ اگلوالیتی ہے۔ وہ دوسرے لمحے بتوں سے بیزاری کا اعلان کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ یہ بت خدا نہیں ہو سکتے۔ صحیفہ کائنات کو کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ کائنات کی وسعتوں میں فہم وفراست کے گھوڑے دوڑادیے۔ یہاں تک کہ ان کے دل نورِ توحید سے جگمگا اٹھے اور خالق کائنات اور مسرِ وجود کو پا گئے۔ انہوں نے اسی دین کو قبول کر لیا۔ آج اُن کے دل مطمئن تھے۔ وہ ایک عجیب سی خوشی محسوس کر رہے تھے۔ انہوں نے دین توحید کو اپنے من میں چھپانے کی ٹھان لی۔ باہم مشورہ کیا کہ ہم اس نعمت کو اپنے سینوں میں چھپائے رکھیں گے اور کسی شخص کو خبر نہیں ہونے پائے گی کیونکہ بادشاہ بت پرست ہے اور مشرکین اور بت پرستوں کی مدد کرتا ہے۔

وہ اپنی قوم کے سنگ سنگ چلے۔ ان کی خوشی اور غمی میں شریک ہوئے لیکن کسی کو خبر نہ ہونے دی کہ ان کا نظریہ کیا ہے۔ وہ دلوں میں کیا چھپائے پھرتے ہیں۔ جب ذرا فرصت ملتی اور تنہائی میسر آتی اللہ کی عبادت کر لیتے۔ نماز پڑھتے اور اللہ کی حمد و ثنا میں رطب اللسان ہو جاتے۔ ایک رات سب دوست اکٹھے ہوئے اور دوسرے دن بت پرستوں کے ہونے والے اجتماع کے متعلق بات چیت ہوئی۔ ایک نے کہا میں نے ایک بات سنی ہے اگر وہ سچی ہے اور لگتا ہے اس میں جھوٹ نہیں تو اس میں ہمارے لیے اور ہمارے دین کے لیے بڑے خطرے کی بات ہے۔ اس نے یہ گفتگو سرگوشی کے لہجے میں کی۔ اس نے وضاحت کی کہ میں نے سنا ہے کہ بادشاہ کو ہمارے نظریات کا علم ہو گیا ہے۔ شاید کسی طرح اُسے پتہ چل گیا ہے کہ بتوں کے متعلق ہمارا عقیدہ کیا ہے اور ہم کس دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور سنا ہے بادشاہ بہت غصے میں ہے اور ہمیں سزا دینے کی سوچ رہا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ اگر ہم نے اس دین کو ترک نہ کیا اور اپنے نظریات اور افکار سے توبہ نہ کی تو ہمارے ساتھ بہت برے طریقے سے پیش آئے گا۔ ممکن ہے کل کا اجتماع ہمارے لیے انعقاد پذیر ہو رہا ہو۔ ہو سکتا ہے ہم کل پا بجولاں اس کے دربار میں پیش کیے جائیں۔ پھر وہ جو چاہے ہمارے ساتھ کرے۔ چاہے تو اپنی تلوار سے ہمیں موت کی نیند سلا دے چاہے تو کوڑے مار مار کر ہمیں قتل کر ڈالے۔ اس لیے ہمیں اس

سلسلے میں غور و فکر کرنا چاہئے اور بچنے کی کوئی راہ نکالنی چاہیے دوسرے ساتھی نے کہا: یہ خبر میں بہت پہلے سن چکا ہوں۔ لیکن میں اسے ایک افواہ سمجھتا رہا اور جاہل لوگوں کا پروپیگنڈا۔ لیکن لگتا ہے بات بہت دور نکل گئی ہے اور تمام لوگ ہمارے نظریات کے متعلق کچھ نہ کچھ جانتے ہیں۔ میرے خیال کے مطابق یہ محض خوف نہیں بلکہ بات بالکل سچ ہے کہ بادشاہ ہمیں سخت سزا دے گا۔ لیکن ہم دین پر ثابت قدم رہیں گے۔ ان کے ظلم و ستم کو برداشت کریں گے لیکن ایک لمحے کے لیے بھی ان مورتیوں کی طرف نہیں پلٹیں گے جن کی پوجا یہ لوگ کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ بت پرستی ایک باطل عقیدہ ہے ایک بیہودہ اور فاسد نظریہ ہے۔ ہم ہرگز اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ترک نہیں کریں گے سورج طلوع ہو کر ہر صبح جس کی وحدانیت کی دلیل پیش کرتا ہے اور غور و فکر کی صلاحیتیں جس کی عظمت و کبریائی کی انمٹ شہادتیں مہیا کرتی ہیں۔

خبر صحیح تھی۔ دوسرے دن ان تمام کو پکڑ پکڑ کر گھروں سے لایا گیا اور ان کے خاندانوں کی آنکھوں کے سامنے وہ بادشاہ کے دربار میں پیش کیے گئے۔

• بادشاہ نے کہا: تم نے راز داری کی بہت کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ تم نے اس دین کو مخفی رکھنے کی سر توڑ کوشش کی لیکن پھر بھی ہمیں خبر ہو گئی۔ آج تک تم جو کچھ کرتے رہے جو خفیہ نظریے اپناتے رہے بادشاہ ان تمام سرگرمیوں سے واقف تھا۔ مجھے تمہاری پل پل کی خبریں ملتی رہی ہیں مجھے یہ خبر پہلے دن ہی پہنچ گئی تھی کہ تم نے میرے دین اور میری رعایا کے دین سے سرتابی کرلی ہے اور ایک نیا دین اختیار کرلیا ہے جس سے یہاں کوئی واقف نہیں۔ نہ جانے اس دین کا علم تمہیں کہاں سے ہو گیا ہے۔

میں تمہیں چھوڑ دیتا کہ تم اپنے دین پر عمل کرتے رہو۔ میں تم سے کوئی سروکار نہ رکھتا لیکن تم شریف خاندانوں سے تعلق رکھتے ہو۔ تمہیں لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اگر میں تمہیں چھوڑ دوں تو لوگ تمہارا دین قبول کرلیں گے اور تمہاری پیروی کرنے لگیں گے۔ اور میں جانتا ہوں کہ یہ چیز ملک میں فساد کا پیش ثابت ہو گی اور ملک کا امن وامان غارت ہو جائے گا۔

میں تمہیں فوری سزا نہیں دیتا۔ تمہیں ایک موقعہ دیتا ہوں۔ تم سوچ لو کہ تم نے کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اگر تم توبہ کرلو اور میرے دین اور طریقے کو اپنا

لو توٹھیک ورنہ تمہارے سر تن سے جدا کر دوں گا اور تمہارے جسم کے ٹکڑے کر کے تمہارا خون پی جاؤں گا۔

اللہ کریم نے اپنے ان بندوں کو حوصلہ عطا کر دیا اور ان کی تائید و نصرت فرمائی۔ انہوں نے بادشاہ کے دربار میں اعلان کیا: اے بادشاہ! ہم نے اس دین کو بے سوچے سمجھے قبول نہیں کیا۔ ہم یہ راستہ کسی مجبوری کی وجہ سے اختیار نہیں کر بیٹھے۔ بلکہ فطرت نے ہمیں آواز دی۔ اور ہم نے اس کی آواز پر لبیک کہا۔ عقل و خرد کے نور نے ہماری دستگیری کی اور ہم اس کی روشنی میں چلتے ہوئے اپنی اس منزل تک آپہنچے ہیں۔ خدا ایک ہی ہے۔ ہم اس کو چھوڑ کر کسی بے جان مورتی کی عبادت نہیں کریں گے۔ رہی ہماری قوم تو وہ بت پرست ہے۔ وہ بے سوچے سمجھے محض تقلید کی بناء پر ان مورتیوں کی پرستش کر رہے ہیں ان بیچاروں کے پاس اس بت پرستی کے جواز کی دلیل کہاں۔ عقل تو یہ فیصلہ نہیں دے سکتی کہ ہاتھ کی گھڑی ہوئی بے جان مورتیوں کی عبادت کی جائے۔ بادشاہ! ہم نے جو سوچا کہہ دیا اب آپ جو چاہیں فیصلہ کریں۔

بادشاہ نے حکم دیا: جاو میرے دربار سے نکل جاو۔ کل میں تمہارے متعلق فیصلہ سناؤں گا۔

وہ دربار سے نکلے اور مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ ان میں سے ایک نے کہا: بادشاہ ہمارے نظریات سے واقف ہو چکا ہے۔ ہم میں یہ طاقت نہیں کہ اس کے وعدہ و وعید اور تحریص و تہدید کا مقابلہ کر سکیں۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے دین کی حفاظت اور اپنی جان کی امان کے لیے ہم سامنے کی اُس پہاڑی میں موجود غار میں پناہ گزین ہو جائیں۔ غار کی تنگی اور تاریکی اس وسیع و عریض دنیا سے زیادہ خوش کن اور اچھی ہے۔ ہم یہاں نہ تو اپنی مرضی سے اللہ کی عبادت کر سکتے ہیں اور نہ اپنے عقیدے کا اظہار کر سکتے ہیں۔ ہم یہاں بھلا کیسے رہ سکتے ہیں جہاں ہم سے ایک ایسے دین کی پیروی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے جس سے ہم بیزار ہیں اور جسے ہم سراسر باطل یقین کرتے ہیں۔ بھلا اس وطن میں رکھا ہی کیا ہے جس میں انسان اپنی رائے کا اظہار بھی نہ کر سکے۔

انہوں نے ہجرت کی تیاری شروع کر دی۔ زادِ راہ لیا اور فوراً شہر کو خیرباد کہہ دیا۔ چلتے چلتے ایک کتا بھی اُن کے پیچھے ہو لیا۔ وہ ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور کسی نے

اُسے نہ روکا۔ کہ شاید کسی موڑ پر یہ کام آجائے اور ہماری رکھوالی کرے۔

آخر وہ غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔ ان کے پاس کھانا بھی تھا اور پینے کے لیے پانی بھی۔ وہ بیٹھ گئے اور تھوڑا سا کھانا کھایا اور پانی پیا اور باقی سفر کے لیے بچا کر رکھ لیا۔ وہ بہت تھک چکے تھے۔ اس پہاڑی سفر نے ان کے جسم کو چور چور کر دیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد اُن کا جسم اور بوجھل ہو گیا۔ وہ لیٹ گئے کہ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد دوبارہ سفر کریں گے۔ آنکھ لگ گئی اور ایک لمحے میں گہری نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

سلسلہ روز و شب طول پکڑتا گیا۔ سالوں پر سال گزرتے گئے مگر یہ نوجوان اس غار میں پڑے سوتے رہے۔ نیند کی وجہ سے ان کے کانوں میں کوئی آواز نہیں پڑتی تھی۔ اور نہ ہی ان کی پلکیں کھلتی تھیں۔ ہوائیں چلیں لیکن ان کے آرام میں کوئی خلل نہ آیا۔ بجلیاں کڑکیں لیکن اُن کی آنکھیں نہ کھلیں۔ سورج طلوع ہوتا تو اس کی روشنی غار کے دہانے پر پہنچ جاتی اور ان کے جسموں کو حرارت اور گرمی ملتی مگر کرنیں اندر آکر انہیں پریشان نہ کرتیں۔ پھر سورج آہستہ آہستہ مغرب کو چلتا، مائل ہوتا اور بہت دور نکل جاتا۔ یہ سب اس لیے ہو رہا تھا، کہ اللہ کریم ان کے جسموں کی حفاظت فرمانا چاہتا تھا۔ اور ان کے جسدوں کو باقی رکھنا چاہتا تھا۔ اگر کوئی شخص انہیں دیکھنے والا ہوتا تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا کہ قدرت خود ان کے پہلو بدل رہی ہے۔ کبھی وہ دائیں پہلو پر لیٹے ہیں اور کبھی بائیں پہلو پر۔ یہ تبدیلی غیر محسوس تھی۔ ان کے جسم اور حالت میں دوسری ناگزیر تبدیلیاں بھی خود بخود آتی رہیں ورنہ کسی کی نظر پڑ جاتی تو وہ دہشت سے کانپ اٹھتا جو مطلع ہو جاتا اُس پر خوف طاری ہو جاتا اس لیے اس تبدیلی کا ہونا ضروری تھا۔ انہیں سوتے تین سو نو (۳۰۹) سال کا عرصہ بیت گیا۔ اچانک وہ اس لمبی نیند سے بیدار ہوئے۔ انہیں بھوک ستانے لگی اور تھکاوٹ سے جسم دکھنے لگا۔ انہیں تو یُوں محسوس ہو رہا تھا کہ شاید یہ زیادہ وقت نہیں سوئے اور تاریخ کی گاڑی ان کی غار کے دہانے پر کھڑی ہے۔

ایک نے سکوت توڑا: "لگتا ہے ہم بہت سوئے ہیں؟ تمہارا کیا خیال ہے"

"زیادہ سے زیادہ ہم ایک دن سوئے ہونگے۔ بھوک اور کسل مندی سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے" دوسرے نے کہا۔

تیسرے نے اپنی بات کی : لیکن اتنا زیادہ وقت نہیں گزرا۔ جب ہم لیٹے تھے اس وقت صبح کا اجالا پھیل رہا تھا اور اب سورج غروب ہونے کے قریب ہے اور شاید ہم معمول سے زیادہ سوئے ہیں لیکن پورا دن نہیں بلکہ دن کا کچھ حصہ سوئے ہیں''''چھوڑو اس بحث کو۔ ہم کتنی دیر سوئے اللہ بہتر جانتا ہے۔ مجھے تو سخت بھوک لگی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کئی راتوں سے کچھ نہیں کھایا۔ کوئی جاکر شہر سے کھانا لے آؤ۔ لیکن احتیاط کرنا۔ چھپ چھپا کر جانا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے ورنہ کسی نے پہچان لیا تو قیامت آجائے گی۔ بادشاہ ہماری جان کا دشمن ہے وہ ہمیں قتل کر دے گا'' چوتھے ساتھی نے اس موضوع کو تبدیل کر دیا تھا۔ ایک ساتھی نے کھانا لانے کے لیے شہر کی راہ کی۔ وہ بہت خوفزدہ تھا اور نہایت احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا۔ وہ افسس میں داخل ہوا۔ درو دیوار سب بدلے بدلے سے محسوس ہوتے تھے۔ کوچہ بازار میں کئی تبدیلیاں رونما ہو گئی تھیں۔ اب وہ پرانے مکانات نہیں تھے۔ جہاں کچے کوٹھے تھے اب وہ فلک بوس محلات تھے۔ جہاں پہلے عالیشان محلات تھے وہاں کھنڈرات الوؤں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ سارے چہرے اجنبی تھے۔ ساری آنکھیں ناشناسی کا اظہار کر رہی تھیں۔ لوگوں کا ہجوم تھا لیکن کوئی بھی واقف نظر نہیں آرہا تھا۔ ایسا لگتا تھا افسس نہیں کوئی شہر ہے۔

اَمَّا الدِّیَارُ فَاِنَّھَا کَدِیَا رِھِمْ
وَاَرٰی رِجَالَ الْحَیِّ غَیْرَ رِجَالِہٖ

یہ گھر تو انھی کے گھروں کی مانند ہیں۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ قبیلے کے لوگ وہ نہیں ہیں۔

وہ بہت حیران تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چلنے سے بھی پریشانی سی ٹپک رہی تھی۔ اس تحیر نے اس کی زبان پر سکوت کی مہر لگادی تھی۔ وہ لرزاں و خیزاں چلا جا رہا تھا۔ لیکن اسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آنے والا ہے۔

لوگ اس کے اضطراب اور پریشانی کو بھانپ گئے اور چند جوانوں نے فوراً اسے گھیر لیا۔

''کیا تو اس شہر میں اجنبی ہے؟ یوں کیا دیکھ رہا ہے؟ کس کی تلاش میں سر گرداں ہے؟'' ایک ہی سانس میں ایک منچلے نے کئی سوال پوچھ لیے۔

اس جوان اجنبی نے کہا: "نہیں۔ میں مسافر نہیں۔ میں اسی شہر کا باشندہ ہوں۔ میں کھانا خریدنے نکلا ہوں۔ دکان تلاش کر رہا ہوں۔ لیکن یہاں تو کوئی ایسی دکان نظر نہیں آتی جہاں سے میں کھانا خرید لوں" ایک شخص نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اُسے نان بائی کی دکان پر لے گیا۔ اپنے شہر میں اجنبی اس شخص نے روٹی لی اور جیب سے سکے نکال کر نان بائی کو دیے۔ نان بائی نے غور سے سکے دیکھے۔ یہ سکے تین سو سال سے بھی پہلے کے تھے۔ اُس نے اجنبی کے سراپے پر ایک نظر ڈالی۔ اُسے شک گزرا کہ شاید اس شخص نے کوئی خزانہ لوٹا ہے اور ہو سکتا ہے اس کے پاس اور بھی کئی سکے ہوں۔ نان بائی نے شور مچایا چور چور!۔ لوگ فوراً اکٹھے ہو گئے اور اجنبی کو پکڑ لیا۔

اجنبی جوان نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا: "اے میرے بھائیو! میں چور نہیں ہوں۔ جیسا کہ تم سوچ رہے ہو۔ اور یہ سکے چوری کے نہیں ہیں۔ یہ سکے کل میں نے ایک شخص سے کاروبار کے لیے لیے ہیں اور صرف ایک دن ہی تو گزرا ہے۔ آج میں ان سے کھانا خریدنا چاہتا ہوں۔ پھر یہ چوری کے کیسے ہوئے۔ تم سب حیرانی سے میرا منہ کیوں دیکھ رہے ہو؟ تم کیوں مجھ پر چوری کا جھوٹا الزام لگا رہے ہو۔ وہ فوراً پلٹا کہ شہر سے نکل جاؤں تاکہ کسی پر ہمارا راز افشانہ ہو جائے اور بادشاہ کو ہمارا خفیہ ٹھکانا معلوم نہ ہو جائے۔ لیکن لوگوں کے تیور بدلے ہوئے دیکھ کر وہ ٹھہر گیا۔ اب لوگوں نے بڑی نرمی سے پوچھنا شروع کیا جوان نے ساری باتیں بتادیں۔ کہ میں کون ہوں۔ کس کا بیٹا کس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ لوگ سمجھ گئے کہ یہی وہ نوجوان ہے جو اشرافِ قوم میں سے ہے اور فلاں ظالم بادشاہ کے خوف سے آج سے تین سو نو سال پہلے یہ اور اس کے چند ساتھی بھاگ نکلے تھے۔

جب اس جوان نے لوگوں کے منہ سے یہ بات سنی کہ یہ بادشاہ کے خوف سے بھاگنے والوں میں سے ایک ہے تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ اب تو مارے گئے۔ بادشاہ سب کو قتل کر ڈالے گا۔ اس نے خوف کے مارے بھاگ جانے کی کوشش کی۔

لیکن ایک شخص نے بتایا کہ برادرم ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ جس بادشاہ کے خوف سے تو چھپتا پھرتا ہے وہ تو تین صدیاں ہوئیں گزر چکا ہے۔ اب جو بادشاہ تخت نشین ہے وہ تمہاری طرح صرف ایک خدا کی عبادت کرتا ہے پھر لوگوں نے اجنبی سے پوچھا کہ تیرے باقی ساتھی کہاں ہیں۔

اب نوجوان سمجھا کہ حقیقت حال کیا ہے۔ اب اُسے خبر ہوئی کہ تاریخ نے کتنا سفر طے کر ڈالا ہے۔ اور وقت نے انھیں کتنا پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اب اُسے بھاگنے اور فرار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ جو شخص اجنبی سے مخاطب تھا اُس نے کہا مجھے غار میں اپنے ساتھیوں سے ملنے دیجیے تاکہ میں انہیں یہ خوش خبری سنا سکوں ہو سکتا ہے وہ دیر ہو جانے کی وجہ سے گھبرا جائیں۔

بادشاہ کو جب معلوم ہوا کہ وہ نوجوان ابھی تک زندہ ہیں جو آج سے تقریباً تین صدیاں پہلے بھاگ گئے تھے تو وہ ملاقات کے لیے دوڑا چلا آیا۔ وہ فوراً غار کے دہانے پہنچا۔ اُس نے دیکھا کہ نوجوان زندہ ہیں۔ اور ان کے چہرے ویسے ہی تر و تازہ ہیں جس طرح پہلے ہوں گے اور خون ان کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ بادشاہ نے ان کے ساتھ معانقہ کیا اور ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں تھاما۔ وہ انہیں اپنے محل میں لے گیا اور انہیں اپنے ساتھ ٹھہرایا۔ ان نوجوانوں نے کہا کہ اب ہمیں مزید زندگی نہیں چاہیے۔ ہمارے بچے اور پوتے چل بسے۔ گھر بار سب مٹ گئے۔ زندگی کی ساری رونقیں اور اسباب سب منقطع ہو چکے۔

پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور دعا کی کہ وہ انہیں حریم قدس میں بلا لے اور اپنی رحمت سے نوازے۔ فوراً اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ ان کی آنکھیں بند ہو گئیں اور زندگی کا رشتہ کٹ گیا۔

جب لوگوں نے یہ واقعہ دیکھا تو وہ کہنے لگے کہ یہ اللہ نے ہماری رہنمائی کے لیے سامان فراہم کیا ہے تاکہ ہمیں یہ دیکھ کر یقین آ جائے کہ اللہ حیات بعد الموت پر قادر ہے۔ اُخروی زندگی ایک حقیقت ہے افسانہ نہیں قیامت ضرور قائم ہو گی اور اس میں شک روا نہیں۔ پھر ان لوگوں میں یہ اختلاف رونما ہوا۔

فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا

"(کہ بطور یادگار) تعمیر کرو ان کے غار پر کوئی عمارت۔ ان کا رب ان کے احوال سے خوب واقف ہے۔ کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے اپنے کام پر کہ بخدا ہم تو ضرور ان پر ایک مسجد بنائیں گے" (الکہف :۲۱)

"اصحاب الاخدود"

صنعاء ایک ایسا شہر ہے جسے سورج نے اپنے آتشیں تیروں سے چھلنی کر دیا ہے اور صحراء کی حشر ساماں گرمی سے اس کا چہرہ جھلس گیا ہے۔ اسی گرمی کی وجہ سے اس کی سڑکیں ویران ہیں کوچہ وبازار لوگوں سے خالی ہیں اور کوئی حرکت نظر نہیں آتی۔ ہر طرف گرمی کی وجہ سے موت کا سا سکوت ہے۔ کوئی متنفس باہر نکلنے کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن۔

ایک شخص اچانک شمال سے آتے دکھائی دیتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ یہ صحراء کی وسعتوں کو شکست دے کر آرہا ہے۔ وہ گلی کوچوں کو چھوڑتا آبادیوں سے نکلتا سیدھا بادشاہ وقت ذونواس کے محل کی طرف بڑھتا چلا آتا ہے۔

اس کی چال ڈھال اور لباس سے شکستہ وار تیاب ٹپکتا ہے۔ قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ آنکھوں سے حیرت جھانک رہی ہے۔ چہرے پر بہت زیادہ اداسی چھائی ہوئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کوئی خاص راز سینے میں دفن رکھتا ہے کوئی اہم بات بادشاہ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہے محل کا پہریدار اسے زیادہ پریشانی میں مبتلا نہیں رکھتا۔ بلکہ اس سے پوچھتا ہے مسافر! اس وقت جبکہ لوگ گرمی کی شدت کی وجہ سے گھروں میں دبے بیٹھے ہیں۔ کوئی انسان، کوئی حیوان باہر نکلنے کی جرأت نہیں کر سکتا بلکہ پرندے اور نباتات بھی چپ

سادھے بیٹھے ہیں تیرے سفر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

مسافر بتاتا ہے: میں ایک نہایت ہی اہم اور ضروری کام کے سلسلے میں بادشاہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا بادشاہ مجھے ملنے کی اجازت دے گا؟

پہریدار نے بتایا: بادشاہ آپ سے ملاقات نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کے پاس کسی بھی مہمان اور وفد سے ملنے کے لیے وقت نہیں ہے۔

بادشاہ نے قسم اٹھائی ہے کہ نہ تو وہ بستر سے پہلو مس کرے گا اور نہ ہی ایک لمحے کے لیے نیند کے لیے پلکیں بند ہونے دے گا جب تک کہ یہودیت کا دین پوری دنیا میں نہیں پھیل جاتا اور تورات کا حکم پوری دنیا پر نافذ نہیں ہو جاتا۔ پہرے دار نے بتایا کہ جب سورج غروب ہونے لگتا ہے اور گرمی کی شدت کم ہو جاتی ہے تو بادشاہ محل سے ملحق باغ کی سیر کو نکلتا ہے۔ اس اثنا میں اشراف واعیان، امرا و قائدین جنہوں نے بادشاہ کی اطاعت قبول کر رکھی ہے اور اس کے دین کی مکمل پیروی کرتے ہیں وہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس دوران مختلف امور پر بادشاہ سے تبادلہ خیال کرتے ہیں اور خصوصاً جنگی امور پر باہمی مشورہ ہوتا ہے۔

مسافر نے کہا: میں بھی بادشاہ سے اسی ضمن میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ جس کام کے سلسلے میں بادشاہ سے میں ملنے کا خواہش مند ہوں اُس کا تعلق بھی اس نئے دین سے ہے جس نے بادشاہ کو پریشان کر رکھا ہے اور اُس کے خاتمے کے لیے اُس نے تلوار بے نیام کر رکھی ہے۔ اگر آپ انہیں میری آمد کے مقصد سے مطلع کر دیں تو بلاشبہ مجھے حاضری کا موقع بخشیں گے اور دین جدید کے بارے غور و خوض کریں گے اور پیش بندی کے بارے سوچیں گے۔

پھر وہ گرمی سے بچنے کے لئے محل کی ڈیوڑھی کے نیچے بیٹھ گیا اور بادشاہ کا انتظار کرنے لگا۔

ذونواس اپنے محل سے نکلا اور باغ کی طرف آہستہ آہستہ ٹہلنے لگا۔ سلطنت کے امراء اور فوجوں کے سپہ سالار بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ گفتگو شروع ہونے سے پہلے ہی پہرے دار پہنچ گیا اور بتایا کہ ایک شخص نجران سے حاضر ہوا ہے اور بادشاہ کے دربار میں باریابی کا خواہش مند ہے وہ بتاتا ہے کہ دین جدید کے سلسلے میں بادشاہ سے بات کرنا چاہتا ہے جس سے یہودیت کو سخت خطرہ لاحق ہے۔

ذونواس نے کہا: دمنِ جدید! فوراً آدمی کو حاضر کرو۔ مسافر پیش ہوا اور بصد ادب واحترام عرض کرنے لگا: تاجدارِ یمن! شب بخیر۔ حضور کا اقبال بلند ہو۔ دشمن کے مقابلے میں جناب کو کامیابی وکامرانی نصیب ہو اور اللہ آپ کو اپنے مقاصد عالیہ میں ہدایت و توفیق بخشے۔ آقا! غلام مال و دولت کا طالب نہیں اور نہ ہی کسی مظلوم کے لئے مدد کا طلب گار ہے۔ بلکہ نجران میں ایک اہم واقعہ پیش آیا ہے اور غلام اسی بارے گفتگو کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر اس کا بروقت تدارک نہ کیا گیا تو ہو سکتا ہے یہ طوفان دوسرے شہروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے۔ اور ممکن ہے کہ پورا یمن اس کے اثرات سے نہ بچ سکے بلکہ یمن کے باہر کے لوگ بھی اس گمراہی کو سینے سے لگالیں۔

ذونواس نے کہا: مسافر تیری باتوں نے مجھے پریشان کر دیا ہے اور تیری اس گفتگو نے میری سوچ کے دھارے بدل دیے ہیں۔ واقعہ کی تفصیلات بتاؤ۔ کیا ہوا؟ پوری وضاحت کرو۔

مسافر نے صورتِ حال بیان کرتے ہوئے کہا: حضور! نجران کے بت پرستوں کے دل اس نئے دین کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور وہ آئے دن اسے قبول کر رہے ہیں۔ رہے یہودی تو کچھ لوگ ان میں سے بھی اپنے دین سے پھر گئے ہیں اور اس نئے دین کا قلادہ گلے میں ڈال لیا ہے۔ کچھ لوگ ابھی یہودیت لیکن سخت کش مکش کا سامنا کر رہے ہیں۔ اگر یہودیہ کے بادشاہ نے بروقت توجہ مبذول نہ کی تو یہودیت کا نام ونشان مٹ جائے گا اور اس کی تاریخ کا آخری باب رقم ہو جائے گا۔

ذونواس گھبرا گیا۔ اور معاملے کی سنگینی کے پیش نظر اس پر ذرا تفصیل سے گفتگو کرنے کے لیے بیٹھ گیا۔ بادشاہ کا گلہ خشک ہو چکا تھا۔ اور اس کی آنکھوں سے آگ کے شعلے برس رہے تھے۔

کہنے لگا: مسافر بتاؤ یہ نیا دین یہودیہ میں کیسے آن پہنچا۔ اسے یہاں گھسنے کی کیسے جرأت ہوئی۔ اس کے عہد حکومت میں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے یہ کیسے ممکن ہو سکا کہ ایک نیا دین یہودیوں کے دلوں تک پہنچے۔ مسافر! ذرا وضاحت کر۔ ہم تفصیل سننا چاہتے ہیں۔

مسافر نے وضاحت کرنا شروع کی! جلالت مآب ذونواس! نجران میں دو غلام آئے ہیں۔ ایک رومی ہے جس کا نام فیمون ہے۔ دوسرا اعرابی ہے جو صالح کہلاتا

ہے۔ فیمون کو ایک بت پرست نے خریدا ہے جو کھجور کے درخت کا پجاری ہے۔ بت پرست نے اپنے غلام کو بہت شریف اور حوصلہ مند پایا ہے۔ اس غلام کی پیشانی میں تقویٰ کا نور چمکتا ہے۔ اس کے سراپے سے نیکی اور شرافت ٹپکتی ہے۔ وہ پورا دن اپنے مالک کا کام کرتا ہے نہ تو وہ تھکتا ہے اور نہ کسی اور چیز کی شکایت کرتا ہے اور جب رات ہوتی ہے تو ایک کمرے میں چلا جاتا ہے اور تنہائی میں عبادت کرتا رہتا ہے۔

سنا ہے کہ ایک رات اُس کا مالک غلام کے کمرے میں گیا۔ وہ عبادت کر رہا تھا اور کمرہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ مالک اس واقعہ سے بہت متاثر ہوا۔ اور غلام سے دینی معاملات پر گفتگو کرنے لگا۔ اس نے پوچھا کہ کیا کھجور کے علاوہ کوئی اور خدا بھی ہے جس کی تم عبادت کرتے ہو تو غلام نے بتایا کہ ہاں ایک حقیقی خدا بھی ہے جو عبادت کے لائق ہے اور اُس کے سواء کسی اور کی عبادت صحیح نہیں۔ کیونکہ وہی ساری کائنات کا مالک ہے۔ وہی دنیا کے امور کا مدبر اور وجود کا مصدر ہے۔ اور اسی ذات کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہماری توجہ مبذول کی ہے اور اس کی قدرتوں کی شناسائی دی ہے۔

کھجور کا یہ درخت خدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ نہ تو نفع دے سکتا ہے اور نہ کوئی نقصان۔ اگر تو دیکھنا چاہتا ہے تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں وہ اس درخت پر کوئی ہوا چلا دے گا یا بجلی گرا دے گا اور یہ سوکھ کر خشک ایندھن بن جائے گا اور اللہ کریم میری دعا ضرور قبول کرے گا۔

بت پرست آقا نے کہا: کیا تو ایسا کر سکتا ہے؟

فیمون نے جواب دیا: اگر میں ایسا کر دوں تو تم میرا دین قبول کر لو گے آقا نے کہا ہاں! فیمون نے نماز پڑھی جیسا کہ اُس کے ماننے والوں کا گمان ہے اور اللہ سے دعا کی تو اللہ نے اس کھجور پر ہوا بھیجی جس نے اسے خشک کر دیا اور اس کی ساری رونق ختم ہو گئی۔ اس کرامت کو دیکھ کر وہ آقا ایمان لے آیا اور یہ بات پورے نجران میں پھیل گئی پھر لوگ فوج در فوج اس کے دین نصرانیت کو قبول کرتے گئے نجران میں اب کوئی ایسا شخص نہیں بچا جس نے نصرانیت کو قبول نہ کر لیا ہو یا اس سے متاثر نہ ہو چکا ہو۔

ذونواس نے کہا: اے مسافر تم کچھ اور کہنا چاہو گے یا بات ختم ہو چکی۔

مسافر نے گزارش کی: اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ایک چھوٹی سی بات گوش

گزار کرنا چاہتا ہوں۔

بادشاہ نے کہا: ہاں۔ شوق سے تمام باتیں بتاؤ۔ آپ نے میری توجہ بڑی اہم بات کی طرف مبذول کی ہے۔ فیمون کے بارے تمام معلومات ہمیں تفصیل سے بتاؤ لوگ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں۔

مسافر نے کہا: فیمون کا دوست صالح۔ جو شروع سے اس کے ساتھ ہے۔ اس کا بیان ہے کہ جب میں ملک شام کی ایک بستی میں کام کر رہا تھا تو میں نے فیمون کو ایک دن کہیں جاتے ہوئے دیکھا۔ میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس کی پیشانی سے تقویٰ اور پرہیزگاری کا نور ٹپک رہا تھا۔ اور اس کی گفتگو میں حکمت کی چاشنی تھی۔ میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی اور میں نے اس کی رفاقت سے دستکش ہونا مناسب نہ سمجھا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ ہمارے راستے میں ایک صحراء آیا۔ ہم اس کی وسعتوں میں کھو گئے۔ فیمون ایک جگہ نماز پڑھنے کھڑا ہوا۔ اسی دوران میں نے دیکھا کہ ایک ہیبت ناک اژدھا منہ کھولے فیمون کی طرف بڑھتا چلا آتا ہے۔ میری چیخ نکل گئی اور خوف نے میرے ہاتھ پاؤں سن ہو گئے۔ لیکن فیمون نے اس سے کوئی اثر قبول نہ کیا اور سکون سے نماز پڑھتا رہا۔ اژدھا جب اُس پر حملہ آور ہونے لگا تو وہ اُسی جگہ ڈھیر ہو گیا۔ اُسے کسی مخفی طاقت نے جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ میں یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اور فیمون کی صحبت اٹھانے کی ٹھان لی۔ میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ مجھے اپنے ساتھ رکھے اور خدمت کا موقع دے۔ اس نے یہ درخواست منظور کر لی اور میں اُس دن سے اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہوں۔ ہم ایک جنگل میں سفر کر رہے تھے۔ اسی دوران ڈاکوؤں نے ہمیں پکڑا اور ان لوگوں کے ہاتھوں بیچ دیا اور اس طرح ہم نجران تک آ پہنچے۔ بادشاہ سلامت! یہ فیمون اور اس کے ساتھی کا قصہ ہے جس نے ہر طرف ایک فتنہ پھیلا رکھا ہے۔

مسافر خاموش ہو گیا۔ اب اس کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ ذونواس کے چہرے سے غیض و غضب عیاں تھا۔ آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ وہ غصے سے لال پیلا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ نجران میں یہودیت کے علاوہ کسی اور دین کی پیروی! تورات کے علاوہ کسی اور حکم کی فرمانبرداری! میں قسم اُٹھاتا ہوں کہ جب تک اہل

نجران کو یہودی نہیں بنا دیتا یا انکار کی صورت میں انہیں نیست و نابود نہیں کر دیتا مجھ پر یہودہ کی عطا کردہ سب نعمتیں حرام ہیں۔ میں تلوار کو نیام میں نہیں ڈالوں گا اور آرام سے نہیں بیٹھوں گا جب تک اس نئے دین کو اس غنا سطی عقیدے کو ملک بدر نہیں کر دیتا۔

ذو نواس لشکر جرار لے کر صنعاء سے نکلا۔ لشکر اتنا بڑا تھا کہ زمین کے کناروں تک انسانوں کے سر ہی نظر آتے تھے۔ بادشاہ نجران کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایک غلام کو شکست دینا چاہتا تھا۔ ایک ایسے غلام کو جو اپنی ذات کا مالک بھی نہیں جس کی قیمت چند سکے سے زیادہ نہیں۔ خدا کی قدرت دیکھیے ایک طرف کروڑوں گردنوں کا مالک بادشاہ ہے اور ایک طرف ہزاروں دلوں کا آقا فیمون۔

بادشاہ نجران پہنچ جاتا ہے۔ شہر کے محاصرے کا حکم ملتا ہے اور شہر کے چاروں طرف چمکتی تلواروں کے پہرے لگ جاتے ہیں۔ اہل نجران یہ صورت حال دیکھ کر کانپ جاتے ہیں۔ لیکن بادشاہ انہیں ایک موقع دینا چاہتا ہے۔ سوچ و بچار کی مہلت دیتا ہے۔ ذو نواس نجران کے وڈیروں کو بلاتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ اگر تم اور تمہارے شہر کے باشندے کل تک یہودیت کی طرف پلٹ آئے تو ٹھیک ورنہ سخت سزا کے مستحق قرار پاؤ گے۔ میں چاہتا ہوں یمن میں صرف یہودیت ہو گی صرف وہ دین ہو گا جسے تبع نے قبول کیا۔ جس کی اشاعت کے لیے ہمارے اسلاف نے کوششیں کیں۔ کوئی اور دین قابل قبول نہیں ہو گا۔ مؤمنین نے جواب دیا: بادشاہ یہودہ! سن لے جس دین کا پیالہ ہمارے دلوں نے پیا ہے اور جس کی حقانیت ہمارے رگ و ریشہ میں اتر چکی ہے ہم اس سے روگردانی کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ آپ ہمیں زندہ چھوڑیں یا قتل کریں ہمارے لیے برابر ہے۔

بادشاہ کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ اب اسے یقین آ گیا تھا کہ پانی سر سے گزر چکا ہے۔ لوگ اس دین کو کسی صورت نہیں چھوڑیں گے تو اس نے ایک گہری خندق کھدوائی اور اسے ایندھن اور لکڑیوں سے بھر دیا۔ پھر اس میں آگ روشن کی۔ دھواں اٹھنے لگا اور اہل ایمان آگ کے شعلوں کی نظر ہونے لگے۔ بوڑھے، بچے مرد، عورتیں جو بھی اللہ اور اس کے رسول عیسیٰ علیہ السلام کو مانتا تھا سب آگ میں پھنکوا دیے۔ نجران میں سب جل کر خاکستر ہو گئے۔ صرف وہی بچے جو یہودیت پر قائم رہے۔

تندو تیز سیلاب

ملک سبا یمنی سلطنت کے کھنڈرات پر قائم ہوئی۔ اہل سبا نے لغت اور عادات میں اہل یمن کی پیروی کی۔ انہوں نے یمنی تہذیب و ثقافت کو قبول کیا اور پھر آہستہ آہستہ یہ سلطنت بڑھتی گئی اور وسیع ہوتی گئی حتی کہ ایک وسیع و عریض ملک میں تبدیل ہوگئی۔ ان لوگوں نے "صرواح" شہر میں بلند و بالا محلات تعمیر کیے، پھر صرواح سے نقل مکانی کر کے مارب آگئے اور اس میں رہائش اختیار کرلی۔ جہاں زندگی اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ جہاں عیش و عشرت کے سب سامان میسر تھے۔ اور جہاں ہر طرف عیش و تنعم کی ریل پیل تھی۔

یمن کا ملک بہت وسیع و عریض تھا۔ اس کی زمین نہایت زرخیز تھی۔ وادیاں بہت وسیع تھیں لیکن آب رسانی کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ بس بارش کا پانی پہاڑی نالوں کے ذریعے اکٹھا ہو کر صحراؤں کو سیراب کرتا ہوا زمین کی تہوں میں غائب ہو جاتا ۔بارش ہوتی اور تھوڑی دیر میں یوں محسوس ہوتا کہ ایک خواب تھا جو ختم ہوا۔ ایک چلتا بادل تھا جو بن برسے گزر گیا۔ انہیں ضرورت محسوس ہوئی کہ ان پانیوں کے راستے میں کوئی ڈیم تعمیر کیا جائے جو بارش کے پانی کو ضائع ہونے سے بچا سکے۔ اور جمع شدہ پانی آبپاشی کے لیے استعمال ہو سکے۔ ماہرین کی ایک جماعت اکٹھی ہوئی۔ باہم مشورے سے یہ طے پایا کہ وادیوں کے راستے دیواریں کھڑی کی جائیں اور چھوٹے چھوٹے بیراج بنائے جائیں۔ ان بیراجوں اور کھڑی دیواروں میں طاق رکھے جائیں تاکہ ان جمع شدہ پانیوں کو حسب ضرورت استعمال میں لایا جا سکے۔

اس منصوبے پر فوراً عمل درآمد شروع ہوا۔ چھوٹے چھوٹے بیراج تعمیر ہونے شروع ہوئے۔ دیواریں کھڑی کی گئیں۔ کچھ ہی دنوں میں یہ منصوبہ تکمیل کو پہنچا سینکڑوں چھوٹے چھوٹے بیراج تعمیر ہوگئے۔ کیونکہ یہ علاقہ بہت ساری وادیوں میں منقسم تھا۔ پھر ایک بڑا ڈیم تعمیر ہوا۔ یہ ڈیم تمام وادیوں کے دہانے مارب کے مقام پر تھا۔ یہ بڑا ڈیم بہت مضبوط اور ناقابل شکست تھا۔ اور پانی کا ایک بڑا ذخیرہ اس میں جمع ہو سکتا تھا جسے بآسانی مفید کاموں کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔

مأرب ایک وسیع وادی کے آخری کنارے پر واقع تھا جو جنوب میں دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے شمالی حصہ کو تنگ کر کے اس پر یہ بڑا اور مفید ڈیم تعمیر کیا گیا تھا۔ مأرب کا شہر اس ڈیم کے بالکل دامن میں تھا۔ چھوٹے بیراجوں کا تعلق اس بڑے ڈیم سے تھا ان کا جمع شدہ پانی اس ڈیم میں آکر جمع ہوتا تھا اور موسم برسات میں ڈیم بھر جاتا تھا۔

سبا کے بڑے بڑے بادشاہوں نے اس ڈیم کی مضبوطی اور استحکام پر خصوصی توجہ دی اور اسے ملکی مفادات کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کی۔ اس ڈیم کے دونوں جانب انجینئرنگ کے تحت راستے بنائے گئے تاکہ انہیں ضرورت کے مطابق کھولا جا سکے۔ جب پانی زیادہ ہوتا تو سب سے اوپر والا گیراج کھولا جاتا۔ اگر پانی کی سطح کم ہو جاتی تو درمیان والا اور بہت کم پانی کی صورت میں سب سے نچلا گیراج اٹھایا جاتا اور پانی استعمال میں لایا جاتا اور پھر یہ گیراج اور دروازے بند کر دیے جاتے۔ زمین زرخیز تھی۔ آبپاشی کے بہترین نظام کی وجہ سے ہر طرف شاداب فصلیں لہلہانے لگیں۔ بارونق باغات دعوتِ نظارہ دینے گے۔ چٹیل میدان مرغزاروں میں تبدیل ہو گئے۔ وادیاں پھولوں اور پھلوں سے لدی نظر آنے لگیں۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہر طرف باغ و بہار کا منظر۔ گویا سبا ایک جنت تھی جسے زمین پر لا کر رکھ دیا گیا تھا۔ صحراء کی وہ زمین جہاں کاشت نہیں ہوتی تھی اور پانی نہ پہنچنے کی وجہ سے جہاں ریت اڑتی رہتی تھی اب مصنوعی طریقوں سے اُسے کاشت کے قابل بنا دیا گیا تھا۔ پھلوں اور پھولوں کی اس وادی میں خوش گلو پرندوں اور نغمہ سنج عنادل نے ماحول میں کچھ اور حسن بکھیر دیا تھا۔

ایک دوشیزہ پانی بھرنے کے لیے سر پر چھاگل اُٹھا کر چلتی تو اُسے زیادہ دور نہ جانا پڑتا تھا بلکہ گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر میٹھے پانی کی بہتی ندی مل جاتی تھی۔ اور جب وہ پانی بھر کر واپس لوٹتی تو اُس کے آنچل میں درختوں کے پھل بندھے ہوتے اور پھل چنتے اُسے کوئی بھی نہ روکتا کیونکہ پھلوں کی بہتات نے دلوں میں استغناء کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔

سونا اگلتی زمین نے ان کی تجوریوں کو سونے اور چاندی سے بھر دیا تھا۔ یہاں کوئی شخص بھی بھوکا اور ضرورت مند نظر نہیں آتا تھا۔ ہر طرف رزق اور نعمتوں کی

فراوانی تھی۔

کچھ لوگوں نے تجارتی پیشہ اختیار کر لیا۔ وہ اپنا غلہ اور پھل شام اور حجاز کی بابرکت سر زمین میں لے جاتے۔ راستے پر امن تھے۔ قافلے بے خوف چلتے۔ اسلحہ سجانے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ سفر کے لیے راستے بہت موزوں تھے۔ راستوں کے اردگرد سایہ دار درخت تھے۔ جہاں قافلہ ٹھہرتا سایہ اور میٹھا اور ٹھنڈا پانی حاضر پاتا۔ سایہ دار درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں اور ان کے میٹھے پھل مہمانوں کے لیے وقف تھے۔ وہ ان درختوں سے اپنی تھکان دور کرتے۔ پانی سے پیاس بجھاتے اور پھلوں سے اپنی بھوک مٹاتے۔ گویا سفر کے تمام وسائل راستوں میں بکھرے پڑے تھے۔ المختصر اللہ کی نعمتوں کی اہل سبا پر موسلادھار بارش ہوتی تھی اور اللہ کریم کا فضل عمیق ان پر سایہ فگن تھا۔

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ

"اتنا پاکیزہ شہر اور ایسا رب غفور!" (سبا: ۱۵)

چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اللہ کریم کی عطا کردہ ان نعمتوں کا شکر بجالاتے اور اُس کی حمد و ثنا میں رطب اللسان رہتے جس نے انہیں بھوک میں کھلایا اور خوف سے امن بخشا تھا لیکن یہ بدبخت پہلی قوموں کی طرح ناشکری کی راہ پر چل دیے۔ اور انہوں نے بھی ان جیسی روش اختیار کر لی۔ جیسا پہلی قوموں نے روگردانی اور سرکشی کا طریقہ اپنایا تھا اور مذہب پسند کیا تھا انہوں نے بھی انہی کی طرح روگردانی کی اور وہی مذہب اپنا لیا۔ اللہ کریم کی ان بے بہا نعمتوں کی ناقدری کی اور فخر و غرور اور زر پرستی کی انتہاء کر دی۔ حتیٰ کہ اللہ نے ان کی رہنمائی کے لیے انبیاء بھیجے مگر انہوں نے انبیاء کی نصیحتوں سے اعراض کیا۔ ان رہنماؤں اور مرشدوں نے ان کی اصلاح کی بہت کوششیں کیں اور انہیں زر پرستی سے باز رکھنے کی ساری ترکیبیں آزمائیں لیکن بے سود۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سرکشی کی سزا دینے کا ارادہ فرما لیا۔ اُس کی مشیت نے یہ تقاضا کیا کہ اس کفر کی انہیں سزا دی جائے۔ انہیں بتایا جائے کہ یہ نعمتیں ان کی محنت شاقہ ہی کا ثمر نہیں بلکہ ایک قادر مطلق کی دین ہے۔ تاکہ ان کی تاریخ دوسروں کے لیے عبرت ٹھہرے اور بعد میں آنے والے سرکشی کی سزا سے اچھا سبق سیکھ سکیں۔ اور ہر وہ شخص جو ان کے نقش

قدم پر چلے اُسے یہ پتہ ہو کہ اس کا نتیجہ بہت برا ہے اور جو بھی اس راہ پر گامزن ہوتا ہے اُسے بہت بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

ڈیم ٹوٹ گیا۔ دیواریں منہدم ہو گئیں۔ اس سیل بلاخیز کو روکنے کی کسی میں طاقت نہیں تھی۔ وادی کے دروں میں ایک عرصہ سے رکا ہوا پانی اور ہیراجوں کے ذریعے جمع شدہ طوفانی بارشوں کا حاصل کیا چھوٹا کہ ہر ایک چیز کو بہا کر لے گیا۔ فصلیں جڑوں سے اکھڑ اکھڑ گئیں۔ مکان گر گئے پوری وادی ایک چٹیل غیر آباد ویرانہ نظر آنے لگی۔ پھل دار درختوں کا نام و نشان مٹ گیا۔ سبزہ اور نباتات خواب و خیال ہو گئے۔ اس چٹیل میدان میں اگر کہیں کچھ نظر آتا تو خود رو بوٹے، خار دار جھاڑیاں، جھاؤ کے بوٹے اور بیری کے درخت تھے۔ خوش گلو پرندے، نغمہ سنج بلبلیں رخصت ہو گئے۔ اور ان کی جگہ سبا کے خرابانوں اور کھنڈروں میں الو بولنے لگے اور ٹنڈ منڈ درختوں پر کووں کی بادشاہی محسوس ہونے لگی۔

اہل سبا میں جو لوگ غرق ہونے سے بچ گئے جب انہیں محسوس ہوا کہ سبا میں رزق کے سب وسائل منقطع ہو گئے ہیں اور ڈیم جس کی وجہ سے یہاں بہاریں تھیں ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا ہے اور کل جہاں باغات لہلہاتے تھے ویرانے نظر آتے ہیں تو ان سے صبر نہ ہو سکا اور وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر چل دیے۔ ان کی آنکھیں اشک بار تھیں اور دل میں غم کے طوفان اُٹھ رہے تھے لیکن وہ یہاں نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ کچھ لوگ جن کا تعلق قبیلہ غسان سے تھا شام کو چلے گئے اور اغار قبیلے کے لوگ یثرب میں آکر آباد ہوئے۔ جبکہ جذام نے تہامہ اور آزد نے عمان کے علاقے کو پسند کیا۔ اہل سبا بری طرح بکھر گئے۔ حتیٰ کہ ان کی تباہی ایک کہانی بن گئی جو لوگوں میں گردش کرنے لگی اور ایک ایسی حکایت قرار پائی جو روایت ہونے لگی اللہ کریم نے انہیں بے بہا نعمتوں سے نوازا لیکن انہوں نے ان کی حفاظت نہ کی۔ انہیں خلعت فاخرہ عطا ہوئی لیکن انہوں نے اس کی قدر نہ کی تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سزا میں مبتلا کر دیا۔

وَهَلْ نُجَازِیْ اِلاَّ الْكَفُوْرُ

"اور بجز احسان فراموش کے ہم کسے ایسی سزا دیتے ہیں" (سبا: ۱۷)

"اصحابِ فیل"

یمن کے تمام علاقوں پر ذونواس کی فرماں روائی تھی۔ یہ وہ علاقے تھے جہاں دنیا کی تمام نعمتیں میسر تھیں۔ ملک کا کونہ کونہ دولت سے مالا مال تھا جب ذونواس نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی تو اس نے اپنے سے پہلے بادشاہ کی عیش کوشی اور لذت پرستی کے رویے کو ناپسند کیا، گناہ کی طرف میلان اور فحاشی میں اس کی طرح غرق ہونے سے دامن بچالیا۔ بلکہ اس نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی دنیا پرستی اور فسق وفجور سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ زندگی کی لذتیں اور دنیا کی شہوت رانیاں اُسے ایک آنکھ نہ بھائیں۔ اس نے اپنے اسلاف سے ہٹ کر اصلاح احوال اور رعیت میں دینی روح اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد وہ اسی ڈگر پر چلتا رہا اور کافی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔

ایک روز ذونواس کا گزر یثرب سے ہوا۔ یثرب کے بعض لوگ یہودی مذہب قبول کر چکے تھے۔ اور یہ دین ان کے دلوں میں رچ بس گیا تھا۔ یہ لوگ یہودی مذہب کی تعلیمات سے کافی واقفیت رکھتے تھے اور یہودی مبلغین نے اس شہر کو دعوت کا مرکز اور یہودی دیانت کا قلعہ بنا رکھا تھا۔ یثرب میں یہودیوں کے کئی معابد تھے یہ شہر گویا مبشرین اور مبلغین کے لیے گھونسلے اور گھر کی حیثیت رکھتا تھا۔ یثرب کے یہودیوں نے ذونواس کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑے تاکہ بادشاہ کو یہودیت کی تعلیمات سے

روشناس کرائیں اور اس دین کی خصوصیات سے اسے آگاہ کریں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر بادشاہ نے اس دین میں دلچسپی لینا شروع کی تو وہ اس دین کا دست و بازو ثابت ہوگا اور اس کی اشاعت میں بہت مدد کرے گا۔ بادشاہ کو یہ دین بہت پسند آیا اور وہ دل ہی دل میں اُس کی طرف راغب ہو گیا۔ پھر اس نے یہ مناسب سمجھا کہ وہ اس دین کی اطاعت کا اعلان کردے۔ پس اُس نے اعلان کر دیا اور خود اس دین کی دعوت اور نصرت کا بیڑا اُٹھالیا۔ اُس نے تمام عرب کو یہودیت اختیار کرنے اور اِس زمرے میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ جن لوگوں نے اس کی بات سے انکار کیا انہیں سخت سزا دی۔ اس دارو گیر کو دیکھ کر عرب کے کئی لوگوں نے اس کی اطاعت کی اور بہت کم لوگوں نے اس دین کو دل و جان سے قبول کیا کیونکہ وہ دیکھ چکے تھے کہ یہ دین ان کی اصلاح نفس اور پسند کے عین مطابق ہے۔ ذونواس کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا اور اس کی شان و شوکت پہلے سے بھی بڑھ گئی۔ لوگ خوف کے مارے یہودیت کو قبول کرنے لگے۔

لیکن نجران کے لوگوں کے دلوں میں عیسائیت گھر کر چکی تھی۔ وہ دل و جان سے اس دین کے ہو کر رہ گئے تھے۔ دین عیسوی کی محبت ان کے رگ و ریشہ میں اتر چکی تھی۔ انہوں نے ذونواس کی تبلیغ کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور ذونواس کی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔ مخالفوں نے ذونواس سے عیسائیت کے فروغ کی شکایت کی اور اسے اس نئے مذہب کے خلاف بھڑکایا کہ شاید یہودیت کا یہ ناقابل شکست قلعہ منہدم ہونے سے بچ جائے اور دشمن اسے فتح کرنے میں ناکام رہے۔ انہوں نے آکر بتایا کہ اگر اس بڑھتی ہوئی برائی کا بروقت سدِباب نہ کیا گیا تو یہودیت نجران سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی، اس کے آثار مٹ جائیں گے اور چند ہی دنوں میں اس کی تاریخ کا آخری باب رقم ہو جائے گا۔

ذونواس نے عیسائیت کے مخالف ان لوگوں کی بات مان لی اور ان کے ورغلانے میں آگیا۔ وہ نجران گیا اور لوگوں کو عیسائیت ترک کرنے پر مجبور کیا۔ انہیں تنبیہ کی کہ وہ اپنے پہلے مذہب یہودیت کو قبول کریں اور یہودی حکومت کے مطیع اور فرمانبردار بن کر رہیں لیکن انہوں نے اس دین سے انحراف نہ کیا اور ڈٹے رہے۔ نہ تو ذونواس کی شان و شوکت ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا کر سکی اور نہ ہی اس کی

دھمکی نے ان کے حوصلے پست کیے۔ ذونواس ان کی مخالفت اور نافرمانی سے آگ بگولا ہو گیا۔ ایک خندق کھودنے کا حکم دیا۔ پھر اسے ایندھن سے بھر کر آگ لگوائی اور یہودیت کے تمام مخالفوں کو دہکتی آگ کی نذر کر دیا۔ کہ جو یہودیت سے انحراف کرے یہی اُس کی سزا ہو گی، جو یہواہ کی بات نہیں مانے گا اسی صلہ کا مستحق قرار پائے گا۔ لیکن آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے بھی انہیں دینِ جدید سے متزلزل نہ کر سکے۔ اور آگ کی تند و تیز روشنی میں بھی حق کی شمع ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو سکی۔ وہ آگ میں جل گئے لیکن مسیح کے دامنِ کرم کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ان کی خاکستر سے بھی دینِ مسیح کی حقانیت کا نعرہ بلند ہوتا رہا۔ ذونواس نے انہیں آگ کی خندق میں پھینک دیا۔ انہیں جلا ڈالا اور اہلِ نجران سے عناد اور مخالفت کا خاتمہ کر دیا۔

نجران کے عیسائیوں میں سے ایک شخص بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور روم کے بادشاہ قیصر کے دربار میں جا پہنچا۔ اس نے بادشاہ کے دربار میں عرض کی کہ ذونواس نے عیسیٰ علیہ السلام کے دین کے منادوں کو جلا دیا ہے اور عیسائیت کی سخت توہین کی ہے۔ لہٰذا اسے سزا دی جائے اور مذہب عیسائیت کی اہانت کا انتقام لیا جائے۔ قیصر نے کہا کہ نجران یہاں سے بہت دور ہے لیکن میں تمہیں حبشہ کے فرمانروا کے نام خط لکھ دیتا ہوں وہ عیسائیت کا پیرو ہے۔ وہ نجران سے قریب بھی ہے وہ تمہاری مدد کرے گا۔

قیصر نے حبشہ کے بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ وہ فوراً اہل نجران کی مدد کرے اور ذونواس کو سزا دے۔ وہ شخص بادشاہِ روم کا خط لیکر حبشہ پہنچا اور نجاشی کے دربار میں اہلِ نجران کی ہلاکت اور نسل کشی کی داستان پیش کی۔ اسے بتایا کہ کس طرح اس یہودی بادشاہ نے بے گناہ مسیحیوں کو نذرِ آتش کیا۔ کس طرح وہ چیخ و پکار کرتے رہے اور مدد کی دہائی دیتے رہے۔ قاصد نے اپنے بچ نکلنے اور قیصر روم کے دربار میں درخواست کرنے کی روداد بھی بتائی۔

نجاشی ظلم و ستم کی یہ داستان سن کر بھڑک اُٹھا۔ نجران سے مذہبِ عیسائیت کے چراغ کا بجھنا اسے بہت ناگوار گزرا۔ اسے بہت دکھ ہوا کہ اس کے پڑوس میں دین مسیح کی اتنی توہین کی گئی۔ اس نے دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ مسیحیوں کے خون کا بدلہ

لے گا اور ان کے مال و دولت کے لٹنے کا تلوار سے انتقام طلب کرے گا۔ ایک لشکر جرار تیار ہوا۔ جس میں ہزاروں بہادر اور جاں نثار شامل ہوئے۔ اس کے سامنے صرف ایک ہی مقصد تھا کہ یمن پر لشکر کشی کر کے عیسائیوں کے قتلِ عام کا بدلہ لیا جائے۔

دونوں لشکر بر سر پیکار ہوئے۔ ذونواس کو پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پورے یمن پر نجاشی کا قبضہ ہو گیا۔ یہودیت کی حکومت کا سورج یمن کے افق سے ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ یمن کی حکومت بالواسطہ روم کے تابع قرار پائی اور وہ عرصے تک اس ملک پر حکومت کرتے رہے۔

حبشہ کی ولایت ابرھہ کے ہاتھ میں آئی۔ دین مسیح کی عظمتِ رفتہ اور شوکتِ پارینہ کی بازیابی کی باتیں ہونے لگیں۔ ابرھہ نے دیکھا کہ عرب کے لوگ کعبۃ اللہ کے گرویدہ ہیں۔ ان کے دلوں میں اس گھر کی محبت اور عظمت کا سودہ سمایا ہے۔ وہ اس کا حج کرتے ہیں اور دیوانہ وار طواف کرتے ہیں۔ سوچنے لگا اس طلسم کو کیسے توڑا جائے جو اس گھر نے لوگوں کے دلوں پر کر رکھا ہے۔ کیسے اس گھر کے تقدس کو پامال کیا جائے اور لوگوں کی توجہ اپنے ملک کی طرف مبذول کی جائے تاکہ وہ دین عیسوی کی پیروی کریں اور اس خطے میں صلیب کی کارفرمائی ہو۔

اس نے اسی مقصد کے لیے صنعاء میں ایک کلیسا تعمیر کیا۔ اس عمارت کو اس قدر خوبصورت اور دلکشی دی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا جائیں اور دلوں پر محویت سی طاری ہو جائے۔ اسے خوب سجایا۔ دور دور سے قیمتی قالین اور بیش بہا سامان منگوایا تاکہ اس زیب و زینت اور خوبصورتی کو دیکھ کر عرب کے لوگ اس کی طرف کھچے چلے آئیں۔ لیکن عربوں نے اس کی بلند اور خوبصورت عمارت کی طرف کوئی توجہ نہ دی بلکہ ان کی توجہ اور عقیدت کا مرکز کعبہ کا وہی کچا کوٹھا رہا۔ عرب تو عرب یمن کے لوگوں نے بھی اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور دیوانہ وار کعبۃ اللہ کی طرف دوڑے چلے آئے۔

ادھر عربوں کو جب اطلاع ملی کہ حبشہ کا بادشاہ کعبۃ اللہ کی تحقیر چاہتا ہے تو ان کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی اور ان کے دلوں میں بادشاہ کے خلاف نفرت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ عربوں نے کلیسا کی بے حرمتی کی ٹھان لی۔ زیب و زینت کی حامل اس

عمارت کے تقدس کی قلعی کھولنے کا ارادہ کر دیا۔ کنانہ کے کسی شخص نے رات کے وقت اس میں گھس کر پاخانہ کر دیا۔ اور اسے گندہ کر دیا۔

جب ابرھہ کو اس جسارت کی اطلاع ملی تو وہ غصے سے کانپنے لگا۔ اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اس نے قسم اُٹھائی کہ وہ کعبۃ اللہ کو بہر صورت منہدم کرے گا۔ ابراہیم اور اسماعیل کی تعمیر کردہ اس عمارت کی بنیادوں کو اکھیڑ پھینکے گا۔ عربوں سے کلیسا کی تحقیر کا بدلہ لے گا۔ وہ اس وقت تک اُنہیں اذیتیں دیتا رہے گا جب تک وہ اس گھر سے اعراض نہیں کر لیتے اور اس کے تعمیر کردہ کلیسا کو مرکز اور محور نہیں بنا لیتے۔

ابرھہ جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔ ایک لشکر جرار کی خود قیادت کی جس کے مقدمہ میں دیو ہیکل ہاتھی تھے۔ وہ کعبۃ اللہ کو گرانے کے لیے عازم مکہ ہوا۔ اس گھر کو نیست و نابود کرنے کے لیے روانہ ہوا جو عربوں کی امیدوں کا محور۔ ان کی عظیم عبادت گاہ اور قدیم ترین مرکز ہے۔

جب عربوں نے حملے کی خبر سنی تو اُن کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایک نصرانی کو یہ جرأت کہ وہ عربوں کی غیرت کو للکار رہا ہے۔ ان کی عبادت گاہ، بیت اللہ کو گرانا چاہتا ہے۔ ایک یمنی سردار تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر ابرھہ کے راستے میں حائل ہو گیا۔ پوری قوم نے اس کی قیادت میں لڑنے مرنے کو زندگی کی بہاروں پر ترجیح دی۔ یمنی سردار نے دوسرے عربوں کو بھی غیرت دلائی۔ یمن سے باہر کے عربوں کو بھی ابرھہ کے خلاف جنگ پر اُبھارا۔ انہیں جوش دلایا کہ وہ اس ظالم ہاتھ کو کعبۃ اللہ تک پہنچنے سے پہلے ہی توڑ دیں۔ کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی ایک مختصر سا لشکر ابرھہ کے لشکر سے نبرد آزما ہوا لیکن ابرھہ جیسی طاقت سے ٹکرانا آسان نہیں تھا۔ یمنی سردار مقابلہ نہ کر سکا۔ اس لشکر جرار کے مقابلے کی اس میں طاقت نہیں تھی۔ ابرھہ نے بڑی آسانی سے انہیں شکست دی اور یمنی سردار قیدی بنا لیا گیا۔

لیکن عربوں میں کیا کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں تھا جو ابرھہ کا مقابلہ کرتا۔ اور عربوں کو اس ظالم کے خلاف جنگ کرنے کے لیے للکارتا؟ نہیں۔ اگرچہ بہت سے عربوں نے غیرت حمیت میں آ کر اس کے مقابلے اور راہ روکنے کا ارادہ کیا لیکن ابرھہ کا لشکر بہت مضبوط تھا اور اس کا راستہ روکنا موت کو گلے لگانے کے مترادف تھا۔

ابرھہ سر پر مرصع تاج سجائے، سینے پر کامیابی اور کامرانی کے میڈل لگائے مکہ کی طرف بڑھنے لگا۔ کئی کمزور قبائل نے اس کے سامنے گردنیں جھکادیں۔ کئی چل کر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُسے اطاعت کا یقین دلایا اور سر تسلیم خم کر دیا۔ کچھ لوگوں نے تو اس کا کھلے بازوؤں سے استقبال کیا۔ اس کو پر امن راستے دکھانے کے لیے لشکر کے آگے آگے چلے۔

ابرھہ کے ساتھ بنو ثقیف کا ایک شخص ابو رغال بھی تھا۔ ابو رغال راستے کی نشاندہی کر رہا تھا۔ لشکر نے مغمس کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ جب پورا لشکر اتر چکا تو ابرھہ نے کئی سپاہی بھیجے جو تہامہ کے قریشیوں اور دوسرے قبائل کے مویشی ہانک کر لے آئے۔ ان مویشیوں میں دو سو اونٹ عبدالمطلب بن ہاشم کے تھے۔ حاجیوں کی سقائی کا منصب ان دنوں عبدالمطلب کے پاس تھا۔ انہیں مکہ میں بڑی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ قبیلہ قریش اور دوسرے کئی قبائل نے ابرھہ کے خلاف لڑنے کا ارادہ کیا لیکن عبدالمطلب جانتے تھے کہ عرب قبائل میں اس لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ اس لیے وہ خاموش رہے اور کسی قسم کی مزاحمت کا ارادہ نہ کیا۔

مشکل اور مصیبت کی اس گھڑی میں ابرھہ کا قاصد مکہ آیا۔ اُس نے سردارِ مکہ کے گھر کا پتہ پوچھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ یہاں کس کا حکم چلتا ہے تاکہ اس سے بات کی جائے۔ اسے ایک شخص عبدالمطلب بن ہاشم کے پاس لے گیا اُس نے عبدالمطلب کو دیکھتے ہی بتایا کہ بادشاہِ عیسائیت کا پیغام ہے کہ وہ لڑنے نہیں آیا بلکہ کعبۃ اللہ کو گرانے آیا ہے۔ اگر تم نے مزاحمت نہ کی تو اسے تمہارے خون بہانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر تم امن چاہتے ہو تو میرے ساتھ آؤ اور بادشاہ کی خدمت میں حاضری دو۔

عبدالمطلب نے فرمایا: خدا کی قسم ہم جنگ نہیں چاہتے اور نہ ہی ہم میں مزاحمت کی طاقت ہے۔

قاصد نے کہا: اگر تم جنگ نہیں کرنا چاہتے تو پھر میرے ساتھ چلو۔ کیونکہ بادشاہ کا یہی حکم ہے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں۔

عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں اور بعض دوسرے سرداروں کو اپنے ساتھ لیا اور ابرھہ کے لشکر میں پہنچ گئے۔ جب عبدالمطلب ابرھہ کے خیمے میں داخل ہوا تو بادشاہ کو

بتایا گیا کہ قریش کا سردار عبدالمطلب حاضر ہے جو بھوکوں کو کھانا دیتا ہے اور اس کی سخاوت کا یہ عالم ہے کہ پہاڑ کے درندے بھی اس کے خوانِ کرم پر پلتے ہیں۔ عبدالمطلب حسنِ صورت میں کمال رکھتے تھے۔ پر ہیبت اور پر جلال شخصیت کے حامل چہرے سے وقار اور متانت ٹپکتی تھی۔ جب ابرھہ نے یہ حسین سراپا دیکھا تو بہت متاثر ہوا۔ تخت سے اُٹھا اور اُنہیں کمال عزت و تکریم سے پیش آیا۔ اپنے تخت کو چھوڑا اور ان کے ساتھ نیچے زمین پر بیٹھ گیا۔ حالانکہ وہ کسی شخص کو خاطر میں نہیں لاتا تھا اور کسی شخص کو ساتھ بٹھانے کا تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن آج نہ جانے کیوں اُس کی انا کا بت عبدالمطلب کے سامنے زمین بوس ہو گیا تھا۔

بادشاہ نے خوش آمدید کے بعد آنے کا مقصد پوچھا۔ عبدالمطلب نے کوئی بات نہ کی اور صرف اتنا کہا کہ تیرے سپاہیوں نے میرے اونٹ غصب کیے ہیں اور میں اپنے اونٹ لینے آیا ہوں۔ ابرھہ نے کہا: عبدالمطلب! میں تمہاری شخصیت کے ظاہری حسن و جمال سے بہت متاثر ہوا تھا لیکن تمہارا مطالبہ سن کر وہ سارا طلسم ٹوٹ گیا ہے۔ تم مجھ سے غصب شدہ دو سو اونٹ مانگ رہے ہو اور تمہیں اس گھر کی کوئی پرواہ ہی نہیں جس کی تعظیم آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا دین ہے۔ میں بیت اللہ کو گرانے آیا ہوں تم اس گھر کو بچانے کے لیے ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لائے۔

عبدالمطلب نے جواب دیا: تو جانے اور بیت اللہ کا مالک جانے۔ مجھے اس کے متعلق فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لیے تجھ سے اونٹوں کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں۔ اس گھر کا مالک خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔ ابرھہ سمجھا کہ یہ شخص کوئی معمولی آدمی ہے اس لیے انہیں خوش کرنے کے لیے اونٹ واپس کر دیے۔ اسی دوران مکہ کا ایک اور وفد بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوا اور اسے پیش کش کی کہ اگر بادشاہ کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے سے ہاتھ روک لے تو وہ تہامہ کی آمدن کا تیسرا حصہ دیں گے۔ لیکن ابرہہ نے اس پیش کش کو ناقابلِ اعتنا سمجھا اور جذیہ لینے سے انکار کر دیا۔ وفد میں شامل لوگ واپس آگئے۔ وہ ابرھہ کی گفتگو سن کر لرزہ براندام تھے اور ناکامی کا زخم لیے مکہ میں اس کا ظلم سہنے کو تیار بیٹھے تھے۔

عبد المطلب نے اہلِ مکہ کو نصیحت کی کہ پہاڑی دروں کی طرف نکل جائیں تاکہ ان کی جانیں بچ جائیں اور قتل و غارت سے محفوظ رہیں۔ رات کے وقت لوگوں نے پہاڑ کا راستہ لیا۔ اسی رات حملے کا اندیشہ تھا۔

رات کی تاریکی میں بھگدڑ سی مچی ہوئی تھی۔ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ پہاڑ کی چوٹیاں انسانوں کی پیاسی ہیں اور شہر کی گلیوں میں لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی۔ اونٹ بلبلا رہے تھے۔ بکریاں منمنا رہی تھیں، عورتیں واویلا کر رہی تھیں اور بچے رو رہے تھے۔

عبد المطلب بھی ان شہر بدر لوگوں کے ساتھ تھے۔ آپ شہر کے چند روٴسا کو لے کر کعبۃ اللہ گئے۔ کعبۃ اللہ کی زنجیر پکڑ کر دعا کی اور ابرھہ کے لشکر کے خلاف مدد کے خواستگار ہوئے۔ عرض کی: الٰہی! اپنے گھر کی خود حفاظت فرما اور اسے ظالم کے ہاتھ سے نجات دے۔

دعا کرنے کے بعد آپ قریش کو لے کر شہر سے نکلے اور پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ہر شخص بیٹھا انتظار کر رہا تھا کہ ایک جابر بادشاہ مکہ میں داخل ہو کر کیا کرتا ہے۔

مکہ کی بستی انسانوں سے خالی ہو چکی تھی۔ اب ابرھہ کی باری تھی کہ وہ کعبۃ اللہ کو منہدم کرے۔ وہ مکہ میں داخل ہونے کا قصد لے کر اُٹھا۔ اپنے ہاتھی کو تیار کیا اور لشکر کو چلنے کا حکم دے دیا۔ لیکن مکہ کی طرف قدم اُٹھانے کی دیر تھی کہ گھر کے مالک نے اپنا ایک حقیر سا لشکر بھیجا۔ یہ لشکر پرندوں کے ڈار پر مشتمل تھا۔ ان کی چونچوں میں پتھر کے ٹکڑے تھے۔ انہوں نے سنگ باری شروع کر دی۔ سر کھلنے لگے۔ لاشے گرنے لگے جوانیاں خون میں لت پت ہونے لگیں۔ انا اور نخوت و تکبر کے بت خاک آلود ہونے شروع ہو گئے۔ کئی مر گئے باقی جو بچے مہلک مرض میں مبتلا ہوئے اور آخر اپنے برے انجام کو پہنچے۔

ابرھہ کو اسی عذاب الیم کا سامنا کرنا پڑا جس کا سامنا اُس کے لشکر نے کیا۔ اس پر دہشت اور خوف طاری ہو گیا۔ اُس نے پسپائی کا حکم دے دیا۔ لیکن لشکر تو خدائی عذاب کی نذر ہو چکا تھا۔ اس کی جمعیت بکھر چکی تھی۔ سارا رعب و دبدبہ خاک میں مل چکا تھا۔ اب کون اُس کا ساتھ دیتا۔ کچھ جو عبرت کے لیے بچ گئے تھے اس کے ساتھ

چلے وہ جو بڑے کروفر سے آیا تھا۔ ماتھے پر ناکامی و نامرادی کا کلنک سجائے صنعاء جا پہنچا۔ اب اس میں دم خم نہیں تھا۔ وہ بیمار ہوا اور اسی عبرت ناک موت کا شکار ہوا جس موت کا شکار اُس کا لشکر ہوا تھا۔

اللہ نے قریش کی دعا سن لی اپنے گھر کی حفاظت فرمائی اور ان کی توقعات پوری ہوئیں۔ اس حادثے نے مکہ شریف کی قدر و منزلت کو چار چاند لگا دیے۔ لوگ اس کی عزت و تکریم کے گن گانے لگے اور کہنے لگے کہ مکہ کی تنقیصِ شان کی طرف جو بھی ہاتھ بڑھے گا یا جو بھی اس کی حرمتوں کو پامال کرنے کا سوچے گا ذلیل و خوار ہو گا۔

بلا شبہ یہ واقعہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا پہلا ردہ تھا۔ اسی ردہ پر اس عظیم عمارت نے تعمیر ہونا تھا جو ساری کائنات کا ماویٰ و ملجاء قرار پانا تھی۔ اسی مقدس عمارت کے سائے میں اس بچے نے پروان چڑھنا تھا جس کی رحمت کا سایہ پوری کائنات کے لیے تھا یہ حادثہ عجیب ترین حادثوں میں شمار ہونے لگا۔ آج اللہ نے ہاتھی والوں کو خائب و خاسر واپس لوٹا دیا تھا۔ عربوں نے اسی دن کو اپنی تاریخ کے لیے بنیاد بنایا۔ نسل در نسل یہ واقعہ منتقل ہونے لگا۔ ہر دور میں اس کا چرچا ہوتا رہا۔ یہ حادثہ ایک نصیحت بن گیا اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک بہترین سبق قرار پایا۔

"حضرتِ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ"

امیہ بن خلف قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا بات چیت کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں اس کے پاس ایک شخص آیا۔ اور اس سے مخاطب ہوا:

امیہ تمہیں کچھ خبر ہے؟

کیا ہوا؟ امیہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

آنے والے شخص نے بتایا: تیرے غلام بلال کو میں نے محمد کے پاس آتے جاتے دیکھا ہے۔ وہ دن کو تو کبھی کبھار لیکن رات کو روزانہ اُس کے پاس حاضری دیتا ہے۔ آدمی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بتایا۔ کہ یہ حاضری خفیہ ہے۔ وہ ڈرتے ڈرتے قدم اُٹھاتا ہے۔ چلتے ہوئے ادھر ادھر دیکھتا ہے یُوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ کچھ چھپا رہا ہے۔ اس کے چہرے اور چال چلن سے لگتا ہے کہ اس نے محمد کا دین قبول کر لیا ہے۔ اور دوسرے بہت سارے لوگوں کی طرح یہ بھی صابی ہو گیا ہے۔ امیہ نے مخبر سے پوچھا: کیا تو سچ کہہ رہا ہے؟ تیرے پاس کوئی دلیل بھی ہے اس کی؟ مخبر نے کہا: ہاں کیوں نہیں۔ اسی لیے تو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ میں نے جو کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے وہی تو تجھ سے کہہ رہا ہوں۔ میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ تو اپنے غلام کو سمجھائے اور اس فتنے پر اسے سرزنش کرے۔ کیونکہ اس فتنے میں کئی غلام مبتلا ہو گئے ہیں۔ بلکہ اس

سے تو شریف خاندان بھی محفوظ نہیں رہے۔ امیہ بن خلف مجلس سے اُٹھ کھڑا ہوا اور سیدھا گھر آیا اُس کا دل غیض و غضب سے دہک رہا تھا۔ وہ بلال کو سخت سے سخت سزا دینا چاہتا تھا۔

بلالؓ حاضر ہوئے اور امیہ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اس نے دیکھا کہ امیہ کی آنکھوں سے شعلے برس رہے ہیں۔ غصے سے جسم پر لرزہ طاری ہے۔ بلالؓ یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور سمجھ گئے کہ یہ غصہ دینِ حنیف کی خبر ہو جانے کی وجہ سے ہے۔

امیہ نے پوچھا: بلال! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ لوگ تیرے متعلق کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا یہ سچ ہے کہ تو رات کے اندھیروں میں محمد کو ملنے جاتا ہے اور کبھی کبھار دن کے اجالے میں بھی چھپ چھپا کر تو اُس کے پاس حاضر ہوتا ہے۔ کیا واقعی تو نے اس کا دین قبول کر لیا ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ تو نے اس کے اوہام اور گمراہیوں کو سچ سمجھ لیا ہے اور لات و عزا کی خدائی کا انکار کر دیا ہے اور قریش اور عرب کے الٰہوں سے منحرف ہو گیا ہے؟

بلالؓ نے جواب دیا: جب یہ خبر آپ تک پہنچ گئی ہے اور آپ کو میرے اسلام لانے کی اطلاع مل گئی ہے تو میں آپ سے کچھ نہیں چھپاتا۔ میں واقعی محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ میں نے ان کی رسالت کو تہہ دل سے قبول کر لیا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ کا پیغام سچا ہے پوری دنیا اس راز سے واقف ہو جائے تو بھی اب کوئی حرج نہیں۔

امیہ نے کہا: بلال! کیا تو جانتا ہے کہ تو میرا غلام ہے اور میری ملکیت میں ہے۔ جس طرح میں اپنی دوسری چیزوں میں تصرف کا حق رکھتا ہوں تجھ میں جس طرح چاہوں تصرف کر سکتا ہوں۔ جس دن سے میں نے تجھے خریدا ہے اُس دن سے تیرا جسم، تیری عقل میرے قبضے میں ہے۔ میں نے تیرا جسم بھی خرید لیا ہے اور عقل بھی اب میں صرف تیرے جسم کا مالک نہیں تیری روح کا بھی مالک ہوں۔ تو اپنی مرضی کا عقیدہ نہیں اپنا سکتا۔ تیری فکر آزاد نہیں کہ تو جو چاہے سوچتا پھرے۔ تو نے محمد ﷺ کا دین قبول کر کے حد سے تجاوز کیا ہے۔ یہ تیری بغاوت اور مالک کے خلاف سرکشی کے مترادف ہے۔

بلالؓ نے کہا: ہاں میں تیرا غلام ہوں اور تو میرا آقا ہے۔ میں تیرا خادم ہوں اور تو میرا مخدوم ہے۔ میں تیرے اس حق کا منکر نہیں۔ تو مجھے درندوں سے اٹے جنگل میں رات کے وقت سفر کرنے کا حکم دے گا تو میں شکایت نہیں کروں گا۔ لیکن میری عقل اور میرا فکر، میرا عقیدہ اور میرا ایمان تیری فرماں روائی کی حدود سے باہر ہیں۔ ہاں میں مانتا ہوں کہ میرے جسم پر تجھے اختیار ہے لیکن میرے باطن پر تجھے کوئی اختیار نہیں۔ میرے ایمان اور اسلام سے تجھے کیا نقصان؟ میری عقل اور فکر سے تجھے کیا سروکار؟ تجھے خدمت چاہیے۔ سو میں ہر خدمت بجا لاؤں گا۔ اور اپنے عہد غلامی کو نباہوں گا۔

امیہ نے کہا...... اس کا پارہ چڑھا ہوا تھا اور اس کی آواز سے قہر و غضب ٹپکتا تھا...... اے غلام! تو صرف ایک غلام ہے۔ میں تیرے سر کی چوٹی سے لیکر تیرے پاؤں کے تلوے تک ہر ہر عضو کا مالک ہوں۔ مجھے صرف تیرے کام سے سروکار نہیں میں تیری فکر، تیری سوچ کا بھی مالک ہوں۔ حتی کہ میں تیرے دلی خیالات اور ذہنی سوچ پر بھی تصرف رکھتا ہوں تیری زبان کی ہر بات کا میں مالک ہوں۔ تجھے اپنے جسم پر، اپنی فکر پر، اپنی نطق کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں۔ یاد رکھ۔ میں تجھے وہ سزا دوں گا اور تیرا وہ حشر کروں گا کہ تیرے ہوش ٹھکانے آجائیں گے اور تیرے دل سے اس عقیدے کا گرد و غبار چھٹ جائے گا۔ میں تجھ سے وہ سلوک کروں گا کہ دنیا میں پھر کسی غلام کو سرکشی کی جرأت نہیں ہو گی اور تیرے ارد گرد توہم کے جال کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ تو مجھے سمجھتا کیا ہے۔ یہ کہہ کر امیہ بن خلف بلالؓ پر ٹوٹ پڑا۔ اور لاتوں گھونسوں کی بارش کر دی۔ وہ غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ اور بلالؓ کو ایک غالب، جابر اور بے رحم مالک کی طرح پیٹے جا رہا تھا۔ جب مارتے مارتے تھک گیا تو رسی لی بلال کے ہاتھ پاؤں باندھے اور بچوں کو حکم دے دیا کہ اسے سنگریزوں والی زمین پر گھسیٹتے پھریں اور گری پڑی چیز کی طرح ٹھوکروں میں اڑائے کھیلتے پھریں۔ بلالؓ پورا دن ظلم سہتے رہے اور بچوں کے ہاتھوں کھلونا بنے رہے۔

شام ہو گئی۔ جسم لہولہان ہے۔ پریشانی اور درماندگی ٹپک رہی ہے لیکن ظلم و ستم کے باوجود ایمان کی شمع پوری آب و تاب سے روشن ہے۔ قدم ڈگمگائے نہیں۔ کفر و

طغیان کے سامنے سر جھکا نہیں۔ وہ دل جو اللہ کے سامنے جھک چکا ہے، جو صرف اور صرف اُسی کا ہو کر رہ گیا ہے یہ ممکن ہی کب ہے کہ سزا و عتاب سے اس میں کمزوری آئے۔ قید اور بیڑیاں مکر و فریب اس حلاوتِ ایمان کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہیں جس کا ذائقہ بلال چکھ چکے تھے۔ اس نعمت کی سرمتی کو ختم کرنا آسان تو نہیں تھا جو بلالؓ کو عطا ہو چکی تھی۔

امیہ نے پوچھا: بلال! عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ کیا یہ عذاب اور تکلیف بہتر ہے یا لات و عزیٰ کی طرف لوٹ کر آنا آسان ہے؟ محمد کے دین اور اُس کے مزعومات سے دستکش ہو کر میرے دین کو قبول کرے گا یا یونہی اذیتیں برداشت کرتا رہے گا؟ بلال نے امیہ کو ایسی نظر سے دیکھا جس سے اذیتوں کے برداشت عذاب و عقاب کو سہنے کی استعداد اور امیہ کی سختیوں ترشیوں کی تحقیر ٹپک رہی تھی۔ گویا اس کی نظر کہہ رہی ہو: تو کوڑے مار مار کر مجھے لہو لہان کر سکتا ہے۔ رسی سے میری گردن اور پاؤں باندھ سکتا ہے بلکہ تو چاہے تو میری گردن میں ترازو کر دے۔ چاہے تو تلوار سے میرا سر جدا کر دے۔ لیکن تو میرے عقل کا میرے دل کا مالک ٹھہرے، اور میرا دین، میرا عقیدہ تیری دسترس میں آئے یہ ناممکن ہے۔ میرے باطن تک تیرا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ اس بلند چوٹی کو تیری قوت اور سطوت سر نہیں کر سکتی۔

حقارت کی اس نظر کے بعد بلال نے صرف اتنا کہا احد، احد۔ یہ اعلان تھا کہ امیہ میں اللہ کی توحید اور اس پر ایمان، اُس کی عقیدت اور اس کی اطاعت پر قائم رہوں گا اگرچہ مجھے کتنی ہی اذیتیں برداشت کرنی پڑیں اور کتنی ہی مصیبتوں کو گلے لگانا پڑے۔
دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا۔ اور نصف النہار تک پہنچ گیا۔ بلا کی گرمی پڑ رہی تھی۔ سورج کی شعاعیں صحراء میں آگ برسا رہی تھیں۔ ریت انگاروں کی طرح دہک رہی تھی۔ اور اس سے شعلے سے نکلتے محسوس ہو رہے تھے۔ امیہ بلالؓ کے پاس آیا۔ انہیں تپتی ریت پر لٹایا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا۔ نیچے گرم ریت ہے۔ سینے پر بھاری پتھر ہے۔ سورج کی گرمی حشر برپا کر رہی ہے۔ ہوا ریت کے ذروں کو اُٹھا کر پورے جسم کو داغ رہی ہے۔ لیکن بلالؓ کی زبان پر وہی کلمہ ہے جو اس کی پہچان اور شعار بن گیا ہے۔ یہی کلمہ اس کا عقیدہ ہے۔ اسلام کا عنوان اور ایمان کا اظہار ہے۔ وہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے احد

احد یعنی اللہ صرف وہ ہے جس کی میں عبادت کرتا ہوں جس کی طرف میں متوجہ ہوتا ہوں۔ جو میرا مقصود ہے اور جس کی ذات پر مجھے بھروسہ ہے۔ مجھے نہ تو کوئی عذاب اس راہ سے ہٹا سکتا ہے اور نہ کوئی اذیت ایمان کے راستے میں حائل ہو سکتی ہے۔

"احد، احد" صرف وہ اللہ ہے جس کے سواء کوئی مصیبت دور نہیں کر سکتا۔ میں مشکلوں اور کلفتوں میں صرف اسی کے حضور التجا کرتا ہوں۔ جب تمام امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں۔ تمام آرزوئیں ٹوٹتی نظر آتی ہیں تو میں صرف اسی ذات پر بھروسہ کرتا ہوں۔

"احد، احد" اللہ وہ ہے جس نے محمد کریم ﷺ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ پوری کائنات کے مرشد ہیں اور کمال امانت داری سے اس کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ اللہ نے مجھے ان کی پیروی کی سعادت بخشی ہے، مجھے ان کی محبت اور ارادت کی دولت سے نوازا ہے۔ میرے لیے کیا یہ کم ہے کہ میں محمد کریم ﷺ کا ہو گیا ہوں۔ میں اس مصیبت پر صبر کروں گا۔ تقدیر کے لکھے پر حرفِ شکایت زباں پر نہیں لاؤں گا۔

دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں کی صورت اختیار کرتے گئے لیکن بلالؓ پر مشقِ ستم جاری رہی۔ امیہ کا غصہ آئے روز بڑھتا رہا۔ لیکن کفر کی ستم ظریفیاں صبر و تحمل کے اس پہاڑ کے سامنے ہیچ نظر آنے لگی تھیں۔ ایک دن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ دیکھا تو بلالؓ غم والم سے آہیں بھر رہا ہے اور اذیتوں پر پیچ و خم کھا رہا ہے اور امیہ ان کے سامنے کبر و نخوت اور ظلم و ستم کا بت بنا کھڑا ہے اُس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ لگتا ہے ظلم و ستم نے اس کے غیض و غضب کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا ہے اور دل میں کینہ و بغض کا شعلہ بلالؓ کے خون سے کچھ ماند پڑ گیا ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلالؓ کی یہ حالت دیکھی تو انہیں بے حد ترس آ گیا اور دل میں شفقت اور رحمت کے جذبات اُمڈ آئے۔

آپ نے امیہ سے فرمایا! تو کب تک اس مسکین پر ظلم کرتا رہے گا۔ کب تک اس کی زندگی سے کھیلتا رہے گا۔ کیا تجھے ذرا بھی ترس نہیں آتا۔ کیا اس غریب کے آنسو اور آہ و بکا سے تیرے دل میں رحم کا سویا ہوا جذبہ نہیں جاگتا۔ اس بیچارے کا آخر جرم کیا ہے؟ اس نے کونسی ایسی غلطی کی ہے کہ تو اسے اتنی کڑی سزا دے رہا ہے؟

امیہ نے بڑے تکبر اور خود پسندی کے لہجے میں جواب دیا: یہ میرا غلام ہے۔ میری ملکیت ہے۔ میں چاہوں تو اسے عذاب دوں چاہوں تو اسے آزاد کر دوں۔ جس

مصیبت میں یہ گرفتار ہے، جو اذیتیں یہ برداشت کر رہا ہے اس کا سبب آپ خود اور آپ کا دوست محمد (ﷺ) ہے اگر تجھے اتنا ہی ترس آرہا ہے تو اسے خرید کر آزاد کیوں نہیں کر دیتے۔ یہ جب تک میری ملکیت میں ہے میں اسے ہرگز ہرگز معاف نہیں کروں گا جب تک کہ یہ لات و عزیٰ کی خدائی کو تسلیم نہیں کر لیتا۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سوچا اچھا موقعہ ہے۔ کیوں نہ بلالؓ کو اس اذیت سے نجات دی جائے اور اس ظالم سے اسے چھڑا لیا جائے۔

آپ نے امیہ سے کہا: ہاں ٹھیک ہے یہ غلام میرا رہا۔ اب تمہارا اس پر کوئی حق نہیں۔ پھر آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ بلال! میں تمہیں اللہ کی رضا کے لیے آزاد کرتا ہوں۔ دیکھو امیہ اور ابو بکرؓ میں کتنا فرق ہے۔ امیہ کافر ہے ابو بکر مؤمن ہیں۔ امیہ فاجر و فاسق ہے اور ابو بکرؓ نیک و صالح۔ اللہ کریم نے ان دونوں کے لیے الگ الگ انجام لکھ رکھا ہے اور دونوں کا الگ الگ ٹھکانا ہے۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَاراً تَلَظّٰی ـ لَایَصْلَا هَااِلاَّ الْاَشْقَی الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی ـ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزٰی اِلاَّ ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی وَلَسَوْفَ یَرْضٰی۔

"پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے۔ اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت جس نے (نبی کریم کو) جھٹلایا اور (آپ سے) روگردانی کی اور دور رکھا جائے گا اس سے وہ نہایت پرہیزگار جو دیتا ہے اپنا مال (دل) کو پاک کرنے کے لیے اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے۔ اور وہ ضرور (اس سے) خوش ہوگا" (اللیل: ۱۴تا۲۱)

ان دونوں کے درمیان کتنا فرق ہے۔ اور دونوں کے انجام میں کس قدر تفاوت ہے۔

"اسراء"

دن کے کاموں سے فارغ ہونے اور عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور رات وہیں گزاری۔ جب سپیدہ سحر رات کی تاریکیوں سے نمودار ہونے لگا اور روشنی کے آثار دکھائی دینے لگے تو آپ ﷺ کو جگایا گیا۔ آپ نے اٹھ کر وضو کے لیے پانی منگوایا۔ پانی پیش کیا گیا آپ نے وضو فرمایا۔ نماز کا وقت ہوا تو آپ نے نماز ادا کی۔ پھر آپ نے حضرتِ ام ہانی رضی اللہ عنھا کو بلایا کہ اُن سے بات کریں۔ کیونکہ رات کو آپ ﷺ نے ایک عظیم واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا اور عجیب منظر دیکھا تھا۔ یہ آپ پر اللہ کا خصوصی فضل تھا اور اس شرف سے صرف آپ کو نوازا گیا تھا۔ آپ سے پہلے یہ شرف اور کسی نبی کو عطا نہیں ہوا اور نہ بعد میں یہ معجزہ کسی شخص کو عطا ہوگا۔ نہ کوئی اس فضل و کرم کی درخواست کر سکتا ہے اور نہ کسی کو اس ضمن میں عرض کرنے کی اجازت ہے۔

حضرتِ ام ہانیؓ بصد ادب و احترام حاضر ہوئیں۔ وہ حضور ﷺ کے مہربان چچا حضرت ابو طالب کی بیٹی تھیں۔ آپ ایمان کی سعادت سے بہرہ مند ہو چکی تھیں اور اسلامی طائفہ کی ایک اہم فرد تھیں۔ وہ ہر قدم پر آپ کی معاون و مددگار اور جانثار ساتھی تھیں۔ حضور ﷺ نے حضرت اِم ہانیؓ کو بتایا: اِم ہانی! میں نے عشاء کی نماز آپ

کے ساتھ اسی وادی میں ادا کی جیسا کہ تم جانتی ہو۔ پھر میں بیت المقدس گیا۔ وہاں نماز ادا کی۔ پھر راتوں رات واپس آ گیا اور اب صبح کی نماز تمہارے سامنے پڑھ رہا ہوں۔ آپ نے مزید بتایا کہ میں اس معجزے کے اظہار کے لیے قریش کے پاس جا رہا ہوں۔ میں ان کے سامنے اللہ کے اس فضل کا برملا اظہار کروں گا۔ انہیں بتاؤں گا کہ میں نے رات کے قلیل سے عرصے میں کیا دیکھا ہے۔ انہیں مطلع کروں گا کہ اللہ نے مجھ پر کیا کیا فضل فرمایا ہے اور کیا کچھ مجھے دکھایا ہے۔

ام ہانیؓ بہت ایماندار اور سچے عقیدے کی حامل خاتون تھیں۔ انہیں اللہ نے ذوقِ عبادت اور شوقِ ریاضت سے نواز رکھا تھا۔ ان کا ہر کام محض اللہ کے لیے تھا۔ اس لیے جب حضور ﷺ نے معجزۂ اسراء کو بیان کیا تو انہیں کوئی شک نہ ہوا اور واقعہ کی صداقت اور صحت کو بغیر کسی شک و شبہ کے تسلیم کر لیا۔ لیکن آپ قریش کے مکر و فریب سے واقف تھیں۔ وہ قوم کی فطرت کو خوب جانتی تھیں اور ان کی چالوں سے پوری طرح باخبر تھیں۔ وہ ڈر گئیں کہ کہیں قریش آپ ﷺ کی تکذیب نہ کریں اور اس قدر عجیب واقعہ سن کر کہیں ہلڑ بازی اور استہزاء پر نہ اتر آئیں۔ انہیں اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر آپ نے ان کے سامنے اپنی یہ فضیلت بیان کی تو یہ منکرین حق ہیں اور آپ کے فضائل کا انکار ان کے روز مرہ کا معمول ہے یقیناً وہ آپ کا مذاق اڑائیں گے، انہیں روحانی اذیت پہنچائیں گے اور ان کی شانِ اقدس میں گستاخی کریں گے۔ اس لیے آپ نے حضور کا دامن تھام لیا۔ اور انہیں روک کر عرض کی: اے میرے چچازاد بھائی! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں۔ آپ ان ستم پیشہ لوگوں کے سامنے تشریف نہ لے جائیں جو آپ کی رسالت کو جھٹلاتے ہیں اور آپ کے پیغام کے منکر ہیں۔ حضور! مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ آپ پر حملہ نہ کر دیں ام ہانیؓ نے نسبی تعلق اور دلی محبت کی وجہ سے یہ آرزو کی کہ حضور یہ بات کسی سے نہ کہیں اور اسے چھپائے رکھیں۔ یہ گزارش صرف اس لیے تھی کہ آپ حضور ﷺ سے بے پناہ محبت کرتی تھیں۔ ان کے بارے میں بہت محتاط بہت خیر اندیش تھیں۔ اور آپ کے اردگرد منڈلاتے خطروں کے بارے ہمیشہ فکر مند اور پریشان رہتی تھیں۔

لیکن حضور ﷺ تو پوری آدمیت کے لیے پیغام ہدایت لیکر آئے تھے۔ ان

کے لیے بھی جو اُس دور میں موجود تھے اور اُن کے لیے بھی جو قیامت تک آنے والے تھے۔ اس لیے کائنات کے ہادی و مرشد کو خوف کیسے لاحق ہو سکتا تھا۔ ایک عظیم معاملہ پیش آچکا تھا آپ اسے کیسے چھپا سکتے تھے۔ انہیں دشمنوں کے مکرو فریب اور طعن و تشنیع کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ انہیں استہزاء اور تکذیب کا کیا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے آپ نے حضرتِ اُمِ ہانی سے دامن چھڑا لیا اور عزم ہمت کو سمیٹتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے۔

آپ ﷺ بلا خوف و خطر قریش کو اس عظیم معجزے کی خبر دینے کے لیے تشریف لے گئے۔ ام ہانیؓ کی پریشانی اور اضطراب لحظہ بہ لحظہ بڑھتا گیا۔ انہوں نے اپنی راز دار اور بااعتماد خادمہ نبعہ کو بلایا اور حکم دیا: کہ محبوبِ خدا ﷺ کے پیچھے پیچھے جائے اور آپ کی باتیں سن کر مجھے مطلع کر اور دیکھ کہ قریش اس عجیب واقعہ کو سن کر کس رد عمل کا اظہار کرتے ہیں۔

نبعہ رسولِ خدا ﷺ کے پیچھے پیچھے چلتی رہیں۔ اور ساری صورتِ حال دیکھ کر اپنی مالکن کے پاس لوٹ آئیں اور بتایا: میں حطیم کعبہ اور حجر اسود کے درمیان تک حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے گئی ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ابو جہل عادت کے مطابق استہزاء کرتا اور ناک بھوں چڑھاتا رسول اللہ ﷺ کے قریب آیا اور کہا کہ کیا آج پھر کچھ کہنے کا ارادہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا ہاں۔ آج رات مجھے سیر کرائی گئی۔ ابو جہل نے پوچھا: کہاں کی سیر؟ حضور ﷺ نے فرمایا بیت المقدس تک۔ ابو جہل نے کہا: اتنی مسافت سے رات کے چند لمحوں میں تم واپس مکہ بھی لوٹ آئے کہ آج صبح ہوتے ہی ہم سے محو کلام ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ میں اتنی طویل مسافت چند لمحوں میں طے کر کے واپس آگیا ہوں۔ ابو جہل نے کہا کیا میں تمہاری قوم کو بلاؤں کہ تم ان سے بھی یہ بات کہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں بلالو۔

ابو جہل مست بیل کی طرح دوڑ پڑا اور زور زور سے پکارنے لگا۔ اے کعب بن لوی!

ام ہانیؓ نے نبعہ سے فرمایا: نبعہ بیٹھ جا اور بتا کہ پھر کیا ہوا۔ لگتا ہے بات بڑھ گئی ہے۔ نبعہ بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں: پھر میں نے دیکھا کہ قریش ادھر ادھر سے آنے شروع ہوئے اور مکہ کے کونے کونے سے لوگ کعبۃ اللہ میں اکٹھے ہو گئے۔ ابو جہل ان

کے آگے آگے چل رہا تھا۔ سب لوگ ایک دائرے میں حضور ﷺ کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔ پھر ابو جہل نے کہا کہ لو اب یہ رسول تمہیں بتائے گا کہ اس نے رات کو کیا دیکھا ہے۔ حضور ﷺ جانتے تھے کہ یہ نابکار میری بات کو بدل دے گا اور اسے کسی اور رنگ میں پیش کرے گا اس لیے آپ نے اس کے کہنے سے پہلے ہی بتانا شروع کر دیا:

مجھے رات کو بیت اللہ تک سیر کرائی گئی ہے۔ میری انبیاء سے ملاقات ہوئی جن میں ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے۔ میں نے انہیں نماز پڑھائی اور بات چیت کی۔

ابو جہل نے استہزاء اور مذاق کے لہجے میں پوچھا: اگر آپ نے ان انبیاء کو دیکھا ہے تو بتاؤ اُن کا حلیہ کیا تھا۔ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا، عیسیٰ علیہ السلام کا قد درمیانے قد سے قدرے زیادہ اور طویل القامتی سے کچھ کم تھا۔ چہرہ مبارک سے سرخی ٹپکتی تھی۔ داڑھی جیسے موتی گر رہے ہوں۔ اللہ کے رسول موسیٰ علیہ السلام کا بدن سڈول، رنگ گندم گوں اور قامت بلند تھی۔ آپ شنوۃ قبیلے کے مردوں سے مشابہت رکھتے تھے۔ اور ابراہیم علیہ السلام تو خدا کی قسم میں نے آج تک ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا جو تمہارے اس دوست سے مشابہت رکھتا ہو اور نہ کوئی ایسا میری نظر سے گزرا ہے جس کے ساتھ ابراہیم سے بڑھ کر تمہارا یہ دوست مشابہت رکھتا ہو۔

پھر کفار نے اس دعویٰ کی صداقت کے لیے دلیل طلب کی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اس واقعہ کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ میں نے فلاں وادی میں فلاں قبیلے کا کاروان دیکھا ہے۔ میری سواری کی آہٹ نے قافلے والوں کو ڈرا دیا۔ اسی وجہ سے اُن کا ایک اونٹ بھاگ گیا تو میں نے انہیں اونٹ کے متعلق بتایا اس وقت میں شام کی طرف جا رہا تھا۔ پھر میں آگے بڑھا حتیٰ کہ ضجنان کے پہاڑ پر پہنچ گیا تو میرا گزر فلاں قبیلے کے کاروان پر ہوا تو میں نے ان لوگوں کو سوتے ہوئے پایا۔ وہاں ایک برتن رکھا تھا جس میں پانی تھا۔ انہوں نے پانی کے اس برتن کو کسی چیز سے ڈھانک رکھا تھا۔ میں نے ڈھکنا اٹھایا پانی پیا اور پھر اُسی طرح اسے ڈھانک دیا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں کا کاروان بیضاء سے ثنیۃ التنعیم کو آ رہا ہے۔ اس کاروان کے آگے آگے خاکستری رنگ کا ایک اونٹ آ رہا ہے جس پر دو بورے لدے ہیں ایک بورا کالے رنگ کا ہے اور دوسرا دھاری دار۔

لوگ ثنیہ کی طرف دوڑ پڑے۔ دیکھا تو قافلہ آرہا تھا اور جیسا رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا اس کے آگے آگے ایک خاکستری رنگ کا اونٹ آرہا تھا۔ ام ہانیؓ نے پوچھا: نبعہ! ان آیات بینات کو دیکھ کر لوگوں نے کیا کہا؟ نبعہ نے بتایا: میں دیکھ رہی تھی کہ ان کے سر جھکے ہوئے ہیں کسی میں آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ تھی۔ پھر کافر انکار کرنے لگے اور اپنے گلے پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگے کہ ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ مطعم بن عدی نے تو اتنی جسارت بھی کر دی کہ آج سے پہلے تو تیرا معاملہ آسان تھا لیکن آج جو تو نے واقعہ بیان کیا ہے وہ نہایت تعجب خیز اور حیران کن ہے۔ ہمیں بیت المقدس تک پہنچتے پہنچتے ایک مہینہ لگ جاتا ہے اور اسی طرح واپسی کے لئے بھی ایک مہینہ درکار ہے اور تیرا گمان ہے کہ تو صرف ایک رات میں گیا اور پھر واپس بھی آ گیا۔ لات اور عزیٰ کی قسم ہم آپ کی یہ بات نہیں مانتے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جھوٹ بول رہا ہے۔

نبعہ کی یہ بات سن کر ام ہانیؓ کے چہرے پر غم کے بادل چھا گئے اور حضور ﷺ پر شفقت کے باعث آنکھوں میں آنسو آگئے لیکن نبعہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: ابو بکرؓ فوراً بولے اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور سچے ہیں۔ مطعم بن عدی نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کیا تو اس بات کی صداقت پر یقین رکھتا ہے کہ وہ بیت المقدس گئے اور اسی رات صبح تک واپس بھی آ گئے ابو بکرؓ نے جواب دیا: ہاں۔ میں اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کے لیے تیار ہوں۔ میں تو صبح و شام ان کی آسمانی خبروں کی تصدیق کرتا ہوں پھر کیا میں اللہ کی کرم نوازی کی تکذیب کر سکتا ہوں کہ اُس نے ایک لمحے میں ایک ماہ کا سفر طے کرا دیا؟ مسلمانوں نے حضرت ابو بکرؓ کی اتباع کی۔ مگر افسوس! بہت سارے لوگ اس واقعہ کو سن کر مرتد ہو گئے۔ ان کی عقلیں قدرتِ خداوندی کے ادراک سے قاصر رہیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے محبوب کی اس خصوصیت کو نہ سمجھ سکے۔

حضرت ام ہانیؓ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں اگر چند لوگ مرتد ہو گئے تو کیا۔ ہو سکتا ہے یہ بہتر ہو۔ ایسے کم ہمت لوگوں کا مسلمانوں کی صفوں سے الگ ہونا اور ان کا نام مؤمنین کی فہرست سے محو ہو جانا اچھا شگون ہے۔ کیونکہ مشکوک اور متردد شخص مسلمانوں کے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ ایک ضعیف عقیدے اور غیر مستحکم نظریے کے حامل شخص میں مسلمانوں کے لئے کوئی بھلائی نہیں ہو سکتی۔

"ہجرت"

اوس قبیلہ نے کہا: بلاشبہ جنگ نے ہمیں کاٹ کھایا ہے اور ہمیں کچل کر رکھ دیا ہے۔ ہمارے چچیرے قبیلہ خزرج کے لوگوں نے ہمارے خلاف یہودیوں سے مدد طلب کی ہے تاکہ وہ جنگ میں ان کی پشت پناہی کریں۔ ہمیں بھی ان کے خلاف کچھ عرب قبائل کی مدد کی ضرورت ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے۔

اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کا جداعلیٰ ایک ہی شخص تھا۔ دونوں مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ لیکن قرابت داری کے باوجود ان کے باہمی جنگ کے شعلے ماند پڑتے دکھائی نہ دیتے تھے۔ دشمنی کا یہ سلسلہ عرصے سے جاری تھا اور اس میں آئے روز شدت آرہی تھی۔ حتی کہ دونوں قبیلوں کے درمیان بعاث کا خونریز معرکہ پیش آیا جس میں قبیلوں کے رئیس اور زعماء بھی قتل ہو گئے۔ ان کے درمیان عارضی جنگ بندی ہو گئی تھی۔ اس دوران ہر قبیلہ جنگی قوت بڑھانے میں مصروف تھا۔ قبیلہ خزرج نے یہودیوں کو حلیف بنالیا تھا اور قبیلہ اوس بھی کسی عرب قبیلہ کو حلیف بنانا چاہتا تھا۔

اسی غرض سے اوس کے چند لوگ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے (جسے ان دنوں یثرب کہا جاتا تھا) ان میں ابو الحیسر، ایاس بن معاذ اور کچھ دوسرے لوگوں کے نام آتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی حج کا موقعہ آتا یا کوئی اور میلہ لگتا،

اجتماع ہوتا یا باہر سے کوئی جماعت مکہ مکرمہ آتی پیغام الٰہی کی نشر و اشاعت کی کوشش فرماتے اور وعظ و ارشاد کے سلسلے میں کسی سازش، کسی تکلیف، کسی مخالفت اور کسی اعراض کی ہر گز پرواہ نہ کرتے۔ انسانی ہدایت کے جذبے سے دعوتِ حق دیتے اور محض اللہ کی خوشنودی کے لیے وعظ و تلقین فرماتے۔

آپ ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ کچھ لوگ باہر سے آئے ہیں تو آپ اُن کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر دین کے حوالے سے گفتگو کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو اس سے کہیں بہتر ہے جس کے لیے تم یہاں آئے ہو۔ اُنہوں نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں تمہیں اللہ کی عبادت کی طرف بلاؤں۔ تمہیں بتاؤں کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کتاب دی ہے۔ پھر آپ نے کلام مجید کی چند آیات تلاوت کیں اور اسلامی تعلیمات کا مختصر تعارف پیش کیا۔

اِیاس جو ابھی نوجوان تھا کہنے لگا: اے میری قوم! خدا یہ اس سے بہتر ہے جس کی خاطر ہم آئے ہیں۔ ابو الحیسر نے کنکریوں کی مٹھی لیکر ایاس کے منہ پر دے ماری اور کہا۔ رہنے دو یہ باتیں۔ ہم کسی اور مقصد سے یہاں آئے ہیں۔ اِیاس خاموش ہو گیا۔ رسولِ خدا ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے اور وہ لوگ بھی واپس چلے گئے۔

اسی سال خزرج کے کچھ لوگ حج کے لیے مکہ آئے۔ حضور ﷺ ان سے بھی ملے۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارا تعلق خزرج قبیلے سے ہے۔

آپ نے فرمایا: خزرج جو یہودیوں کے دوست اور موالی ہیں؟

اُنہوں نے کہا: ہاں ہم یہودیوں کے موالی ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں کیا تم کچھ دیر میرے پاس بیٹھنا پسند کرو گے؟

انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ اور آپ کے ساتھ وہیں بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا اور اُن پر اسلام پیش کیا پھر ان کے سامنے قرآنِ کریم کی آیاتِ مقدسہ تلاوت فرمائیں۔

خزرجی ایک دوسرے سے کہنے لگے : بھائیو! خدا کی قسم یہ وہی نبی ہے جس کی بشارت یہودی دیتے آئے ہیں۔ کہیں وہ ان کی دعوت قبول کرنے میں تم سے سبقت نہ لے جائیں۔ ان لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کر لیا اور آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔ پھر انہوں نے درخواست کی : حضور! ہم اپنی قوم کو سخت عداوت کی حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں۔ ہمارے درمیان اس قدر سخت دشمنی ہے کہ دنیا میں شاید ہی کسی قوم کے درمیان ہو۔ ہو سکتا ہے اللہ کریم ہمیں آپ کے طفیل متحد کر دے۔ ہم واپس جاتے ہیں۔ ہم اس دین کی دعوت کی اشاعت کریں گے۔ انہیں بتائیں گے کہ اللہ کا وہ آخری نبی آچکا ہے جس کی بشارت انبیاء سابقین نے دی ہے۔ ہم اسلامی تعلیمات کے بارے اپنی قوم کو آگاہ کریں گے اور آپ کا پیغام اُن کے گوش گزار کریں گے۔ اگر اللہ کریم نے انہیں اس دین پر جمع کر دیا تو پھر آپ سے بڑھ کر عزت والا کوئی نہیں ہو گا۔ یہ لوگ مدینہ طیبہ واپس آگئے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ مدینہ طیبہ کے سعادت مند لوگوں نے اس دین کو قبول کرنے میں کسی دیر کو گوارا نہ کیا۔ فوراً اپنے دلوں پر اس کا نقش ثبت کر لیا۔ خزرج کا تو پورے کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا اور انصار کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں رسولِ خدا ﷺ کا ذکر خیر نہ ہو رہا ہو۔

رسولِ خدا ﷺ کو ان کے ایمان لانے سے بہت خوشی ہوئی۔ ان کے اسلام لانے سے آپ کے اندر فرحت و انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ اشاعتِ اسلام کی ایک امید سی لگ گئی۔ نظر آنے لگا کہ سعادت مند روحیں اسے قبول کریں گی۔ قریش جو آپ کے دین کو سفاہت خیال کرتے اور دعوت کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتے تھے اب وہ انصار کو بھی طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے لگے۔ جب بھی موقعہ ملتا انہیں تکلیف دیتے جب بھی ممکن ہوتا انہیں ستانے کی کوشش کرتے۔ آپ مختلف قبائل کے پاس گئے اور انہیں دعوتِ حق دی آپ ثقیف، کندہ، بنو عامر، بنی حنیفہ بہت سارے قبائل کے پاس گئے اور انہیں اللہ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی تبلیغ کی لیکن ان کا رویہ قریش کے رویے سے مختلف نہ تھا۔ آپ ﷺ کے دین کے بارے انہوں نے اُسی رائے کا اظہار کیا جس رائے کا اظہار قریش کر چکے تھے۔ ان کی دین دشمنی قریش کی دین دشمنی سے کسی صورت کم نہ تھی۔ لیکن خزرج کے قبیلے کو آپ نے اسلام اور ایمان کے سلسلے میں فراخ

ایامِ تشریق کے درمیانی روز کو عقبہ کے مقام پر ملاقات ہوگی۔

ملاقات کا دن آیا اور جب رات کا تیسرا پہر گزر چکا تو یہ لوگ ایک ایک کر کے خفیہ طریقے سے پڑاؤ سے نکلے اور عقبہ کے نزدیک ایک گھاٹی میں جمع ہو گئے۔ حضور ﷺ اپنے چچا عباس کے ساتھ تشریف لائے جو اگرچہ اپنے آبائی دین پر قائم تھے لیکن اس خیال سے ساتھ ہو لیے تھے کہ اگر ان کے بھتیجے کو کوئی مشکل پیش آئے تو وہ مدد کر سکیں۔

عباس نے کہا: اے قبیلہ خزرج کے لوگو! محمد جس مقام پر کھڑے ہیں تم اُس سے بخوبی واقف ہو۔ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ آج تک ہم نے دشمنوں سے انہیں کس طرح بچائے رکھا ہے۔ محمد اپنی قوم میں بڑی عزت و تکریم کے مالک ہیں اور دشمنوں سے محفوظ بھی ہیں۔ اب اگر انہوں نے تمہارے ہاں جانے کا عزم کر ہی لیا ہے اور تمہارے ساتھ رہنے پر بضد ہیں تو میں اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر تم میں انہیں بچانے کی قوت ہے تو ٹھیک ورنہ ان کی دوستی سے ابھی دستبردار ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ یہاں خاندان میں عزت و وقار اور امن و سلامتی سے رہ رہے ہیں۔

انصار نے جواب دیا: عباس! ہم نے آپ کی بات سن لی ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ فرمائیے۔ آپ کے کیا ارادے ہیں؟

رسولِ خدا ﷺ نے ان کے جواب میں قرآنِ کریم کی تلاوت کی انہیں دین کی طرف بلایا پھر فرمایا: میں تمہاری بیعت قبول کر لیتا ہوں (یعنی مدینہ آنے کی دعوت) بشرطیکہ تم ہر اُس چیز سے میری حفاظت کرو جس سے اپنی بیویوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔

حضرت براءؓ بن معرور کھڑے ہوئے اور فرمایا: ہاں! اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے ہم اپنے بیٹوں کی طرح آپ کی حفاظت کریں گے۔ اے اللہ کے رسول! ہماری بیعت قبول کیجئے۔ واللہ ہم جنگجو ہیں۔ جنگ و جدل ہمیں وراثت میں ملی ہے۔ بہادری وراثت کی طرح ہمارے قبیلے میں ایک سردار سے دوسرے سردار کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ پھر عباس بن عبادہ کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اے خزرج کے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ اس شخص کی بیعت کا کیا مفہوم ہے؟ بخدا! ان کی بیعت کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ گورے اور کالے کے خلاف اعلانِ جنگ کی بیعت ہے۔ اگر تم یہ

دل پایا۔ انہوں نے کسی مشکل کے بغیر دین قبول کر لیا۔ بلا تردد خلوصِ دل سے ایمان لائے پورے قلبی اطمینان کے ساتھ جادۂ حق پر گامزن ہو گئے۔ کون جانتا تھا کہ خزرج کے لوگ اللہ کے آخری نبی کے اعوان و انصار ہوں گے۔ کسے خبر تھی کہ کل کے بے رحم قاتل دینِ امن و سلامتی میں شمولیت اختیار کر لیں گے اور تہہ دل سے رسولِ صلاح کا دامن تھام لیں گے۔

ایک سال گزر گیا۔ رسولِ خدا ﷺ کو موسم حج کا شدت سے انتظار تھا۔ اس سال بارہ مسلمان مکہ مکرمہ حاضر ہوئے۔ ان میں سے دو کا تعلق اوس سے تھا اور دس خزرج سے تھے۔ ان بارہ مسلمانوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ آپ ﷺ نے دستِ اقدس آگے بڑھایا اور ان خوش نصیبوں نے آپ کے ہاتھ کو تھام کر بیعت کی۔ اور عہد کیا کہ وہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں بنائیں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے۔ اگر وہ اس وعدہ کی پابندی کریں تو اللہ انہیں جنت سے نوازے۔ اگر اس سے ذرا بھی اعراف کریں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہو چاہے تو انہیں عذاب دے چاہے تو انھیں معاف فرمائے۔ پھر حضور ﷺ نے ان سے یہ عہد لیا کہ وہ اس بات کو قریش سے مخفی رکھیں گے۔ آپ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ اگلے سال پھر ملاقات ہو گی۔

آپ ﷺ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ مدینہ طیبہ بھیجا تاکہ انہیں دین سکھائیں اور قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مبادیاتِ دین سے روشناس کرائیں۔

یہ لوگ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ نورِ خداوندی دلوں میں موجزن اور اسلام کے آثار چہروں سے ٹپک رہے تھے۔

کئی دن گزر گئے۔ رسولِ خدا ﷺ کی دعوت نے ان کی روحوں میں تازگی بھر دی اور دلوں میں وسعتیں پیدا کر دیں۔ دل کے سب کینے جاتے رہے۔ نفس کی ساری غلاظتیں صاف ہو گئیں اور دل آئینے کی طرح چمکنے لگے۔ حتی کہ حج کے دن قریب آ گئے۔ اس سال ستر مرد اور دو عورتیں مسلمان ہو کر مکہ آئے۔ ان تمام کا تعلق بھی اوس اور خزرج سے تھا۔ جب آپ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے انہیں کہلا بھیجا کہ

محسوس کر رہے کہ جب مصیبت تمہارے مال کا نام و نشان مٹادے گی اور تمہارے سردار قتل ہو جائیں گے تو تم انہیں دشمنوں کے حوالے کردو گے تو ابھی سے دستبرداری کا اعلان کردو۔ خدا رسولِ خدا سے بے وفائی کی تو دنیا و آخرت کی تباہی تمہارا مقدر ٹھہرے گی اور اگر تم میں وعدہ وفا کرنے کی طاقت ہے تو خدا دنیا و آخرت کی سب بھلائیاں تمہارے دامن میں ہو نگی۔

تمام انصار نے بیک زبان کہا: ہم اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنے مال، اولاد، عزیز، رشتہ دار سب کچھ آپ کی جان پر قربان کردیں گے۔ پھر عرض کرنے لگے۔ اے اللہ کے رسول! اگر ہم نے حقِ غلامی ادا کردیا تو ہمیں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت۔ پھر عرض کی: حضور! اپنا دستِ اقدس بڑھایئے ہم اسی شرط پر بیعت کرتے ہیں۔

ان تمام لوگوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ساتھ نبھانے کی بیعت کی۔

ابو الہیثم اُٹھے اور درخواست کی: حضور! اجازت ہو تو عرض کروں۔ ہمارا یہودیوں سے ایک معاہدہ چل رہا ہے آپ کی بیعت سے اس پر تو کچھ اثر نہیں پڑے گا؟ حضور! کہیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ دے گا تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس آجائیں گے؟

رسول کریم ﷺ نے تبسم فرمایا اور پھر جواب دیا: میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہے۔ میں تم میں سے اور تم مجھ میں سے ہو گے۔ جس سے تم جنگ کرو گے اُس سے میری بھی جنگ ہو گی۔ اور جو تمہارے ہاتھوں سلامت ٹھہرے گا میرے ہاتھوں سے بھی سلامت رہے گا۔ آپ نے فرمایا: اپنی قوم سے بارہ نقیبوں کا انتخاب کرو۔ فوراً آپ کے حکم کی پیروی کی گئی اور بارہ آدمیوں کا انتخاب کر لیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنی قوم کے کفیل ہو گے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواری بنی اسرائیل پر کفیل مقرر تھے۔ اور میں اپنی قوم کی کفالت کا ذمہ لیتا ہوں۔

اس بیعت کی خبر شہر مکہ مکرمہ میں پھیل گئی۔ قریش کو جب معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ میں بڑی تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے تو انہیں بہت صدمہ ہوا۔ ان کے غصے کی انتہا نہ رہی، کینہ و بغض کی چنگاریاں سینے میں سلگنے لگیں۔ مسلمانانِ مکہ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ کبھی ان پر طنز کے تیر برسائے جاتے کبھی ظلم و ستم اور مار پیٹ پر

اتر آتے۔ نہ مسلمانوں کو کھل کر عبادت کرنے کا موقعہ ملتا تھا نہ اظہار عقیدہ کی اجازت۔ مسلمانوں کی زندگی مکہ میں اجیرن ہو گئی۔ اور ہر شخص اداس اداس دکھائی دیتا تھا۔ رسولِ خدا ﷺ نے مسلمانوں کو ظلم و ستم کی کالی رات میں ہجرت کی اجازت دے دی۔ اور انہیں آگاہ فرمادیا کہ مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بھائی اور گھر مہیا کر رکھے ہیں جہاں وہ راحت و آرام سے رہیں گے۔ مسلمانوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنے اہل و عیال اور گھر بار کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی راہ لی۔ آج دو چار ہے تو کل دس بارہ۔ ان کے پیش نظر صرف اللہ کی خوشنودی تھی۔ وہ صرف اللہ کی رضا کے لیے اپنے وطن اور اپنے خاندان کو چھوڑ کر جا رہے تھے۔ مال و اولاد کی قربانی دے کر آخر سب مسلمان مدینہ منورہ جا پہنچے۔

مسلمان ہجرت نہ کرتے تو کیا کرتے؟ کیا وہ مشق ستم کا نشانہ بنے رہتے۔ اور آلام و مصائب سہتے رہتے؟ کیا اُن پر عبادتِ خداوندی کے دروازے بند نہیں تھے۔ کیا ان کے راستے بند نہیں تھے اور کئی کئی روز تک وہ گھر کی دہلیز سے قدم باہر نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس تنگی اور مجبوری کی وجہ سے انہیں کبھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑتی تو کبھی کسی کی امان میں رہ کر مکہ کی اذیتوں بھری زندگی پر صبر کرنا پڑتا تھا۔

اللہ کے رسول، نسل آدم میں سب سے بڑھ کر کریم و مہربان، آسمان کے سائے میں افضل ترین ہستی کیا ان کی گردن مبارک میں کپڑا ڈال کر لپیٹا نہیں گیا تھا کہ سانس بند ہو گئی تھی۔ کیا اس بلند قامت ہستی کے سر کو پتھروں سے کچلنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی؟ کیا آپ ﷺ کے خلاف قدم قدم پر سازشوں کے جال نہیں بچھائے گئے تھے؟ اگر اللہ تعالیٰ کی نظر عنائت نہ ہوتی تو یہ لوگ تو کب سے شمع ہدایت کو بجھا چکے ہوتے۔

مکہ اب شہر امن نہیں رہا تھا۔ مسلمانوں کے لیے تکلیفوں اور مصیبتوں کا گڑھ بن چکا تھا۔ ذلت و مسکنت کے گھر میں کوئی کتنی دیر تک ٹھہر سکتا ہے۔ اور عرب اس رسوائی کو کب تک برداشت کرتے جن کی گھٹی میں آزادی اور حریت تھی پھر وہ بھی مسلمان جو اسلام کے ماننے والے جو عزت و وقار کا دین ہے۔

اسلام صرف مکہ والوں کا دین تو نہیں تھا۔ یہ تو پوری کائنات کے لیے مشعل راہ تھا۔ ساری نسل آدم کے لیے ضابطہ حیات اور منشور زیست تھا۔ یہ اُن کے لیے بھی

منبع رشد وہدایت تھا جو اس وقت موجود تھے اُن کے لیے بھی خضر راہ حیات تھا جو قیامت تک آنے والے تھے۔ پوری خلق خدا نے اسی چشمہ حیوان سے پیاس بجھانا تھی خواہ وہ عربی ہوں۔ یا عجمی، گورے ہوں یا کالے۔ حاضر ہوں یا غائب بلکہ اُس وقت تک کے لیے جب اس زمین کے بدلے ایک اور زمین اور اس آسمان کے بدلے ایک نیا آسمان وجود پذیر ہو جائے گا۔ اس لیے ضروری تھا کہ مکہ کے پہلے مسلمان ہجرت کر کے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے ایک مثال قائم کر جائیں اور بہترین سبق چھوڑ جائیں مکہ کے مسلمانوں نے اپنے وطن کو خیر باد کہا اور مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ اہل مدینہ نے ان کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ انہیں اس طرح خوش آمدید کہا جس طرح ایک بھائی اپنے سگے بھائی کو خوش آمدید کہتا ہے۔ مدینہ کے انصار نے بازو پھیلا دیے اور مہاجرین کے لیے ایسے چشم براہ تھے جیسا اچھا پڑوسی اپنے پڑوسی کے لیے بے تاب ہوتا ہے۔

جب قریش کو اطلاع ملی کہ مسلمان تو مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر ان کا تدارک نہ کیا گیا اور اس دین کے خاتمے کے لیے پیش بندی نہ کی گئی تو محمد کا معاملہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ یہ دین ایک دن قوت بن کر ابھرے گا اور پورے عرب پر چھا جائے گا۔ قریش دارالندوہ میں اکٹھے ہوئے۔ سر جوڑ کر بیٹھے باہم مشورہ کیا۔ ایک دوسرے کی سنی اپنی اپنی رائے دی۔ یہ ان کا دستور تھا۔ جب بھی کوئی سنگین معاملہ پیش آتا تو سب دارالندوہ میں اکٹھے ہوتے اور غور وفکر کرتے تھے۔ آج بھی قریش کے بڑے بڑے زعماء اکٹھے تھے۔ سب سیانے بلائے گئے تھے۔ سب وڈیروں کو، سرداروں کو اور امیروں کو دعوت دی گئی تھی۔

ایک سردار کھڑا ہوا اور کہنے لگا:۔ آج کی اس محفل کا مقصد محمد کے بارے کوئی اہم فیصلہ کرنا ہے۔ آپ لوگ جانتے ہی ہیں کہ محمد غلبہ حاصل کر رہا ہے۔ اس کا دین روز بروز پھیل رہا ہے۔ اب صرف مکہ میں ہی نہیں یثرب میں بھی اس کے پیرو موجود ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے شہروں کے لوگ بھی اس کے اثر و رسوخ سے نہ بچ سکیں۔ اس سے پہلے کہ تم اپنی اپنی رائے کا اظہار کرو میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم نے جور و جفا کے سارے حربے استعمال کر لیے ہیں لیکن محمد نے صبر کیا ہے اور اپنے مشن سے سر مو بھی انحراف نہیں کیا۔ ہم نے ان کے ساتھیوں پر بھی ظلم و ستم

کے پہاڑ توڑے ہیں لیکن ان کے پاؤں میں ذرا برابر لغزش نہیں آئی۔ جب ہمیں اطلاع ملی کہ بنو حنیفہ نے اس کی دعوت قبول نہیں کی، ثقیف نے اس کو سخت اذیت دی ہے تو ہم بہت خوش ہوئے۔ اسی طرح عرب کے دوسرے قبیلوں میں اس کی ناکامی سے ہمیں خوشی ہوئی تھی اور خصوصاً ابو طالب کی موت تو ہمارے لیے بہت ہی اچھا شگون ثابت ہوئی تھی جو اس کی حفاظت کرتا تھا۔ لحظہ لحظہ اس کی نگرانی کے لیے تلوار بے نیام رکھتا تھا۔ لیکن افسوس کہ آج خزرج کے لوگ اس کے دست و بازو بن گئے اور اس کی پشت پناہی اور مدد کے لیے قسمیں کھانے لگے۔ بلکہ اوس اور خزرج کی دیرینہ دشمنی اسی شخص کی بدولت دوستی میں بدل گئی۔ آج وہ سگے بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ ان کا شیرازہ کیا مجتمع ہوا کہ محمد ایک بہت بڑی قوت بن چکا ہے۔ ان کے دلوں سے کینہ رخصت ہوا۔ بغض و عناد مٹ گیا۔ اگر بات اتنی ہوتی تو بھی کوئی اندیشہ نہ ہوتا اب تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ محمد کے ساتھی ان کی طرف ہجرت کر رہے ہیں اور وہ انہیں پناہ دے رہے ہیں۔ مکہ کے مسلمانوں کو نہ تو وطن کی پرواہ ہے اور نہ اپنے گھروں کی۔ نہ وہ مال و دولت کو کوئی وقعت دے رہے ہیں اور نہ ہی اہل و عیال کو۔ غالباً محمد بھی کچھ دنوں تک ان کے ساتھ جا ملے گا۔ پھر یہ مصیبت اور شدید ہو جائے گی۔ ہمارا ہر حربہ ناکام ہو جائے گا۔ پھر ہم ان کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ اور ہو سکتا ہے محمد ان لوگوں کو لے کر ہم پر حملہ کر دے، معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے اور الٹا ہم مصیبت میں پھنس جائیں۔

ابو البختری اٹھا اور چلایا: اسے پابہ زنجیر کر دو۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے قید میں ڈال دو۔ جس طرح کئی شعراء قید تنہائی میں مر جاتے ہیں یہ بھی قید خانے میں مر جائے گا۔

مگر لوگوں نے کہا کہ یہ کوئی مناسب رائے نہیں۔ تم جانتے ہو کہ پیرو اس کی دل و جان سے محبت کرتے ہیں اور اسے عقیدت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر انہیں پتہ چل گیا کہ محمد ہماری قید میں ہے تو وہ مل کر ہم پر حملہ کر دیں گے اور اسے ہمارے ہاتھ سے چھڑا کر لے جائیں گے۔ اس طرح ہمارے ہاتھ سے معاملہ نکل جائے گا۔

ابو الاسود بن ربیعہ بن عمرو نے کہا: ہم اسے اپنے درمیان سے نکال باہر کرتے ہیں اور شہر مکہ کے دروازے اس پر بند کر دیتے ہیں۔ جب وہ ہمارے شہر سے نکل جائے

گا تو خدا کی قسم ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہو گی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا اور وہ کہاں گیا۔

اہل مجلس نے اس تجویز کو بھی رد کر دیا اور کہا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اس کی باتوں میں کتنی حلاوت ہے۔ وہ کتنی پیاری پیاری باتیں کرتا ہے۔ اس کی گفتگو سامع کو مسحور کر دیتی ہے۔ خدا اگر تم نے اسے شہر بدر کر دیا تو وہ کسی دوسرے عرب قبیلہ کے پاس چلا جائے گا اور اپنی شیریں مقالی سے ان پر غلبہ حاصل کر لے گا۔ اور جب وہ اس کے گرویدہ ہو جائیں گے اور اس کی بات ماننے لگیں گے تو وہ انہیں لے کر ہم پر حملہ آور ہو جائے گا اور ہمیں پیس کر رکھ دے گا۔ یہ کھیل تمہارے ہاتھ میں نہیں رہے گا۔ وہ جو چاہے گا تمہارے ساتھ کرے گا۔ کچھ اور سوچو یہ تجویز مناسب نہیں۔ ابو جہل بن ہشام نے کہا: واللہ! میں ایک ایسی رائے رکھتا ہوں جس پر آپ تمام صاد کریں گے۔ سب اہل مجلس کہنے لگے کہ ابو الحکم! ضرور ضرور کہیے آپ کی کیا رائے ہے؟

ابو جہل نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک جوان لیا جائے۔ جو قوت و طاقت میں بے مثال، حسب و نسب میں اعلیٰ، جنگ و جدل میں مہارت تامہ کا حامل۔ تلوار کا دھنی جنگ آزمودہ اور میدان دیدہ ہو۔

پھر ہم ان جوانوں کو تیز دھار تلواریں تھمادیں۔ یہ جوان محمد پر یکبارگی حملہ کریں اور ایک ہی ضرب میں ایک آدمی کی مانند اسے قتل کر دیں۔ اس طرح اس کا خون مختلف قبیلوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ بنو عبد مناف تمام قبیلوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور خون بہا پر راضی ہو جائیں گے۔ پھر ہم تمام مل کر اس کا خون بہا ادا کر دیں گے۔

تمام لوگوں نے اس تجویز کو پسند کیا۔ ابو جہل کی رائے متفقہ طور پر منظور ہو گئی اور اس طرح مجلس برخاست ہوئی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیک دل، پسندیدہ خصائل اور کریم النفس انسان تھے۔ آپ اللہ کے محبوب ﷺ سے جنون کی حد تک عشق کرتے تھے۔ حتی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ رسول خدا کو چاہتے تھے۔ ان کی یہ دلی تمنا تھی کہ کاش کوئی وقت آتا کہ وہ محبوب کے قدموں پر جان کا نذرانہ پیش کرتے اللہ کے رسول بھی اس جنون محبت سے بے خبر نہیں تھے۔ وہ اپنے غلام کی محبت اور خلوص کو جانتے تھے

اسی لیے بارگاہ نبوی میں ابوبکر صدیق کو تمام صحابہ سے بڑھ کر قربت حاصل تھی۔ وفاداری اور کمال جاں نثاری ہی کی بدولت حضور نے انہیں صدیق کا لقب عطا کر رکھا تھا اور جہنم سے آزادی کا پروانہ لکھ دیا تھا۔

مکہ کے تمام مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت مل گئی۔ لیکن ابوبکر صدیقؓ کو اجازت نہ ملی۔ وہ جب بھی ہجرت کی اجازت لینے آتے حضور ﷺ فرماتے کہ جلدی کیا ہے۔ ہو سکتا ہے اللہ تمہارے لیے کوئی ساتھی پیدا کر دے۔ ابوبکر صدیق یہ الفاظ سن کر بہت خوش ہوتے اور تمنا کرتے کہ کاش اس سفر میں اللہ کے محبوب ﷺ کی رفاقت میسر آجائے۔ اسی لیے انہوں نے دو اونٹنیاں۔ خرید لیں تھیں اور انہیں سفر کے لیے مکمل تیار کر لیا تھا۔

جب قریش دارالندوۃ میں جمع تھے آپ کے خلاف سازشیں ہو رہی تھیں آپ کے قتل کے پروگرام بن رہے تھے اور آپ کے لیے مکروفریب کے جال بچھائے جا رہے تھے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو وحی کے ذریعے بتا رہا تھا کہ مکہ کے لوگ آپ کے قتل کے درپے ہیں۔ رات کے اندھیرے میں اپنی مذموم سوچ کو عملی جامہ پہنانے کا سوچ رہے ہیں۔ ان کی ایک سازش بھی کامیاب نہ ہو گی۔ میرے محبوب میں تجھے ان کے ہاتھوں سے بچاؤں گا۔ ان کی فریب کاریاں ناکام جائیں گی۔ عزم سفر کیجئے۔ مدینہ طیبہ کی طرف روانگی اختیار کیجئے۔

اللہ کے رسول ﷺ اسی وقت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں بتایا: ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے مجھے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی: اے اللہ کے حبیب! مجھے بھی اپنی رفاقت کی سعادت بخشیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں ابوبکر! تم میرے ساتھ جاؤ گے۔ آپ نے رات کے تیسرے پہر ملاقات کا وعدہ کیا۔ حضرت ابوبکر بہت خوش ہوئے اور سفر کی تیاری شروع کر دی۔

رسول خدا ﷺ گھر واپس تشریف لائے۔ آپ جانتے تھے کہ تھوڑی دیر میں عرب کے جوان میرے گھر کا محاصرہ کر لیں گے۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں چمکتی ہوں گی اور میرے خون سے اپنی پیاس بجھانے کے درپے ہوں گے لیکن آپ کو

یقین تھا کہ یہ لوگ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ آپ سکون سے گھر میں قیام فرما رہے۔

قریش کے منتخب کردہ جوان ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھامے کاشانہ اقدس کے ارد گرد کھڑے ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ اللہ کا رسول کس وقت باہر آئے کہ یکبارگی حملہ کر کے ان کا کام تمام کریں۔ لیکن آپ نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی اور اس سازش کو قابل اعتنا نہ سمجھا کیونکہ اللہ نے آپ کی عصمت و حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا تھا۔

جب نصف رات ہو چکی تو آپ گھر سے نکلے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ میرے بستر پر سو جائیں اور میری چادر اوڑھ لیں۔ پہرے پر موجود جوانوں پر نیند طاری ہو گئی اور وہ سو گئے۔ رسول کریم ﷺ کاشانہ اقدس سے باہر آئے لیکن انہیں کچھ خبر نہ تھی۔ وہ خفیہ تدبیر کر چکے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر کر چکا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ابوبکر صدیق کے گھر تشریف لے گئے۔ ابوبکر صدیق رسول خدا ﷺ کی معیت میں کھڑکی کے راستے گھر سے نکلے اور مدینہ طیبہ کی طرف چل دیے حتیٰ کہ غار ثور کے دہانے پر جا پہلے۔ دونوں دوست غار میں چھپ گئے۔

ادھر جو لوگ آپ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ آپ نکلیں تو یہ حملہ کر کے کام تمام کر دیں ساری رات بے سدھ سوئے رہے۔ جب صبح ہوئی تو انہیں پتہ چلا کہ وہ تو رات بھر علی پر پہرہ دیتے رہے ہیں۔ محمد بن عبداللہ تو گھر میں موجود ہی نہیں۔ وہ اسی وقت تیز تیز قدم اٹھاتے پریشانی اور اداسی کے عالم میں سرداران مکہ کے پاس پہنچے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ محمد بن عبداللہ بچ کر نکل گئے ہیں تو ان کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ سب انگشت بدنداں تھے کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔ ابو جہل حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر گیا اور حضرت کی بیٹی حضرت اسماء سے پوچھا: آپ کے ابو کہاں گئے؟

اسماء نے جواب دیا: مجھے کیا خبر کہ وہ کہاں تشریف لے گئے۔

ابو جہل نے اسماء کے چہرہ اقدس پر تھپڑ مارا اور گھر سے نکل کر واپس آیا اور مکہ کے لوگوں کو لے کر آپ ﷺ کو تلاش کرنے لگا۔ پاؤں کے نشانات دیکھتا دیکھتا غار ثور کے دہانے پر پہنچ گیا۔

لیکن اللہ نے انہیں بے نیل و مرام الٹے قدم پھیر دیا۔ انہیں دہانے پر کھڑے ہو

کریوں محسوس ہوا گویا غار خالی ہے اور اس میں کئی مدتوں سے کسی نے قدم نہیں رکھا۔

ابو جہل اور اس کے ساتھی مکہ لوٹ آئے اور اعلان کرنے لگے کہ جو شخص محمد کا پتہ دے گا اُسے سو اونٹ انعام ملے گا۔ سراقہ کنانی نے حامی بھر لی اور اپنے آپ کو اس کام کے لیے تیار کر لیا۔ اور شرط لگائی کہ اگر میں پتہ دے دوں تو یہ عہد پورا کیا جائے اور اگر وہ محمد کا پتہ بتا دے تو اسے سو اونٹ دیے جائیں۔

رسول خدا ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تین دن تک اس غار میں ٹھہرے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ روزانہ شام کو اسی غار کے قریب سے بکریاں گزارتا۔ رسول خدا ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ بکریوں کا دودھ دوھ کر پی لیتے اور اس سے روٹی بھی لے لیتے۔ عبداللہ بن ابو بکر قریش کے متعلق خبریں لاتے رہے۔ یہاں تک کہ تلاش و جستجو کا سلسلہ ختم ہو گیا اور وہ حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے غافل ہو گئے۔

عبداللہ بن اریقط دو اونٹنیاں لے آیا۔ دونوں دوست غار سے نکل کر مدینہ طیبہ کی طرف چل پڑے حضرت ابو بکر کو جب خدشہ لاحق ہوتا کہ دشمن کہیں پیچھے سے اچانک حملہ نہ کر دے تو آپ حضور ﷺ کے پیچھے چلنا شروع کر دیتے اور جب سوچتے کہ کہیں دشمن سامنے سے گھات لگائے نہ بیٹھا ہو اور اچانک حملہ کر دے تو آپ حضور ﷺ کے آگے آگے چلنا شروع کر دیتے۔ آخر سراقہ نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ گھوڑی دوڑا کر ان کے قریب آیا تو اس کی گھوڑی کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ اور اس کے ارد گرد سے دھواں بلند ہونے لگا۔ اور بگولے سے اٹھنے لگے سراقہ سمجھ گیا کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اور وہی اس کا محافظ و نگہبان ہے۔ اس لیے اس نے فوراً مدد اور نصرت کی التجا کی اور وعدہ کیا کہ وہ کسی کو ان کے متعلق کوئی خبر نہیں دے گا اللہ کے رسول ﷺ نے سراقہ کے لیے دعا کی واپس جا کر سراقہ خاموش رہا اور حضرت محمد ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ کے متعلق لوگوں کو کچھ نہ بتایا۔

مدینہ طیبہ کے مسلمانوں کی طرف پلٹتے ہیں۔ انہوں نے جب سے سنا تھا کہ رسول خدا ﷺ مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو وہ روزانہ شہر سے باہر آتے اور اس وقت تک گھر واپس نہ لوٹتے جب تک ان کے سائے پر سورج غالب نہ آجاتا۔ ایک دن سورج

شدت کی گرمی برس رہا تھا اور پاؤں زمین کی تپش سے جل رہے تھے، اہل مدینہ گھروں کی طرف واپس پلٹے ہی تھے کہ کسی نے زور سے آواز دی محمد تشریف لے آئے ہیں۔ لوگ دوڑ پڑے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق اور رسول کل محمد ﷺ ایک کھجور کے سائے میں کھڑے ستا رہے ہیں۔ لوگوں نے رسول خدا ﷺ کو اپنے دل میں جگہ دی اور روحوں سے احاطہ کر لیا۔ آپ بنی عمرو بن عوف میں ٹھہر گئے۔ چند دن یہیں قیام فرمارہے اور قبا میں مسجد کی بنیاد رکھی۔

پھر آپ اونٹنی لیکر نکلے۔ مہار ڈھیلی چھوڑ دی اونٹنی جب کسی قبیلہ سے گزرتی لوگ اس کی مہار تھام لیتے اور عرض کرتے آیئے اے اللہ کے رسول! ہمارے ہاں قیام فرمائیے۔ ہم غلام خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ آپ کی پوری پوری حفاظت کریں گے اور آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دیں گے۔ لیکن رسول خدا ہر قبیلہ کو یہی جواب دیتے کہ اس کا راستہ چھوڑ دو۔ یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے۔ اونٹنی چلتی رہی حتی کہ مالک بن نجار کے گھر پہنچ گئی اور اب جہاں مسجد نبوی کا دروازہ ہے اسی جگہ بیٹھ گئی۔ ان دنوں یہ جگہ کھجوروں کا کھلیان تھی جو سھل اور سھیل کی ملکیت تھی۔ یہ دونوں بھائی تھے۔ ان کے والد کا نام رافع بن عمرو تھا جو وفات پا چکا تھا اور ان بچوں کی کفالت اسید بن زرارہ کر رہے تھے۔ اونٹنی پھر اٹھ کر چل دی۔ رسول اللہ ﷺ ابھی تک سوار تھے حتی کہ حضرت ابو ایوب انصاری کے دروازے پر جا کر بیٹھ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ لو یہ ہے ہماری منزل پھر آپ نے یہ دعا پڑھی۔

رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلاً مُّبٰرَکاً وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ

"اے میرے رب! اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے" (المؤمنون: ۲۹)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ نے آپ ﷺ کا زاد سفر اٹھا کر گھر رکھ لیا۔ اسید بن زرارہ آئے اونٹنی کی مہار پکڑ کر لے گئے اور اسے اپنے گھر میں رکھا۔

اس کے بعد رسول خدا ﷺ نے مکہ کے مسلمانوں کو بلایا۔ اور انہیں مہاجرین کا نام دیا۔ اور جن مسلمانوں کا تعلق مدینہ طیبہ سے تھا انہیں انصار کا لقب عطا فرمایا۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی اور انہیں ایک راستے ایک مرکز یعنی صراط مستقیم پر جمع کر دیا پھر ایک نئے عزم کے ساتھ دعوت الی اللہ کا سلسلہ شروع فرمادیا۔

"غزوہ بدر"

مہاجرین کو مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے چند ہی دن ہوئے ہوں گے کہ انصار اور مہاجرین میں محبت واخوت کے رشتے مستحکم ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ جاں نثار بھائیوں اور ایثار خصلت پڑوسیوں کی سی محبت کرنے لگے۔ مگر مکہ والوں کی دشمنی اور ایذاء رسانیوں کے زخم ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے۔ اشاعت دین کی خبریں روز بروز آرہی تھیں اور وہ امید بھری نظروں سے اہل مکہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنے تخیل میں مکہ کی ان وادیوں کا چکر لگاتے جن میں ان کا بچپنہ گزرا تھا۔ انہیں وہ پانی یاد آتے جن سے وہ اپنی پیاس بجھاتے رہے تھے۔ مکہ کی روح پرور ہوائیں یاد آتیں جن میں عرصہ تک انہوں نے سانس لیے تھے۔ انہیں بیٹوں کی یاد ستاتی اور عزیز واقارب کے شگفتہ چہرے نظروں کے سامنے گھوم جاتے۔ انہیں خالو اور بچے یاد آتے۔ انہیں دوست یاد آتے اور ہم عمر احباب کی میٹھی میٹھی باتیں کانوں میں رس گھولتی محسوس ہوتیں۔

وہ لوگ جنہیں زبردستی جلاوطن کیا گیا اور اذیتوں اور ظلم وستم کی بدولت انہیں گھر چھوڑنا پڑا وہ چاہتے تھے کہ مکہ والوں کے تجارتی قافلہ کو روکا جائے جو شام جاتے ہوئے مدینہ طیبہ کے قریب سے گزرتے ہیں تاکہ انہیں مسلمانوں کی قوت کا احساس ہو اور وہ ڈر جائیں کہ کہیں معیشت تباہ نہ ہو جائے۔ اور اہم ترین تجارتی راستہ

مسدود نہ ہو جائے۔ ہو سکتا ہے اس طرح ان کی اسلام دشمنی کم ہو جائے۔ ان کے دلوں سے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور کدورت کا جذبہ زائل ہو جائے۔ اور دین حنیف کی اشاعت میں مسلمانوں کو جن مشکلات کا سامنا ہے وہ مشکلات ختم ہو جائیں اور دین کی تبلیغ آسان اور مؤثر ثابت ہو سکے۔

ہجرت کے دوسرے سال رسولِ خدا ﷺ نے عبداللہ بن جحش کو بھیجا۔ ان کے ساتھ مہاجرین کی ایک جماعت بھی تھی۔ حضور نے انہیں ایک خط دیا اور فرمایا کہ اس وقت تک اس خط کو نہیں کھولنا جب تک دو دن سفر نہیں کر لیتے۔ دو دن کے سفر کے بعد اسے پڑھنا اور اللہ کی طرف سے جو حکم ملے اس پر عمل کرنا۔ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو مجبور نہ کرنا۔

عبداللہ بن جحش چلتے رہے۔ وہ کچھ نہیں جانتے تھے کہ کہاں جا رہے ہیں۔ اور نہ ہی وہ یہ جانتے تھے کہ یہ سفر کس مقصد کے لیے کیا جا رہا ہے۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے وہ چلتے رہے۔ انہیں یقین تھا کہ اللہ کی اطاعت میں ہی بہتری ہے اور انہیں اطمینان تھا کہ اللہ کا رسول جو بھی فیصلہ فرماتا ہے مسلمانوں کی بھلائی کے لیے ہوتا ہے۔

وہ پورے دو دن تک سفر کرتے رہے۔ دو دن کے بعد خط دیکھا۔ خط میں لکھا تھا: جب آپ میرا یہ خط پڑھیں تو مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ کے مقام تک پہنچیں۔ وہاں قریش پر نگاہ رکھیں اور ان کے بارے ہمیں اطلاع دیں۔ عبداللہ بن جحش نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے لوگوں کو آگاہ کیا اور بتایا کہ آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ نخلہ کی طرف جاؤں، قریش پر نظر رکھوں اور ان کے بارے حضور ﷺ کو اطلاع دوں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں کسی شخص کو مجبور نہ کروں۔ تم میں سے جو شہادت کا طلب گار ہے اور اللہ کی راہ میں جان لڑانا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ چلے اور جسے یہ سودا منظور نہیں وہ واپس چلا جائے۔ بہر حال میں اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہوئے یہ جا رہا ہوں۔

تمام صحابہ ساتھ ہو لیے اور اطاعتِ رسول میں عبداللہ کے ساتھ معاونت کی حامی بھر لی۔ قافلہ نخلہ کی طرف چل پڑا۔ رسول اللہ ﷺ پر یقین اُن کا رہنما اور

خداوند ذوالجلال کی نظر عنایت اُن کی نگہبان تھی۔ انہیں بھروسہ تھا تو صرف اللہ کی قوت پر۔ دو آدمی قافلے سے بچھڑ گئے۔ یہ ایک ہی اونٹ پر آگے پیچھے سوار تھے۔ قافلے کو تلاش کرتے کرتے آرہے تھے کہ قریش کے ہتھے چڑھ گئے اور قیدی بن گئے۔

عبداللہ اپنے ساتھیوں کو لے کر نخلہ پہنچ گئے۔ وہاں سے قریش کا تجارتی قافلہ گزر رہا تھا۔ جب انہوں نے مسلمانوں کو راستے میں دیکھا تو وہ گھبرا گئے اور لڑائی سے پہلو تہی کرنے لگے۔ عبداللہ بن جحش کے ساتھیوں نے باہم مشورہ کیا۔ ایک نے کہا: بخدا اگر یہ ہاتھ سے نکل گئے تو کل حرم کی حدود میں پہنچ جائیں گے اور ہم ان پر حملہ نہیں کر سکیں گے اور اگر ہم انہیں قتل کر دیں تو بھی مناسب نہیں کیوں کہ یہ حرمت والا مہینہ ہے اور اس میں کسی کو قتل کرنا مناسب نہیں۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ عبداللہؓ کے ساتھی آہستہ آہستہ قافلے کی طرف چل دیے۔ قافلے والے ڈر گئے کہ شاید یہ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فوراً صف بنالی اور مال و متاع کے ارد گرد جمع ہو گئے۔

دونوں گروہ آمنے سامنے تھے۔ واقد بن عبداالتمیمی نے تیر مارا اور عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان قید کر لیے گئے۔ کافر جو مال اُٹھائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے وہ مسلمانوں کو عطا کر دیا اور تجارت کے اس مال سے کافر خالی ہاتھ ہو گئے۔

عبداللہ بن جحش اور اس کے ساتھی مالِ غنیمت اور قیدیوں کو لے کر واپس لوٹے اور فوراً انہیں رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ جب آپ کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہوئی ہے مشرکوں کو ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا ہے اور مسلمانوں کو اللہ نے غلبہ دیا ہے تو آپ نے فرمایا میں نے حرمت والے مہینے میں تمہیں جنگ کرنے کا حکم تو نہیں دیا تھا۔

آپ نے قیدیوں اور مال غنیمت کے بارے کوئی فیصلہ نہ فرمایا۔ اور اس وقت تک کچھ لینے سے انکار کر دیا جب تک اللہ کریم اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں فرما دیتے۔

مسلمان بہت پریشان ہوئے اور سوچنے لگے ہم تو ہلاک ہو گئے۔ دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں بھی ان کے لئے نفرت پیدا ہو گئی۔ ادھر جب قریش کو خبر

ہوئی کہ مسلمانوں نے تجارتی راستہ مسدود کر رکھا ہے اور ہمارے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے تو ان کا جذبہ انتقام بھڑک اٹھا اور کہنے لگے: محمد اور اس کے صحابہ نے حرمت والے مہینے حلال کر دیے ہیں۔ اور اس مہینے میں خونریزی کی ہے جس میں عرب قتل و غارت کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس مہینے کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے انہوں نے مال لوٹا ہے اور ہمارے آدمیوں کو قیدی بنایا ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ نے مجاہدین پر رحمت نازل فرمائی اپنے لطف و کرم کا انھیں سایہ مہیا فرمایا۔ اور اپنے کریم نبی کی طرف وحی فرمائی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ. قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ. وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ.

"وہ پوچھتے ہیں آپ سے کہ ماہ حرام میں جنگ کرنے کا حکم کیا ہے۔ آپ فرمایئے کہ لڑائی کرنا اس میں بڑا گناہ ہے۔ لیکن روک دینا اللہ کی راہ سے اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور (روک دینا) مسجد حرام سے اور نکال دینا اس میں بسنے والوں کو اس سے۔ اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اللہ کے نزدیک اور فتنہ (و فساد) قتل سے بھی بڑا گناہ ہے" (البقرہ: ۲۱۷)

جب قرآنِ کریم کی یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس خوف سے نجات دے دی تو اس سریہ میں حصہ لینے والے صحابہ کرام بہت خوش ہوئے اور اس مقابلہ میں شریک گروہ کے دل سے حزن و ملال کے چھائے بادل چھٹ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سامان تجارت اور قیدیوں کو قبول فرمالیا۔

قریش نے ایک وفد بارگاہ نبوی میں بھیجا تاکہ اسیروں کو فدیہ دے کر آزاد کرا لائے۔ مگر رسول کریم ﷺ نے فدیہ لے کر قیدیوں کی رہائی سے انکار کر دیا اور رہائی کے لیے لازمی قرار دیا کہ قریش ان کے دو قیدیوں کو واپس کریں۔ آپ نے فرمایا ہم کوئی فدیہ قبول نہیں کرتے جب تک ہمارے ساتھی واپس نہیں آجاتے۔ کیونکہ ہمیں

اندیشہ ہے کہ آپ انہیں قتل کر دیں گے۔ اگر آپ نے ان مسلمانوں کو قتل کر دیا تو ان کے بدلے میں ہم ان اسیروں کو قتل کر کے انتقام لیں گے۔

وفد نے رسول خدا ﷺ کی رائے سے اتفاق کیا اور یہ شرط تسلیم کر کے دونوں قیدی مسلمانوں کو واپس کر دیے۔ اللہ کریم نے مسلمانوں پر بڑی کرم نوازی فرمائی اور مدد و نصرت کا وعدہ سچ کر دکھایا۔

مگر عبداللہ بن جحش اور آپ کے ساتھی ابھی تک پریشان تھے اور ان کے دل سے ابھی تک حزن و ملال اور مایوسی کے بادل چھٹ نہیں پائے تھے۔ وہ اجر کے متمنی تھے اور ثواب کے آرزو مند۔ بارگاہ رسالت میں عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! کیا ہمیں اس بات کی امید کرنی چاہیے کہ اس جنگ میں اللہ کریم ہمیں جہاد کا اجر و ثواب عطا کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ آیات نازل کیں۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

"بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں (تو) یہی لوگ امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے" (البقرہ ۲۱۸)

اللہ کا یہ فرمان سن کر اُن کی ساری پریشانی ختم ہو گئی دل مطمئن ہو گئے اور روح میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ اللہ کی نعمت موسلادھار بارش کی طرح برس گئی تھی اور رحمت ایزدی نے انہیں سایہ مہیا کر دیا تھا۔

یہ سریہ سیاستِ اسلام کے بارے میں مختلف اصول فراہم کرتا ہے۔ یہ اس نظام کی پہلی اینٹ اور اہم ستون قرار پایا۔ اس میں مشرکین کے سوال کا جواب موجود ہے کہ حرمت والے مہینے میں جنگ کیسی ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ ان مہینوں میں جنگ گناہ کبیرہ ہے لیکن فتنہ و فساد اور راہ حق سے لوگوں کو روکنا جنگ سے بھی بڑا گناہ ہے۔ مسلمانوں کو وعدہ و وعید اور خوف و تہدید کے ذریعے دین سے دور کرنا، اللہ کے وجود کا انکار، مسجد حرام سے لوگوں کو نکالنا یہ سب چیزیں قتل سے بھی بڑے گناہ ہیں اور اس کا ارتکاب مکہ کے لوگوں نے کیا ہے۔ آج جو حرمت والے مہینوں کے تقدس کی

باتیں کر رہے ہیں انہوں نے خود ان مہینوں کا تقدس پامال کیا ہے اور ان گناہوں کا ارتکاب کر کے بھی مصر ہیں کہ ہمیں اس گناہ سے نہ روکا جائے اسی لیے بعد میں یہ اصول مستنبط کیا گیا کہ جو لوگ دعوت وارشاد کے سلسلے میں روڑے اٹکائیں اور لوگوں کو اپنے من پسند عقیدے سے پھیرنے کی کوشش کریں اُن کے خلاف جنگ فرض ہے۔

قریش نے اس سریہ کو اپنی بے عزتی اور ذلت تصور کیا۔ مالوں کے غارت ہونے لوگوں کے قتل ہونے اور کچھ آدمیوں کے اسیر ہونے سے انہیں اپنی قوت و طاقت خطرے میں پڑی نظر آنے لگی۔ اس لیے انہوں نے پورے جزیرہ عرب میں محمد اور اصحاب محمد ﷺ کے خلاف تحریک اٹھادی کہ انہوں نے حرمت والے مہینے میں جنگ کی ہے۔ انہوں نے اس بات کو اتنا اچھالا اور اسلام دشمنی کا وہ مظاہرہ کیا کہ مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ اب اہل مکہ سے صلح کسی صورت ممکن نہیں۔

ایک دن رسولِ کریم ﷺ نے مسلمانوں کو بتایا کہ ابوسفیان بن حرب قریش کے ایک تجارتی قافلے کی قیادت کرتے ہوئے شام سے مکہ آرہا ہے۔ اس قافلے میں تمام قریش کا مالِ تجارت ہے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ ہم اس قافلے کا راستہ روکیں گے۔ آپ نے فرمایا: یہ قریش کا قافلہ ہے اس کی طرف نکلو شاید اللہ تعالیٰ تمہیں مالِ غنیمت سے نوازے۔ کچھ لوگوں نے تو ہتھیار سجا لیے اور کچھ لوگ معمولی سامانِ جنگ لے کر نکل پڑے کیونکہ انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ جنگ ہو گی۔ ابوسفیان کو پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ اس لیے وہ بڑی احتیاط سے آرہا تھا۔ جب بھی کوئی عرب راہرو ملتا تو اُس سے راستے کی صورت حال کے بارے ضرور پوچھتا۔ کہ کہیں قافلہ لٹ نہ جائے اور سارا مال ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ راستے میں کچھ گھوڑ سواروں نے ابوسفیان کو یہ اطلاع دے دی کہ محمد (ﷺ) نے اپنے صحابہ کو قافلے پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا ہے ابوسفیان یہ بات سن کر تھرا گیا اور انجام کے بارے سوچنے لگا۔ بڑی سوچ وبچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ قریش کو واقعہ کی اطلاع کر دی جائے۔ اس نے ضمضمہ بن عمرو الغفاری کو مکہ بھیجا کہ قریش کو اطلاع دے اور بتائے کہ تمہارے مال لٹنے والے ہیں اور محمد نے اپنے ساتھیوں کو قافلے پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا ہے۔

مکہ میں عباس بن عبدالمطلب کی ولید بن عتبہ سے ملاقات ہوئی۔ عباس نے بتایا کہ عاتکہ نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ میں یہ خواب سن کر کانپ گیا ہوں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قریش پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔

ولید نے پوچھا: عاتکہ نے خواب میں کیا دیکھا ہے؟

عباس نے بتایا: اُس نے خواب میں ایک سوار کو دیکھا ہے۔ جو اپنے اونٹ پر سوار بڑھا چلا آتا ہے حتیٰ کہ وہ ابطح کے مقام پر ٹھہر جاتا ہے۔ پھر وہ بلند آواز سے چلاتے ہوئے کہتا ہے اے غدارو! نکل جاؤ۔ تمہارے قتل میں صرف تین دن باقی ہیں۔ اس کے بعد وہ سوار مسجد حرام میں داخل ہوتا ہے اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے مسجد میں آجاتے ہیں اور اس کے اردگرد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی اثناء میں اُس کا اونٹ اسے لے کر کعبۃ اللہ کی چھت پر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ سوار چلاتے ہوئے کہتا ہے۔ اے غدارو! نکل جاؤ۔ تمہاری موت میں صرف تین دن باقی ہیں۔ پھر یہ سوار جبلِ ابو قبیس کی چوٹی پر ظاہر ہوتا ہے اور پہلے کی طرح زور سے چلاتا ہے۔ اس کے بعد ایک بھاری پتھر اٹھا کر اترنا شروع کر دیتا ہے حتیٰ کہ پہاڑ کے دامن میں آجاتا ہے۔ اچانک وہ پتھر ٹکڑوں میں تبدیل ہو جاتا ہے اور مکہ کے ہر گھر میں اس پتھر کا ایک ٹکڑا گرتا ہے۔

یہ ہے عاتکہ کا خواب۔ عباس نے کہا: ولید! یہ خواب کسی اور کو نہیں سنانا۔ اس کے بارے کسی اور شخص سے ہرگز بات نہیں ہونی چاہیے۔

مگر ولید نے یہ خواب اپنے باپ کو سنا دیا۔ پھر تو ہر محفل میں، ہر گلی کوچے میں عاتکہ کے خواب کے تذکرے ہونے لگے۔ ہر شخص اس کا ذکر کرتا۔ ہر گھر میں اس کا چرچا ہوتا۔ پورے مکہ میں اس کی بازگشت سنائی دینے لگی۔

عباس بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا۔ ابو جہل اپنے چند دوستوں کے ساتھ بیٹھا عباس کی بہن عاتکہ کے خواب کا ذکر کر رہا تھا۔ جب عباس قریب آیا تو ابو جہل نے کہا: ابو الفضل! طواف سے فارغ ہو کر ذرا آنا۔

جب عباس طواف سے فارغ ہوا تو آکر اُن کے پاس بیٹھ گیا۔

ابو جہل نے کہا: اے عبدالمطلب کے بیٹے! یہ نبیہ تم میں کب سے پیدا ہو گئی ہے؟

عباس نے پوچھا: ابوالحکم! تو یہ کیسی باتیں کر رہا ہے؟

ابو جہل نے کہا: میں اس خواب کی بات کر رہا ہوں جو عاتکہ نے دیکھا ہے۔

عباس نے انجان بننے کی کوشش کی: عاتکہ نے کیا خواب دیکھا ہے؟

ابو جہل نے کہا: اے عبدالمطلب کے بیٹو! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارے مردوں نے نبوت کا دعویٰ کیا کہ اب تمہاری عورتیں بھی نبی بننے کی کوشش کرنے لگی ہیں؟ عاتکہ کہتی ہے کہ میں نے خواب میں ایک سوار کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ غدارو! نکل جاؤ تمہاری موت میں صرف تین دن باقی ہیں۔ ہم تین دن تک انتظار کریں گے۔ اگر تین دن میں عاتکہ کا خواب سچ ثابت ہوا تو ٹھیک ورنہ تمہارا گھرانا پورے عرب میں جھوٹا ترین گھرانا شمار ہوگا۔ عباس نے انکار کر دیا اور کہا کہ عاتکہ نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ پھر وہ مجلس برخاست ہوگئی اور عباس گھر آگیا۔

شام ہوئی تو بنی عبدالمطلب کی کوئی عورت ایسی نہیں تھی جو عباس کے پاس نہ آئی ہو اور اس سے جھگڑا نہ کیا ہو۔ ہر عورت نے یہی کہا کہ تو نے اس فاسق خبیث کی بات پر چپ سادھ لی۔ اُس نے مردوں کو گالی دی پھر عورتوں کے متعلق بکواس کرتا رہا اور تو خاموش رہا۔ تجھے اُس کی باتیں سن کر غیرت نہیں آئی۔

عباس نے کہا: خدا ایسا ہی ہے۔ اُس نے واقعی گالیاں دی ہیں۔ اگر میں چاہتا تو اسے اس سے بری گالی دے سکتا تھا لیکن میں خاموش رہا ہوں۔ میں ایک مرتبہ پھر اس کا سامنا کروں گا اگر اس نے پھر بکواس کی تو میں اس کو وہ سناؤں گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔

خواب کے تیسرے دن عباس مسجد میں گیا۔ وہ بہت غصے میں تھا۔ اس کی تیوری چڑھی ہوئی تھی چہرہ سرخ تھا اور ایسا لگتا تھا کہ اس کی کوئی قیمتی چیز گم ہوگئی ہے۔ جب وہ مسجد میں داخل ہوا تو ابو جہل پر نظر پڑی۔ عباس آہستہ آہستہ ابو جہل کی طرف چلنے لگا۔ وہ اسے جواب دینا چاہتا تھا اور کل کی گالی کا انتقام لینا چاہتا تھا۔

لیکن ابو جہل مسجد کے دروازے کی طرف متوجہ تھا۔ عباس سمجھ رہا تھا کہ شاید وہ سمجھ گیا ہے اور پہلو تہی کر رہا ہے لیکن اسی لمحے عباس نے ایک آواز سنی اور ایک ایسی چیخ اس کے کانوں سے ٹکرائی جس سے اُس کے کان واقف نہیں تھے۔ وہ سب کچھ بھول گیا اور فوراً مسجد سے باہر نکل گیا۔

ابو سفیان کا قاصد ضمضم بن عمرو الغفاری مکہ پہنچ چکا تھا۔ وہ اونٹ پر سوار تھا۔ اونٹ کی ناک چری ہوئی تھی۔ پلان الٹا پڑا ہوا تھا۔ ضمضم کی قمیص آگے سے اور پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ اور سب لوگ اُس کی طرف متوجہ تھے۔ وہ چیخ رہا تھا: اے قریشی جوانو! تمہارا قافلہ لٹ گیا۔ تمہارا مال تجارت جو شام سے ابو سفیان کے قافلے میں آرہا تھا غارت ہوا۔ محمد نے اپنے ساتھیوں سے مل کر ابو سفیان پر حملہ کر دیا ہے۔ فوراً پہنچو۔ مدد کرو۔ مدد کرو۔

لوگوں کی ساری توجہ اس کی طرف مبذول تھی۔ فوراً باہم مشورے کے لیے جمع ہو گئے۔ آخر اس بات پر اتفاق ہوا کہ فوراً ایک لشکر تیار کیا جائے جس میں ہر گھر کا کم از کم ایک فرد شامل ہو۔ اگر کوئی شخص خود نہیں جا سکتا تو اپنی جگہ کوئی بہادر مہیا کرے۔ سب قریش تیار ہو گئے کسی نے بھی گھر بیٹھے رہنا گوارا نہ کیا۔ صرف ابو لہب شامل نہ ہو سکا اس نے اپنی جگہ ایک شخص کو بھیجا جو اس کا مقروض تھا۔ چار ہزار درہم پر سودا طے پایا۔

جب تمام لوگوں کا چلنے پر اجماع ہو گیا اور تیاری مکمل ہو گئی تو قریش کو یاد آیا کہ کنانہ اور ان کے درمیان عداوت ہے۔ اور ان کی آپس میں کئی لڑائیاں ہو چکی ہیں بعض لوگ کہنے لگے کہ ممکن ہے کنانہ کے لوگ پیچھے سے حملہ کر دیں اور اس طرح وہ دشمنوں کے درمیان پس کر رہ جائیں۔ یہ بات سن کر لوگ مکہ چھوڑنے پر ہچکچانے لگے۔ لیکن سراقہ بن مالک جو کنانہ کا سردار تھا نے کہا کہ میں ذمہ لیتا ہوں کہ بنو کنانہ قریش پر حملہ نہیں کریں گے اور کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جو تمہیں ناپسند ہو۔ یہ سن کر لوگ مطمئن ہو گئے اور مکہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ مکہ میں کوئی ایسا آدمی نہ بچا جو جنگ کے قابل ہو اور کسی نہ کسی طریقے سے شریک جنگ نہ ہوا ہو۔

حضور ﷺ مدینہ طیبہ سے نکلے۔ ان کے آگے آگے دو سیاہ جھنڈے لہرا رہے تھے۔ ایک جھنڈا حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور دوسرا ایک انصاری کے ہاتھ میں۔

آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کی معیت میں باری باری اونٹوں پر سواری کرتے چلتے رہے حتیٰ کہ راستے میں ایک دیہاتی ملا۔ حضور ﷺ نے دیہاتی سے پوچھا کہ راستے میں کچھ لوگوں سے ملاقات تو نہیں ہوئی۔ لیکن اس کے پاس کوئی خاص خبر نہیں تھی۔

آپ مسلسل چلتے رہے یہاں تک کہ صفراء نامی بستی کے قریب پہنچ گئے۔ آپ نے چند صحابہ کو ابو سفیان بن حرب کی جاسوسی کے لیے بھیجا۔ سفر بدستور جاری رہا حتی کہ مسلمان وادی ذفران پہنچ گئے۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ یہاں پڑاؤ کیا جائے۔ لوگ اتر پڑے جاسوسوں نے خبر دی کہ قریش ابو سفیان کی حفاظت کے لیے مکہ سے نکل چکے ہیں۔

رسول کریم ﷺ نے لشکر قریش کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے مشورہ کیا۔ کیونکہ صورتِ حال اچانک بدل گئی تھی۔ اب ایک قافلے سے تعرض مقصود نہیں رہا تھا بلکہ ایک دشمن کا سامنا تھا جو لڑائی کے لیے ہتھیار سجا کر لشکر جرار کے ساتھ آ رہا تھا۔

حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور پر جوش تقریر کی: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو بھی حکم دیا ہے کر گزریے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا ہم اسرائیلیوں کی طرح حضور سے یہ نہیں کہیں گے۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ

"پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے" (المائدہ: ۲۴)

بلکہ ہم تو حضور کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں۔ چلئے آپ بھی اور آپ کا رب قدوس بھی دشمنوں سے جنگ کرو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ برکِ غماد کی طرف بھی رختِ سفر باندھیں گے تو ہم آپ کی معیت میں لڑتے اور آپ کی حفاظت کرتے وہاں بھی پہنچ جائیں گے۔ حضور ﷺ نے ان کے حق میں کلماتِ خیر فرمائے اور انہیں دعا دی۔

پھر حضور ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ آپ کا روئے سخن انصار کی طرف تھا۔ اس پر سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! شاید حضور ہم سے مخاطب ہیں؟ پھر انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور گواہی دی کہ جو پیغام آپ لائے ہیں وہ حق ہے۔ حضور! ہم نے آپ کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور آپ جو بھی حکم دیں گے اسے دل و جان سے تسلیم کریں گے۔ اے اللہ کے رسول! جو ارادہ ہے کر

گزریئے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو ہم سمندر میں بھی کود جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔ ہم میدان جنگ میں دشمن سے برسرپیکار ہونے کو ناپسند نہیں کرتے۔ ہم جنگوں میں ڈٹ جانے والے ہیں اور جان کی بازی لگانے میں شہرت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے آپ کو وہ چیز دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ پس آپ ہمیں لے کر میدان میں نکلیں اور اللہ سے مدد و نصرت کی درخواست فرمائیں۔

حضرت سعد بن عبادہ کے خیالات سن کر حضور ﷺ کا چہرہ اقدس کھل اٹھا۔ اور دل باغ باغ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: چلیئے اور یہ خوشخبری سن لیجیئے کہ اللہ تعالیٰ نے دو میں سے ایک پر فتح کا وعدہ فرمادیا ہے۔ بخدا یہ فتح یقینی ہے اور میں قریشیوں کے مقتل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں مسلمان چل پڑے یہاں تک کہ بدر (مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستے پر ایک کنواں) کے قریب پہنچ کر پڑاؤ کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے چند صحابہ کرامؓ کو قریش کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لئے کنویں کی طرف بھیجا۔ صحابہ کرامؓ جب کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ قریش کے دو آدمی پانی بھر رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ انہیں پکڑ کر لے آئے۔ ان سے پوچھ گچھ شروع ہوئی۔ تم کون ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم قریشی ہیں اور لشکر کے لیے پانی بھرنے آئے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ وہ تو سمجھ رہے تھے کہ یہ ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ مسلمانوں نے انہیں سرزنش کی اور دباؤ بڑھایا تو انہوں نے بتادیا کہ ہم ابوسفیان کے قافلے کے ساتھ ہیں۔ مسلمانوں نے ان پر سختی بند کر دی۔

جب یہ لوگ واپس پڑاؤ میں پہنچے تو رسول کریم ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے۔ جب آپ نماز ادا کر چکے تو صحابہ کرام نے آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا جب وہ سچ بولے تو تم نے انہیں مارا اور جب وہ جھوٹ بول رہے ہیں تو تم ان سے تعرض نہیں کر رہے۔ وہ سچ کہتے ہیں۔ ان دونوں کا تعلق قریشی لشکر سے ہے۔

پھر حضور ﷺ ان قریشیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا۔ کچھ قریش کے بارے میں بتاؤ۔ قیدیوں نے کہا۔ خدا کی قسم وہ اس ٹیلے کے پیچھے دور ایک میدان

میں پڑاؤ کر رہے ہیں جو سامنے نظر آ رہا ہے۔

آپ ﷺ نے دوسرا سوال کیا: لشکر کی تعداد کتنی ہے؟

قیدیوں نے بتایا: لشکر بہت زیادہ افراد پر مشتمل ہے۔

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: پھر بھی کتنے لوگ ہوں گے؟

قیدیوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

حضور ﷺ نے پھر سوال کیا: اچھا یہ بتاؤ وہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔

قیدیوں نے بتایا: کسی دن نو اور کسی دن دس اونٹ ذبح ہوتے ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ اے میرے صحابہ ان کی تعداد تقریباً نو سو اور ہزار کے درمیان ہے۔ پھر حضور ﷺ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ آج مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہارے سامنے لا کر پھینک دیے ہیں۔

ابوسفیان قافلے کے آگے آگے ذرا فاصلے پر چل رہا ہے۔ اسے خوف ہے کہیں محمد کے ساتھی اس پر اچانک حملہ نہ کر دیں۔ جب اُسے پتہ چلا کہ مسلمان تو فلاں جگہ اترے ہوئے ہیں اور جاسوسوں نے اطلاع دی کہ مسلمانوں کو قافلے کے بارے کچھ معلوم نہیں تو قافلے کے سارے لوگ واپس آگئے اور ابوسفیان نے راستہ تبدیل کر لیا اور بڑی شاہراہ کو چھوڑ کر قافلے کو ایک عام راستے پر لے کر نکل پڑا۔ اس طرح بدر اس کے بائیں طرف رہ گیا۔ وہ چلتا رہا حتی کہ محمد ﷺ اور آپ کے ساتھی بہت پیچھے رہ گئے اور اس طرح یہ قافلہ مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ کر نکل گیا۔

جب ابوسفیان نے دیکھا کہ قافلہ بچ نکلا ہے اور اس کی تجارت اور مال محفوظ پہنچ گیا ہے تو اس نے قریش کی طرف ایک آدمی بھیجا اور کہلا بھیجا کہ تم قافلے کی حفاظت اور اپنے آدمیوں اور مال کی سلامتی کے لیے نکلے تھے سو میں قافلے کو بچا کر لے آیا ہوں پس تم واپس ہو جاؤ۔

ابوجہل نے کہا: خدا کی قسم ہم واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ بدر کے مقام پر نہیں پہنچ جاتے۔ ہم وہاں ٹھہریں گے۔ گوشت بھونیں گے، شراب پئیں گے۔ لونڈیوں کے نغمات سے لطف اندوز ہوں گے اور ہم بہادری اور لشکر کشی کا ایک ایسا منظر پیش کریں گے کہ عرب کے قبیلے سن کر ہمیشہ کے لیے مرعوب ہو جائیں گے

اور کوئی ہمارے منہ لگنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ لہذا چلیے۔

لیکن اخنس بن شریق نے ابو جہل کی رائے سے اختلاف کیا۔ اور اس کی دلیل کو رد کر دیا۔ اور بنی زھرہ سے جن کا یہ حلیف تھا کہا: اے بنو زھرہ! تمہارے مال محفوظ ہیں۔ تمہارے لوگ بھی خیریت سے واپس آ گئے ہیں۔ ہمارے اکٹھے ہونے کا مقصد ابو سفیان اور تجارتی قافلے کی حفاظت تھا۔ پس واپس چلو۔ ہمیں کسی اور مقصد کے لیے نکلنے کی ضرورت نہیں۔ ہم ابو جہل کی بات نہیں مانتے۔

بنو زھرہ میں اخنس کی رائے کا بڑا احترام کیا جاتا تھا۔ اس لیے بنو زھرہ واپس چلے گئے اور کسی شخص نے بنو زھرہ سے جنگ میں شرکت نہ کی۔ قریش آگے چل دیے حتیٰ کہ وادی میں قریب کے میدان میں پڑاؤ کیا۔

صبح کا سپیدہ نمودار ہوا۔ مسلمان تجارتی قافلے کے انتظار میں تھے کہ دیکھیں کب گزرتا ہے۔ اسی اثناء میں خبر مل گئی کہ ابو سفیان کا قافلہ بچ کر نکل گیا ہے اور اب قریش کا لشکر مد مقابل ہے جو قریب ہی اترا ہوا ہے۔ یہ سن کر ان لوگوں کے دل مرجھا گئے جن کا مطمع نظر تجارتی مال و متاع تھا۔ اور وہ رسولِ خدا ﷺ سے جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ مکہ والوں کے اس لشکر سے جنگ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ

”اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ تعالیٰ نے ایک کا ان دو گروہوں سے کہ وہ تمہارے لیے ہے اور تم پسند کرتے تھے کہ نہتہ گروہ تمہارے حصہ میں آئے اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو حق کر دے اپنے ارشادات سے اور کاٹ دے کافروں کی جڑ (الانفال: ۷)

اللہ کا یہ فرمان سننا تھا کہ تمام مسلمان رسولِ خدا ﷺ کی قیادت میں کفار سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اور فوراً بدر کی طرف چل دیے۔ اللہ کریم نے مینہ بھی برسا دیا۔ پوری وادی میں پانی نظر آنے لگا۔ جس سے ریت بیٹھ گئی اور نقل و حرکت

میں آسانی پیدا ہو گئی۔ قریش چونکہ دلدلی جگہ پر تھے بارش آئی تو کیچڑ ہی کیچڑ نظر آنے لگا اور پاؤں اُٹھانا مشکل ہو گیا۔ رسولِ خدا ﷺ نے بڑھ کر بدر کے کنویں پر قبضہ کر لیا اور اس کے بالکل ہی قریب پڑاؤ کیا۔

رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس وقت ٹھہرنے کا حکم دیا ہی تھا کہ خباب بن منذر حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! اس جگہ آپ کیوں ٹھہر گئے؟ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس جگہ ٹھہرنے کا حکم دیا ہے؟ پھر تو ہم اس سے نہ ایک قدم آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ ایک قدم پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ یا یہ آپ کی رائے ہے۔ جنگی چال اور ذاتی تجربہ کی بناء پر ہے؟ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: یہ وحی نہیں بلکہ میری ذاتی رائے اور جنگی چال ہے۔ حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تو پھر یا رسول اللہ! ہم یہاں نہیں ٹھہریں گے۔ لوگوں کو اُٹھنے کا حکم فرمایئے تھوڑا اور آگے پڑاؤ کریں گے۔

پھر ہم پرانے حوض کے علاوہ چند چھوٹے حوض بنائیں گے اور انہیں پانی سے بھر لیں گے۔ جب جنگ شروع ہو گی تو دشمن پیاسا مرے گا اور ہم سیر ہو کر پانی پیتے رہیں گے اور تازہ دم ہو کر لڑتے رہیں گے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا آپ نے سچ کہا۔ یہ رائے بہت مناسب ہے۔

مسلمان آگے بڑھے حتیٰ کہ کنویں کے اور زیادہ قریب پہنچ گئے اور یہاں اتر پڑے۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ کنویں کا سارا پانی نکال لو اور چھوٹے چھوٹے حوض بنا کر انہیں بھر لو۔ سو آپ کے کہنے کے مطابق پانی حوضوں میں جمع ہو گیا اور بدر کے کنویں کا سارا پانی مسلمانوں نے اپنے قبضے میں لے لیا۔

مسلمانوں نے پانی کے لیے حوض بنا لئے اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ ابھی جنگ کے متعلق بات چیت جاری تھی کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے لیے عریش (کمان پوسٹ) بنا دیں کہ آپ اس میں تشریف فرما ہوں اور چند غلام حضور پر پہرہ داری کریں۔ اس طرح ہم بے خوف دشمن سے مقابلہ کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں غلبہ دے دیا اور دشمن پر ہم نے فتح حاصل کر لی تو ہمیں روحانی خوشی ہو گی کہ ہم نے اللہ کے رسول کو تکلیف نہیں دی۔ اور خدا

نخواستہ نتیجہ اس کے برعکس رہا تو آپ اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ پہنچ جانا اور ہمارے دوسرے بھائیوں سے جاملنا اور اے اللہ کے رسول! ہمارے بھائی جو مدینہ میں ہیں وہ ہم سے بڑھ کر آپ سے محبت کرتے ہیں۔ اگر آپ جنگ کے لیے انہیں للکاریں گے تو ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ اس طرح اللہ آپ کو ان کی وساطت سے محفوظ رکھے گا۔ آپ فریضہ دعوت وارشاد ادا کرتے رہیں گے اور وہ آپ کے زیر قیادت جہاد کرتے رہیں گے۔

حضور ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تجویز کو پسند فرمایا اور انہیں دعائیں دیں۔ آپ ﷺ کے لیے عریش بن گیا تاکہ شکست کی صورت میں آپ دشمن کے ہاتھ نہ لگیں اور یثرب میں دوسرے مسلمانوں کے ہاں قیام فرما ہو جائیں تاکہ حق کی دعوت کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے اور اس شمع ہدایت کی روشنی کائنات میں پھیلی ظلمتوں کو دور کر دے۔

قریش نے میدانِ جنگ کے دوسرے سرے پر پڑاؤ کیا۔ ایک جاسوس مسلمانوں کے لشکر گاہ کی طرف بھیجا کہ اطلاع لائے۔ جاسوس نے اطلاع دی کہ محمد (ﷺ) کے ساتھی تین سو سے کچھ کم یا زیادہ ہوں گے۔ ان تین سو لوگوں کے علاوہ کوئی کمک یا خفیہ دستہ نہیں۔ لیکن اگر اُن کا کوئی ملجا ہے تو وہ صرف ان کی تلواریں ہیں اور اگر ان کا کوئی قلعہ ہے تو وہ ان کا مضبوط ایمان اور کامل یقین ہے۔

قریشی جاسوس نے مسلمانوں کی بہادری کی ایسی تصویر پیش کی کہ لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ دلوں میں اسلامی لشکر کا رعب و دبدبہ بیٹھ گیا بزرگ اور سیانے لوگ اس سوچ میں پڑ گئے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ قلت کے باوجود مسلمان ہزار کے اس لشکر سے ٹکرانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ وہ تجربہ کار اور جنگ آزمودہ لوگ تھے اس لیے انہیں پتہ تھا کہ مسلمان بہادروں کا مکہ میں کیا عزت و مقام ہے۔ اسلامی لشکر میں بلا کے شاہسوار اور تلوار کے دھنی موجود تھے۔ قریشی سرداروں سے یہ بات چھپی ڈھکی نہیں تھی۔

عتبہ بن ربیعہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے قریشیو! خدا کی قسم تم محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں سے جنگ کر کے اچھا نہیں کر رہے۔ خدا کی قسم اگر تم غالب آئے تو ایک دوسرے کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے کیونکہ تم میں سے کوئی تو

دوسرے کے چچیرے کا قاتل ہو گا اور کوئی پھوپھی زاد بھائی کا قاتل۔ کوئی دوسرے کے بھائی پر تلوار اٹھانے والا قرار پائے گا تو کوئی کسی کے والد کا قاتل بن جائے گا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ واپس لوٹ چلو۔ محمد کو عرب پر چھوڑ دو۔ اگر عرب نے محمد (ﷺ) کا خاتمہ کر دیا تو تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو ہمیں اس سے کیا غرض۔

ابوجہل یہ باتیں سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ قریش کو اسلام دشمنی کی یاد دلانے لگا۔ انہیں یاد دلایا کہ وہ مسلمانوں سے کس قدر کینہ رکھتے ہیں۔ انہیں کئی واقعات یاد دلائے اور ان کے زخم تازہ کیے۔ انہیں بتایا کہ کل تمہارے آدمیوں کو مسلمانوں نے خون میں نہلایا ہے۔ کل تمہارے تجارتی قافلے کو لوٹا ہے۔ ابوسفیان کے قافلے کو لوٹنے کے لیے تگ ودو کی ہے اس سے قریش جنگ پر آمادہ ہو گئے اور آخر دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے۔

رسولِ کریم ﷺ دشمن کی کثرت اور جنگی تیاری دیکھ کر اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور انہیں حوصلہ دیا۔ صفیں درست کیں اور حکم دیا کہ اُس وقت تک حملہ نہ کریں جب تک حکم نہیں ملتا۔ مزید ہدایات دیں کہ دشمن قریب آئے تو اسے تیر سے روکو۔

پھر آپ نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ پکڑا اور عریش کی طرف آ گئے۔ آپ ﷺ کو اپنے صحابہ کی تکلیفوں کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اور مسلمانوں اور اسلام کے معاملے کے بارے ازراہِ شفقت بہت پریشان تھے۔

بارگاہِ ایزدی میں مدد و نصرت کی درخواست کی اور وعدہ پورا کرنے کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ حضور بارگاہِ ایزدی میں گریہ وزاری کرنے لگے۔

> "مولا! قریش فخر و ناز سے آئے ہیں۔ یہ تیرے دشمن ہیں اور تیرے رسول کی تکذیب کرتے ہیں۔ الٰہی! اپنی مدد و نصرت کا وعدہ پورا کر دکھا مولا! اگر یہ مختصر سی جماعت آج ہلاک ہو گئی تو قیامت تک تیری بندگی نہ ہو گی"

حضور ﷺ ہاتھ پھیلائے قبلہ رو ہو کر اللہ کریم سے دعا کرتے رہے حتیٰ کہ اس کیفیت میں چادر مبارک کندھے سے گر گر جاتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

پیچھے کھڑے تھے اور چادر مبارک اٹھا کہ کندھے پر ڈال رہے تھے آخر الحاء و زاری جب حد سے بڑھ گئی تو ابو بکر صدیق سے رہا نہ گیا۔ بڑھ کر حضور انور سے لپٹ گئے اور عرض کرنے لگے "حضور! بس کیجیے۔ اللہ کریم اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا"

لیکن یہ آہ و بکا جاری رہی۔ ہاتھ اُٹھے رہے اور چشمانِ مبارک سے آنسو موتیوں کی طرح گرتے رہے حتی کہ اسی حالت میں آپ پر نیند کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ نے اللہ کی مدد و نصرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور یہ حکم ملا۔

يَاۤ اَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ

"اے نبی! برانگیختہ کیجیے مومنوں کو جہاد پر اگر ہوں تم سے بیس آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوئے تم میں سے سو آدمی صبر کرنے والے تو غالب آئیں گے ہزار آدمیوں پر کیونکہ کافر وہ لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے" (انفال: ۶۵)

رسولِ خدا ﷺ پھر صحابہ کرام کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں للکارا اور فرمایا "اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے آج جو بہادری دکھائے گا، شجاعت سے جہاد کرے گا اور جنگ سے منہ نہیں موڑے گا۔ اللہ اُسے ضرور جنت میں داخل کرے گا"

آپ نے مٹھی میں کنکریاں بھریں اور دشمن کی طرف پھینک دیں اور فرمایا "دشمن کے چہرے خاک آلود ہوں" پھر صحابہ کو للکارا کہ ڈٹ جاؤ حضور ﷺ کی آواز سن کر مسلمانوں کے جسم میں بجلی سی کوند گئی اور یہ نعرہ فضا میں گونج اُٹھا۔ "احد! احد!"

رب قدوس نے مسلمانوں کی امداد کے لیے فرشتے اتارے جو انہیں کامیابی لا کامرانی کی بشارت دیتے تھے اور ان کے ایمان و یقین کو بڑھاتے تھے۔ حضور ﷺ جنگ کی شدت کی پرواہ کیے بغیر اگلی صفوں میں کھڑے صحابہ کرام کو حوصلہ دے رہے تھے اور انہیں جنگ پر زور دینے کا حکم دے رہے تھے۔ اور اپنی زبانِ مبارک سے بشارت دیتے جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کا معاون و مددگار ہے۔ فتح و کامرانی ان کا مقدر بن چکی ہے۔

رسولِ کریم ﷺ کی للکار سن کر مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ رسولِ محتشم کا ان کی صفوں میں کھڑا ہونا ان کے لیے باعثِ شجاعت و بسالت ٹھہرا۔ اللہ کریم نے فرشتوں سے ان کی مدد کی۔ قریش کے کئی آدمی قتل ہوئے اور کئی قیدی بن گئے۔ مسلمان جنگ کی بھٹی میں گھستے چلے گئے۔ گرد و غبار بلند ہوا اور فضا اٹ گئی اور قریش کے سر تن سے جدا ہونے لگے۔

حضرت بلال کی نظر امیہ بن خلف پر پڑ گئی۔ وہ مشرکین کی صفوں میں گھوم رہا تھا۔ یہ وہی امیہ تھا جس نے مکہ میں بلال پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے تھے جس نے بارہا انہیں گرم ریت پر لٹا کر بھاری پتھر سینے پر رکھے تھے۔ جو کہتا تھا کہ اسلام چھوڑ دو۔ محمد سے ناطہ توڑ لو ورنہ یونہی تڑپ تڑپ کر جان دے دو گے۔ تو بلال اس کے جواب میں احد احد پکارتا تھا۔ آج وہی امیہ سامنے نظر آ رہا تھا۔ بلال کے غصے کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ امیہ کی طرف بڑھے اور کہا: اے کفر کے سرغنہ، اے امیہ بن خلف! کوئی اور بچ جائے تو بچ جائے لیکن تو۔ تو ہرگز بچ کر نہیں جا سکتا۔ ایک اور مسلمان نے امیہ کو قید کرنے کی کوشش کی لیکن بلال بلند آواز سے پکارے نہیں...... تلوار سونت لی اور پلک جھپکنے کی دیر میں امیہ کے سر پر پہنچ گئے۔ پھر ایک بھرپور وار کیا اور ظلم و ستم کی اس مجسم صورت کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ غبار چھٹ گیا۔ جنگ ختم ہو گئی۔ میدان ٹھنڈے جسموں اور بکھرے لوتھڑوں سے اٹا پڑا تھا۔ قریش الٹے پاؤں مکہ کو لوٹے۔ چہروں پر اداسی اور پریشانی کی پرچھائیاں تھیں اور آنکھوں سے ذلت و رسوائی ٹپک رہی تھی۔

رسولِ خدا ﷺ نے حکم دیا کہ لاشوں کو گڑھے میں پھینکا جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ کبر و نخوت کے بت ایک گڑھے میں پڑے تھے اور رسول اللہ ﷺ گڑھے کے کنارے کھڑے فرما رہے تھے۔ "اے گڑھے میں پڑے لوگو! تم اپنے نبی کے لیے بہت برا قبیلہ ثابت ہوئے۔ تم نے میری تکذیب کی اور لوگوں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھے جلاوطن کیا اور لوگوں نے مجھے ٹھکانا دیا۔ تم نے میرے خلاف جنگ کی اور لوگوں نے میری مدد کی۔ تمہارے رب نے جو تم سے وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے سچ پایا؟

"میرے رب نے تو مجھ سے وعدہ فرمایا تھا وہ میں نے سچ پایا"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ایسے لوگوں سے مخاطب ہیں جن کے جسم گل چکے ہیں؟

حضور ﷺ نے فرمایا: "میری بات آپ ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ لیکن ان میں جواب دینے کی طاقت نہیں"

رسول خدا ﷺ جب مقتولین قریش کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے تو دیکھا کہ ابو حذیفہؓ بن عتبہ افسردہ نظر آرہے ہیں اور غم کی وجہ سے ان کا رنگ اڑا ہوا ہے۔ آپ نے پوچھا۔ ابو حذیفہ! شاید آپ اپنے والد کی وجہ سے پریشان ہیں؟ ابو حذیفہ نے عرض کی: خدا نہیں میں اس وجہ سے پریشان نہیں ہوں۔ حضور! مجھے یقین ہے کہ میرا باپ جنگ میں مارا گیا ہے۔ لیکن میں اس کی رائے اور عقلمندی سے واقف تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ بڑی قدرومنزلت کا حامل شخص ہے۔ اس لیے میں اس امید میں تھا کہ وہ ضرور اسلام لائے گا اور اسلام کی صداقت زیادہ دیر اس سے چھپی نہیں رہے گی۔ لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ اسلام کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا ہے۔ اور اُس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے اور اسلام کی سعادت سے محرومی اس کا مقدر ٹھہری ہے تو مجھے بہت افسوس ہوا۔

حضور ﷺ نے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کو تسلی دی اور ان کے لیے دعائے خیر کی۔

مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے لگے۔ قریش کی کمائی ہوئی دولت آج اُن کے قدموں میں تھی۔ وہ اللہ کی نصرت پر فرحاں و شاداں اور اس کی نعمت پر شاکر تھے۔

فدیہ کے بارے عتاب

قریش مکہ آئے تو دل ٹوٹ چکے تھے۔ بازو کٹ گئے تھے، ذلت ورسوائی نے سر جھکا دیے تھے۔ غم واندوہ نے جگر شق کر دیے تھے، حقد وکینہ سے دلوں کے خون خشک ہو گئے تھے۔ وہ آج اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے برسرپیکار ہو کر آئے تھے۔ میدانِ جنگ میں غبار اڑتے دیکھا تھا۔ نیزوں کی کھنکھناہٹ سنی تھی، بہادر کے مقابلے میں بہادر نے تلوار سونتی تھی۔ کفر اور اسلام اپنی اپنی بقا کے لیے سر توڑ کر لڑا تھا لیکن جب غبار چھٹا اور مطلع صاف ہوا وہ سو قتل ہو چکے تھے، سو پابہ سلاسل نظر آئے تھے۔ سارا مال ساری کمائی، گھوڑے، اونٹ سب مسلمانوں کے ہاتھ میں تھے۔ اگر مقتول اور

اسیر معمولی قسم کے لوگ ہوتے۔ غیر معروف اور عام آدمی ہوتے تو کوئی بات نہیں تھی۔ عرب میں قتل و غارت روز کا معمول تھا۔ لوگ جنگوں میں قید ہوتے رہتے تھے لیکن نہیں۔ مقتول اور قیدی معمولی درجے کے لوگ نہیں تھے۔ آج اُن کے بہادر، ان کے بہلول اور ان کے رئیس نظروں سے اوجھل تھے اسی لیے آج قریش کے لئے ذلت کا وہ دن تھا جسے پہلے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا تھا۔ آج رسوائی و ندامت کا وہ دن تھا جس سے بڑی ندامت کا دن تو کسی کے تصور میں بھی نہیں ابھرا ہوگا۔

لیکن اللہ نے اپنے رسول کو فتح و نصرت سے نواز دیا تھا۔ اور انہیں اپنی توفیق کے لیے چن لیا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ لاشوں کو گڑھے میں ڈالا جائے اور ان پر مٹی برابر کر دی جائے۔ پھر آپ ﷺ نے مالِ غنیمت کی طرف توجہ فرمائی اور اسے مسلمانوں میں عدل و انصاف کے اصولوں کے مطابق بانٹ دیا۔

اب قیدیوں کی باری آئی۔ سوال یہ پیدا ہوا تھا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ یہ کس سلوک کے مستحق ہیں؟ قیدیوں کے بارے ابھی کوئی نص نہیں اتری تھی۔ کوئی واضح اور صریح حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا۔ اور ان کی آراء کی روشنی میں کوئی مناسب اقدام کرنا چاہا۔ جنگی امور میں آپ ﷺ کی عادت مبارکہ یہی تھی۔ اگرچہ آپ عقل میں سب سے آگے اور مشکلات میں سب سے بہترین سوچ وچار کرنے والے تھے۔ حادثات میں جس عزم کا آپ اظہار فرماتے اتنا تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن آپ بادشاہوں کے لیے ایک بہترین نمونہ چھوڑنا چاہتے تھے اور شاہانِ عالم کے لئے ایک سنت وضع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا: قیدیوں کے بارے تمہاری کیا رائے ہے؟

حضرت ابو بکر نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! قیدی حضور کے ہم قوم اور رشتہ دار ہیں۔ ان کی جان بخشی فرما دیجئے اور قتل میں جلدی نہ فرمائیے۔ ہو سکتا ہے اللہ کریم انہیں اسلام کی طرف مائل کر دے۔ حضور! میری رائے تو یہ ہے کہ انہیں فدیہ لیکر چھوڑ دیجئے۔ یہ فدیہ آپ کے صحابہ کے معاشی استحکام کا سبب بنے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! انھی لوگوں نے آپ کو جلاوطن کیا۔ انھی بدبختوں نے آپ کی تکذیب کی۔ میری گزارش یہ ہے کہ ان کے

سر قلم کر دیجئے۔ یہ کفر کے سرغنے ہیں۔ اللہ کریم نے آپ کو فدیہ لینے سے غنی کر دیا ہے۔

حضور علیہ السلام نے دونوں کی بات سنی اور اس کے بعد دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے مشورہ کیا۔ اور پھر اپنے گھر تشریف لے گئے اور کسی رائے کا اظہار نہ کیا اور کوئی فیصلہ نہ سنایا۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کی آراء مختلف تھیں۔ ایک صحابی یہ کہہ رہا تھا کہ انہیں آپ کی تلواروں نے قیدی بنایا ہے۔ اسی وقت آپ تشریف لے آئے اور فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کے دل دین کے سلسلے میں نرم کر دے گا حتیٰ کہ وہ پتھر سے سخت ہوں گے۔ اے ابوبکر آپ کی مثال ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا۔

فَمَنۡ تَبِعَنِیۡ فَاِنَّهٗ مِنِّیۡ وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ

پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے۔ بیشک تو غفور رحیم ہے (ابراہیم: ۳۶)

اور اے عمر آپ کی مثال نوح کی طرح ہے جب انہوں نے دعا کی تھی۔

رَبِّ لَاتَذَرۡ عَلَى الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکَافِرِیۡنَ دَیَّاراً

"اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا" (نوح: ۲۶)

اے عمر آپ کی مثال حضرت موسیٰ کی مانند ہے جب انہوں نے دعا کی تھی۔

رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰی اَمۡوَالِهِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡا حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ۔

"اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تاکہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو" (یونس: ۸۸)

اور اے ابوبکر آپ کی مثال عیسیٰ کی مانند ہے جب انہوں نے عرض کی تھی

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ

اگر تو عذاب دے انہیں تو وہ بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش
دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے۔

(المائدہ : ۸۰)

آپ لوگ ضرورت مند ہیں۔ کوئی بھی نہیں بچے گا یا تو فدیہ دے گا یا اُس کی گردن اڑا دی جائے گی۔

یہ خبر مکہ کے گلی کوچوں میں گشت کرنے لگی اور قریش کی مجلسوں میں یہ بازگشت سنائی دینے لگی کہ محمد نے قیدیوں کے بارے اختیار دے دیا ہے کہ چاہے تو کوئی اپنے قیدی فدیہ دے کر چھڑا لے جائے چاہے تو گردن زنی کے لیے چھوڑ دے۔ لوگ مدینہ طیبہ دوڑے چلے آئے اور فدیہ دے کر قیدیوں کو رہا کرانے لگے۔

جب حضور ﷺ قیدیوں کے بارے میں فیصلہ دے چکے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کی اور عتاب فرمایا کہ قتل پر فدیہ کو ترجیح کیوں دی۔ مدینہ ایک نوزائیدہ سلطنت تھی۔ اس کی ابھی بنیاد رکھی جا رہی تھی اور ابتدا ہو رہی تھی۔ انہیں فدیہ سے زیادہ دشمنوں کے قتل کی ضرورت تھی تاکہ دشمن کی ذلت واضح ہو جاتی مسلمانوں کی شان و شوکت کی دھاک بیٹھ جاتی ان کی سلطانی کا ڈھنڈورا پٹ جاتا۔ دشمنوں کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت چھا جاتی اور دشمن کی ساری عظمت خاک میں مل جاتی۔ تاکہ پورا عرب کہہ اٹھتا کہ مسلم سلطنت قوت و طاقت کی انتہاؤں کو چھونے لگی ہے اور ان کی افرادی قوت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ رہا مال تو وہ عارضی متاع ہے۔ دشمن کو قتل کر کے کمزور کر دیا جاتا تو اس سے کہیں زیادہ فائدہ ہوتا۔ اس عتاب میں ایک اور حکمت بھی پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ حکمت و رحمتِ خداوندی کا تقاضا ہے کہ مجتہد کی خطا قابل مؤاخذہ نہیں ہے۔ اور اگر کوئی مخلص شخص تاویل میں خطا کر بیٹھے تو وہ بھی گناہ گار نہیں ہوگا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔

”نہیں مناسب نبی کے لیے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کر لے زمین میں۔ تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ چاہتا ہے (تمہارے لیے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور دانا ہے“ (انفال : ۶۷، ۶۸)

"غزوۂ احد"

ہجرت کے دوسرے سال کفر اور اسلام کے درمیان جو جنگ ہوئی اس میں قریش کو ذلت آمیز شکست ہوئی تھی۔ جو لوگ قتل یا اسیری سے بچ گئے تھے وہ مذموم و مدحور مکہ میں واپس آ گئے تھے۔ اس جنگ میں ان کے کافی لوگ میدان میں کام آئے تھے اور بہت سے اسیر ہو گئے تھے جنہیں بھاری فدیہ دے کر رہائی دلوائی تھی۔

یہ ابو سفیان بن حرب قریش کا سردار ہے۔ وہ حزبِ شیطانی کے ساتھ واپس لوٹتا ہے۔ ان کے سینوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے اور حقد و کینہ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ اور بدر میں مسلمانوں کی فتح و کامرانی نے ان کے دلوں کو راکھ کر دیا ہے۔

یہ رسول کریم ﷺ ہیں۔ وہ اپنے صحابہ میں تشریف فرما ہیں۔ قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر رہے ہیں۔ ضعیفوں سے نرمی کا سلوک کر رہے ہیں فقیروں کی جھولیاں بھر رہے ہیں۔ ان فاقہ مستوں میں ایک ابو عزہ الجمحی ہیں۔ حاضر خدمت ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول! میں فقیر ہوں، عیال دار ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ضرورت مند ہوں۔ حضور! میری جھولی بھر دیجئے۔ دریائے کرم جوش میں آ جاتا ہے اور ابو عزہ کا دامن بھر جاتا ہے۔

قریشِ مکہ سال بھر اسلحہ کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں اور دوسرے قبائل کو ساتھ ملانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہجرت کے تیسرے سال عبداللہ بن ربیعہ، عکرمہ بن ابو جہل، صفوان بن امیہ قریش کے ان لوگوں کے پاس جاتے ہیں جن کے باپ، بیٹے اور بھائی میدان بدر میں قتل ہوئے تھے وہ انہیں جنگ پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ اور انتقام لینے پر اکساتے ہیں۔ وہ جہاں جاتے ہیں یہی آواز لگاتے ہیں کہ اے قریشی خاندانو! محمد نے تمہیں تکلیف دی ہے۔ اس نے تمہارے بہترین لوگوں کو قتل کیا ہے۔ اس کے خلاف جنگ پر اپنے مالوں سے ہماری مدد کریں۔ ہو سکتا ہے ہم اپنی شکست کا بدلہ لے لیں۔

رفتہ رفتہ یہ آواز پوری قوم کے کانوں تک پہنچ گئی۔ سارا مکہ لشکر کی تیاری میں جٹ گیا۔ اور تیاری میں بہت زیادہ مال خرچ کر ڈالا۔ جبیر بن مطعم نے اپنے غلام کو کہا اگر تو محمد کے چچا حمزہ کو قتل کر کے میرے بدر میں قتل ہونے والے چچا کا بدلہ لے لے تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ دوسرے کافر بھی مال خرچ کرنے لگے۔ غلام جنگ کے لیے وقف ہونے لگے اور آقا خود بھی جنگ کی تیاری میں دلچسپی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَسَیُنْفِقُوْنَھَا ثُمَّ تَکُوْنُ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی جَھَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ

بیشک کافر خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے اور یہ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کریں گے۔ پھر ہو جائے گا یہ خرچ کرنا ان کے لئے باعث حسرت و افسوس پھر وہ مغلوب کر دیے جائیں گے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ دوزخ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ (انفال: ۳۶)

اللہ تعالیٰ کا کافروں سے یہی وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے سو اللہ نے وعدہ سچ کر دکھایا۔ اس بڑی جنگ کے دن اپنے بندوں کی مدد فرمائی۔ تمام قریش رسولِ خدا ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے جمع تھے۔ ابو سفیان قیادت کر رہا تھا۔ لشکر میں بنو کنانہ اور اہل تہامہ بھی شامل تھے شیاطین انہیں بھی اکسا لائے تھے۔

وہ انہیں اللہ کے خلاف جنگ کرنے پر ابھار رہے تھے۔ صفوان بن امیہ طلیقِ بدر ابو عزہ کے پاس گیا اور کہا: اے ابو عزہ! تو قادر الکلام شاعر ہے۔ اپنی شاعری سے ہماری مدد کیجیے۔ ہمارے ساتھ چلیے۔ لیکن ابو عزہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ محمد نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ میں اس کے خلاف تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔

صفوان بن امیہ نے کہا زبان سے نہ سہی جان سے تو ہماری مدد کر۔ اگر تو جنگ سے واپس آ گیا تو میں تجھے مالا مال کر دوں گا۔ تنگی و فراخی میں تیری بچیوں کو بھی وہی ملے گا جو میری بچیوں کو نصیب ہو گا۔

سرداران قریش نکلے اور عورتیں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ یہ لشکر کی ہمت بندھاتی تھیں اور جنگجوؤں کو آمادہ پیکار کرتی تھیں۔ لشکر قریش بصد فخر و بہر زار غرور چلتا ہوا مدینہ طیبہ کے مقابل احد پہاڑ کے قریب جا اترا۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کرام سے جنگی امور پر تبادلہ خیالات فرما رہے تھے۔ اور انکی تجاویز سن رہے تھے۔ حضور ﷺ فرما رہے تھے: اگر تم مناسب سمجھو تو مدینہ طیبہ میں رہو اور کفار کا لشکر جہاں اترا ہے اُسے وہیں پڑا رہنے دو۔ اگر وہ زیادہ دیر ٹھہریں گے تو اس سے صرف انہیں نقصان ہو گا اور اگر وہ پیش قدمی کریں گے تو ہم اُن سے جنگ کریں گے۔

عبداللہ بن ابی بن سلول رسول کریم ﷺ کی رائے سے اتفاق کرتا ہے اور اسی رائے پر عمل کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ مگر شہادت کے متوالے چند مسلمان بارگاہ نبوی میں عرض کرتے ہیں: یارسول اللہ! ہمیں دشمن کی طرف لے چلیے تاکہ وہ ہمیں کمزور اور بزدل خیال نہ کریں۔ عبداللہ بن ابی نے ان کی رائے کو رد کرتے ہوئے کہا: یا رسول اللہ! آپ مدینہ میں قیام فرما رہیں اور ان کی بات کی طرف توجہ مت دیں۔ بخدا ہم جب بھی مدینہ سے نکل کر لڑے ہیں ہمیں نقصان پہنچا ہے۔ لیکن جب کسی دشمن نے مدینہ میں داخل ہونے کی کوشش کی ہے تو اُسے شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ تمام لوگ اسی رد و اخذ میں تھے کہ رسولِ خدا نمازِ جمعہ ادا کرنے کے بعد کھڑے ہوئے۔ گھر تشریف لے گئے۔ اسلحہ زیب تن فرمایا اور پھر باہر تشریف لائے اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی۔ حضور! ہم نے آپ کو باہر نکل کر لڑنے پر مجبور کیا ہے۔ حالانکہ ہم یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ ہمارے کہنے سے اپنا فیصلہ

بدل دیں۔ ہم تو صرف اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے۔ اگر آپ کی منشاء ہے تو شہر بند ہو کر مقابلہ کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ کے نبی کے لیے مناسب نہیں کہ جب وہ جنگ کے لیے ہتھیار پہن لے تو پھر جنگ کیے بغیر انہیں اتار دے"

حضور ﷺ چل پڑے۔ ایک ہزار کا لشکر زیر قیادت تھا۔ ابن ام کلثوم کو امامت کے لیے مدینہ طیبہ چھوڑا۔ جب لشکر مدینہ اور احد کے درمیان پہنچا تو عبد اللہ ابن ابی بن سلول تین سو کی جمعیت لے کر لشکر سے الگ ہو گیا۔ ان تین سو مردوں کا تعلق خزرج کی شاخ بنو سلمہ اور اوس کی شاخ بنو حارثہ سے تھا۔ عبد اللہ بن ابی کو اعتراض تھا کہ حضور ﷺ نے دوسرے لوگوں کی بات کو ترجیح دی ہے اور اس کی تجویز کو قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ پھر اُس نے کہا اگر ہم جانتے کہ جنگ ہو گی تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ لیکن ہم ان کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے۔ عبد اللہ بن عمرو نے انہیں روکا اور فرمایا: اے میری قوم! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ اپنی قوم اور اللہ کے رسول کو رسوا نہ کرو۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور چلتے بنے۔ اب اُن کی پردہ دری کا وقت آ گیا تھا مالک ارض و سماء نے ان کی منافقت کا پردہ چاک کر دیا۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّالَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

اور دیکھ لے جو نفاق کرتے تھے اور کہا گیا ان سے آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا بچاؤ کرو (اپنے شہر کا) بولے اگر ہم جانتے کہ جنگ ہو گی تو ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے۔ وہ کفر سے اس روز زیادہ قریب تھے بہ نسبت ایمان کے۔ کہتے ہیں اپنے منہ سے (ایسی باتیں) جو نہیں ہیں اُن کے دلوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں کے بارے میں حالانکہ وہ خود

(گھر) بیٹھے تھے کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے۔ آپ
فرمائیے ذرا دور تو کر دکھاؤ اپنے آپ سے موت اگر تم سچے
ہو۔ (آل عمران : ۱۶۷)

حضور ﷺ چلتے رہے حتی کہ جبل احد کی وادی کے قریبی میدان میں جا اترے۔ میدانِ جنگ کا جائزہ لیا۔ پہاڑ پشت پر رکھتے ہوئے صفیں درست فرمائیں اور حکم دیا: "اُس وقت تک کوئی شخص جہاد شروع نہیں کرے گا جب تک ہم حکم نہیں دیتے"۔

حضور حملے کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ کے زیر کمان سات سو جاں نثار تھے۔ دشمن نے بھی صفیں ترتیب دیں اور حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان میں سے دو سو گھوڑ سوار تھے۔ قریشی لشکر کے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابو جہل کے دستے متعین تھے۔

حضور ﷺ نے اپنی تلوار لہرائی اور فرمایا: اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا؟

حضرت ابو دجانہ نے عرض کی: حضور! اس تلوار کا حق کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کا حق یہ ہے کہ اس سے دشمن کے سر قلم کیے جائیں حتی کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اس کا حق ادا کروں گا حضور ﷺ نے اپنی تلوار حضرت ابو دجانہؓ کے ہاتھ میں تھما دی۔ حضرت ابو دجانہ نے حضور کے دستِ اقدس سے تلوار لی۔ سر پر سرخ رنگ کا رومال لپیٹا اور صفوں میں سینہ تان کر چلنے لگا۔ حضور ﷺ نے شجاعت و بہادری کا یہ انداز دیکھا تو فرمایا: یہ چال اللہ کو پسند نہیں مگر جنگ کے میدان میں یہ اندازِ شجاعت و بسالت جائز و مستحسن ہے۔

قریشی لشکر کا قائد ابو سفیان علمبر دار قبیلے بنو عبد الدار کے پاس گیا، اسے جنگ پر ابھارا اور کہا: اے عبد الدار کے بیٹو! بدر کے دن بھی جھنڈا تمہارے ہاتھ میں تھا۔ اُس دن جو شکست ہوئی تم اس سے واقف ہو۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جھنڈا جس قوم کی تولیت میں ہوتا ہے وہی فتح و شکست کی ذمہ دار سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ جب جھنڈا سرنگوں ہو جاتا ہے تو قوم کی شکست یقینی ہو جاتی ہے اور جب تک جھنڈا فضا میں بلند رہتا ہے جوانیاں کٹتی رہتی ہیں مگر حوصلے پست نہیں ہوتے۔ اس لیے میں تمہیں

واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ اگر تم یہ جھنڈا بلند رکھ سکو تو ٹھیک ورنہ ابھی سے دستبردار ہو جاؤ ہم خود اس کی حفاظت کے لیے کافی ہیں۔

بنی عبدالدار نے علمبرداری قبول کر لی اور وعدہ کیا کہ یہ خدمت ہم بجا لائیں گے۔ رہا اس کا بلند رکھنا یا اسے سرنگوں کرنا تو کل ہر شخص دیکھ لے گا کہ بنو عبدالدار اپنے فرض کی ادائیگی کیسے نبھاتے ہیں۔

ھندہ بنت عتبہ اور چند دوسری معزز خواتین شریکِ جنگ تھیں وہ دف بجا کر نغمے الاپ رہی تھیں اور جوانوں کو آمادہ پیکار کر رہی تھیں لشکر ٹکرا گئے، جنگ شروع ہو گئی اور تھوڑی ہی دیر میں شعلے آسمان کو چھونے لگے۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سرور کائنات ﷺ کی تلوار لیے صفیں پلٹنے لگے۔ لڑتے بھڑتے آپ دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ اچانک ان کی نظر ایک انسان پر پڑی جو لوگوں کو جنگ پر ابھار رہا تھا۔ ابو دجانہ تیر کی تیزی سے گئے۔ تلوار فضا میں بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ایک نسوانی چیخ نے ابو دجانہ کا ہاتھ روک لیا۔ آپ نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ ہندہ بنت عتبہ تھی۔ ابو دجانہؓ کو اپنے سر پر دیکھ کر کانپ رہی تھی اور رو رہی تھی۔ ابو دجانہؓ کا ہاتھ جہاں تھا وہیں ٹھہر گیا۔ انہوں نے نبی محمد ﷺ کی تلوار کو ایک عورت کے خون سے آلودہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔

ادھر ایک حبشی غلام دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ لگتا تھا کہ وہ کسی کی تلاش میں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں ہو۔ اچانک وہ خاکستری اونٹ کی مانند بڑبڑایا اور آگے بڑھ کر اپنا حربہ پھینک دیا۔ اس کا یہ مشہور وار کارگر ثابت ہوا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ زمین پر آرہے اور جان جانِ آفریں کے حوالے کر دی۔

جنگ پوری شدت پر پہنچ گئی۔ رسول اللہ ﷺ انصار کے جھنڈے کے نیچے مسلمانوں کو للکارتے ہوئے آگے بڑھے۔ انہیں صبر اور استقامت کی تلقین کی۔ انہیں باہمی مخالفت سے ڈرایا۔ انہیں تلقین کی کہ اپنی جگہ مت چھوڑیں۔ کامیابی کے آثار دیکھ کر غرور میں نہ آجانا۔ دنیوی مال کی چمک دمک کے فریب میں نہیں آنا۔ مال غنیمت کے لالچ سے بچنا ہے۔ دشمن کا پیچھا اس لیے نہیں کرنا کہ مال و دولت ہاتھ لگے۔

اللہ کریم نے مسلمانوں پر اپنی نصرت کا نزول کیا اور اپنا وعدہ پورا فرمایا مشرکین پسپا ہونے لگے اور اُن کی ہزیمت قاب قوسین کی سطح پر نظر آنے لگی۔ مشرکین نے جنگ سے منہ موڑا ہی تھا کہ شیطانی حملہ اور نفسانی خواہش نے مسلمانوں کی فتح کو شکست سے بدل دیا۔ کئی مجاہدوں نے فتح کو ادھورا چھوڑ دیا اور مشرکین کا پیچھا کرنے سے رک گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جو نصیحتیں کی تھیں وہ انہیں یاد نہ رہیں۔ اللہ کے رسول کھڑے پکارتے رہے کہ اے اللہ کے بندو میری طرف آجاؤ۔ میری طرف آجاؤ مگر کسی نے ایک نہ سنی اور غنائم کو اکٹھا کرنے کے شوق میں اپنی جگہ کو چھوڑ دیا اور رسولِ خدا ﷺ کی حکم عدولی کر بیٹھے۔

انّ الّذین تولّوا منکم یوم التقی الجمعان انّما استزلّھم الشّیطٰن ببعض ما کسبوا۔

بیشک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم سے اُس روز جب مقابلہ میں نکلے تھے دونوں لشکر تو پھسلا دیا تھا انہیں شیطان نے بوجہ ان کے کسی عمل کے"(آلِ عمران : ۱۵۵)

مسلمانوں سے یہ خطا اُس وقت ہوئی جب فتح مسلمانوں کے جھنڈے سے بندھ چکی تھی کافروں کا جھنڈا ابو طلحہ کے ایک غلام کے پاس تھا۔ ایک مجاہد نے اُس کے دونوں ہاتھ قلم کر ڈالے لیکن اُس نے جھنڈا سینے سے چمٹالیا اور اس پر بیٹھ گیا۔ فوراً ایک عورت آگے بڑھی جس کا نام عمرۃ تھا اور وہ علقمہ حارثی کی بیٹی تھی۔ اس نے غلام سے جھنڈا لیکر پھر فضا میں بلند کر دیا۔ قریش فوراً پلٹے اور جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

مسلمان بھی واپس پلٹنے لگے۔ لیکن ان کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ صفوں میں فتور اور دلوں میں ضعف پیدا ہو گیا تھا۔ اب وہ بہت پریشان اور سراسیمہ تھے وہ ذکرِ خداوندی سے غافل ہو گئے تھے۔ قریش نے یکبارگی حملہ کیا تو گویا مصیبت ٹوٹ پڑی اور یہ دن مسلمانوں کے لئے امتحان کا دن بن گیا۔ کئی جاں نثاروں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ رسولِ خدا ﷺ تک بھی بدبخت پہنچ گئے آپ پر حملہ ہوا۔ سامنے کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ رُخِ انور زخمی ہوا اور ہونٹ پھٹ گئے۔

خبر مشہور ہو گئی کہ محمد ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ مسلمانوں پر سراسیمگی چھا گئی۔ دنیا اندھیر ہو گئی۔ زندگی بوجھ بن گئی۔ لیکن ایک عقدہ واضح ہوا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا وَّمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَسَنَجْزِى الشَّاكِرِيْنَ

اور نہیں محمد (مصطفیٰ) مگر (اللہ کے) رسول۔ گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیے جائیں پھر جاؤ گے تم اُلٹے پاؤں (دین اسلام سے) اور جو پھرتا ہے اُلٹے پاؤں تو نہیں بگاڑ سکے گا اللہ کا کچھ بھی اور جلدی اجر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو۔ اور نہیں ممکن کہ کوئی شخص مرے بغیر اللہ کی اجازت کے۔ لکھا ہوا ہے (موت کا) مقررہ وقت اور جو شخص چاہتا ہے دنیا کا فائدہ ہم دیتے ہیں اُس کو اس سے اور جو شخص چاہتا ہے آخرت کا فائدہ ہم دیتے ہیں اُسے اس میں سے اور ہم جلدی اجر دیں گے (اپنے) شکر گزار بندوں کو۔"

(ال عمران ۱۴۴:۱۴۵)

حضرتِ کعب بن مالک کی نظر پڑ گئی۔ دیکھا تو رسولِ خدا ﷺ کی چشمانِ مبارک کی چمک خود سے جھانک رہی ہے۔ حضرت کعبؓ نے بلند آواز سے پکارا: مسلمانو! مبارک مبارک! رسولِ خدا زندہ ہیں۔ ادھر آؤ آپ یہاں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ جب مسلمانوں کو رسولِ خدا ﷺ کی موجودگی کی اطلاع ملی تو سب پروانہ وار دوڑے چلے آئے۔ آپ ﷺ ان کے پہرے میں گھاٹی کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر، علی، طلحہ بن عبداللہ، زبیر بن العوام اور چند دوسرے جاں نثار تھے۔ اسی اثناء میں ابی بن خلف نے حضور کو دیکھ لیا۔ آگے آیا اور پوچھا محمد کہاں ہے؟ اگر آج وہ بچ جائے تو میں نہ بچ پاؤں۔

مسلمانوں نے اجازت طلب کی : حضور! اذن ہو تو اس گستاخ کا سر کاٹ کر قدموں میں رکھ دیں؟ آپ نے فرمایا : نہیں۔ اسے آنے دو۔ جب وہ بالکل قریب آ گیا تو سرورِ کائنات نے نیزہ لیا اور اس کی گردن پر چرو کر دیا۔ یہی معمولی زخم اُس کی موت کا سبب بن گیا۔

علی المرتضیٰ پانی لے کر آئے۔ زخموں کو دھویا۔ خون بند کیا۔ نقاہت اتنی بڑھ گئی تھی کہ بیٹھ کر نماز ادا فرمائی۔

میدانِ احد میں اسلام اور کفر کے درمیان جنگ کی چکی ٹھہر گئی تھی۔ مسلمانوں کو شکست کا سامنا تھا۔ ستر شہید ہو گئے تھے حالانکہ وہ ایک دفعہ فتح حاصل کر چکے تھے لیکن اللہ کا فیصلہ یہی تھا جو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا اَرٰكُمْ مَا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ، ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ آمَنَةً نُعَاسًا يَغْشٰى طَآئِفَةً مِنْكُمْ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَىْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِىْ اَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ۔ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَىْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا۔ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِىْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ۔ وَلِيَبْتَلِىَ اللّٰهُ مَا فِىْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (آل عمران: ۱۵۲ تا ۱۵۴)

"اور بیشک سچ کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ جب کہ تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم بزدل

ہو گئے اور جھگڑنے لگے (رسولؐ کے) بارے میں اور نافرمانی کی تم نے اس کے بعد کہ اللہ نے دکھادیا تھا تمہیں جو تم پسند کرتے تھے۔ بعض تم میں سے طلبگار ہیں آخرت کے۔ پھر پیچھے ہٹادیا تمہیں ان کے تعاقب سے تاکہ آزمائے تمہیں اور بے شک اس نے معاف فرمادیا تم کو اور اللہ تعالیٰ بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے مؤمنوں پر یاد کرو جب تم بھاگے جارہے تھے اور مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے کسی کو اور رسول کریم بلا رہے تھے تمہیں پیچھے۔ پس اللہ نے پہنچایا تمہیں غم کے بدلے غم تاکہ تم نہ غمگین ہو اس چیز پر جو کھو گئی ہے تم سے اور نہ اس مصیبت پر جو پہنچی ہے تمہیں اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے جو کچھ تم کر رہے ہو پھر اتاری اللہ تعالیٰ نے تم پر غم واندوہ کے بعد راحت (یعنی) غنودگی جو چھارہی تھی ایک گروہ پر تم میں سے اور ایک جماعت ایسی تھی جسے فکر پڑا ہوا تھا (صرف) اپنی جانوں کا بدگمانی کر رہے تھے اللہ کے ساتھ بلاوجہ عہد جاہلیت کی بدگمانی کہتے ہمارا بھی اس کام میں کچھ دخل ہے۔ آپ فرمایئے اختیار تو سارا اللہ کا ہے۔ چھپائے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر کہتے ہیں (اپنے دلوں میں) اگر ہوتا ہمارا اس کام میں دخل تو نہ مارے جاتے ہم (اس بے دردی سے) آپ فرمایئے کہ اگر تم بیٹھے ہوتے اپنے گھروں میں تو ضرور نکل آتے (وہاں سے) وہ لوگ لکھا جاچکا تھا جن کا قتل ہونا اپنی قتل گاہوں کی طرف (یہ سارے مصائب اس لیے تھے) تاکہ آزمالے اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے سینوں میں (چھپا) تھا اور صاف کردے جو (میل کچیل) تمہارے دلوں میں تھا۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کا" (آل عمران: ۱۵۲تا۱۵۴)

جنگ ختم ہو چکی تھی۔ ابوسفیان بن حرب واپسی کا ارادہ کر رہا تھا کہ مسلمانوں

پر نظر پڑی۔ بلند آواز سے کہنے لگا: لڑائی کا پانسہ پلٹتا رہتا ہے۔ آج ایک کو فتح تو کل دوسرے کو حاصل ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر اٹھو اور اسے جواب دو۔ حضرت عمر نے فرمایا: اللہ سب سے بلند اور سب سے زیادہ شان کا مالک ہے۔ اس کے برابر کوئی نہیں! ہمارے مقتول جنت کے مستحق ہیں جبکہ تمہارے جہنم کا ایندھن بن گئے۔ ابوسفیان حضرت عمر کی بات سن کر پریشان سا ہوا۔ اور پھر حضرت عمر کو اپنی طرف بلایا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عمر! جاؤ۔ دیکھو کیا کہتا ہے۔ حضرت عمر تشریف لے گئے۔ ابوسفیان نے پوچھا۔ اے عمر! تمہارا بھلا ہو۔ کیا ہم نے محمد کو قتل کر دیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا نہ کرے۔ وہ آپ کی اس بات کو سن رہے ہیں۔

ابوسفیان چلا گیا۔ رسول کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے بھیجا اور حکم دیا کہ انہیں دیکھتے رہنا۔ اگر وہ گھوڑے چھوڑ کر اونٹوں پر سوار ہو جاتے ہیں تو گویا وہ مکہ کی طرف جا رہے ہیں اور اگر گھوڑوں پر سوار ہیں تو یقینی طور پر مدینہ طیبہ پر حملے کا ارادہ رکھتے ہیں اگر انہوں نے یہ حماقت کی تو ہم اسی وقت اُن کے مقابلے کے لیے جائیں گے اور انہیں بتا دیں گے کہ مدینہ پر حملہ کرنا مذاق نہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ گئے مگر کافر اونٹوں پر سوار مکہ کی طرف جا رہے تھے۔

اس جنگ میں بہت سارے مسلم شہداء کا مثلہ کیا گیا تھا۔ قریشی عورتوں نے مسلمان شہداء کے ناک کان کاٹ کر گلے کے ہار بنائے تھے۔ ہندہ نے حضرتِ حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر چبا لیا تھا۔ لیکن جب نہ نگل سکی تو اسے تھوک دیا تھا۔ حضور ﷺ کے حکم سے انہیں ان کی چادر میں کفن دیا گیا اور آپؐ نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر دوسرے شہداء کو حضرت حمزہ کے پہلو میں لایا گیا۔ پھر آپ نے ان پر بہتر نمازیں پڑھیں۔ اور انہیں دفن کرنے کا حکم دیا۔ شہداء کی تجہیز و تکفین کے بعد آپ دشمن کے تعاقب میں تشریف لے گئے۔ جھنڈا ابھی تک بندھا ہوا تھا اور اسے کھولنے کا حکم نہیں ملا تھا۔ آپ نے حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ دشمن کو خوفزدہ کرنا چاہتے تھے اور اسے یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ خدائی

طاقت کبھی بھی مغلوب اور منصور نہیں ہو سکتی۔

جب ابو سفیان اور اس کے لشکر کو خبر ہوئی کہ مسلمان ان کا پیچھا کر رہے ہیں تو ان کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ دم دبا کر مکہ مکرمہ بھاگ گئے۔ قدم قدم پر انہیں یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں مسلمان پہنچ نہ جائیں۔

انَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئاً وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَلَايَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔

"بیشک جنہوں نے خرید لیا کفر کو ایمان کے عوض میں ہرگز نقصان نہ پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے۔ اور نہ خیال کریں جو کفر کر رہے ہیں کہ ہم جو مہلت دے رہے ہیں انہیں یہ بہتر ہے اُن کے لیے۔ صرف اس لیے ہم تو انہیں مہلت دے رہے ہیں کہ وہ اور کر لیں گناہ اور ان کے لیے عذاب ہے ذلیل و خوار کرنے والا"

(آل عمران: ۱۷۷، ۱۷۸)

"بنو نضیر"

اے عمرو! کہاں سے آرہے ہو؟ تمہاری آنکھیں بتارہی ہیں کہ کوئی خاص بات ہے۔ لگتا ہے کہ تم سے کوئی بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ تمہارے دل میں ضرور کوئی طوفان ہے۔

عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو زمانہ جاہلیت کے مشہور بہادر اور اسلام کے بعد بطل جلیل کی حیثیت سے سامنے آئے تھے یہ سنتے ہی ٹھہر گئے۔ اور مخاطب سے فرمایا: تو نے میرے دل کی بات پالی ہے اور مجھے سمجھنے میں بالکل غلطی نہیں کی۔ میں مدینہ طیبہ کی طرف آرہا تھا کہ راستے میں بنی عامر کے دو آدمیوں سے آمنا سامنا ہو گیا۔ میں نے ان دونوں کو قتل کر دیا اور ان کے خون سے زمین رنگین کر دی۔ میں ان سے بئر معونہ کے شہداء کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں انتقام کی بھڑکتی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے درپے تھا کیونکہ جب سے یہ واقعہ پیش آیا تھا مسلمان سخت پریشان تھے۔

مخاطب نے کہا: افسوس! یہ تم نے کیا کر دیا۔ تم تو بہت بڑی غلطی کر بیٹھے۔ عمرو! تم تو سمجھ رہے ہو کہ بنی عامر کے لوگوں کو قتل کر کے تم نے کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے لیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم نے بہت برا کیا ہے۔ تم نے

انتقام لے کر حرام گھوڑے کی سواری کی ہے۔ تو نے تو مسلمانوں کو پھنسا دیا ہے۔ اور انہیں نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کے مصداق کر چھوڑا ہے۔ جن دو عامریوں کو تو نے قتل کیا ہے اور جسے انتقام سمجھ رہا ہے ان کا رسولِ خدا ﷺ سے معاہدہ ہو چکا تھا۔ وہ دونوں مسلمانوں کی پناہ میں تھے۔ آؤ رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں چلیں وہیں صحیح صورتِ حال معلوم ہو گی۔

عمرو پریشان ہو گئے کہ اُن سے خطا ہو گئی ہے۔ دو آدمیوں کا انتقاماً قتل جب کہ ان سے معاہدہ ہو چکا تھا۔ بہت سٹپٹائے۔ نہ جانے اس کی سزا کیا ملے۔ دھڑکا سا لگا ہوا تھا۔ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ پریشان تھے کہ دیکھیں کیا فیصلہ صادر ہوتا ہے۔

عرض کی: حضور! بنی عامر کے دو آدمی مدینہ طیبہ کے راستے میں مل گئے۔ میں نے انہیں قتل کر دیا۔ میں سمجھا کہ شاید بئر معونہ کے شہداء کا انتقام لے رہا ہوں۔ رسولِ خدا ﷺ کے چہرہ اقدس کا رنگ فق ہو گیا۔ اور آنکھوں کے سامنے غم و اندوہ کے بادل چھا گئے۔ اور فرمایا: مجھے ان دونوں کی دیت دینا ہو گی۔

مگر ان بوریہ نشین رسولِ ﷺ کے پاس اتنی دولت کہاں کہ دو آدمیوں کی بیک وقت دیت ادا کریں۔ لیکن کریں تو کیا کریں۔ دیت تو فوراً دینا تھی۔ اسے ٹالا تو نہیں جا سکتا تھا اور نہ ہی اسے مؤخر کیا جا سکتا تھا۔ آپ نے سوچا ہم بنی نضیر کے پاس جائیں گے کیونکہ وہ مسلمانوں کے حلیف ہیں اور ان کے ساتھ ایک معاہدہ ہو چکا ہے۔ میثاقِ مدینہ کی روشنی میں یہ طے پایا تھا کہ باہم جنگ نہیں ہو گی۔ وہ باہم ایک دوسرے کو تکلیف نہیں دیں گے۔ بنی عامر سے بھی معاہدہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا دیت کے راستے میں کوئی خاص رکاوٹ تو نہیں۔

آپ ﷺ نے چند صحابہ کو بلایا اور انہیں ساتھ لے کر مدینہ طیبہ سے باہر اس جگہ تشریف لے گئے جہاں بنو نضیر کی رہائش تھی۔

حی بن اخطب بنی نضیر کا سردار کھڑا ہوا اور بولا: یہ محمد بن عبداللہ ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے صحابہ کرام بھی تشریف رکھتے ہیں۔ انہوں نے بڑی کرم نوازی کی۔ ہمیں شرفِ زیارت بخشا۔ دوستو! یہ ہمارے پاس کسی خاص کام سے آئے ہیں۔ ذرا آؤ کہ دیکھیں وہ کس مقصد کے لیے تشریف لائے ہیں۔

بنو نضیر ہشاش بشاش مسلمانوں سے ملے۔ بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آئے مگر ان کے دلوں میں چور تھا اور غصے کی وجہ سے ان کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔

حی بن اخطب نے کہا: خوش آمدید! اے محمد! اھلاً و سھلاً۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان بنی عامر کے دو آدمی قتل کر بیٹھا ہے۔ وہ انہیں غلطی سے دشمن سمجھ بیٹھا اور انہیں قتل کر دیا۔ مگر وہ دونوں ہمارے حلیف تھے اور ہمارا ان سے معاہدہ ہو چکا تھا۔ میرے آنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ دیت کی ادائیگی میں ہماری مدد کریں۔

حی نے کہا: محمد! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ کیوں نہیں ہم آپ کی یہ خواہش پوری کریں گے۔ لیکن آپ ذرا اس مکان میں آرام کریں۔ ہمیں مال جمع کرنے کے لیے کچھ وقت چاہیے۔ آپ انتظار کریں۔ ہم فوراً دیت کی رقم جمع کر کے حاضر ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام دیوار کے سائے میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ بنو نضیر اکٹھے ہو کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور حضور اکرم ﷺ کے قتل کی سازش کرنے لگے۔ ہر شخص اپنی رائے دینے لگا۔ ایک شخص اپنے دوسرے ہم قوم کو ابھارنے لگا۔ کہنے لگے ہم محمد کو قتل کیوں نہیں کر سکتے جبکہ وہ ہمارے گھر آیا بیٹھا ہے۔ انہوں نے سوچا یہ موقعہ ہاتھ سے نہیں جانا چاہیے۔ یہ موقعہ محمد نے خود ہی مہیا کیا ہے۔ اُس نے خود کو ہمارے سپرد کر دیا ہے اب تو اس کا مددگار بھی کوئی نہیں کوئی نہیں جو اسے ہمارے ہاتھ سے بچا سکے۔ یہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں محض چند افراد ہی تو ہیں۔ ان میں جرأت کہاں کہ بنو نضیر کے بہادروں کا مقابلہ کر سکیں۔ اور پھر یہ تو خالی ہاتھ بھی ہیں۔ کہنے لگے: اگر تم اسے قتل کر دو گے تو آرام و سکون کی زندگی بسر کرو گے۔ اور صرف مدینہ میں نہیں بلکہ پورے عرب میں لوگ راحت و سکون محسوس کریں گے۔ اس فتنے سے اور اس مصیبت سے سب کی جان چھوٹ جائے گی۔ اگر آج تم نے یہ موقعہ ضائع کر دیا تو پھر کبھی اس پر غالب نہیں آ سکو گے۔ تم میں سے کون اسے قتل کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے؟ کون اسے نیست و نابود کرنے کی حامی بھرتا ہے؟

عمرو بن جحاش نے کہا: میں اس کام کے لیے حاضر ہوں۔ چھوڑو! میں اسے قتل کر دوں گا اور تمہارے غیض و غضب کو ٹھنڈا کر دوں گا۔ وہ ایک بھاری پتھر تیار کرنے لگا کہ حضور ﷺ کے سر اقدس پر پھینک کر آپ کو شہید کر دے۔ دیوار پر چڑھ

گیا۔ پتھر گرانے کے لیے تیار کیا لیکن دیکھا تو رسول کریم ﷺ دیوار کے سائے سے ہٹ گئے تھے۔ اس کا سب مکرو فریب ناکام رہا۔ آپ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں بتایا بنی نضیر نے غداری کی ہے اور عہد توڑ دیا ہے۔ انہوں نے مجھے قتل کرنے اور تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی بری نیتوں سے مجھے خبر دار نہ فرماتا تو وہ مجھے دکھ پہنچانے میں کامیاب ہو جاتے۔ آج کے بعد مسلمانوں پر اس عہد کی پاسداری ضروری نہیں۔ وہ آزاد ہیں۔ ان کے ساتھ جنگ کرنے میں ان پر کوئی پابندی عائد نہیں رہی۔ ان کے عہد و پیمان سب باطل ہیں۔

رسول کریم ﷺ نے محمد بن سلمہ کو بھیجا اور حکم دیا کہ بنو نضیر اپنے گھروں سے نکل جائیں اور جلاوطنی اختیار کریں ورنہ فوراً ان پر حملہ کر دیا جائے گا اور انہیں قتل کر کے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

محمد بن سلمہ بنو نضیر کے پاس گئے اور انہیں اعلان کر کے رسول کریم ﷺ کا پیغام دیا: اے بنو نضیر! ہم نے تمہارے مکر اور غداری کو بھانپ لیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تمہارے ارادوں کی اطلاع دے دی ہے۔ ہم نے تمہارے ساتھ کیے گئے عہد و پیماں کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے لیکن تم نے خود معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ اب تم اس علاقہ میں نہیں رہ سکتے۔ اب اگر کسی شخص نے تمہیں نقصان پہنچایا یا تمہارا کوئی آدمی کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو گیا تو اس کی ذمہ داری اہل اسلام قبول نہیں کریں گے۔ اپنی جانوں کو بچاتے ہوئے یہاں سے نکل جاؤ۔ بنی قینقاع کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ جو تمہارے ہم مذہب اور ہم قوم ہیں ان سے سبق سیکھو۔

بنو نضیر کو اپنا انجام صاف نظر آرہا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اب یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں۔ وہ اس اعلان پر ضرور دھیان دیتے۔ ضرور اس بات پر توجہ مبذول کرتے اور جلاوطن ہو جاتے لیکن عبد اللہ بن ابی ان کے پاؤں کی بیڑی بن گیا اُس نے کہا: تم اپنے گھروں سے مت نکلو۔ اور کسی صورت جلاوطنی اختیار نہ کرو۔ ہم تمہاری مدد کریں گے اور تمہارا ساتھ دیں گے۔

لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَداً أَبَداً۔
وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ۔

(سورۃ الحشر: ۱۱)

"اگر تمہیں یہاں سے نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ نکل
جائیں گے اور ہم تمہارے بارے کسی کی بات ہر گز نہیں مانیں
گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے
اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں"

رسول کریم ﷺ کو جب اطلاع ملی کہ بنو نضیر عناد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے ہیں تو آپ جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ بنو نضیر سے جنگ ہو گی۔ رات کے وقت مسلمانوں نے بنو نضیر کے گھروں کا محاصرہ کر لیا۔ وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ نہ تو آپ کے لیے دروازہ کھولا اور نہ صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ لیکن جب نظر پڑی کہ مسلمان باغات کاٹ رہے ہیں اور غارت گری کر رہے ہیں تو ان کے ہوش ٹھکانے آگئے اور ہمتیں جواب دے گئیں۔ التجا کرنے لگے کہ انہیں جلاوطن کر دیجئے لیکن قتل نہ کیجیے۔ وہ اپنے ساتھ صرف اتنا سامان لے جائیں گے جتنا ان کے اونٹ اٹھا سکیں گے۔

حضور ﷺ نے ان کی بات مان لی اور ان کی غداری اور مکر و فریب سے درگزر کیا۔ بنی نضیر اپنے گھروں کو چھوڑ کر جلاوطن ہو گئے۔

اَفَمَنْ نَکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ

"پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اسکے توڑنے کا وبال اس کی
ذات پر ہو گا" (الفتح: ۱۵)

وَلَوْلَآ اَنْ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْہِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَہُمْ فِی الدُّنْیَا وَلَہُمْ فِی
الْاٰخِرَۃِ عَذَابُ النَّارِ۔ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَمَنْ
یُّشَاقِقِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔

اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی تو انہیں
عذاب دے دیتا اس دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں تو آگ کا
عذاب ہے ہی۔ یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی
تھی اللہ اور اس کے رسول کی۔ اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو
اللہ عذاب دینے میں بڑا سخت ہے" (الحشر: ۳،۴)

"غزوہِ احزاب"

حی بن اخطب سردار بنی نضیر، زعیم یہودِ مدینہ ارض خیبر میں ایک محتاج، مردود اور جلاوطن شخص کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اُس کے پر کٹ چکے تھے۔ سر جھک گیا تھا دل ٹوٹ گیا تھا اور اب اُس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

جب سے رسول خدا ﷺ نے اسے اور اس کے قبیلے کو مدینہ بدر کیا تھا۔ جو دراصل ان کے اپنے گناہوں کی سزا اور عہد شکنی کا نتیجہ تھی تو اُس دن سے اُس کے سینے میں آگ جل رہی تھی۔ مسلمانوں کے خلاف دل میں بغض و کینہ کے طوفان برپا تھے جگر پاش پاش تھا۔ وقت کی رفتار نے اسے بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ وہ اس تاک میں تھا کہ موقع ملے تو مسلمانوں کو نقصان پہنچائے۔ وہ تمنا کر رہا تھا کہ کاش کسی جنگ میں کافر کامیاب ہو جاتے اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جاتا۔ وہ دانت پیس رہا تھا کہ کاش مدینہ میں رسول اللہ ﷺ ہلاک ہو جاتے تو وہ اپنے وطن واپس لوٹ جاتا۔ پھر اپنی قوم میں اسے وہی مقام حاصل ہو جاتا جو جلاوطن ہونے سے پہلے اسے حاصل تھا۔ لیکن اپنی کوششوں کی ناکامی کی وجہ سے اور تقدیر کے اس لکھے کی وجہ سے کہ وہ اپنے غیض میں مرے گا روز بروز مسلمانوں کی فتح کی خبریں آرہی تھیں۔ اُسے روزانہ وہی خبریں مل رہی تھیں جنہیں وہ ناپسند کرتا تھا کہ کافروں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جب وہ سنتا تو

حلق خشک ہو جاتا۔ جسم پر غصے کی وجہ سے لرزہ طاری ہو جاتا اور حسد و کینہ کی وجہ سے سانپ کے ڈسے کی مانند لوٹ پوٹ ہونے لگتا۔

منتقم المزاج شخص انتقام سے خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔ جلاوطنی کی زندگی گزارنے والا ہمیشہ اپنے وطن آنے کا مشتاق ہوتا ہے۔ پھر حی بن اخطب کی تو مدینہ سے بہت ساری امیدیں وابستہ تھیں اور اس کے وہم کے تانے بانے کے پیچھے ایک میٹھا اور شیریں خیال تھا۔

ایک صبح حی بن اخطب اٹھا تو شیطان نے اسے ایک حسین خواب دکھایا۔

اس کے زعم باطل کو خوب سجا کر پیش کیا۔ جھوٹی امیدوں کے حسین جال اس کے ذہن پر پھیلا دیئے۔ اسے دھوکے کی زنجیر میں اس قدر کس دیا کہ وہ نفع و نقصان سے بے پرواہ مسلمانوں کے خلاف سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو گیا۔ شیطان نے اسے ورغلایا کہ ان یہود کی ایک جماعت تشکیل دے جو جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور جن کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف بغض اور کینہ ہے اور محمد ﷺ کے خلاف اس کے دشمنوں کی مدد کرے۔ حی بن اخطب جانتا تھا کہ مسلمانوں کو شکست دینے کی واحد صورت یہ ہے کہ مختلف قبائل کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا جائے اور محمد کے خلاف ایک لشکر جرار میدان میں اتارا جائے۔ اس طرح کفار کی تعداد جب بڑھ جائے گی تو انتقام یقینی ہو جائے گا۔ ورنہ یہود میں مسلمانوں کو شکست دینے کی طاقت نہیں۔ اور کون جانتا ہے کہ یہ سب کوششیں محض اس لیے ہو رہی ہیں کہ مدینہ کی اسلامی سلطنت ختم ہو جائے اور یہودیوں کو اپنا کھویا ہوا مقام اور مال و دولت پھر سے میسر آ جائے اور حی بن اخطب پہلے کی طرح ان کا بے تاج بادشاہ ہو جائے۔

حی نے اس سازش میں سلام بن الحقیق، کنانہ بن ربیع کو بھی ساتھ ملا لیا جن کا تعلق بنو نضیر سے تھا۔ وائل کے دو شخص ہوزہ بن قیس اور ابو عمار بھی اس سازش میں شریک ہو گئے۔ ان چار یہودی زعماء کے علاوہ اور بھی بہت سارے سرداروں کو حی بن اخطب نے ساتھ ملا لیا اور ایک وفد کی صورت میں قریش کے پاس جا پہنچے۔

قریش نے پوچھا: اے یہودیو! جس کام کے لیے تم آئے ہو اسے ابھی رہنے دو۔ ہمیں پہلے ایک اور سوال کا جواب دو۔ تم پہلے اہل کتاب ہو۔ ہم جس چیز میں

اختلاف کرنے لگتے ہیں تو تمہارے علم کی روشنی میں آخری فیصلہ طے پاتا ہے اور ہم مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ہمیں محمد کے رسول ہونے میں شک ہونے لگا ہے تم ذرا یہ بتاؤ کہ جن خداؤں کی ہم پوجا کرتے ہیں حقیقی خدا وہ ہیں یا جس خدا کی طرف دعوت محمد دیتا ہے وہ حقیقی خدا ہے؟

یہودیوں نے جواب دیا: کیا تمہیں اپنے دین کی صداقت میں شک ہے؟ کیا تم بت پرستی کی حقانیت میں ابھی تک وہم و گمان کا شکار ہو؟ بخدا تمہارا دین ہی صحیح ہے۔ محمد کا دین تو بس خرافات کا مجموعہ ہے۔ تمہارے بتوں میں واقعی نفع و نقصان دینے کی طاقت ہے لیکن محمد کا خدا نہ تو نقصان دے سکتا ہے اور نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ احتیاط کہیں دلوں میں شک کا بیج نہ اگ پڑے۔ کہیں بت پرستی کو غلط نہ سمجھ بیٹھو۔ محمد کے دین کی مخالفت سے دستکش نہیں ہونا۔ اس کی مخالفت سے کہیں باز نہیں آجانا۔ چاہو تو ہم پورا عرب تمہارے جھنڈے کے سائے میں جمع کر دیں۔ پورا عرب تمہاری زیر قیادت محمد کے خلاف برسرپیکار ہو جائے۔ ہم غطفان کو تمہارے زیر رکاب کریں گے۔ بنی اشجع کو تمہارا معاون بنائیں گے۔ بنی قریظہ کو دعوت جنگ دیں گے۔ یہ سب لوگ تمہارے ساتھ ایک ہو کر محمد کے خلاف لڑیں گے اور اس کی عزت و عظمت کا سورج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے نور کر دیں گے۔

پھر یہودی وفد بنو غطفان کے پاس گیا اور انہیں جنگ کی ترغیب دی۔ انہیں یہ لالچ دیا کہ فتح کی صورت میں یہودیوں کی تمام شاداب چراگاہیں ان کی ہوں گی یہ وفد اشجع قبیلہ کے پاس گیا۔ اس قبیلہ نے انکا تپاک سے استقبال کیا اور مدد کی یقین دہانی کرائی۔ یہ وفد بنو قریظہ کے پاس بھی گیا لیکن یہاں کافی مشکلات پیش آئیں۔

بنو قریظہ مدینہ میں اہل اسلام کے ساتھ بڑے امن و سکون سے رہ رہے تھے۔ مسلمانوں کا ان کے ساتھ یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ نہ تو مسلمان ان کے خلاف لڑیں گے اور نہ بنو قریظہ مسلمانوں کے خلاف۔ اگر کسی قوم نے باہر سے حملہ کیا تو دونوں مل کر حملہ آور کے خلاف جنگ کریں گے۔ اور ایک دوسرے کے حلیف ہوں گے۔ حالات چاہے کچھ ہوں دونوں فریق اس معاہدہ کی پابندی کریں گے اور کسی صورت اس کو توڑنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

حی بن اخطب اور اس کے ساتھی بنو قریظہ کے پاس جا نکلے تو قبیلہ کے سردار کعب بن اسد قرظی نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ اپنے دروازے بند کر لو اور کانوں پر پردے ڈال دو۔ یہ شخص شر پسند ہے۔ بخدا ہم مسلمانوں سے عہد شکنی نہیں کریں گے کیونکہ ان کا رویہ ہمارے ساتھ نہایت ہی دوستانہ ہے۔

بنی قریظہ نے دروازے بند کر لیے اور وفد کے ملنے سے انکار کر دیا۔ حی آیا اور کعب کے دروازے پر دستک دی۔ لیکن کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ اس نے بار بار دستک دی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ حی نے زور سے پکارا: کعب تیرا ستیاناس ہو۔ دروازہ کھول۔ میں کوئی غیر تو نہیں تیرا چچازاد بھائی ہوں اور تیرا ہم مذہب میں پوری قوم کی بہتری کا قصد لے کر آیا ہوں۔ مجھ سے بات تو کر۔

کعب نے جواب دیا: تو بڑا بد بخت، بڑا چالاک اور جھوٹا ہے۔ میں نے محمد سے عہد کر رکھا ہے اور آج تک میں نے اُس کی طرف سے امن و سلامتی ہی پائی ہے۔ وہ لمحہ لمحہ سچائی اور وفاداری کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ ہم بنو قریظہ حسد و کینہ سے محفوظ، جنگ و جدل سے مامون زندگی گزار رہے ہیں حی نے کہا: محمد نے تیرے ساتھ معاہدہ کر رکھا ہے لیکن وہ تیرے دین پر تو نہیں۔ اگر چہ وہ تیرے ساتھ کیے گئے عہد کی پاسداری کر رہا ہے لیکن تیرے پڑوس سے تو نالاں ہی ہے۔ وہ کسی وقت بھی تجھے جلاوطن کر سکتا ہے۔ میں تمہارے ساتھ زمانے کا غلبہ اور محمد کی ہزیمت لے کر آرہا ہوں۔ قریش اپنے بہادروں کو لارہے ہیں۔ میں اس وقت اُن کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک وہ مدینہ پر چڑھ نہیں دوڑتے۔ ایک لشکر جرار ہتھیار سجائے تیار بیٹھا ہے۔ بنی غطفان اور بنی اشجع بھی قریش کے ساتھ ہیں۔ مدینہ پر حملہ میں کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ وہ قریش کی تائید و نصرت پر بالکل تیار ہیں۔

کعب نے جواب دیا: یہوہ کی قسم! تو زمانے بھر کی ذلت و مسکنت لے کر آرہا ہے۔ جو گرجتے ہیں سو برستے نہیں۔ بس کرو۔ اگر محمد مجھ پر حملہ کرتا ہے تو کرنے دو۔ میں نقض عہد نہیں کروں گا۔ ہر صورت نباہ کرتا رہوں گا۔ لیکن حی اسے غداری پر اکساتا رہا اور جھوٹی امیدوں کے خوبصورت ہار پروتا رہا۔ کعب اس کی باتوں میں آگیا اور عہد توڑنے پر رضامند ہو گیا۔

کعب اپنے قبیلے کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ ہم معاہدہ توڑ رہے ہیں اور محمد کے خلاف جنگ کریں گے۔

یہ خبر حضور ﷺ تک بھی پہنچ گئی۔ کہ قریش نے ایک لشکر جرار ترتیب دے لیا ہے۔ اور بنی غطفان اور اشجع ان کی مدد پر تیار بیٹھے ہیں۔ وہ تمام مدینہ میں موجود مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے نکل آئے ہیں۔

آپ ﷺ نے ان خبروں کو بڑے حزم واحتیاط سے لیا اور ایمان و یقین سے ان کے مقابلے کی ٹھان لی۔ آپ نے حضرت سلمان کے مشورے سے مسلمانوں کو مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودنے کی تلقین فرمائی۔

جب مسلمان قریش اور ان کے حلیفوں کے حملے کو روکنے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے تو اسی اثنا میں ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دینے کا اعلان کر دیا ہے۔ انہوں نے جنگ نہ کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اب اس پر اعتبار نہ کیا جائے۔ وہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے اور پیچھے سے حملہ کر کے مسلمانوں سے یہودی جلاوطنوں کا انتقام لیں گے۔

عام لوگوں نے جب دیکھا کہ عرب کے بہت سے قبیلے جنگ کے لیے تیار کھڑے ہیں تو اس مصیبت اور اس صورت حال کو دیکھ کر وہ گھبرا گئے۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کلیجے منہ کو آنے لگے۔ یہ خبر ایک ہولناک مصیبت بن کر گویا انہیں نیست و نابود کرنا چاہتی ہے۔ وہ اللہ کی مدد و نصرت کے بارے شک و ارتیاب کا شکار ہونے لگے۔ مگر جن کے دلوں میں ایمان و یقین راسخ ہو چکا تھا اُن کے نزدیک یہ سب اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی۔ اور ان کے صبر و استقامت کے لیے ایک امتحان۔ انہیں صرف یہ اندیشہ ستا رہا تھا کہ کہیں اس امتحان میں پاؤں نہ اکھڑ جائیں اور وہ جہاد فی سبیل اللہ میں پست ہمتی کا شکار نہ ہو جائیں۔ تیسرا گروہ منافقوں کا تھا۔ ان میں کچھ لوگ یہ کھسر پھسر کر رہے تھے کہ محمد تو ہمارے ساتھ کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کا وعدہ کرتا تھا لیکن حالت یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے بھی باہر نہیں نکل سکتا۔

ماوعدنااللّٰہُ ورَسُوْلُہٗ الاَّ غُرُوْراً(احزاب:۱۲)

اور کچھ لوگ خوف کے مارے بھاگ جانا چاہتے تھے اور مسلمانوں کی صفوں کو کمزور کرنے کے درپے تھے۔ وہ رسول کریم ﷺ کے پاس آئے اور مکرو فریب اور کذب وافتراء کا سہارا لے کر بھاگ جانے کی اجازت مانگنے لگے۔

انّ بُیُوْتنا عوْرَۃٌ وَمَا ھِیَ بعَوْرَۃٍ انْ یُّرِیْدُوْنَ اِلّا فِرَاراً(الاحزاب:۱۳)

یہ وقت بہت ہی نازک تھا۔ اللہ کا رسول ﷺ دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ سامنے بھی دشمن تھا۔ پیچھے بھی دشمن اور خود اپنی صفوں میں بھی دشمن موجود تھا۔

ولو کان ھمًّا واحداً لاتّقیتُہٗ

ولٰکنّہٗ ھمٌّ وثانٍ وثالثٌ

صرف ایک غم ہوتا تو میں اس سے بچنے کی کوشش کرتا

مگر یہاں ایک نہیں دوسرا تیسرا غم بھی ہے

تفرقے اور اندیشے کی اس سیاہ رات میں، حزن وملال کے اس بلا خیز جھکڑ میں اللہ کریم نے حضرت نعیم کو ایمان کی روشنی سے نواز دیا۔ وہ بنی غطفان کے ایک معزز شخص تھے۔ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! میں اسلام قبول کر چکا ہوں لیکن میری قوم کو کچھ علم نہیں۔ آپ کا جو حکم ہو میں حاضر ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہم میں تو ہی تو ایک شخص ہے جو بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اگر ہو سکے تو انہیں پسپا کرنے کی کوئی تدبیر سوچو۔ لڑائی ایک دھوکہ ہے اور بس۔

حضرت نعیم نے فرمان مبارک سن لیا اور فوراً چلے گئے۔ وہ خالی ہاتھ تھے۔ لاؤ لشکر کا ساتھی بھی نہیں تھا۔ ہاں ایمان کی دولت سے دامن بھرا تھا اور یقین کی روح نس نس میں موجود تھی۔ ایک عزم تھا جو تلوار سے زیادہ تیز تھا۔ ایک ہمت تھی جو قلعے سے زیادہ مضبوط تھی۔ چل رہے ہیں۔ ہاتھ میں تلوار نہیں۔ کندھے پر کمان نہیں۔ لیکن اللہ کے رسول نے دشمن کو دھوکہ دینے کی اجازت دے دی ہے۔ انہیں مکرو فریب سے وہ کام کر گزرنے کا اذن مل گیا ہے جو تلوار وسناں کے بس کا روگ نہیں رہا۔

حضرت نعیم سب سے پہلے بنو قریظہ کے پاس گئے۔ زمانہ جاہلیت میں ان سے یارانہ تھا۔ فرمانے لگے: اے بنی قریظہ! تم جانتے ہو میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں۔

تمہارے خاص وعام سے مجھے کتنی محبت ہے؟

آپ سچ کہتے ہیں۔ ہمیں آپ کی محبت اور وفا پر مکمل بھروسہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔

آپ نے فرمایا: قریش اور بنی غطفان کا معاملہ تم سے مختلف ہے۔ مدینہ تمہارا اپنا شہر ہے۔ اسی میں تمہاری جائیدادیں اور گھر ہیں۔ تمہارے اہل وعیال ہیں تم یہ شہر کسی صورت نہیں چھوڑ سکتے۔ قریش اور بنو غطفان محمد اور اس کے ساتھیوں سے جنگ کرنے آرہے ہیں اور تم محمد کے خلاف ان کی مدد کرنا چاہتے ہو۔ یہ اُن کا اپنا شہر نہیں اور نہ ہی ان کی جائیدادیں اور بیوی بچے یہاں ہیں۔ اگر انہیں موقعہ ملا تو وہ شہر پر حملہ کرلیں گے اگر حالات مناسب نہ ہوئے تو اپنے اپنے شہروں کو واپس چلے جائیں گے۔ پھر تم ہوگے اور محمد۔ اس کے بعد اگر وہ تمہیں قتل کرنا چاہے گا تو تم میں اس کے مقابلے کی سکت نہیں ہوگی۔

بنی قریظہ نے پوچھا: تو پھر ہم کیا کریں۔ ہم تو اُن سے مدد کا وعدہ کر بیٹھے ہیں کہ تمہاری مدد کریں گے اور محمد کے خلاف جنگ کریں گے۔ نعیم نے فرمایا: ان کے چند رئیس بطور رہن رکھ لو۔ وہ تمہارے ہاتھ میں ہوں یہاں تک کہ محمد کو شکست ہو جائے۔ اور ان رئیسوں کے بدلے تم ان سے مدد ونصرت کا وعدہ کرلو۔

بنو قریظہ نے کہا: نعیم! یہ تو تم نے بہت مناسب رائے پیش کی۔

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ انہیں دھوکہ دیکر قریش کے پاس گئے اور فرمایا:

تم جانتے ہو کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ مجھے محمد سے کتنی چڑھ ہے۔ مجھے ایک اطلاع ملی ہے۔ میں نے ضروری سمجھا کہ تمہیں باخبر کردوں۔ کیونکہ اس میں تمہارا بہت بڑا فائدہ ہے۔ اور مجھے ڈر ہے کہ اگر تمہیں آگاہ نہ کروں تو تمہیں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس بات کو خفیہ رکھنا اور یہ راز افشاء نہ کرنا۔ بات یہ ہے کہ بنی قریظہ مسلمانوں سے عہد شکنی کر کے بہت پریشان ہو رہے ہیں۔ انہوں نے محمد کے پاس ایک آدمی بھیجا ہے۔ اور کہلا بھیجا ہے کہ ہم اپنے کیے پر بہت نادم ہیں۔ اگر قریش اور غطفان دونوں قبیلوں کے کچھ اشراف ہم پکڑ کر تمہارے حوالہ کردیں اور تم انہیں قتل کردو تو کیا صلح برقرار رہ سکتی ہے۔ ہم اس کے بعد جنگ میں بھی آپ کی مدد

کریں گے اور قریش اور غطفان کو نقصان پہنچانے میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ محمد نے انہیں اثبات میں جواب دیا ہے۔ اور اس شرط کو منظور کر لیا ہے اس لیے اگر وہ تم سے رہن مانگیں تو اپنا کوئی آدمی ان کے حوالے نہ کرنا۔

پھر نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے رخصت ہو کر بنو غطفان کے پاس گئے اور ان سے بھی وہی بات کی جو قریش سے کی تھی۔ اور انہیں دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے۔ اب نعیم اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں اس کوشش کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

شوال کے مہینے میں ہفتے کی رات کو قریش اور غطفان کا ایک وفد بنی قریظہ کے پاس گیا۔ عکرمہ بن ابو جہل بھی ساتھ تھا۔ عکرمہ نے ان سے جنگ کے بارے گفتگو کی: ہم اپنے گھروں میں نہیں بیٹھے ہوئے کہ ہمیں ساری آسائشیں میسر ہوں۔ ہم گھروں کو چھوڑ کر شہر سے باہر پڑے ہیں۔ ہمارے مویشی اور ہم خود بھوک سے ہلکان ہو رہے ہیں۔ جنگ کی تیاری کرو تاکہ ہم محمد کو سزا دیں اور دیرینہ عداوت سے فراغت حاصل کریں۔

بنو قریظہ نے جواب دیا ہم ہفتے کے دن کوئی کام نہیں کرتے۔ کیونکہ اس دن ہم کوئی دنیوی کام کریں تو ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ ہم محمد کے خلاف اس وقت تک تمہاری مدد نہیں کریں گے جب تک تمہارے چند رئیس بطور رہن اپنے پاس نہیں رکھ لیتے۔ وہ جنگ جیتنے تک ہمارے ساتھ رہیں گے کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ جنگ بہت سخت ہو گی اور اگر جنگ طول پکڑ گئی تو تم اپنے گھروں کو چلے جاؤ گے اور ہم محمد کے ہاتھ بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔ اور ہم میں ان کے مقابلے کی تاب بالکل نہیں۔

عکرمہ اور وفد میں موجود دوسرے لوگ واپس آ گئے اور قریش و غطفان کو بنو قریظہ کے جواب سے مطلع کیا۔ یہ لوگ سوچنے لگے کہ نعیم بن مسعود نے جو خبر دی تھی وہ بالکل سچی تھی۔ قاصد بنی قریظہ کے پاس دوبارہ گئے اور انہیں پیغام دیا کہ ہم اپنے آدمی کسی قیمت پر آپ کے حوالے نہیں کر سکتے۔ اگر تم جنگ کرنا چاہتے ہو تو نکلو اور بغیر کسی شرط کے جنگ شروع کرو۔

بنو قریظہ نے قریش اور غطفان کا پیغام سن کر کہا کہ : خدا کی قسم جو بات نعیم نے کہی تھی وہ بالکل سچ تھی۔ اس طرح دشمن کی صفوں میں دراڑ پڑ گئی اور لشکر میں خوف اور ہراس پھیل گیا۔ اسی اثناء میں جھکڑ چلنے شروع ہوئے اور اس قدر تیز آندھی آئی کہ قریش کے خیمے اکھڑ گئے۔ ہنڈیاں الٹ گئیں۔ برتن بکھر گئے۔ کھانے پینے کا سامان سب ضائع ہو گیا اور ہمتیں جواب دے گئیں۔ انہوں نے واپسی کی راہ لی اور خائب وخاسر مکہ لوٹ آئے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا۔

”اور (ناکام) لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے کفار کو درآنحالیکہ اپنے غصے میں (پیچ و تاب کھا رہے) تھے اس (لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور، ہر چیز پر غالب ہے“۔ (الاحزاب : ۲۵)

اب رسول کریم ﷺ بنو قریظہ کی طرف پلٹے جنہوں نے قریش اور غطفان کی مدد کی ٹھانی ہوئی تھی۔ آپ نے دیکھا کہ اُن لوگوں کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے رعب ڈال دیا ہے۔ اور انہیں بھی خوف میں مبتلا کر دیا ہے۔ آپ نے ان سے انتقام لیا ان کے قلعوں اور آماجگاہوں پر حملہ کر دیا ان کے مردوں کو قتل کر دیا عورتوں کو لونڈی بنا لیا اور بچوں کو غلام۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے گھر اور زمینیں مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا

”اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے“ (الاحزاب : ۲۷)

"واقعہ اِفک"

رات کی تاریکی صحراء میں پھیل چکی تھی۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ماحول پر سکون کی ایک چادر سی تنی محسوس ہوتی تھی۔ تاریکی کی وجہ سے صحراء بھی اندھیرے کا سیاہ ٹکڑا محسوس ہوتا۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرا دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس قدر خاموشی کہ حشرات الارض چلتے تو بھی آہٹ سی محسوس ہوتی تھی۔

اس تاریک رات میں ایک بدوی چادر اوڑھے کہیں سے ظاہر ہوا۔ اور اونٹنی کی نکیل پکڑے تیز تیز قدم اٹھاتے بڑھتا آرہا تھا۔ لگتا تھا کہ کچھ تلاش کر رہا ہے۔

صفوان بن معطلؓ لشکر سے بچھڑ گیا تھا۔ یہ لشکر غزوہ بنو مصطلق کے بعد مدینہ طیبہ جارہا تھا۔ صفوان اسی لشکر کی تلاش میں سرگرداں تھے اور اس سے مل کر سفر کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے وہ قدموں کے نشانات پر بڑھتے آئے تھے مگر اب تو گھپ اندھیرا ہو چکا تھا اس لیے کچھ سجائی نہ دیتا تھا۔ لیکن اچانک قدم روک لیے اور اونٹنی کی مہار سمیٹ لی کہ بدکنے نہ لگے۔ سامنے سیاہی کا ایک گہرا نکتہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ذرا غور سے دیکھا تو ایک انسان چادر میں لپٹا ہوا لیٹا تھا۔ صفوان تھوڑا اور قریب آیا۔ ہاں یہ کوئی تھکا ماندہ مسافر ہے۔ گہری نیند سو رہا ہے۔ اسے اردگرد کا کچھ احساس نہیں۔ وہ تھوڑا اور قریب گیا۔ آہٹ کیے بغیر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا آگے بڑھا۔ وہ سوئے ہوئے

آدمی کو خوف زدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

صفوان کے اچانک قدم رک گئے۔ حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ زمین گویا پاؤں کے نیچے سے نکل گئی ہو۔ وہ کوئی اور نہیں مؤمنوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ تھیں۔ وہ یکاو تنہا کپڑے میں لپٹی نیند میں غرق تھیں۔ وہ اس تاریک ماحول میں اکیلے کیسے لیٹی ہیں۔ صفوان یہ سوچ کر چیخ اٹھا اور اس پر دہشت چھا گئی۔ وہ اپنی اندرونی کیفیت کو نہ چھپا سکا اور افسوس کی صورت میں ان کی زبان سے اتنا نکلا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی زوجہ محترمہ اور صحراء میں یوں تنہا! آپ اٹھ کر بیٹھ گئی تھیں۔ صفوان نے کہا: خدا کی آپ پر رحمتیں ہوں۔ ام المؤمنین! آپ یہاں اکیلی کیسے تشریف فرما ہیں؟

حضرت عائشہ سے حیاء اور ندامت کی وجہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور آپ بالکل خاموش سر نہوڑائے بیٹھی رہیں۔ حضرت صفوان نے خدمت اقدس میں اونٹ پیش کیا۔ اور اس پر سوار ہو گئیں۔ حضرت صفوان مہار پکڑ کر چل پڑے تاکہ قافلے سے جا ملیں۔ پورا راستہ ام المؤمنین کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ام المؤمنین بھی خاموشی سے سفر کرتی رہیں حتیٰ کہ ظہر کے وقت قافلے سے جا ملے۔ اس وقت قافلہ ایک جگہ ٹھہرا ہوا تھا۔

حضور ﷺ نے پوچھا: عائشہ کیا ہوا؟ کیسے لشکر سے پیچھے رہ گئیں؟ حضرت عائشہ نے بتایا: گزشتہ شب جب آپ نے کوچ کی اجازت دی تو میں یہ آواز سن رہی تھی۔ میں رفعِ حاجت کے لیے پڑاؤ سے تھوڑی دیر کے لیے نکل گئی۔ واپس آ رہی تھی کہ میرا ہار گم ہو گیا۔ میں اس کی تلاش میں پھر واپس چلی گئی۔ ہار تو مل گیا لیکن جب میں واپس آئی تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ نہ وہاں کوئی بلانے والا تھا اور نہ کوئی آواز سننے والا۔ میں چادر لپیٹ کر وہیں بیٹھ گئی اور میں نے سوچا پڑاؤ کی جگہ ٹھہرنا مناسب ہوگا۔ کیونکہ میں جانتی تھی کہ جب آپ مجھے نہ پا کر تلاش کریں گے تو واپس اس جگہ ضرور آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا۔ مجھے نیند آگئی اور میں آرام سے سو گئی۔ نہ جانے میں کتنی دیر سوئی کہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ آگئے انھوں نے مجھے جگایا۔

رسول کریم ﷺ نے آپ کی بات پر یقین فرما لیا۔ اور ان کے کردار پر آپ ﷺ کو ذرا بھی شک نہ گزرا۔ کیونکہ آپ نہایت بلند اخلاق پاکیزہ خصائل کی مالک تھیں۔ آپ کی پرورش ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہوئی تھی اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا کہ رسول اللہ کے کاشانہ اقدس میں تشریف لے آئیں تھیں جہاں معلم الاخلاق کی زیر تربیت ایک عرصہ گزار دیا تھا۔ آپ کی اصل پاکیزہ، خاندان شریف اور عفت و پاکدامنی میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپ کی زبان مبارک سے جھوٹ کیسے سنا جا سکتا تھا۔ آپ سرورِ کائنات ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ آپ کو عفت و عصمت میں وہ مقام ملا تھا جو بہت کم عورتوں کو نصیب ہوتا ہے۔

حَصَانٌ رَزَانٌ مَاتُزَنُّ بِرِيْبَةٍ
وَتُصْبِحُ غَرْثٰى مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ
عَقِيْلَةُ حَيٍّ مِنْ لُوَيِّ بْنِ غَالِبٍ
كِرَامِ الْمَسَاعِيْ مَجْدُهُمْ غَيْرُ زَائِلِ
مُهَذَّبَةٌ قَدْ طَيَّبَ اللّٰهُ خِيْمَهَا
وَطَهَّرَهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَبَاطِلِ

میری ممدوحہ (عائشہؓ) پاکدامن اور عقل مند ہیں ان پر کسی قسم کی تہمت نہیں اور وہ صبح کو غافلوں کے گوشت سے بھوکی اٹھتی ہیں (یعنی کسی کی غیبت نہیں کرتیں) وہ قبیلہ لوی بن غالب کی ایک شاخ کی عقلمند خاتون ہیں جن کی کوششیں نیکی میں مشہور ہیں اور جن کی بزرگی زائل ہونے والی نہیں۔

وہ بڑی مہذب ہیں۔ اللہ نے ان کی طبیعت اور سرشت میں عفت رکھ دی ہے اور اسے ہر برائی اور ہر باطل سے پاکیزگی عطا فرمائی ہے۔

لیکن جھوٹے اور بد طینت لوگوں نے جب ام المؤمنین کو صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ صحراء سے اکیلے آتے ہوئے دیکھا تو جھوٹ گھڑ لیا اور ان کی عفت و عصمت پر طعنہ زنی شروع کر دی۔ اور صفوان رضی اللہ عنہ کے ساتھ انہیں متہم کر دیا۔

رأس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ام المومنین اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو اپنے خبث باطنی کو نہ چھپا سکا اور کہنے لگا: خدا کی قسم عائشہ کا دامن پاک

نہیں رہااور نہ صفوان اس داغ سے بچ پایا ہے (نعوذ باللہ من سوء الفیۃ والکفر) اس خبیث کی یہ آواز لوگوں میں پھیلتی چلی گئی اور اس کی لپیٹ میں کچھ سادہ لوح مسلمان بھی آ گئے۔ حضرت مسطح بن اثی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ منافق کی اتباع کی۔ پھر حضرت حسان رضی اللہ عنہ، زید بن رفاعہؓ حمنہ بنت جحشؓ تمام لوگ اس بات کو لے اڑے۔ بات سے بتنگڑ بنتا گیا۔ رنگ آمیزی نے اُسے ایک حقیقت کا روپ دے دیا۔ حتی کہ رفتہ رفتہ یہ خبر سرور کائنات علیہ السلام تک پہنچ گئی۔ چھوٹے بڑے اپنے پرائے سب کی زبان پر اسی جھوٹی بات کا تذکرہ تھا۔

قافلہ شک و یقین، اتہام و دفاع اور فساد دامن کے ملے جلے جذبات لیے مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ لیکن اس قصے سے حضرت صدیقہ بالکل غافل تھیں۔ انہیں مطلقاً خبر نہ تھی۔ لوگ جو باتیں بنا رہے تھے اور جس ٹوہ میں تھے آپ اس سے بالکل ناواقف تھیں۔ گھر پہنچتے ہی آپ رضی اللہ عنہا کو سخت بخار ہو گیا اور وہ بستر سے لگ کر رہ گئیں۔ آپ صحت یابی کے لیے دعا کرتی رہتی تھیں۔ حضور علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ رخ انور کو محبت و عقیدت سے دیکھتیں۔ آنکھیں ان کے قدموں کی بلائیں لیتیں۔ دل چاہتا کہ یہ حسین و جمیل اور مقدس و منور چہرہ آنکھوں کے سامنے رہے لیکن وہ پہلی سی محبت وہ پہلا سا التفات نہیں تھا۔ حضور ایک اچٹتی نظر فرماتے اور صرف اتنا پوچھتے صحت کیسی ہے؟ اور رخ انور پھیر لیتے۔ محبوبِ خدا علیہ السلام کی بے رخی کوئی معمولی بات تو نہیں تھی۔ سیدہ عائشہ پر قیامت ٹوٹ پڑتی، غم سے تلملا اُٹھتیں لیکن اتنی بے رخی کیوں؟ سوچتی رہتیں لیکن کوئی جواب نہ ملتا۔ حضرت کی بے رخی نے بیماری میں شدت پیدا کر دی۔ جسم سوکھ کر کانٹا بن گیا۔ یہ سوچ دن رات پریشان رکھتی کہ رحمۃ للعالمین آخر کس وجہ سے بے التفاتی فرما رہے ہیں۔ کہیں کوئی بے ادبی تو نہیں ہو گئی۔ خاطرِ عاطر کو کسی بات سے صدمہ تو نہیں پہنچا۔ بیٹھی؟ آپ رضی اللہ عنہا سوچتی رہتیں لیکن کہیں سے کوئی جواب نہ ملتا۔ رسولِ رحمت پہلے تو بیماری کی حالت میں حضرت عائشہ کے پاس بیٹھتے۔ ان پر پوری توجہ مبذول کرتے اور پریشان سے ہو جاتے تھے لیکن اب تو ایسی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہ بہت کوشش کرتیں مگر علت و معلوم، سبب اور مسبب کا کہیں ربط نظر نہ آتا تھا۔ اسی لیے حضرت صدیقہ نے میکے جانے کی اجازت طلب کی کہ

شاید دوری ان کے جذبہ محبت کو بھڑکا دے اور قلبِ مبارک مائل بہ کرم ہو جائے۔

حضور ﷺ نے اجازت دے دی۔ آپ رضی اللہ عنھا نے بیس اوپر کچھ راتیں میکے گزاریں کچھ دن تو بخار میں مبتلا رہیں اور بیماری برداشت کرنا پڑی لیکن پھر صحت یاب ہو گئیں اور کمزوری جاتی رہی۔

ایک دن آپ قضائے حاجت کے لیے مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے گئیں۔ ام مسطح بنت ابی رھم کا پاؤں چادر میں اٹک گیا وہ گر پڑیں۔ اور اُن کی زبان سے اچانک یہ الفاظ نکلے: مسطح کا ستیاناس ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ نے فرمایا: یہ آپ نے ایک بدری صحابی کے متعلق کتنی بری بات کہہ ڈالی۔ ام مسطح نے کہا: اے ابوبکر کی بیٹی! کیا تجھے بالکل ہی خبر نہیں؟

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا ہوا؟ مجھے تو بالکل ہی کچھ معلوم نہیں۔

ام مسطح رضی اللہ عنھا نے پورا واقعہ کہہ سنایا۔ انہوں نے بتایا کہ مسطح اور حسان کس طرح اس جھوٹی خبر کو لے اڑے اور عبداللہ بن ابی منافق نے یہ خبر کیسے گھڑی۔ کیسے حمنہ بنتِ حجش نے اس میں رنگ آمیزی کی۔ امِ مسطح نے ساری بات تفصیل سے حضرت صدیقہ کے گوش گزار کر دی۔

حضرت عائشہ نے فرمایا: کیا یہ حقیقت ہے کہ یہ جھوٹی خبر میرے متعلق اڑائی گئی ہے؟ ام مسطح نے کہا: بخدا یہ حقیقت ہے لوگ واقعی یہی باتیں کر رہے ہیں۔ حضرت عائشہ نے کہا: ام مسطح! آؤ ہم لوٹ چلیں۔

دونوں واپس پلٹیں۔ حضرت عائشہ گھر پہنچتے ہی زارو قطار رونے لگیں۔ آنکھوں سے مسلسل آنسو برس رہے تھے۔ غم تھا کہ کھائے جا رہا تھا۔ اپنی والدہ سے کہا: اماں جی! اللہ آپ کو معاف فرمائے۔ لوگ میرے متعلق طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں اور آپ نے مجھے خبر تک نہیں کی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا۔ بیٹی! صبر کر۔ اسی طرح مت رو پیٹ۔ خدا کی قسم جب کوئی حسین عورت اپنے خاوند کے گھر جاتی ہے جہاں اس کی سوکنیں بھی ہوتی ہیں اور اسے خاوند چاہتا بھی ہے تو اسے اس سے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پورا مہینہ گزر گیا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ رسولِ خدا ﷺ بہت پریشان اور اُداس تھے۔ آپ کو ایک گونہ حیرت بھی تھی کہ اتنے عرصے سے وحی کا سلسلہ بھی منقطع تھا۔ لوگوں نے ایک طوفان سا برپا کر رکھا تھا۔ اس وجہ سے حضور ﷺ کے خاطر عاطر پر بہت زیادہ بوجھ تھا۔ آپ وحی خداوندی کا شدت سے انتظار فرما رہے تھے چاہتے تھے کہ اللہ کریم خود ہی اس کا فیصلہ فرما دے۔ کوئی رؤیا نظر آئے جس میں لوگوں کے شک کے ازالے کی کوئی صورت نکل آئے۔ اور طوفانِ بدتمیزی کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے۔ لیکن وحی ایک عرصے سے نازل نہیں ہوئی تھی اور نہ آپ نے کوئی خواب دیکھا تھا۔ اس لیے آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کرنا مناسب خیال فرمایا۔ آپ ﷺ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنھا سے پوچھا۔ حضرت زینت حضرت صدیقہ کی سوکن تھیں اور دونوں سوکنوں میں ہمیشہ نوک جھوک رہتی تھی۔ مگر انہوں نے حضرت عائشہ کی بلندی کردار کی گواہی دی اور فرمایا:

میں سنی سنائی باتوں پر توجہ نہیں دیتی۔ خدانخواستہ کہ میں عائشہؓ کی طرف کوئی برائی منسوب کروں۔ میں تو بجز نیکی کے ان کے بارے کچھ نہیں جانتی۔ عائشہ باکردار خاتون ہیں۔ وہ کبھی بھی ایسا نہیں کر سکتیں۔ رسول کریم ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے اس سلسلے میں بات کی۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ عائشہ رضی اللہ عنھا کی خادمہ حضرت بریرہ سے پوچھیں۔ وہ حضور کو ان کے کردار کے متعلق صحیح خبر دے سکتی ہیں۔ بریرہ آئیں۔ حضورؐ نے عائشہؓ کے بارے ان سے گفتگو کی اور پوچھا: بریرہ! آپ نے عائشہ میں کوئی ایسی کمزوری دیکھی ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہو کہ اُن سے یہ گناہ سرزد ہو گیا ہو گا؟

بریرہ نے عرض کی: یارسول اللہ! ایسا نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے میں نے عائشہ میں کوئی ایسی کمزوری نہیں دیکھی کہ ان کی طرف کوئی گناہ منسوب کروں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہ کم سن بچی ہیں۔ آٹا گوندھ کر رکھ دیتی ہیں اور سو جاتی ہیں۔ بکرا آتا ہے اور آٹا کھا جاتا ہے (یعنی ان میں چالاکی بالکل ہی نہیں۔ وہ تو بالکل ہی ناسمجھ لڑکی ہیں انہیں اس قسم کی چالاکیوں سے کیا واسطہ وہ تو پاک دامن ہیں۔)

مشورہ کرنے کے بعد حضور ﷺ نے اندازہ لگایا کہ عائشہ کے متعلق پھیلائی گئی بات بالکل بے بنیاد ہے اور ان کا دامن عصمت ہر داغ سے ہر گناہ سے پاک ہے آپ غصے کی حالت میں گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: اے لوگو! اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو مجھے اپنے گھر والوں کے بارے ستا رہے ہیں اور میری زوجہ کے متعلق بے سروپا باتوں کی تشہیر کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم میں اُن کے متعلق بجز بھلائی کے اور کچھ نہیں جانتا۔ اور صفوان بھی ایک متقی اور پرہیزگار شخص ہے اور وہ کبھی بھی اکیلا میرے گھر نہیں گیا حضور ﷺ اسی وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ عائشہ کی آنکھوں میں آنسو ہیں اور ایک انصاری عورت بھی ان کے ساتھ بیٹھی رو رہی ہے۔ حضرت ابو بکر اور ان کی بیوی بھی تشریف فرما ہیں۔

حضور ﷺ نے حضرت عائشہ کو سلام دیا اور فرمایا:

لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر وہ سچ ہے تو اللہ سے ڈر۔ اگر تو نے واقعی کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے جیسی لوگ باتیں کر رہے ہیں تو اللہ کریم سے توبہ کر۔ بیشک وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کوئی جواب نہ دے سکیں۔ پھر آپ اپنے والد گرامی کی طرف متوجہ ہوئیں اور عرض کی: ابا جان! اللہ کے رسول کو آپ میری طرف سے جواب دیں۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا: خدا کی قسم مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ میں کیا کہوں۔ پھر حضرت عائشہ والدہ ماجدہ کی طرف مڑیں اور عرض کی: امی جان! آپ اللہ کے رسول سے میری طرف سے بات کریں۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ میں انہیں کیا کہہ سکتی ہوں۔

جب دیکھا کہ ماں باپ دونوں خاموش ہیں۔ شک وارتیاب کا جو جال ان کے ارد گرد بنا گیا ہے اور ان پر تہمت لگائی ہے اس کے ازالے کے لیے اور دفاع میں ایک لفظ کہنے کو تیار نہیں تو آپ خود عرض کرنے لگیں: بخدا جو مشکل ابو بکر کے گھر والوں پر آن پڑی ہے کسی اور کو پیش نہیں آئی ہو گی۔ اتنا کہہ کر ان کی آواز رندھ گئی، آنسو بہنے لگے اور عرض کرنے لگیں۔ خدا کی قسم جس گناہ کا ذکر آپ فرما رہے ہیں میں کبھی بھی اس کے لیے اللہ سے معافی نہیں مانگوں گی۔ خدا کی قسم میں جانتی ہوں کہ اگر میں اس گناہ کا اقرار کر لوں جس کا ذکر لوگ کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بری

ہوں تو گویا میں ایک ایسی خطا کا اقرار کر رہی ہوں جس کا میں نے ارتکاب نہیں کیا اور اگر میں اس بات کا انکار کر دوں تو تم میری تصدیق نہیں کرو گے۔ پھر زار و قطار رونے لگیں۔ آپ حضرت یعقوب کا نام لینا چاہتی تھیں لیکن زبان پر یہ اسم مبارک نہیں آ رہا تھا تو آپ نے یوں فرمایا: مگر میں آپ لوگوں سے وہی بات کہتی ہوں جو یوسف کے باپ نے کہی تھی۔

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَاتَصِفُوْنَ

"(اس جان کاہ حادثے پر) صبرِ جمیل کروں گا اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں گا اس پر جو تم بیان کرتے ہو" (یوسف: ۱۸)

رسول کریم ﷺ الگ جا کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اداس ہو کر دور ہو گئے اور ام رومان ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گئیں۔ اس وقت رسول خدا ﷺ پر محویت سی طاری ہونے لگی یہ وہی کیفیت تھی جو عموماً وحی کے وقت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ آپ پر کپڑا اُوڑھ دیا گیا اور سر کے نیچے تکیہ رکھ دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سمجھ گئیں کہ وحی خداوندی ان کے معاملے کے بارے فیصلہ کر دے گی اور ان کے متعلق جو لوگوں کے دلوں میں غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے اس کا ازالہ ہو جائے گا۔ وہ بالکل مطمئن اور پر سکون ہو گئی تھیں۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کا دامن پاک ہے۔ اور لوگوں نے انہیں متہم کر دیا ہے لیکن ان کے والدین پریشان تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وحی کا نزول شروع ہو گیا ہے تو ان کی آنکھوں سے غم واندوہ ٹپک رہا تھا۔ جسم پر خوف کی وجہ سے لرزہ طاری تھا کہ کہیں تہمت سچ ثابت نہ ہو جائے۔ رسول خدا ﷺ اس کیفیت سے واپس آئے۔ جبینِ مبارک سے پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح گر رہے تھے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا۔ اے عائشہ خوشخبری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برأت میں قرآن کریم کی آیات نازل کی ہیں جو لوگوں میں قیامت تک پڑھا جاتا رہے گا۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیات کریمہ تلاوت فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ۔ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ

ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّ قَالُوْا هٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ۔ لَوْ لَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْلَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ۔ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

بیشک جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے۔ تم اسے اپنے لیے بُرا خیال نہ کرو۔ بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لیے۔ ہر شخص کے لیے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اُس نے کمایا ہے اور جس سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے (تو) اُس کے لیے عذاب عظیم ہوگا۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو گمان کیا ہوتا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے۔ (اگر وہ سچے تھے تو) کیوں نہ پیش کر سکے اس پر چار گواہ پس جب وہ پیش نہیں کر سکے گواہ تو (معلوم ہو گیا کہ) وہی ہیں جو اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں

تو پہنچتا تمہیں اس سخن سازی کی وجہ سے سخت عذاب۔ (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے مونہوں سے ایسی بات جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا۔ نیز تم خیال کرتے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی۔ اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ افواہ سنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم گفتگو کریں اس کے متعلق۔ اے اللہ! تو پاک ہے۔ یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا۔ اگر تم ایماندار ہو۔ اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنی) آیتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ بیشک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لائے ہیں (تو) ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ حقیقت کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان (اور) رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچ سکتے) اے ایمان والو! نہ چلو شیطان کے نقشِ قدم پر اور جو چلتا ہے شیطان کے نقشِ قدم پر تو وہ حکم دیتا ہے (اپنے پیروؤں کو) بے حیائی کا اور ہر برے کام کا۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی ہرگز۔ ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے" (النور: ۱۱تا۲۱)

منافقین

محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کا ظہور ہوا تو سوچوں میں انقلاب برپا ہوا۔ دلوں کی دنیائیں بدل گئیں۔ روح کی گہرائیوں میں غلغلہ بلند ہوا۔ چار سو اس کے چرچے ہونے لگے اور ہر جگہ حق کا ذکر ہونے لگا۔

لیکن آپ ﷺ کو تین قسم کے دشمنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ دشمن رسالت کی مخالفت کرنے لگے۔ اس کی اشاعت کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیے اور اس کے خلاف سازشوں کے جال بچھانے لگے کیونکہ انہیں اپنی چودھراہٹ کے چلے جانے کا اندیشہ تھا۔ انہیں یہ خوف تھا کہ کہیں ان کی امارت اور ریاست نہ چھن جائے یا ان کے دلوں میں دینِ حنیف کے خلاف حسد کے جذبات مشتعل تھے۔ یہ تین دشمن قریش مکہ، یہود مدینہ اور منافقین تھے۔

مشرکین مکہ نے تو صراحۃً اپنے کفر کا اعلان کر دیا۔ اور رسول خدا کی کھل کر دشمنی کی۔ آپ کے خلاف جنگیں لڑیں کہ جن کے شعلے عرصے تک مشتعل رہے اور سرد نہ ہونے پائے دوسرے یہود مدینہ تو انہوں نے جب دیکھا کہ رسول کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں اور ان کی رسالت کی مقبولیت روز بروز بڑھ رہی ہے تو وہ حسد کرنے گے اور اللہ کی اس نعمت پر دانت پیسنے لگے۔ انہوں نے محض حسد کی وجہ سے آپ کی غلامی سے انکار کر دیا اور کفر و عناد۔ دشمنی اور عداوت کا وہی راستہ اختیار کیا جو قریش مکہ نے اختیار کرر کھا تھا۔

رسول کریم ﷺ کو ان دو گروہوں کا سامنا تھا جن کی دشمنی بالکل واضح اور عیاں تھی۔ کبھی ان سے جنگ ہوتی۔ کبھی ان سے معاہدہ فرماتے۔ ان کے بارے یہ امید تھی کہ یا تو یہ مغلوب ہو جائیں گے یا اسلام اور اطاعت کی راہ پر چل دیں گے۔

لیکن تیسرا گروہ منافقین جن کے دل میں کفر تھا اور زبانوں پر ایمان و اسلام کی باتیں یہ لوگ بہت خطرناک تھے۔ ایک تو یہ انصار رضی اللہ عنہم کے قریبی رشتہ دار تھے اور دوسرا کھل کر اپنی دشمنی کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ یہ آستین کے سانپ ظاہری طور پر تو اسلام کا اعلان کرتے، محبتِ رسول کا دعویٰ کرتے۔ وہ مسلمانوں سے کہتے کہ ہم تمہارے بھائی ہیں۔ تم سے گہری محبت و مودت رکھتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں مرض تھا۔ کینہ تھا۔ وہ اندر سے مکر و فریب اور غداری سے بھرے ہوئے تھے۔ مسلمان خیال کرتے کہ واقعی یہ سچے مسلمان ہیں اور موقعہ آیا تو یہ دین کی سربلندی کے لیے جہاد کریں گے لیکن نہیں ان کے دل کفار کے ساتھ تھے۔ مسلمان بیچارے سمجھتے کہ وہ خالص مؤمن ہیں بہت متقی اور پرہیزگار ہیں لیکن وہ جھوٹے اور مکار تھے۔ وہ بزدل

تھے، خسیس تھے اور شر و فساد کے سرغنے تھے۔

> وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُو اقَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيَاطِيْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُ وُنَ۔
>
> "اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف (ان کا) مذاق اڑا رہے تھے۔(البقرہ:۱۶)

نہ تو وہ صدقِ دل سے کلمہ پڑھتے کہ انصار میں شمار ہوتے اور نہ اپنے کفر کا اعلان کرتے کہ رسولِ خدا ﷺ ان پر کفار کا حکم لگاتے۔ وہ کفر اور اسلام میں تذبذب کا شکار تھے۔ نہ وہ مسلمانوں کے ساتھ تھے اور نہ کافروں کے طرف دار۔ اس لیے وہ کافروں سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہو سکتے تھے اور ان سے مسلمانوں کی صفوں میں دراڑ پڑنے کے زیادہ اندیشے تھے۔ ایسا بھی ممکن نہ تھا کہ اللہ کا رسول ان کے ظاہر پر اکتفا فرماتا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیتا۔ ان کے ظاہر سے تو اسلام اور امن و سلامتی ٹپکتی تھی لیکن باطن میں کفر اور ناشکری تھی۔ وہ مسلمانوں کے پہلو میں ایک کانٹا تھے، آنکھوں میں تنکا اور جگر میں بانس تھے۔ حتیٰ کہ غزوہ بنی مصطلق کے دن مریسیع کنوئیں پر جو کچھ ہوا اس سے ان کا پردہ چاک ہو گیا اور ان کی منافقت عیاں ہو گئی۔ رب قدوس نے اپنے کلام سے ان کی حقیقت کو ظاہر فرما دیا اور اپنی زبان سے ان کے کھوٹے پن کا اعلان فرما دیا۔

بنی مصطلق سے واپسی پر قافلہ پانی لینے کے لیے گھوڑوں اور اونٹوں کو لیکر مریسیع کے کنوئیں پر اکٹھا ہو گیا۔ لوگوں کا ازدحام تھا۔ مویشی ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے جگہ تنگ تھی جھجاہ ابن مسعود غفاری اور سنان بن مسعود الجھنی کی آپس میں تلخ کلامی ہو گئی۔ جھجاہ کو حضرت عمر نے اجرت پر ساتھ لیا تھا وہ آپ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر چلتا تھا۔ اور سنان خزرج کی شاخ بنو عوف کا حلیف تھا۔ ان دونوں کے درمیان جھگڑا پھوٹ پڑا۔ بات طول پکڑ گئی۔ دونوں غصے سے پھنکارنے لگے اور باہم دست بگریباں ہو گئے۔ غفاری نے "یا للمھاجرین" کہہ کر مہاجرین سے مدد طلب کی اور سنان

نے یاللانصار کہہ کر مدد کی درخواست کی۔ دونوں شخص جاہلیت کی طرف پکارنے لگے جس کو اسلام نے جڑ سے اکھیڑ پھینکا تھا۔ وہ اس رسم بد کو تازہ کرنا چاہتے تھے جسے قرآن نے ہمیشہ کے لیے مٹا دیا تھا۔

دو شخص آپس میں دست بگریباں تھے جن کا شمار مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ ایک کا تعلق اُن لوگوں سے تھا جنہوں نے محض اللہ کے لیے اپنے وطن کو خیرباد کہا تھا اور ایک کا ناطہ اس جماعت سے تھا جس نے اپنے دینی بھائیوں کو اپنے دل میں جگہ دی تھی۔ انصار کو تو یہ چیز زیبا نہیں تھی۔ مہاجرین تو رسم کہن تازہ نہیں کر سکتے تھے۔ مہاجرین اور انصار تو باطل کے سب نقش مٹا کر بھائی بھائی ہو چکے تھے۔ وہ تو یک جان دو قالب تھے۔ وہ ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ وہ اپنے دشمنوں کے لیے فولاد اور اپنے دوستوں کے لیے ریشم سے بھی نرم تھے۔ ان کی محبت ہر شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ ان کے درمیان تو ناقابل شکست تعلق تھا۔

لیکن ایک لمحے میں اس بات کو منافقین لے اُڑے۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں چور تھا اور جو یقین کی دولت سے محروم تھے اسے ہوا دینے لگے۔

جب یہ بات عبداللہ بن ابی بن سلول تک پہنچی جو کفر کا سرغنہ۔ گمراہی کی جڑ اور منافقوں کا سردار تھا تو اس کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے۔ اس نے عداوت کی اس چنگاری کو پھونکیں مار مار کر بھڑکانے کی کوشش کی۔ اپنے خبثِ باطن کے اظہار پر اتر آیا۔ اپنے دل میں چھپے حقد و کینہ کو عیاں کرنے لگا۔ اپنے دوستوں کو اکٹھا کیا۔ اُن لوگوں کو بلایا جن کے دل میں نفاق کی بیماری تھی اور جو گمراہی اور اسلام دشمنی کی راہ پر اس کے پیچھے سرپٹ دوڑ رہے تھے۔ انہیں بتایا کہ میں نے آج جو ذلت اور رسوائی دیکھی ہے ایسی ذلت زندگی بھر نہیں دیکھی آج ان پناہ گیروں نے ہمارے ساتھ وہ سلوک کیا جس کے متعلق ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے وہ اپنے گھروں سے فرار ہو کر آئے ہیں اور اب ہم پر حکمرانی کرنے لگے ہیں۔ گویا ہماری مثال تو وہی ہوئی کہ "اگر تو اپنے کتے کو موٹا کرے گا تو وہ تجھے ہی کاٹ کھائے گا" خدا کی قسم ہمیں مدینہ پہنچ لینے دیں جو عزت والا ہو گا وہ ذلیل و کمینہ کو ضرور شہر سے نکال باہر کرے گا۔ یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔ تم نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔

میں کہتا ہوں آج آپ ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیں تو پھر دیکھیں کہ یہ کس طرح کسی اور شہر کو چل دیتے ہیں اور کس طرح تم سے محبت کے دعووں کو جھٹلاتے ہوئے الگ ہوتے ہیں تم دیکھتے نہیں کہ تم نے اپنے آپ کو محمد کی حفاظت کے لیے موت کا نشانہ بنا لیا ہے اور تم اسی کی خاطر مصیبتوں کا ہدف بن گئے ہو۔ جب بھی ضرورت پڑتی ہے تو تم ہر اول دستے کے طور پر محمد سے پہلے میدانِ جنگ میں کود جاتے ہو۔ لیکن ان کے نزدیک تو تمہاری حیثیت یتیم بے آسرا اور گرے پڑے بچے سے زیادہ نہیں۔ اے میری قوم کے جوانو! اگر تم اپنی بھلائی چاہتے ہو تو ان پناہ گیروں پر اپنی کمائی خرچ نہ کرو تاکہ یہ خود بخود یہاں سے چلے جائیں۔ ان سے خندہ پیشانی سے نہ ملو تاکہ یہ تمہارا پیچھا چھوڑ دیں۔

اتفاق سے اس مجلس میں حضرت زید بن ارقم بھی تشریف فرما تھے جو ابھی کمسن لڑکے تھے۔ لیکن تھے بڑے سچے مسلمان۔ اللہ کے رسول سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کے دل میں غیرت ایمان اور اتحاد و اتفاق کی شدید تمنا موجزن تھی۔ آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور عبداللہ بن ابی کی سرداری اور اس کی ظاہری شان و شوکت کی ذرا برابر بھی پرواہ نہ کی۔ اور فرمانے لگے۔ میں قسم اٹھاتا ہوں تو بڑا ذلیل اور کمینہ ہے پوری قوم میں مبغوض پورے خاندان میں مکروہ ترین ہے۔ اور اللہ کے حبیب محمد فداہ ابی و امی کے ساتھ اللہ کی مدد و نصرت اور مسلمانوں کی قوت ہے۔ وہ بارگاہ ایزدی میں مقبول و محبوب ہیں اور لوگوں میں پسندیدہ و برگزیدہ ہیں۔

پھر سیدھے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عبداللہ بن ابی کی خرافات سے آپ کو آگاہ کیا۔ منافق کی ہرزہ سرائی سے رسول کریم ﷺ کے چہرے سے ناپسندیدگی ٹپکنے لگی اور چشمان مبارک سے غم و اندوہ جھانکنے لگا۔ آپ بہت پریشان دکھائی دینے لگے کیونکہ مسلمانوں میں شر و فساد کا سنگ ظاہر ہو گیا تھا۔ شیطان ان میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا اور مخالفت شر و فساد کی چنگاری بھڑک اٹھی تھی۔

حاضرین مجلس میں خزرج کے کچھ بزرگ لوگ بھی تھے۔ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! عبداللہ ہمارا سردار اور بزرگ ہے۔ آپ اس کے خلاف ایک بچے کی باتوں پر نہ جائیں۔ ہو سکتا ہے اس لڑکے کو غلطی لگی ہو۔ حضور ﷺ بچے کی طرف

متوجہ ہوئے اور فرمایا زید! شاید تو عبداللہ سے ناراض ہے۔ عرض کی: حضور مجھے اس کے علاوہ اس سے کوئی ناراضگی نہیں۔ آپ نے فرمایا ہو سکتا ہے تو نے صحیح نہ سنا ہو۔ عرض کی۔ نہیں میں نے یہ باتیں غور سے سنی ہیں۔ آپ نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اور بات کر رہے ہوں اور تو نے اسے کچھ اور معنی پہنا دیے ہوں۔ عرض کی حضور! ایسا نہیں ہے۔ میں وہی عرض کر رہا ہوں جو ان کانوں سے سن چکا ہوں۔

آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے پوچھا: کیا تو نے میرے متعلق کوئی بات کی ہے کہ جس کی خبر نے مجھے پریشان کر دیا ہے عبداللہ بن ابی بولا۔ حضور! خدا! میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔ شرم وحیاء کو بالائے طاق رکھ کر اس نے سفید جھوٹ بول دیا۔ زید جھوٹ بول رہا ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ وہ جھوٹی قسمیں اٹھا رہا تھا۔ جھوٹی قسمیں اس کا شعار اور ایک ڈھال تھی۔ وہ اسی طرح حضورؐ اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ تو جانتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی باتوں میں ذرا برابر بھی سچائی نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! حکم دیں۔ میں اس خبیث سے نمٹ لوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا اے عمر! یہ کیسے ممکن ہے۔ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں اور جاں نثاروں کو قتل کرتا ہے۔ اسے جانے دیجیے۔

قافلے نے صبح منہ اندھیرے کوچ کیا۔ اتنے سویرے عموماً آپ کوچ کا حکم نہیں دیا کرتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ اس فتنے کا خیال لوگوں کے ذہنوں سے نکل جائے اور جاہلیت کے زمانہ کی رسم تازہ نہ ہو جائے۔ دوران سفر حضرت اسید بن حضیر سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ نے اتنا جلدی کوچ کا حکم دے دیا حالانکہ آپ اتنی صبح کو تو چلنے کا حکم نہیں دیتے۔ کہیں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آگیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں خبر نہیں کہ تیرے دوست نے کیا کہا ہے۔ اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ حضور آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں عبداللہ بن ابی کی بات کر رہا ہوں۔

اسید نے عرض کی : حضور! عبداللہ نے کیا کہا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ گمان کر رہا ہے کہ جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو عزت والا ذلیل کو نکال دے گا۔

اسید نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! خدا کی قسم اگر آپ چاہیں تو ہم اسے مدینہ طیبہ سے نکال دیں۔ خدا کی قسم وہ ذلیل ہے، اور آپ کو اللہ نے ساری عزتیں عطا فرمادی ہیں۔ پھر اسید رضی اللہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ! نرمی فرمائیں۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ والوں نے اس کی تاج پوشی کے لیے ایک قیمتی تاج بنا رکھا تھا۔ آپ کی آمد سے اس کی بادشاہی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور وہ سمجھ رہا ہے کہ گویا آپ نے اس کے ہاتھ سے ریاست چھین لی ہے۔ وہ حسد کی آگ میں ہمیشہ جلتا رہے گا اور مرتے دم تک اسے یہ غم ستاتا رہے گا۔

قافلہ چلتا رہا حتی کہ مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ ٹھہرتے ہی یہ آیات نازل ہوئیں۔

اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ۔ اِتَّخَذُوْا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ آمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَايَفْقَهُوْنَ۔ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْلَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ۔ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ۔ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَاتُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۔ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ

الْمُنَافِقِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ۔

(اے نبی مکرم) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اسی طرح روکتے ہیں اللہ کی راہ سے۔ بے شک یہ لوگ بہت برے کرتوت ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔ ان کا یہ (طریق کار) اس لیے ہے کہ وہ (پہلے) ایمان لائے پھر وہ کافر بن گئے۔ پس مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر تو (اب) وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو بڑے خوشنما معلوم ہونگے۔ اور اگر وہ گفتگو کریں تو توجہ سے آپ ان کی بات سنیں گے (درحقیقت) وہ (بیکار) لکڑیوں کی مانند ہیں جو دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی گئی ہوں۔ گمان کرتے ہیں کہ ہر گرج ان کے خلاف ہی ہے۔ یہی حقیقی دشمن ہیں پس آپ ان سے ہوشیار رہیے۔ ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ کیسے سرگرداں پھرتے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت طلب کرے تو (انکار سے) اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ (حاضری سے) رک رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے۔ یکساں ہے

آپ طلب مغفرت کریں ان کے لیے یا طلب مغفرت نہ کریں ان کے لیے اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا انہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا۔ یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں نہ خرچ کرو ان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ (بھوک سے تنگ آکر) تتر بتر ہو جائیں۔ اور اللہ کے لیے ہی ہیں خزانے آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین (اس

حقیقت کو) سمجھتے ہی نہیں۔ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت والے ذلیلوں کو۔ حالانکہ (ساری) عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے، اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں" (المنافقون: ۱تا۸)

یہ کہ درمیان رسول کریم ﷺ نے ان آیاتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے کان سے پکڑ کر فرمایا: اے لڑکے! تیرے کانوں نے سننے میں غلطی نہیں کی۔ لے اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کر دی ہے اور منافقوں کے جھوٹ کی قلی کھول دی ہے۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کو اس کے اپنے بیٹے نے مدینہ طیبہ کے باہر روک لیا۔ اس کا بیٹا حضور سرورِ کائنات کا سچا غلام تھا اور تلوار سونت کر کہنے لگا۔

اے میرے باپ! یہیں رک جا۔ خدا کی قسم جب تک تو یہ شہادت نہیں دیتا کہ تو ذلیل ہے اور ساری عزت اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے لیئے ہے اس وقت تک تو مدینہ طیبہ میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے رسول اور مؤمنین کی طرف سے جزائے خیر دے۔ اسے آنے دو۔ ہو سکتا ہے یہ توبہ کر لے۔

فاسق کی خبر

رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق پر چڑھائی فرمائی۔ بنی مصطلق کے چند آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور پورا قبیلہ قیدی اور قوم کی ساری دولت مالِ غنیمت میں تقسیم ہو گئی۔ رسولِ خدا ﷺ نے سردارِ قبیلہ کی بیٹی (جویریہؓ) سے شادی فرمائی۔ اس رشتہ داری کی وجہ سے مسلمانوں نے تمام لوگوں کو آزاد کر دیا اور مالِ غنیمت واپس کر دیا۔ اس حسن سلوک کو دیکھ کر پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ رسول خدا ﷺ مدینہ طیبہ واپس آگئے۔ آپ نے ولید بن عقبہ کو زکوٰۃ لینے کے لیے بنی مصطلق کے پاس بھیجا۔ حکم دیا کہ امیروں سے زکوٰۃ اور صدقات کی رقم لے کر اسی قبیلے کے فقیروں اور

غریبوں میں تقسیم کر دینا۔ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور تشریف لے گئے۔ جب بنی مصطلق کو ان کے آنے کی خبر ملی تو انہوں نے استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور انہیں خوش آمدید کہنے کے لیے شہر سے باہر نکل آئے۔ ولید اور بنی مصطلق کے درمیان پرانی رنجش تھی اور یہ دشمنی نسل در نسل چلتی آ رہی تھی۔ آپ نے جب دیکھا کہ پورا قبیلہ میری راہ میں کھڑا انتظار کر رہا ہے تو آپ سمجھ بیٹھے کہ شاید وہ میرے قتل کے درپے ہیں اور اسی لیے میری آمد کا سن کر باہر نکل آئے ہیں۔ وہ واپس بھاگے اور سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کی: یارسول اللہ! بنی مصطلق مرتد ہو گئے ہیں اور انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ حضرت زید گمان کر رہے تھے کہ شاید انہوں نے بڑی غلطی اور عظیم جرم کا ارتکاب کر دیا ہے۔

رسولِ خدا ﷺ کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ آپ کی ناراضگی کو دیکھ کر مسلمان بھی غصے سے دانت پیسنے لگے۔ آپ نے جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ اور انہیں اس جرم کی سزا دینے کا فیصلہ صادر فرما دیا۔ جب بنی مصطلق کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ وہ تو سچے مسلمان تھے۔ ولید نے ان کے متعلق غلط اندازہ لگایا تھا۔ وہ تو اللہ کے رسول کی مخالفت کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ارکان اسلام کی ادائیگی میں ٹال مٹول کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک وفد روانہ کیا۔ وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ مسلمان جنگ کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ اور کوچ کا حکم ملنے والا ہے۔

وفد کے شرکاء نے صورتِ حال بیان کی: یارسول اللہ! جب حضور کے قاصد کی ہمیں اطلاع پہنچی تو ہم تعظیماً استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلے۔ ہم تو یہ چاہتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ماننے میں دیر نہ ہو اور ہم خود زکوٰۃ و صدقات جمع کر کے ولید کی خدمت میں پیش کر دیں۔ لیکن ولید ہمیں دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ ولید نے غلط اندازہ لگایا۔ وہ یہ سمجھا کہ شاید ہم اسے قتل کرنا چاہتے ہیں اور مرتد ہو کر زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی سے انکار کر رہے ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ ہم دل سے اسلام کو قبول کر چکے ہیں۔ ہم تو اللہ کے دین سے روگردانی کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ اسلام لانے کے بعد اس کو چھوڑ دینے کا تو سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا۔

رسول کریم ﷺ شش و پنج میں مبتلا ہو گئے۔ ولید سچ کہتا ہے یا وفد کے یہ شرکاء۔ کچھ فیصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ اسی اثنا میں کلام مجید کی یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاءٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَافَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ

اے ایمان والو! اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم ضرر پہنچاؤ کسی قوم کو بے علمی میں پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے لگو۔ اور خوب جان لو تمہارے درمیان رسول اللہ تشریف فرما ہیں۔ اگر وہ مان لیا کریں تمہاری بات اکثر معاملات میں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر، فسق اور نافرمانی یہی لوگ راہِ حق پر ثابت قدم ہیں (الحجرات: ۶، ۷)

"فتحِ مکہ"

خواب

رسولِ خدا ﷺ بیدار ہوئے تو چہرۂ اقدس خوشی سے تمتما رہا تھا۔ طبیعت ہشاش بشاش تھی اور ایک نئے ولولے کا پتہ دے رہی تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بلا بھیجا۔ تمام حضرات خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ زیارت کی تو رخ انور پر مسرتیں کھیل رہی تھیں۔ آنکھوں سے فرحت و انبساط کی روشنی جھانک رہی تھی۔ جبینِ مبارک پر نور و سرور کی جھلک نمایاں ہو رہی تھی۔ لگتا تھا خاطر عاطر میں شادمانی ہے۔ کوئی خوش کن اطلاع اور عظیم خبر مل گئی ہے۔

جب تمام لوگ آچکے۔ مسجد نبوی کا صحن صحابہ کرام سے بھر گیا تو حضور ﷺ نے انہیں خواب سنایا۔ بس خواب سننے کی دیر تھی کہ ان کے دل خوشی سے کھل اٹھے اور سب لوگ سر مستی میں سر دھننے لگے۔ آج ان کی تمناؤں کے پورا ہونے کا وقت آگیا تھا۔ آج ان کی امیدیں پورا ہوا چاہتی تھیں: خواب یہ تھا۔

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ۔

"تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن وامان سے منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشواتے ہوئے" (الفتح: ۲۷)

آپؐ نے فرمایا:

عزم سفر باندھو اور کوچ کے لیے زادِ راہ تیار کر لو۔ ہمارا مقصد عمرہ اور طواف بیت اللہ ہے ہاں بدنہ ساتھ لینا نہ بھولنا اور بیت اللہ شریف کی عزت و تکریم کے لیے جانوروں کو نشان بھی لگا لینا۔ یہ خواب پورے مسلمانوں میں پھیل گیا۔ ہر چوراہے پر ہر محفل میں اس کا تذکرہ ہونے لگا۔ تمام مسلمان ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ خوشی کے شادیانے بجے اور ہر طرف فرحت و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ کیا یہ اللہ کے رسول کا خواب نہیں تھا۔ ؟ آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں جو بھی خواب دیکھا وہ روشن صبح کی مانند واضح تھا اور چمکتے سورج کی طرح ظاہر و باہر نکلا کیا یہ انھی کی زبانی خبر نہیں تھی ؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا روز مرہ کا مشاہدہ تھا کہ زبان اقدس سے جو بات نکلتی ہے ہو کے رہتی ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ سچی خبر دی اور آپ کی اطلاع میں ذرا بھی التباس اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ اور صحابہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔ اس لیے خواب سن کر وہ سوچنے لگے کہ اب وہ اپنے محبوب شہر اور پیاری دھرتی سے بہت سے قریب آچکے ہیں۔ عنقریب وہ اس شہر کی مٹی کی خوشبو سونگھیں گے اور اس وطن کی مہک سے مشام جاں کو معطر کریں گے جو ان کے دلوں کا قبلہ ہے۔ جہاں ان کے دوستوں کے مسکراتے چہرے ان کے لیے بے تاب ہیں۔ جہاں سے دشمنوں نے انہیں ظلماً بے دخل کر رکھا ہے۔ اللہ کے صادق و امین نبی کے خواب کے مطابق عنقریب وہ خانہ خدا کا طواف کریں گے۔ رکن بیت اللہ کا استسلام کریں گے، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کریں گے اور اس سرزمین مقدس پر قدم رکھنے کی سعادت حاصل کریں گے جس سرزمین پر ان کے باپ اسماعیل اور دادا ابراہیم علیہما السلام قدم رنجہ فرما ہوئے تھے۔ اور کسے خبر تھی کہ کل کیا ہونے والا ہے ؟ وہ تو سوچ رہے تھے کہ شاید قریش کی ناک خاک آلود ہو جائے۔ انہیں انکار کی

جرأت نہ رہے اور ان کا جذبہ حمیت سرد پڑ جائے۔ وہ سوچ رہے تھے ممکن ہے اللہ کے پاک گھر میں، مسجد حرم کی فضاؤں میں توحید کا غلغلہ بلند ہو اور کفر نیست و نابود ہو جائے۔

رات بیت گئی۔ دوسرے دن صبح کا اجالا نمودار ہوا۔ باد نسیم چلنے لگی۔ مسلمان قربانی کے جانوروں کو ہانکتے ہوئے سوئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے دلوں میں امید کے چراغ روشن تھے۔ چہروں پر مسرتیں کھیل رہی تھیں۔ عزائم سینوں میں بیدار ہو چکے تھے۔ آج سب لوگ مکہ مکرمہ کی طرف رواں تھے۔ چھوٹے بڑے سب واپس آنے کی خوشی میں عازم سفر تھے۔ مؤمن تو حضور کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے ساتھ ہو لیے اور کسی خوف کسی کی عداوت کو در خور اعتناء نہ سمجھا لیکن حضور نے ارد گرد کے جن قبائل کو دعوت دی جو زبانی دعوے کرتے رہتے تھے کہ ہم حضور کے ساتھ ہیں وہ بہانے بنانے لگے اور کہنے لگے۔

شَغَلَتْنَا اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا

"ہمیں بہت مشغول رکھا ہمارے مالوں اور اہل و عیال نے" (فتح: ۱۱)

منافقین کی چہ مگوئیوں اور اس غلط پروپیگنڈے نے مؤمنوں کی شجاعت و بہادری میں کوئی کمی نہ کی کہ۔

اَنْ لَنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا

"اب ہر گز لوٹ کر نہیں آئے گا یہ پیغمبر اور ایمان والے اپنے اہل خانہ کی طرف کبھی" (فتح: ۱۲)

لیکن آدھا راستہ بھی طے نہیں ہوا تھا کہ صحابہ کرام نے بشر خزاعی کی آواز سنی جو رسولِ مکرم ﷺ سے گفتگو کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اے اللہ کے رسول! آپ کے حکم کے مطابق میں قریش کے پاس گیا تا کہ ان کے ردِ عمل کے بارے آپ کو مطلع کروں حضور! آپ کی تشریف آوری سے وہ مطلع ہو چکے ہیں۔ نہ جانے کیسے؟ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ نے بیت اللہ شریف میں حاضر ہونے کے متعلق خواب دیکھا ہے اور اسی غرض سے اپنے صحابہ کی معیت میں تشریف لا رہے ہیں۔ لوگ یہ آواز بڑے دھیان سے سن رہے تھے۔ رسولِ خدا ﷺ استفسار فرما رہے تھے۔

بشر! ذرا تفصیل سے بتاؤ۔ ہماری آمد کی خبر پا کر وہ کس ردِ عمل کا اظہار کر رہے

تھے ؟ وہ ہمیں دشمن کے روپ میں ملنا چاہتے ہیں یا دوست کی حیثیت میں ؟ بشر نے عرض کی : یا رسول اللہ ! وہ اپنے اہل و عیال اور مال مویشی لیکر مکہ سے باہر نکل آئے ہیں۔ انہوں نے چیتے کی کھالیں پہن لی ہیں اور دل میں یہ عہد کر لیا ہے کہ مسلمان کبھی بھی مکہ میں داخل نہیں ہوں گے خالد بن ولید جوان کا مشہور جنگجو اور معروف گھڑ سوار ہے اپنے دستے کو ساتھ لیے کراع الغمیم تک پہنچ چکا ہو گا۔

رسول خدا علیہ السلام نے ٹھنڈی آہ بھری اور فرمایا : قریش کا ستیاناس ہو۔ جنگ نے انہیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اگر وہ مجھے چھوڑ دیتے اور عرب سے ٹکر لینے دیتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ اگر میں مغلوب ہوتا تو ان کا مقصد خود بخود پورا ہو جاتا اور اگر میں غالب رہتا تو عرب گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہو جاتے اور اگر وہ ایسا نہ کرتے تو میرے ساتھ جنگ کرتے اور عرب میں جنگ کرنے کی قوت بھی ہے۔ وہ میری ٹکر کے ہیں۔ قریش کیا سمجھ رہے ہیں ؟ خدا کی قسم میں اس وقت تک راہ خدا میں جہاد کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے غلبہ نہیں دے دیتا یا میری گردن تن سے جدا نہیں ہو جاتی۔ اور خالد کیا چاہتا ہے ؟ ہم جنگ کرنے تو نہیں نکلے۔ ہمارا مقصد قطعاً جنگ کرنا نہیں ہے۔ ہم تو امن و سلامتی کے خواہاں ہیں۔ آج نیزے ٹکرانے کا دن نہیں ہے۔ جنگ و قتال کا دن نہیں ہے دوستو ! کیا تم میں کوئی ہے جو ہمیں کسی اور راستے کے ذریعے مکہ لے چلے۔ اور قریش کے جاسوسوں اور گماشتوں کی نظروں سے ہمیں بچا لے جائے ؟

ایک صحابی رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ وہ مکہ کے تمام راستوں سے واقف تھے۔ اور راستے کی نشیب و فراز کو اچھی طرح جانتے تھے۔ انہوں نے قصویٰ کی مہار تھام لی اور ایک مشکل اور پر پیچ راستہ پر ہو لیے۔ وہ انہیں دشوار گزار راستوں پر چلتے رہے حتیٰ کہ یہ قافلہ ایک بڑی شاہراہ تک آ پہنچا۔

مسلمانوں کا قافلہ چلتا رہا۔ دلوں میں خانہ خدا کو دیکھنے کی آرزوئیں مچل رہی تھیں اور آنکھوں سے زیارت بیت اللہ کے جذبے جھانک رہے تھے۔ لیکن اچانک قصویٰ کے قدم رکے۔ وہ آگے چلنے کے لیے شاید تیار نہیں تھے۔ کیا وجہ ہے آخر وہ آگے کیوں نہیں چل رہی کیا رسول خدا علیہ السلام نے خود بخود مہار کھینچ لی ہے۔ یا کسی غیبی طاقت نے اس کا راستہ تبدیل کر دیا ہے ؟ مگر نہیں حضور علیہ السلام تو اسے آگے چلنے کے لیے ایڑ لگا

رہے ہیں مگر اونٹنی ایک قدم بھی چلنے کو تیار نہیں قصویٰ نہیں چل رہی۔ وہ خود بخود رک گئی ہے۔ یہ بات سارے قافلے میں مشہور ہو گئی۔ سب لوگ سوچ رہے ہیں کیا ہوا۔ قصویٰ رک کیوں گئی۔ حضور ﷺ فرماتے سنائی دیتے ہیں۔ بخدا۔ وہ خود بخود نہیں رکی۔ وہ ہرگز اڑیل نہیں ہے۔ یہ تو بڑی اصیل اور لادو ہے۔ اس کو آگے بڑھنے سے اسی ذات پاک نے روک دیا ہے جس نے ابرہہ کے ہاتھی کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ ضرور اس کے رک جانے میں کوئی راز پوشیدہ ہے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ قریش مجھ سے جس ایسے امر کی درخواست کریں گے کہ جس میں شعائر اللہ کی تعظیم ہوتی ہو میں ضرور اس کو منظور کر لوں گا۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ اونٹنی آگے بڑھنے کو تیار نہیں اور اللہ کی قدرت نے اسے اسی جگہ رکنے اور ٹھہرنے پر مجبور کر رکھا ہے تو آپ نے قافلے کو حکم دیا کہ کسی کھلی جگہ پڑاؤ کر لو۔ اور کجاوے اتار کر اونٹوں کو بٹھا دو۔ یہ قافلہ جہاں رکا اس جگہ کا نام حدیبیہ تھا۔ مسلمانوں نے اپنے اونٹ بٹھا دیئے اور خیمے گاڑھ کر راستے کے نشانات اور علامات نصب کر لیں۔

رات کے اندھیرے میں دور سے ایک شخص نظر آتا ہے۔ وہ اسی راستے پر چلا آرہا ہے۔ تھوڑا انتظار کرو۔ وہ ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ غالباً وہ ہمارا ہی قصد رکھتا ہے۔

یہ بدیل بن ورقہ الخزاعی ہے۔ کوئی حرج نہیں اسے آنے دو۔ کیونکہ یہ خزاعہ قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور خزاعہ قبیلے کی وفاداری، اخلاص اور دوستی قابل اعتماد ہے۔ اگر وہ مکہ سے آرہا ہے تو وہ مکہ والوں کے متعلق ہمیں سب کچھ صحیح صحیح بتا دے گا اور قریش کے ارادوں سے مطلع کر دے گا۔

جب بدیل قافلے میں پہنچ گیا تو لوگ اس کے اردگرد جمع ہو گئے اور قریش اور مکہ مکرمہ کے دوسرے باسیوں کے ارادوں کے متعلق پوچھنے لگے۔ سب لوگ گوش بر آواز تھے اور قریش کے متعلق کچھ سننے کے لیے بے تاب۔ سوالوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ بدیل! کہاں سے آرہے ہو؟ وہ کیا چاہتے ہیں؟ ان کی جنگی تیاریوں کا کیا ہوا؟ خالد بن ولید جب واپس پہنچا تو لوگوں کے تاثرات کیا تھے؟

بدیل نے کہا: سوال مت کرو۔ اور خاموش رہو۔ میں کسی سوال کا جواب

نہیں دوں گا۔ میں اس وقت تک تم سے بات بھی نہیں کروں گا جب تک میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل نہیں لیتا۔ یہ کہہ کر وہ بڑھا اور تیز تیز قدموں سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کی طرف چلنے لگا۔ وہ بارگاہِ نبوی میں پہنچا اور آپ سے باتیں کرنے اور بتانے لگا۔

اے محمد! میں اس وقت یہاں آیا ہوں حالانکہ قریشی میری آمد سے واقف نہیں۔ میں نے آج ایک ایسی بات سنی ہے جس کا انجام آپ کے لئے بہت برا ہے۔ میں ڈر گیا ہوں اور مجھے اس میں بہت نقصان کا خدشہ نظر آیا ہے۔ میں اس فتنہ کو دور کرنے کی کوشش میں یہاں تک آپہنچا ہوں۔ بات یوں ہے کہ حسب عادت کل میں قریش کے پاس گیا۔ وہ اکٹھے بیٹھے آپ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ ان کی باتوں سے غصہ ٹپکتا تھا۔ ہر شخص غیض و غضب کی آگ میں جلتا محسوس ہوتا تھا۔ سب کی تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں اور غصے کی وجہ سے گویا ان کے دل پھٹے جاتے تھے۔ جب سے انہوں نے سنا ہے کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ آرہے ہیں اور مکہ کے سنگریزوں کو اپنے قدموں سے روندنا چاہتے ہیں اور سرزمین مقدس پر قدم رکھنے کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے ایک مجلس میں یہ قرارداد منظور کی ہے کہ وہ آپ کے ساتھ جنگ کریں گے۔ وہ جنگ کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ ان کے ترکش تیروں سے پر ہیں اور وہ بھالے تیروں پر چڑھائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے قسم کھائی ہے کہ آپ کو کسی صورت مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے اپنے خداؤں لات، عزیٰ اور ھبل اعلیٰ کو اس پر گواہ ٹھہرایا ہے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لوگ غفلت میں یا سوتے میں آپ پر حملہ نہ کر دیں۔ اس لیے احتیاط برتیے اور اپنی ذات اور اپنے صحابہ کو بچانے کی کوشش کیجیے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدیل! آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم جنگ کی تیاری کر کے نہیں آئے۔ اور نہ جنگ کرنا ہمارا مقصد ہے۔ ہم تو صرف بیت اللہ کی زیارت کے خواہاں ہیں۔ صرف شعائر اللہ کی تعظیم ہمارا مقصد ہے۔ تو دیکھ رہا ہے کہ ہماری تلواریں نیاموں میں ہیں۔ اور قربانی کے جانور نشان زدہ ہو چکے ہیں۔ ہم سب عمرہ کی نیت سے آئے ہیں۔ بدیل! اگر تو مناسب خیال کرے تو انہیں ہماری آمد کی اطلاع دیجئے اور انہیں بتائیے کہ ہمارا مدعا کیا ہے۔ ہو سکتا ہے اللہ کریم آپ کی وجہ سے ہمیں خونریزی سے

بچالے اور ہمارے مدمقابل قریش کو ہماری بات سمجھنے کی توفیق مل جائے۔

بدیل مکہ کی طرف چل دیا۔ جب وہ پہنچا تو دیکھا کہ لوگ باتوں میں مصروف ہیں اور محمد ﷺ کا لشکر موضوعِ گفتگو ہے۔ سب قسمیں کھا رہے ہیں کہ محمد اس شہر میں داخل نہیں ہوگا۔ لیکن ان کی گفتگو سے پتہ چلتا تھا کہ وہ لڑنے سے کنی کترا رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسلامی لشکر واپس چلا جائے۔ اگرچہ وہ لڑائی کی بھرپور تیاری کر چکے ہیں لیکن چاہتے یہ ہیں کہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔ اس لیے وہ مشورہ کرنے کے لیے آج پھر اکٹھے ہوئے ہیں۔ کہ باہمی گفتگو سے جنگ سے بچنے کی کوئی صورت تجویز کریں۔ بدیل ان کی مجلس میں پہنچ چکا ہے اور ان کی گفتگو سن رہا ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ محمد ﷺ سے مل کر آیا ہے تھوڑی دیر میں لوگ اس کے اردگرد جمع ہو گئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ وہ اس مسئلہ میں کیا رائے رکھتا ہے وہ کہنے لگے : بدیل! آیئے کیا محمد کے متعلق تمہیں کچھ معلوم ہے ؟ کیا تم جانتے ہو کہ وہ ہمارے گھروں میں ہم سے جنگ لڑنے آیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہماری عزت خاک میں ملا کر رکھ دے۔ کیا اس کے لیے اتنا کافی نہیں کہ اس نے ہمارے سورماؤں، ہمارے صائب الرائے سرداروں کو قتل کر ڈالا۔ آج بھی عتبہ، شیبہ، حنظلہ اور ابن ہشام کی یادیں ہمارے دلوں میں تازہ ہیں۔ ان ود پر رونے والیوں کے آنسو آج تک گرم ہیں اور رخساروں پر بہہ رہے ہیں۔ آج پھر وہ ہمارے زخموں کو تازہ کرنے آپہنچا ہے۔ آج وہ ہم پر ایک ایسی جنگ مسلط کرنے کے لیے تیار بیٹھا ہے جو ہمارا گوشت چبا جائے۔ بدیل! ذرا بتا تیری کیا رائے ہے ؟ تو اس سلسلے میں کیا مشورہ دینا چاہتا ہے ؟

بدیل نے کہا : تم غلط سوچ رہے ہو۔ تم سب توہم پرست سے ہو گئے ہو۔ تم نے غلط اندازہ لگایا ہے اور وہم و گمان میں بہت دور نکل گئے ہو۔ میں محمد سے مل کر آرہا ہوں۔ اس کے متعلق کچھ معلومات رکھتا ہوں اور اس کے ارادوں سے بھی قدرے واقف ہوں۔ میری اپنی سوچ ہے اور اس سلسلے میں ایک الگ رائے رکھتا ہوں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں کچھ بتا دوں اور اپنی رائے کا بھی اظہار کر دوں۔

قریش نے کہا : ہاں ہاں ضرور۔ بتاؤ تمہارے پاس کیا معلومات ہیں۔ تم اپنی رائے کا اظہار کرو ہم بعد میں اپنے تاثرات اور تجاویز کا اظہار کریں گے۔ بدیل بولا : میں

محمد (ﷺ) سے ملا ہوں۔ اور اس کی رائے معلوم کر چکا ہوں۔ اُس نے خود مجھے اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کیا ہے۔ وہ تم سے جنگ کرنا نہیں چاہتا۔ اور نہ وہ چڑھائی کی غرض سے آیا ہے۔ وہ عمرہ کرنا چاہتا ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم کی نیت رکھتا ہے۔ میری رائے یہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اسی میں ہماری بہتری اور اسی میں کشت و خون کو بند کرنے کے امکانات موجود ہیں کہ تم اسے آنے دو۔ وہ بیت اللہ کا طواف کر کے واپس چلا جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس سے صلح کر لو۔ وہ یقیناً صلح پر راضی ہو جائے گا اور تم سے تعرض نہ کرے گا۔ پھر عرب جانیں اور وہ عرب پر غالب آجائے یا عرب اس پر۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہو گا چاہو تو تم اس دین کو قبول کر لو چاہو تو اس دین کو رد کر کے اپنے آپ کو جنگ سے بچالو اور اس کی دشمنی سے محفوظ رہو۔ میں تمہیں یہی مشورہ دیتا ہوں کیونکہ میں مخلص اور تمہارے بہتر انجام کا خواہاں ہوں۔

قریش بدیل کی بات سن کر چیخ اٹھے: یہ بالکل بے ہودہ تجویز ہے۔ یہ تو محض دھوکہ اور چال ہے۔ بدیل چاہتا ہے کہ محمد چپکے سے ہم پر حملہ کر دے اور ہمیں سنبھلنے کا موقعہ بھی نہ دے۔ اس کی نیت کچھ اچھی نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ لشکر شہر پر آسانی سے قبضہ کر لے اور ہمیں راستے روکنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔ پھر وہ بدیل سے مخاطب ہوئے اے بدیل! کیا تیری نصیحت یہ ہے کہ ہم تلواریں نیاموں میں رکھ کر دشمن کے سامنے سر جھکا دیں۔ تو کیا یہ چاہتا ہے کہ محمد شہر میں داخل ہو کر ہمیں ذلیل و خوار کر کے رکھ دے۔ بدیل! تیری رائے میں اژدھوں اور ناگوں کا زہر ہے۔ ہاں ایسا کیوں نہ ہو تیرا تعلق جو بنو خزاعہ سے ہے۔ تمہارے محمد سے تعلقات کس سے پوشیدہ ہیں۔ تمہارے اور محمد کے آباؤ اجداد کے تعلقات کے بارے کون نہیں جانتا۔ بس ہم تیری زبان سے اس سلسلے میں ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتے۔ خبردار جو اس کے بعد اس معاملہ میں ذرا بھی دخل دیا تو۔

بدیل نے کہا: ٹھیک ہے۔ تم جانو اور تمہارا کام۔ کل تم خود بخود اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لو گے۔

اب پوری قوم کی آنکھیں ابو سفیان پر لگی ہوئی تھیں۔ کیونکہ ابو سفیان مجلسِ مشاورت کا بزرگ اور قریشی جماعت کا قائد شمار ہوتا تھا۔ اب وہ اس کی رائے سننا

چاہتے تھے۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ وہ اس بارے میں کیا سوچ رکھتا ہے۔

ابو سفیان نے کہا: یہ حلیس بن علقمہ ہے جو احابیش (غیر عرب قوموں) کا سردار ہے۔ وہ اس مجلس میں تشریف فرما ہے۔ یہ ہمارا حلیف ہے اور ان پر ہمارے پڑوس کا حق ہے۔ اس کے ساتھ اس کی رائے مشکلات کی تاریکیوں کو تار تار کر دیتی ہے اور حقائق کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ اسے ایک امانت دار قاصد اور شریف مبلغ کی حیثیت سے محمد کے پاس جانا چاہیے۔ شاید یہ شخص محمد کو اپنے ارادوں سے موڑ سکے اور اپنے عزائم سے باز رکھ سکے۔ اگر یہ سفارت کارگر نہ ہوئی تو پھر کچھ سوچیں گے کہ کیا کرنا ہے۔

رسولِ خدا ﷺ نے دور سے حلیس کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: دیکھو حلیس آتا ہے۔ لگتا ہے اسے قریش نے سفیر بنا کر بھیجا ہے۔ حلیس کا قبیلہ جانوروں کی قربانی کرنے کو پسند کرتا ہے۔ قربانی کے جانور اس کے سامنے لے آؤ تاکہ وہ دیکھ لے۔ حلیس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ساری وادی نشان زدہ اونٹوں سے بھری ہوئی تھی۔ اور زیادہ دیر رکنے کی وجہ سے تمام بوٹیاں چری ہوئی تھیں۔ حلیس نے کوئی بات نہ کی اور غصے کی حالت میں قریش کے پاس واپس چلا آیا۔ اور کہا: قریشیو! تم نے غلط سوچا ہے۔ تمہارے اندازے صحیح نہیں۔ محمد اور اس کے ساتھی عمرہ کرنے آئے ہیں۔ کیا تم ان لوگوں کو کعبہ میں داخل نہیں ہونے دو گے جو عمرہ کے لیے آئے ہیں اور کعبۃ اللہ کی تعظیم کرنا چاہتے ہیں۔ کیا اللہ کے اس گھر کی زیارت کو جزام اور حمیر کے لوگ نہیں آتے؟ پھر کیوں تم عبد المطلب کے پوتے کی راہ روک رہے ہو۔ کیا عبد المطلب کا تم میں وہ مقام نہیں کہ گویا ستارے بھی اس کی دسترس میں ہوں۔ کیا محمد کے اسلاف کی عزت شاہین کی اڑان سے بھی بلند تر نہیں۔ رب کعبہ کی قسم قریش نے ہلاکت کی راہ اختیار کی ہے۔ بخدا یہ لوگ عمرہ کی نیت سے آئے ہیں۔ اور تم ان کی راہ روک رہے ہو۔ ہم اس ظلم میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے۔ ہم گناہ میں ہرگز آپ کے حلیف نہیں بنیں گے۔ اگر تم نے محمد کو عمرے سے روکا تو میں اپنی قوم کو لیکر الگ ہو جاؤں گا۔

قریشی پریشان ہو گئے اور حلیس سے کہنے لگے: اے علقمہ کے بیٹے! ذرا ٹھہر جائیے اور ہمیں اس سلسلے میں سوچنے کا موقعہ دیجیئے۔ قریشی بہت پریشان تھے۔ چہروں

سے اداسی جھلکتی تھی آنکھوں سے حیرت واستعجاب جھانکتا تھا۔ غم والم کی تصویر بنے باہم گفتگو کرنے لگے۔ آج وہ بہت اداس تھے۔ پریشانی نے ان کی کمر دوہری کر کے رکھ دی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے۔

محمد مکہ کی پہاڑیوں تک پہنچ چکا ہے۔ اور ہو سکتا ہے وہ شہر میں داخل ہو جائے۔ ٹھیک ہے۔ ہم ایک دوسرے سے عہد کرتے ہیں کہ ہم لڑیں گے اور ہم پر عزم ہو کر دفاع کریں گے۔ مگر لڑائی سے کیا حاصل ؟ دفاع سے کیا فائدہ ؟ محمد آج ایسا لشکر لیکر آیا ہے جس کو ہم پہلے بھی آزما چکے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان کی ضرب کتنی کاری اور ان کی تلواروں کی دھار کتنی تیز ہے۔ پہلے بھی کئی بار ہمارے نیزے ان کے نیزوں سے ٹکرا چکے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ وہ صابر بھی ہیں اور جنگجو بھی۔ وہ موت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہیں۔ موت ہمارے سورما ہم سے چھین لے گئی ہے۔ جنگ نے ہمارے بہادروں کی زندگی کے صحیفے لپیٹ دیے ہیں۔

ہم نے بدر کے میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کیا تو وہ دن ہمارے لیے نحوست اور بدبختی کا پیغام لایا۔ ہم نے سوچا تھا کہ احد کے بعد وہ سر نہیں اٹھا سکیں گے اور اپنی شکست تسلیم کر لیں گے لیکن نہیں کتنے جلد ان کے زخم مندمل ہو گئے اور کتنی تیزی سے انہوں نے صفیں درست کر لیں۔ پھر خندق کا دن آیا۔ یہ دن پہلی جنگوں سے زیادہ شدید تھا لیکن اس میں انہوں نے شاندار کامیابی حاصل کی اور ہم خائب و خاسر واپس لوٹے۔ آج جو مطلوب تھے طالب بن کر آئے ہیں۔ جو دفاع پر مجبور تھے چڑھائی کرنے کی غرض سے مکہ پہنچ چکے ہیں۔ اگر آج نیزے ٹکرائے تلواریں چھنچھنائیں تو غالب گمان یہی ہے کہ فتح ان کے حصے میں آئے گی اور ہم شکست سے دوچار ہوں گے۔ اور اگر ان کی راہ نہیں روکتے تو وہ بیت اللہ شریف میں داخل ہو جائیں گے اور ہمیں ذلت سے دوچار کر دیں گے۔ ان کا مکہ میں داخل ہو جانا نہ صرف ہمارے لیے باعثِ ننگ وعار ہے بلکہ ہمارے حسب ونسب کی توہین بھی ہے۔ لوگ کیا کہیں گے کہ جسے کل شہر بدر کیا جنہیں دربدری کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا آج وہ بلا خوف مکہ میں دندناتا پھرتا ہے۔ پھر ہماری کیا عزت رہ جائے گی۔ یہ رائے بھی پریشان کن اور قابل اعتناء نہیں ہے۔ اور پھر ہمیں کیا خبر کہ اس کی آمد اور شہر میں داخلے کا انجام کیا ہوگا۔:۔

جانیں وہ اپنے وعدے پر قائم بھی رہے گا یا نہیں۔

نعیم بن مسعود نے شش و پنج کی یہ حالت دیکھی تو اپنی رائے دینے کا ارادہ کر لیا اور اس سلسلے میں بات کرنے کی ٹھان لی۔ نعیم نے کہا: اے قریش! تم جانتے ہو میں عرب بھر میں شریف النسب ہوں۔ کوئی بھی میرے حسب کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ میں اپنی اصل اور اپنے جوہر کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر کریم ہوں۔ میں ثقیف کا رئیس اعظم ہوں۔ اور طائف میں سلطنت کا فرمانروا۔ اگرچہ وطن کے لحاظ سے دور ہوں لیکن میرا خون تمہاری رگوں میں اور میرا جوہر تمہاری نسلوں میں جاری و ساری ہے۔ میں تمہارے خاندانی رازوں سے واقف ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے معاملات کی نوعیت کیا ہے اور تمہاری سوچ کے دھارے کس طرف بہتے ہیں۔ تم اس سے پہلے مجھے بارہا آزما چکے ہو۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ میری نصیحت رائیگاں جائے گی۔ تم مجھے جھوٹا بھی نہیں کہہ سکتے۔ تمہیں یاد ہو گا کہ اہل عکاظ کو میں تمہاری خاطر لے آیا تھا۔ اور جب تم نے ان لوگوں سے مدد لینے کا انکار کر دیا تھا تو میں اپنے بچے، اپنے خاندان کے بہادر اور رعایا لے آیا تھا۔ میں تمہیں ایک مشورہ دیتا ہوں اور اپنی رائے کا اظہار کرتا ہوں۔ میرے دل میں ایک تجویز ہے اور میرے پاس تمہارے مسئلے کا ایک حل موجود ہے۔ اگر تم مناسب سمجھو تو میں محمد سے بات کرتا ہوں۔ اور تمہاری سفارت کا فریضہ سرانجام دینے جاتا ہوں۔ میں اس سے بات کروں گا۔ اس سے بحث و تمحیص کر کے اسے واپس بھیجنے کی کوشش کروں گا۔ دیکھنا میری واپسی پر تمہاری آرزوؤں کی تکمیل ہو چکی ہو گی۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میں محمد سے بات منوا لوں گا اور میری واپسی ایک کامیاب شخص کی واپسی ہو گی۔

ابن مسعود بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے۔ ابن مسعود نے دیکھا کہ گویا ساتھیوں نے حضور کے اردگرد محبتوں کا جال بنا ہوا ہے اور اپنے دلوں کے عرش پر آپ کو متمکن کر رکھا ہے۔ اگر آپ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو سب دوڑ پڑتے ہیں۔ جب حضور کے ہونٹ ہلتے ہیں تو سب کے ہونٹوں پر مہر خاموشی لگ جاتی ہے۔ اور جب حضور ﷺ کی نگاہ اٹھتی ہے تو سب کی نظریں فرط ادب سے جھک جاتی ہیں۔ سب کے دلوں پر نبوت کا رعب

طاری ہے اور آنکھوں میں قدر و منزلت چھائی محسوس ہوتی ہے۔ نعیم کی ہمت جواب دے گئی۔ سفارت کا حوصلہ نہ رہا۔ لیکن دل پر ہاتھ رکھ کر سانسیں درست کرتا حوصلے سمیٹتا، صفوں کو چیرتا ہوا حضور ﷺ تک پہنچ گیا۔ عرض کی: اے محمد: یہ سب کیا ہے؟ کیوں آپ نے لشکر اکٹھا کر رکھا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے لشکر میں مختلف قبیلوں کے لوگ موجود ہیں۔ کئی خاندانوں کے جوان آپ کے ہم رکاب تیار کھڑے ہیں۔ آپ انہیں لیکر قریش پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ذرا سوچیں تو سہی آپ اپنے خاندان کو ذلیل کرنے کے درپے ہیں۔ غیروں کے ہاتھوں اپنوں کی عزت و وقار کا جنازہ نکالنے پر تلے ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم قریشیوں کی بہادری دنیا میں مشہور ہے۔ میدان کارزار میں ان کی ثابت قدمی زبان زدِ عوام ہے۔ کون نہیں جانتا کہ وہ مصائب کو گلے لگا لیتے ہیں اور جنگ کی ہولناکیوں میں بے خطر کود جاتے ہیں۔ ایک زمانہ جانتا ہے کہ وہ ایسے گھوڑ سوار ہیں کہ صرف نمدے پر بیٹھ کر جنگ کر سکتے ہیں۔ قریشی نوجوانوں کو معلوم ہوا ہے کہ آپ ان کے گھروں میں ان سے لڑنے آئے ہیں اور ان سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ مگر یاد رکھنا انہوں نے اپنے خداؤں پر ہاتھ رکھ کر یہ عہد کیا ہے کہ آپ کو مکہ میں کسی صورت داخل نہیں ہونے دیں گے۔

عنقریب میں دیکھ رہا ہوں۔ کل یہ سب لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ جائیں گے اور آپ اکیلے رہ جائیں گے۔ پھر نہ تو آپ اپنے آپ کو بچا پائیں گے اور نہ اپنی قوم پر ناراضگی کا اظہار کر سکیں گے۔ سوچیں آپ کتنی بڑی غلطی کر رہے ہیں اور کتنا غلط اقدام کرنے کے درپے ہیں۔

رسولِ خدا ﷺ نے نعیم بن مسعود کو جواب دیا: میں نے اس سلسلے میں بدیل سے بات کی ہے۔ پھر حلیس کو بھی بتا چکا ہوں کہ میں جنگ کرنے نہیں آیا اور نہ میں جنگ کرنے کو پسند کرتا ہوں۔ میرا مقصد عمرہ کرنا ہے آپ ہمیں بیت اللہ شریف کی زیارت کرنے دیں اور شعائر الٰہی کی تعظیم بجا لانے دیں۔ ہم عمرہ کر کے واپس چلے جائیں گے۔ اگر قریش نے ہمارا راستہ روکا تو پھر ان کے معاملے میں ہم اللہ کے فیصلے کا انتظار کریں گے۔

ابن مسعود واپس چلا گیا۔ وہ جس مقصد کے لیے آیا تھا اس میں کوئی کامیابی

حاصل نہیں کر سکا تھا۔ اسے بڑی توقع تھی مگر وہ ناکام لوٹ آیا تھا۔ لوگ اس کی راہ دیکھ رہے تھے کہ کیا خبر لاتا ہے اور اس سفارت کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ وہ بدیل اور حلیس کی طرح بڑی شدت سے نعیم کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں نعیم کی ذہانت پر یقین تھا اور امید لگائے بیٹھے تھے کہ وہ ان کی آرزوں کو پورا کرے گا اور کامیابی حاصل کر کے واپس لوٹے گا۔ ابن مسعود مکہ مکرمہ پہنچا تو لوگ دیکھتے ہی اس کے اردگرد جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے۔ اے ابن مسعود! سناؤ کیا خبر ہے۔ شاید آپ ایک ایسی خبر لائے ہیں کہ جس سے خونریزی کے خدشے ختم ہو جائیں گے اور عزتوں کی پامالی کا خوف جاتا رہے گا۔ یقیناً آپ کی سفارت کے نتیجے میں بیت اللہ شریف خونریزی سے محفوظ رہے گا اور عربوں میں قریش کو جو عزت حاصل ہے اس پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ ابن مسعود نے جواب دیا۔ اے قریشیو! میری بات دھیان سے سنو۔ خدا کی قسم میں بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں۔ میں قیصر روم کے دربار میں گیا، کسریٰ کی عزت و وقار کو دیکھ آیا ہوں۔ نجاشی کو تخت نشین دیکھ چکا ہوں۔ لیکن بخدا۔ میں نے کسی بادشاہ کی اپنی قوم میں وہ عزت و توقیر نہیں دیکھی جو محمد کی اس کے ساتھیوں میں دیکھ آیا ہوں۔ انہوں نے محمد کی غلامی کے قلادے زیب گلو کر رکھے ہیں۔ وہ اسے اپنا مطاع و مقتداء تسلیم کر چکے ہیں۔ کوئی اس کی بات ٹالتا نہیں۔ کسی کو اس کی رائے سے اختلاف نہیں۔ قریشیو! جلدی مت کرو۔ احتیاط برتو۔ جو بھی فیصلہ کرو، سوچ سمجھ کر کرو۔ انجام خود تمہارے ہاتھوں میں ہے۔

قریش کا جذبہ حمیت بھڑک اٹھا اور کہنے لگے۔ قریش کو شکست دینا آسان نہیں یہ وہ پل ہے جسے عبور کرنے کے لیے بڑا حوصلہ چاہیے۔ وہ ایسا قلعہ ہیں جو کبھی فتح نہیں ہو سکتا۔ وہ ایسی چوٹی ہیں جسے سر نہیں کیا جا سکتا۔ کووں کے سردار اور شترمرغ کے اصل محمد کو ذرا آنے تو دے (نعوذ باللہ من ذالك)

صلح

قریش سمجھ گئے کہ محمد ﷺ اپنے ارادے میں بہت سنجیدہ ہیں۔ وہ آسانی سے واپس نہیں لوٹیں گے بلکہ کچھ کر گزرنے کا عزم لیکر آئے ہیں۔ سفارت سے ان کی راہیں نہیں روکی جاسکتیں اور گفتگو وشنید سے ان کے عزائم سے انہیں نہیں روکا جاسکتا۔ وہ بڑے دور اندیش ہیں۔ سب قریشی اس کی رائے کو شکست دینے کی سکت نہیں رکھتے۔ اے ابن مکرز! تو اٹھ۔ تو پوری قوم میں شجاع اور بہادر مشہور ہے۔ سب تیری قوت و طاقت کو آزما چکے ہیں۔ اپنے ساتھ لے جانے کے لیے پورے مکہ سے بہادروں، جنگجوؤں اور رزم شناسوں کو چن لے۔ انہیں ساتھ لیکر محمد کے لشکر کے اردگرد چکر لگا اور انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کر۔ ہو سکتا ہے تو ان کے تیروں کو توڑ دے۔ ان کے دلوں میں خوف پیدا کر دے اور وہ اپنی رائے بدل کر واپس گھروں کو چل دیں۔ جب رات ہو گئی۔ تاریکی نے خیمے گاڑ دیے اور ہر طرف ڈیرے لگا دیے تو حفص بن مکرز نے مسلمانوں کے لشکر کے اردگرد گھومنا شروع کیا۔ لیکن اچانک وہ رک گیا اور اس کے قدم زمین میں گویا دھنس گئے۔ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا اور کہنے لگا۔ ذرا رک جاؤ اور دیکھو پہرے پر متعین مسلمان کون ہے۔ سب پہرے دار کو پہچاننے کے لئے غور سے دیکھنے لگے۔ شاید یہ محمد بن مسلمہؓ ہے۔ تھوڑی دیر میں سب کو یقین آگیا کہ واقعی یہ محمد بن مسلمہ ہے۔ حفص بن مکرز نے سرگوشی کے انداز میں کہا: خدا کی قسم یہ مسلمہ کا بہادر بیٹا محمد ہے۔ میں اس کی قد و قامت اور شکل و صورت کو خوب پہچانتا ہوں۔ ہم غلطی پر نہیں ہیں۔ یقیناً یہ وہی ہے میں جانتا ہوں کہ محمد بن مسلمہ بہت ہوشیار اور چالاک ہے۔ اس سے محتاط رہو۔ بخدا یہ انسان نہیں جنگلی شیر ہے۔ جب وہ جنگوں میں چیتے کی طرح دھاڑتا ہے تو دھرتی کا دل کانپ جاتا ہے۔ یہ وہ بھیڑیا ہے جو ایک آنکھ سے سوتا ہے یہ وہ شیر ہے جو اپنی کچھار میں رہ کر جنگل کے سب درندوں پر بادشاہی کرتا ہے اور جب غراتا ہے تو زمین کا دل دہل جاتا ہے۔ اس شخص کے وار سے بچنا محال اور اس کے عزم کو توڑنا ناممکن ہے۔

سب جانتے تھے کہ محمد بن مسلمہ کون ہے۔ یہ سن کر کہ پہرے دار محمد ہے

سب کے دل کانپ گئے۔ جسم لرز اٹھے اور بہادروں کے دل پانی پانی ہو گئے۔ سب شجاعت و بہادری خس و خاشاک کی طرح بہتی نظر آئی اور سب کی گویائی گم ہو گئی۔ ابن مسلمہ نے یہ کھسر پھسر سنی۔ ذرا غور کیا تو قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ سوچا۔ قریش کے سواء کون ہو سکتا ہے۔ یہ شرارت انھی کی ہو سکتی ہے۔ تو کیا وہ شرارت کرنا چاہتے ہیں؟ اور ظلم و ستم پر اتر آئے ہیں؟ وہ امن کے خواہاں نہیں۔ ان کا مقصد جنگ کرنا ہے۔ سفارت محض فریب اور چالاکی ہے۔ ابن مسلمہ نے بلند آواز سے پکارا۔ اے مسلمانو! تلواریں بے نیام کر لو۔ اور جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ قریشیوں کا مقدمۃ الجیش آپہنچا ہے۔ لوگ آواز سنتے ہی تلواریں سونت کر عزم و ہمت کو سمیٹتے خیموں سے باہر آ گئے۔ صرف ایک ہی لمحہ گزرا ہو گا کہ مسلمان دوڑتے بھاگتے، ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑتے محمد بن مسلمہ کے پاس پہنچ گئے اور اگلے لمحے ابن مکرز اور اس کے ساتھی مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔

لیکن رسولِ خدا ﷺ جنگ و جدال کے لیے نہیں بلکہ عمرہ کرنے اور بیت اللہ کا طواف اور اس گھر کی تعظیم بجالانے تشریف لائے تھے۔ وہ انہیں قیدی بنا کر کیا کرتے۔ جنگ کر کے انہیں کیا حاصل ہوتا۔ مسلمانوں نے اللہ کے نبی کے حکم سے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ان کے ہاتھوں سے بیڑیاں اتار لیں اور انہیں واپس جانے کی اجازت دے دی۔ آپ چاہتے تھے کہ شاید اسی طریقہ سے وہ مسلمانوں کی طرف سے مطمئن ہو جائیں اور انہیں یقین آجائے کہ مسلمان لڑنے کے لیے نہیں آئے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: اے فراش ان لوگوں کے پیچھے پیچھے مکہ جا اور دیکھ کہ قیدیوں کی رہائی پر قریش کس رد عمل کا اظہار کرتے ہیں۔

حضرت فراش چلے گئے اور واپس آکر بتانے لگے یا رسول اللہ ﷺ! قریش ابھی تک ناراض اور غصے میں بھرے ہوئے ہیں۔ ابھی تک وہ مطمئن نہیں اور دفاع کا سوچ رہے ہیں۔ میرا جانا انہیں پسند نہیں آیا۔ انہوں نے میری بڑی بے عزتی کی ہے۔ اور میری اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالی ہیں۔ اگر احابیش نہ ہوتے تو وہ مجھے قتل کر دیتے۔ رسول کریم ﷺ نے جب یہ بات سنی تو سر جھکا لیا لیکن آپ کے حلم و بردباری کے صاف و شفاف آئینہ پر کوئی داغ نہ پڑا۔ آپ ﷺ حکمت و دانائی کا دامن تھامے رہے اور

فرمایا: ہم ان کے مقابلے میں حلم وبردباری کا مظاہرہ کریں گے اور ان کی نفرت وسخت دلی کا علاج عفوو درگزر سے کریں گے۔ ہو سکتا ہے ان کے دل سے کدورتوں کا گردو غبار چھٹ جائے اور ہماری حلم وبردباری سے ان کے دل کی نفرتیں محبتوں میں تبدیل ہو جائیں۔ ممکن ہے ہمارے اس رویہ سے وہ ہماری بات سمجھ جائیں اور جنگ و جدل کی راہ ترک کر دیں۔

انہوں نے بنو خزاعہ کے سفیر کو کوئی وقعت نہیں دی۔ اے ابن خطاب! تم جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقل وفکر سے نوازا ہے اور قریش میں آپ کی عزت اور ایک مقام ہے۔ تشریف لے جایئے اور انہیں بتایئے کہ ہماری منزل کیا ہے۔ ہم کس غرض سے مکہ مکرمہ آئے ہیں۔ وہ شک میں مبتلا ہیں اور ہمیں دشمن کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ انہیں اصل صورتِ حال سے آگاہ کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کا حکم سر آنکھوں پر سرتابی کی جسارت نہیں کر سکتا۔ لیکن ڈرتا ہوں وہ مجھے دیکھتے ہی قتل کر دیں گے۔ حضور! میری زندگی مکہ میں محفوظ نہیں۔ قریش کا بچہ بچہ میری جان کا دشمن ہے۔ کوئی نہیں جو مجھے امان دے اور میرا سہارا بنے۔ کیونکہ بنو عدی کے تمام لوگ ہجرت کر چکے ہیں۔ ان میں ایک بھی نہیں کہ مجھے دشمنوں سے بچائے اور میرے حق میں آواز بلند کرے۔ حضور! میرے یار عثمان کا خاندان مکہ مکرمہ میں موجود ہے۔ انہیں ضرور کوئی حامی مل جائے گا۔ وہاں ان کے خاندان کے خیر خواہ موجود ہیں۔ وہاں معاویہ ہے عقبہ ہے۔ ابان ہے۔ یہ لوگ ان کی حمایت اور حفاظت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور یہ سفارت کامیاب ثابت ہو سکے گی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ ابان بن سعید اٹھا۔ دروازہ کھولا تو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ ہمکلامی کے انداز میں بولا۔ عفان کے بیٹے عثمان تم۔ خوش آمدید۔ میرے چچازاد بھائی۔ تشریف لایئے۔ اس وقت کیسے آنا ہوا۔ اپنے دوست محمد کو کیسے پیچھے چھوڑ آئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں حضور فداہ امی وامی کی طرف سے سفارت کا حکم لیکر آیا ہوں۔ ان کی طرف سے قریش سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ میں سرورِ کائنات ﷺ کے ارادوں سے انہیں باخبر کرنا چاہتا ہوں۔ میں انہیں بتانا چاہتا

ہوں کہ ان کے اندازے غلط ہیں۔ حضور ﷺ کچھ اور چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے غلط گمان دور ہو جائیں اور دوریاں سمٹ جائیں۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ میرے در پے آزاد ہوں گے اور میں قریش سے کسی ناپسندیدہ چیز ہی کی توقع کر سکتا ہوں۔ مجھے اپنے پاس رکھیے اور امان دیجئے کیونکہ میرے اور تمھارے درمیان گہرے مراسم اور نسبی تعلقات ہیں۔

ابان آپ کو لیکر قریش کے پاس گیا اور بتایا کہ یہ میرا چچازاد عثمان بن عفان ہے۔ یہ محمد کا قاصد ہے اور اس کا پیغام تمہیں پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ سفارت کا فریضہ سر انجام دے گا۔ کوئی شخص اس کو بری نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔ کیونکہ یہ میری امان میں ہے۔ قریش نے اس کی پناہ کو قبول کر لیا لیکن دل میں دشمنی کی ہنڈیاں ابلتی رہیں وہ عثمان کا سایہ بڑی مشکل سے برداشت کر رہے تھے۔ قریش حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئے: اے عفان کے بیٹے اگر تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ محمد مکہ میں داخل ہو اور طواف کرے تو یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ ابھی تک ہماری حمیت غارت نہیں ہوئی۔ ہمارے خون میں غیرت کی تپش موجود ہے۔ ہاں تجھے طواف کرنے اور تعظیم بجالانے کی مکمل اجازت ہے۔

حضرت عثمانؓ نے کہا: خدا کی قسم جب تک محمد ﷺ بیت اللہ میں داخل نہیں ہو جاتے میں کعبۃ اللہ شریف میں قدم نہیں رکھوں گا۔ تم جب تک دوسرے مسلمانوں کو عمرے کی اجازت نہیں دے دیتے میں زیارت حرم شریف سے آنکھیں ٹھنڈی نہیں کروں گا۔ بعد میں آپ ان مسلمانوں کے پاس تشریف لے گئے جنہیں کفار نے جبراً ہجرت سے روک رکھا تھا اور انہیں بتایا کہ فتح کے دن قریب ہیں۔ بس تمہاری نجات کی گھڑیاں آئی جاتی ہیں۔ یہ بات قریش تک بھی کسی طرح پہنچ گئی اور انہوں نے خوف کے مارے جنگ سے بچنے کے لیے حضرت عثمان کو قید کر لیا۔

رسول کریم ﷺ سفارت کی کامیابی کے منتظر تھے اور اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی آمد کا شدت سے انتظار کر رہے تھے کہ اس اثناء میں خبر پہنچی حضرت عثمان شہید کر دیے گئے ہیں۔ یہ خبر مسلمانوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ خیموں میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ مسلمانوں پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ سب غم واندوہ

میں ڈوب گئے۔ انتقام کے شعلے بھڑک اٹھے۔ غیض و غضب کی انتہا نہ رہی۔ آستینیں چڑھا لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ مایوسی کی اس تاریک تر رات میں امید کی کرن دیکھ رہے تھے۔ آپ کو امن و امان کی امید تھی۔ قریب تھا کہ امید کے دھاگے آپ کی آنکھوں کے سامنے ٹوٹ جاتے آپ نے مسلمانوں کو بتایا کہ وہ اس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ قریش کو ان کے کیے کی سزا نہیں دیتے۔ آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے کہ دیکھیں مسلمانوں کے عزائم کیسے ہیں۔

ابو سنان اسدیؓ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کرنے لگے : یا رسول اللہ ! دستِ اقدس بڑھایئے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کس چیز پر بیعت کرتے ہو؟ عرض کی : یا رسول اللہ ! جو کچھ آپ کے دل میں ہے اس پر بیعت کرتا ہوں۔ میں اس مقصد کے حصول کے لیے جان کا نذرانہ پیش کر دوں گا۔ اور اس راہ میں صبر بہادری استقامت اور جواں مردی کا ثبوت پیش کروں گا۔ تمام مسلمانوں نے حضرت ابو سنان کی پیروی کرتے ہوئے حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ حضور بہت خوش ہوئے۔ آپ کو اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ میرے صحابہ کرام کے دلوں میں جہاد فی سبیل اللہ کا کس قدر شوق ہے۔ اس فداکاری اور جاں نثاری کے جذبے کو دیکھ کر حضور ﷺ پر سکون و اطمینان کی کیفیت طاری ہو گئی اور اپنی زبان مبارک سے انہیں عنقریب حصولِ فتح مبین کی خوشخبری سنا دی۔

مسلمان جنگ کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ دشمن سے عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا انتقام لینے کے لیے تلواریں بے نیام کر چکے ہیں۔ اسی صورت حال میں دور سے ایک آدمی آتے دکھائی دیتا ہے۔ یہ شخص کون ہے؟ ہر شخص ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتا ہے۔ اور پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں اڑتی چڑیا کے پر گن لیتا ہوں۔ یہ شخص سھیل بن عمرو ہے۔ یہ کہہ کر وہ رسولِ خدا ﷺ کی طرف دوڑ پڑتا ہے۔

رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں : اگر وہ واقعی سھیل بن عمرو ہے تو قریش گویا صلح کے لیے سنجیدہ ہو گئے ہیں۔ میں جانتا ہوں یہ شخص بڑا دانا سمجھدار اور ذہین و فطین ہے۔

سہیل کے بارے اس صحابی رضی اللہ عنہ کا اندازہ صحیح تھا۔ قریش واقعی صلح پر آمادہ ہو گئے تھے اور سہیل صلح کا پیغام لے کر آیا تھا۔ وہ سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیٹھ کر صلح کے بارے گفتگو کرنے لگا۔

اے محمد! ہم بیعت کے متعلق ایک ایک بات جانتے ہیں۔ قریش لڑائی کو پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ خونریزی کا انجام جانتے ہیں۔ انہوں نے جو شرارتیں کی ہیں ان پر نادم ہیں۔ عثمان قتل نہیں ہوا بلکہ اسے روک لیا گیا ہے۔ اور اسے کسی برے ارادے سے روکا بھی نہیں گیا۔ یہ صرف احتیاط کے پیش نظر کیا گیا ہے۔

رسولِ خدا ﷺ تو امن کے خواہاں تھے۔ آپ ﷺ تو چاہتے ہی یہ تھے کہ صلح ہو جائے۔ اور کسی طرح خونریزی کا یہ سلسلہ رک جائے۔ آپ بیت اللہ شریف کی عظمت و تکریم کی بقاء کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار تھے۔ اس لیے تو آپ ﷺ نے بدیل کو بھیجا تھا۔ پھر حضرت فراش گئے اور صلح ہی کی خاطر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے۔ کیا رسول خدا ﷺ نے نعیم کا شک دور نہیں کر دیا تھا اور کھول کر بتا نہیں دیا تھا کہ ہمارے ارادے جنگ کے نہیں ہیں؟ کیا اتنی وضاحت کے بعد ابھی تک افق پر شک وارتیاب کے بادل باقی تھے ہرگز نہیں۔ اب تو قریش بھلائی کی راہ پر آ گئے تھے۔ اب تو ان کی حماقتوں کا شعار بجھ چکا تھا اور انہوں نے صلح کا ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ ان کا قاصد امن کا پیغام لے کر آیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے سہیل کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا آؤ سہیل ہم ذرا الگ جا کر اس سلسلے میں بات کرتے ہیں۔ رسول خدا ﷺ اور سہیل کچھ دیر تک اکٹھے رہے اور صورت حال پر تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور انہیں صلح کی شرائط سے آگاہ فرمایا۔

۱۔ اس سال مسلمان عمرہ ادا کیے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ اور آئندہ سال حضور ﷺ کی معیت میں عمرہ ادا کرنے مکہ آئیں گے۔ قریش مکہ سے نکل جائیں گے۔ مسلمان تین دن تک یہاں ٹھہریں گے اور مناسک عمرہ ادا کریں گے۔

۲۔ ان کے پاس تلواروں کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں ہو گا۔ اور تلواریں بھی

نیاموں میں ہوں گی۔

۳۔ فریقین کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہو گی۔

۴۔ قریشیوں کا جو شخص مسلمانوں کے پاس جائے گا وہ واپس لوٹا دیا جائے گا اور اگر کوئی مسلمان قریشیوں کے پاس آ گیا تو وہ واپس نہیں بھیجا جائے گا۔

۵۔ جو شخص قریش کے ساتھ اس معاہدہ میں شریک ہونا چاہے گا اسے مکمل اجازت ہو گی اور وہ شریک تصور ہو گا اور جو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ میں شرکت پر رضامند ہو گا وہ ان کا حلیف یقین کیا جائے گا۔

مسلمانوں نے ان شرائط کو سن کر پسند نہ کیا اور ان کے دل ٹوٹ گئے۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ کیا ہم اس سال عمرہ نہیں کریں گے۔ تو گویا قریش کا تیر ہمارے حلق سے پار ہو چکا۔ ان کا آوازہ ہمارے مقابلے میں بلند ہو گیا۔ وہ واقعی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ جو مسلمان ہماری پناہ میں آئے گا ہم کیسے اسے واپس کریں گے۔ اور جو مرتد ہو کر قریش کے پاس جائے گا تو ہم اسے کیسے معاف کر دیں گے۔ ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آرہا یہ صلح کیسی ہے آخر اس طرح صلح کیوں کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے سے بے قابو ہو گئے۔ سینے میں غضب سے ہنڈیاں ابلنے لگیں۔ ان سے رہا نہ گیا۔ فوراً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور فرمایا: اے ابو بکر! خدا تیرا بھلا کرے۔ کیا حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں؟ حضرت ابو بکر نے جواب دیا کیوں نہیں آپ اللہ کریم کے سچے رسول ہیں حضرت عمر نے دوسرا سوال کیا: تو کیا ہم سب مسلمان نہیں ہیں؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیوں نہیں ہم اللہ کے فضل سے سب مسلمان ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا: کیا قریش مشرک نہیں؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا: بالکل بلا شبہ وہ مشرک ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو پھر ہم اس قدر ذلت پر رضامند کیوں ہو گئے ہیں؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا: اے عمر! اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے سامنے گردن جھکا دیجئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں حضرت عمر نے فرمایا: اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ابن ارقم کے گھر میں جس دن میں نے اسلام

قبول کیا آج تک حضور کی رسالت کے بارے کبھی دل میں شک نہیں گزرا لیکن آج تو شیطان وسوسہ اندازی پر اتر آیا ہے۔ میرا عقیدہ متزلزل ہوا چاہتا ہے۔ اور مجھے شک ہونے لگا ہے مجھے طرح طرح کے وسوسے اور خیالات پریشان کر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر اصدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیری اس بیماری کا اگر علاج ہے اور تیرے غصے کو اگر کوئی فرو کر سکتا ہے تو وہ حضور ﷺ ہیں۔ آپ اس کا ذکر حضور کی بارگاہ میں کریں اپنے دلی خیالات کا علاج حضور ﷺ سے دریافت کریں۔ آپ انہیں بتائیں کہ مجھے شک و ارتیاب نے گھیر لیا ہے اور آپ تو حضور سے بے تکلف بھی ہیں ان کے درمیان اور آپ کے درمیان کوئی حجاب بھی نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی پاکیزہ۔ طبیعت اور پاک سیرت عطا فرمار کھی تھی۔ آپ کا ضمیر بہت بیدار اور آپ کے نظریات بہت پاک وصاف تھے آپ دل کی بات بے دھڑک کہہ دینے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ اور اپنی رائے کا برملا اظہار کر دیتے تھے۔ آپ کو نہ تو لومۃ لائم کا خوف تھا اور نہ کسی کی خوشامد کی تمنا۔ اگر کسی چیز میں شک ہوتا تو اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں بے دھڑک کہہ دیتے۔ اس صاف و شفاف دل اور ایمان صادق کے ساتھ رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ حضرت عمر نے عرض کی: تو کیا ہم مسلمان نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں ہم مسلمان ہیں۔ پھر عرض کی کیا وہ مشرک نہیں؟ حضور نے فرمایا کیوں نہیں وہ مشرک ہیں۔ عرض کی: تو پھر ہم دین میں اس ذلت و رسوائی کو کیوں برداشت کر رہے ہیں۔ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا۔

میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ میں اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا۔ وہ ہرگز مجھے رسواء نہیں کرے گا۔ حضرت عمر نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے فرمایا نہیں تھا کہ عنقریب ہم بیت اللہ کی زیارت کریں گے اور طواف سے شاد کام ہوں گے۔ حضور ﷺ نے جواب دیا: کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ہم مکہ میں داخل ہوں گے۔ عرض کی یارسول اللہ نہیں آپ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ ہم اسی سال طواف کی سعادت حاصل کریں گے آپ نے وقت کا تعین تو نہیں فرمایا تھا۔ حضور ﷺ

کی گفتگو سن کر حضرت عمر کا غصہ جاتا رہا اور شک وارتیاب کے بادل چھٹ گئے۔

رسول کریم ﷺ اور سہیل بیٹھ گئے اور علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ تحریر معاہدہ کے لیے بلا لیے گئے۔ شیر خدا نے روشنائی تیار کی قلم تراشا اور معاہدہ لکھنے کے لیے تیار ہو گئے۔

حضور ﷺ نے صلح کی عبارت لکھوانا شروع کی: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سہیل نے اعتراض کیا: صلح نامہ کے اس ابتدائیہ سے میں واقف نہیں۔ میں اس عبارت سے مطمئن نہیں۔ بلکہ وہی الفاظ لکھے جائیں جو عربوں میں عام طور پر تحریر کیے جاتے ہیں۔ اور پھر بتایا کہ لکھ:

"باسمک اللھم" حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے یہی الفاظ تحریر فرما دیے۔ پھر آپ نے قلم اٹھالیا اور حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے کہ آپ عبارت لکھوائیں۔ حضور نے فرمایا لکھ: ھذا ما صالح محمد رسول اللہ سہیل بن عمرو" یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد اللہ کے رسول نے سہیل بن عمرو کے ساتھ کیا ہے"

سہیل نے حضرت علی کے قلم کو پکڑ لیا۔ اور حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ "اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ سے جنگ کیوں کرتے" اپنا اور اپنے باپ کا نام تحریر کرائیں۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اے علی لکھ: یہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان ہوا ہے۔ ہم صلح کرتے ہیں کہ دس سال تک جنگ نہیں ہو گی۔ ان دس سالوں میں لوگ امن سے رہیں گے۔ لوگ ایک دوسرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے ہم اس شرط پر صلح کرتے ہیں کہ قریش کا جو آدمی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد کے پاس جائے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور جو محمد کا ساتھ چھوڑ کر قریش کے پاس آئے گا اسے واپس نہیں بھیجا جائے گا۔ اور یہ کہ فریقین کے دلوں میں کوئی کدورت اور عداوت نہیں ہو گی۔ اور یہ کہ ایک دوسرے کی چوری نہیں کریں گے۔ خیانت نہیں کریں گے۔ جو محمد کے عقد میں شامل ہونا چاہے گا وہ شریک معاہدہ ہو گا اور جو قریش کے ساتھ ملنا چاہے گا وہ ان کا حلیف شمار ہو گا۔ اور یہ کہ محمد اس سال واپس چلے جائیں گے۔ مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ آئندہ سال قریش شہر خالی کر دیں گے اور محمد اس میں داخل ہو گا۔ صرف تین دن شہر میں رہے گا

پھر واپس لوٹ جائے گا۔ اس دوران ان کے پاس صرف تلواریں ہوں گی اور وہ بھی نیاموں میں پڑی ہوں گی"۔ حضرت علی جب معاہدہ تحریر کر چکے تو فریقین میں سے چند آدمی اس پر گواہ مقرر ہوئے۔ مسلمانوں نے اس معاہدہ کو پڑھا تو سٹپٹا گئے کہ یہ معاہدہ ہم پر مسلط کیا گیا ہے اور کسی سے رائے نہیں لی گئی۔

مسلمان اسی پریشانی میں تھے کہ ایک آدمی پابہ زنجیر آتا ہوا نظر پڑا۔ وہ بیڑیوں کے بوجھ سے چلا رہا تھا نزدیک آیا تو معلوم ہوا کہ یہ سھیل ہی کا بیٹا ابو جندل ہے۔ چیختا، چلاتا، فریاد کرتا اور رسول خدا ﷺ سے مدد طلب کرتا حاضر ہوا اور درخواست کی: یا رسول اللہ! آپ کا پیغام حق مجھ تک پہنچا تو میں نے اسے تہہ دل سے قبول کر لیا۔ آپ پر نازل شدہ کلام الٰہی میں نے سنا تو میری آنکھیں کھل گئیں اور میں نے اسے اللہ کا کلام یقین کر لیا۔ لیکن جب قریش کو معلوم ہوا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور ان کے خداؤں سے منہ موڑ گیا ہوں تو انہوں نے مجھے ستانا شروع کر دیا اور مجھے طرح طرح کی اذیتوں سے دوچار کر دیا۔ یا رسول اللہ! ان ظالموں نے مجھ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ مجھے صبح وشام مشق ستم بنایا۔ میں نے بارہا ہجرت کی کوشش کی لیکن انہوں نے میرا راستہ روک لیا۔ میں نے کئی دفعہ چپکے سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن وہ میرے راستے میں حائل ہو گئے۔ حتیٰ کہ مجھے یہ ڈر اور خوف محسوس ہونے لگا کہ میں دین اسلام کو چھوڑ نہ بیٹھوں اور ظلم و ستم کو زیادہ دیر شاید نہ سہہ سکوں۔ یا نبی اللہ! دیکھ رہے ہیں میں اب بھی بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں۔ حضور! مجھے اپنی پناہ میں لے لیجئے۔ میں مہاجر اور مسلمان ہوں اور راہ خدا میں شوق جہاد کا جذبہ رکھتا ہوں۔

سھیل اپنے بیٹے کی باتیں سن کر پریشان ہو گیا۔ تیوری چڑھالی۔ اور غصے کی حالت میں کہنے لگا: اے محمد! اس کی آمد سے پہلے معاہدہ تحریر ہو چکا ہے۔ اب کوئی وجہ نہیں کہ میں اسے واپس نہ لے چلوں۔ یہ راضی ہو یا ناراض اسے بہر صورت میرے ساتھ واپس جانا ہو گا۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ ہم اس معاہدہ کے پابند ہیں۔ تو ابو جندل کو اپنے ساتھ واپس لے جا۔

سھیل نے ابو جندل کو پکڑ لیا۔ گلے میں چادر لپیٹ لی اور کھینچتے ہوئے مکہ روانہ ہو گیا۔ ابو جندل چیختا رہا اور فریاد کرتا رہا۔ وہ کہتا رہا: مسلمانو! کیا میں پھر مشرکین

کے حوالے ہو جاؤں کہ وہ مجھے میرے دین سے پھیر دیں۔ یہ منظر دل دہلا دینے والا تھا۔ ابو جندل کی فریاد دل کی گہرائیوں میں اترتی ہوئی سب مسلمانوں کو مضطرب کر گئی۔ ابو جندل کی حالت زار دیکھ کر ہر مسلمان تصویرِ غم بن گیا لیکن کیا کیا جا سکتا تھا۔ یقیناً اللہ کو یہی منظور تھا۔ رسولِ خدا ﷺ ابو جندل کو خود سہیل کے سپرد کر چکے تھے۔ حضور ﷺ نے ابو جندل کو تسلی دی اور فرمایا۔ ابو جندل! صبر کرو اور ہمت سے کام لو۔ اللہ کریم آپ کے لیے اور آپ کی طرح دوسرے مظلوم مسلمانوں کے لیے کوئی بہتری کی صورت پیدا فرما دے گا۔ ہم نے قریش کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے ہم تمہیں واپس کرنے کے پابند ہیں۔ ہم کسی صورت معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں چاہتے۔

مکہ میں اعلان ہوا۔ ایک شخص کہہ رہا تھا مسلمانوں اور قریش میں معاہدہ ہو چکا جو شخص فریقین میں سے جس کو پسند کرے اس کے ساتھ شریک معاہدہ ہو جائے۔ بنو بکر فوراً قریش کے عہد میں شامل ہو گئے اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔

پھر ایک منادی نے رسول کریم ﷺ کی طرف سے یہ اعلان کیا: فیصلہ ہو چکا ہے اور صلح نامہ لکھ دیا گیا ہے۔ احرام کھول دو، قربانی کے جانور ذبح کر دو۔ حلق کرا لو یا بال چھوٹے کروا لو۔ ہم نے آج ہی کوچ کرنا ہے۔

منادی کرنے والے نے دیکھا کہ لوگ ناراض ہیں۔ ان کے حوصلے پست ہو گئے ہیں آنکھوں میں حزن و ملال چھایا ہے اور دلوں میں بے پناہ غم و غصہ ہے منادی نے دوبارہ یہی اعلان کیا۔ تیسری مرتبہ پھر اسی اعلان کو دہرایا لیکن لوگ خاموش رہے اور قربانی کے لیے نہ اٹھے۔ منادی کرنے والا رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتایا کہ لوگوں نے میری بات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اور میرے اعلان پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا گیا۔ رسولِ خدا ﷺ نے اس بات کو بہت محسوس فرمایا۔ پریشانی کے عالم میں سر مبارک جھکائے حضرت ام سلمہ کے خیمے میں داخل ہوئے۔ حضرت ام المؤمنین نے عرض کی: نصیب دشمناں! حضور فداك ابی وامی! کیا پریشانی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان ہلاک ہو گئے۔ میں نے انہیں احرام کھولنے، حلق کرانے اور قربانی کے جانور ذبح کرنے کا حکم دیا لیکن وہ میرا حکم نہیں مانتے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ! ﷺ آپ کی ذات میں ان کے لیے اسوہ حسنہ اور قدوہ

کریمہ ہے۔ آپ باہر نکلیں اور ان کے سامنے قربانی کا جانور ذبح کر دیں۔ حلق کرائیں یا قصر۔ مجھے یقین ہے لوگ آپ کی پیروی کریں گے اور آپ کی سنت کی اقتدا میں پس و پیش نہیں کریں گے۔

حضور ﷺ باہر نکلے اور فرمایا: یہ صلح آپ لوگوں کو پسند نہیں۔ جو شخص ہمیں چھوڑ کر ان کی طرف جانا چاہے ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور جو شخص ان کی طرف سے ہمارے پاس آئے گا اللہ کریم ضرور اس کے لیے رہائی کی کوئی صورت پیدا کر دے گا۔ انشاء اللہ تم آئندہ سال بیت اللہ کا طواف کرو گے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لایا ہوں۔ وہی میرا مددگار ہے وہ مجھے بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ پھر آپ نے حلق کرنے والے کو بلایا، حلق کیا قربانی کا اونٹ ذبح کیا اور عمرے کا احرام کھول دیا۔ جب لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی باتیں سنیں اور آپ کو حلق کراتے، قربانی کرتے اور احرام کھولتے دیکھا تو غصہ جاتا رہا اور دلوں میں طمانیت اور خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب حضور کی اتباع میں حلق یا قصر کرانے لگے اور قربانی کے جانور ذبح کر کے احرام کھول دیے۔ پھر نہایت اطمینان سے واپس مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ لیکن مکہ مکرمہ کی زیارت کے لیے دل بے قرار تھے۔ آنکھوں میں جمال بیت اللہ کی زیارت کا شوق سمایا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ افسوس بھی تھا کہ زیارت کیے بغیر واپس آ گئے تھے۔ وہ اللہ کے فیصلہ کے سامنے سر جھکائے آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگے۔

نقض عہد

تمام مسلمان واپس مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور امن کے ساتھ اپنے گھروں میں چلے گئے۔ لیکن جیسی ان کو توقع تھی وہ بیت اللہ شریف کی زیارت نہیں کر سکے تھے۔ وطن جس کے شوق اور محبت میں وہ کھنچے چلے گئے تھے وہ اس وطن کی مٹی کی خوشبو نہیں سونگھ سکے تھے۔ اسی لیے ان کی آنکھوں میں حیرت تھی اور چہرے پر دکھ درد کی پرچھائیاں تھیں۔

صرف ایک بات قابل اطمینان تھی کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے وعدہ

فرمایا ہے کہ مسلمان اگلے سال مکہ مکرمہ میں داخل ہونگے۔ اور بیت اللہ شریف کا طواف کریں گے۔ اور ان کا وعدہ سچا اور زبان مبارک سے نکلی ہر بات حق ہوتی ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى

"وہ تو اپنی خواہش سے بولتے بھی نہیں"

وہ جو بات بھی کرتے ہیں روح الامین کی وحی کردہ ہوتی ہے۔ کلام اللہ کا ہوتا ہے ہونٹ مصطفیٰ کریم کے ہلتے ہیں۔ لیکن بیت اللہ شریف کی زیارت کا شوق، وطن کی محبت اور لگن اور اللہ کی راہ میں جہاد کے جذبہ نے تمام چیزیں دلوں کو بے تاب کیے جا رہی تھیں اور روح سے آرام و سکون کو چھین لے گئی تھیں۔

اس سے پہلے مسلمانوں کی حالت اچھی تھی۔ ان کی عزت و تکریم تھی۔ کافروں پر ان کا رعب و دبدبہ تھا لیکن ہائے افسوس! آج جو بھی اسلام کی رغبت لے کر، بتوں کی پوجا سے کنارہ کشی اختیار کر کے مکہ سے بھاگ کر مدینہ طیبہ حاضر ہوتا ہے اسے کوئی سایہ میسر نہیں آتا۔ اس کے دل کی حسرتیں دل ہی میں رہ جاتی ہیں۔ نہ تو وہ مکہ رہ سکتا ہے اور نہ اسے مدینہ میں پناہ حاصل ہوتی ہے۔ جو بھی کافروں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر مکہ سے بھاگ کر مدینہ منورہ حاضر ہوتا ہے اسے پھر خونخوار بھیڑیوں کی کچھار میں واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ نہ تو وہ عبادت کر سکتا ہے اور نہ اپنے دین کو بچانے کی کوئی کوشش ظلم و ستم کے پہاڑ سہتا ہے اور جسم و جاں کا تعلق بمشکل برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جو شخص مرتد ہو جاتا ہے اور اسلام کو چھوڑ کر کافروں کے پاس چلا جاتا ہے اسے مکہ میں پناہ مل جاتی ہے۔ مسلمان نہ تو اسے واپس لا سکتے ہیں اور نہ اسے ارتداد کی سزا دے سکتے ہیں۔

ابھی ابو جندل کی فریادیں نہیں بھولی تھیں۔ مسلمانوں کو وہ منظر یاد تھا جب وہ پا بجولاں قید سے بھاگ آیا تھا اور دستگیری کی درخواست کی تھی لیکن اس کی صدا پر لبیک کہنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ مدد کے لیے پکارتا رہتا تھا لیکن کسی نے اس کی مدد کو ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔ وہ چیختا رہا تھا کہ مجھے اپنی امان میں لے لو لیکن اس کی آواز صدا بصحراء ثابت ہوئی تھی۔ مسلمانوں میں کوئی اس کا دوست اور مددگار بننے کے لیے تیار نہیں ہوا تھا۔ یہ زخم ابھی مندمل نہیں ہوا تھا کہ آج پھر ایک تازہ زخم مسلمانوں کے دلوں پر لگایا جارہا

تھا۔ اس نئے زخم نے پرانے زخموں کو پھر سے تازہ کر دیا تھا۔ اور غم واندوہ کو نئی جان دے دی تھی۔ آج پھر سے مسلمانوں کے دلوں میں درد والم کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ اور مایوسیوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔

یہ ابو بصیر ہیں وہ پھٹی پھٹی نظروں دھڑکتے دل اور زخمی جگر کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچ چکے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں ابھی تک ہتھکڑیوں کے نشانات موجود ہیں اور پاؤں میں بیڑیوں کے ہلکے چھنک رہے ہیں۔ صحابہ کرام ان کی حالت زار کو دیکھ کر چیخ اٹھتے ہیں۔ ابو بصیر مت ڈرو۔ دل سے سب اندیشے نکال دو۔ تسلی رکھو اور بتاؤ یہ پاؤں میں زنجیر اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں کس جرم کی سزا ہیں۔ ذرا بتاؤ اتنے سہمے سہمے کیوں ہو ۔ کیا دشمن پیچھا کر رہا ہے۔

ابو بصیر اب کچھ مطمئن نظر آرہا ہے اور اس کا خوف قدرے کم ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ وہ بتاتا ہے: بھائیو! میری داستانِ غم یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی توان کی دعوت سے بڑھ کر میرے نزدیک ناپسندیدہ چیز کوئی نہ تھی اور ان کی رسالت سے بڑھ کر کسی چیز کو میں اپنے دل پر زیادہ بوجھل محسوس نہ کرتا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ حضور فداہ روحی باغی ہیں۔ انہوں نے خواہ مخواہ اپنے خاندان سے دشمنی کرلی ہے حتی کہ ایک رات میں نے ایک شخص کو قرآن کی تلاوت کرتے سنا۔ نہ جانے کیوں میں خود بخود اس کی طرف کھنچا چلا گیا۔ اور میں نے کلام حق کی اعجاز آفرینی کو دل کی گہرائیوں میں اترتا محسوس کر لیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ یہ بے مثل کلام خالقِ کائنات کا ہی ہے۔ میں نے اسلام قبول کر لیا اور ہجرت الی المدینہ کی ٹھان لی۔ لیکن جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو مجھے پابہ زنجیر قید کوٹھڑی میں ڈال کر پہرہ لگا دیا۔

میں نے طرح طرح کی اذیتیں جھیلیں لیکن بہادروں کی طرح کسی اذیت پر واویلا نہیں کیا۔ ایک دن انہیں غافل پایا۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھے اور کوٹھڑی کا دروازہ اتفاق سے کھلا تھا میں نے زنجیروں کو توڑا اور اپنے دین اور جان کی حفاظت کی خاطر بھاگ نکلا۔ میں مدینہ طیبہ چلا آیا تاکہ تمہاری محبتوں کا شرف حاصل کروں اور جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کی سعادت سے بہرہ مند ہو سکوں۔

حضرت ابو بصیرؓ نے بات مکمل کی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید غم والم کی رات سحر آشنا ہو گئی ہے۔ اب وہ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے لیے آزاد ہیں۔ وہ جس طرح چاہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالائیں کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ مسلمانوں اور قریش میں ایک معاہدہ ہو چکا ہے جس کی رو سے ان کے ارادے پورے نہیں ہو سکیں گے۔

ابو بصیر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے ابھی اپنی داستانِ غم شروع ہی کی ہو گی کہ دیکھا قریشیوں کے بھیجے ہوئے دو آدمی پہلے ہی سے حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہیں۔ ابو بصیر پر گویا بجلی گر پڑی ہو۔ وہ دونوں شخص حضور ﷺ کو معاہدہ یاد دلانے لگے اور ابو بصیر کی واپسی کا مطالبہ کرنے لگے۔

ایک نے کہا: اے محمد! ہم نے آپ کی طرف سے معمولی سی وعدہ خلافی بھی نہیں دیکھی تو اتنی بڑی عہد شکنی کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ ابو بصیر نے ہمارا دین چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب یہ ہماری برادری کا غدار اور مجرم ہے۔ یہ ہمارا بھاگا ہوا قیدی ہے۔ اور آپ نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ قریش سے جو بھاگ کر آئے گا اور آپ کی پناہ لے گا آپ اسے ہمارے ہاتھ واپس بھیج دیں گے۔ ہم قریش کے فرستادہ ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ کیا آپ اس معاہدہ کی پاسداری کرتے ہیں اور اس میثاق کو نبھاتے ہیں یا نہیں۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: میں اپنے عہد کا پابند ہوں۔ میں عہد شکنی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ابو بصیر تمہارے سامنے موجود ہے۔ انہیں لے جاؤ۔ یقیناً اللہ کریم ان کے لیے اور ان کے دین کے لیے کوئی بہتر صورت پیدا فرمادے گا۔ ابو بصیر کو کافروں نے پکڑ لیا اور مسلمانوں کے سامنے وہ ہتھکڑیاں پہنے مکہ کی طرف چل پڑا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے غم والم سے بوجھل دلوں اور کرب واضطراب سے بھری روحوں کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔ لیکن ابو بصیر مدینہ طیبہ سے زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے کہ صحابہ نے دیکھا کہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ واپس آرہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے حیرانگی سے پوچھا۔ ابو بصیر خیر تو ہے؟ وہ دونوں جو تجھے لینے آئے تھے کہاں گئے۔ حضرت ابو بصیر نے بتایا کہ میں نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا ہے۔ اور دوسرا بھاگ گیا ہے۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ذمہ کو پورا کر دیا ہے۔ حضور نے جو معاہدہ کیا ہے میں اس کا پابند

نہیں۔ میں آپ کے حضور قیام نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب انہیں ابو بصیر کے کارنامے کا پتہ چلا۔ اس کی ماں مرے (پیار سے یہ الفاظ مر جائے) بڑا جنگجو ہے۔ کاش اس کے ساتھ کچھ اور آدمی ہوں تو یہ کفر کی کمر توڑ کر رکھ دے لیکن وہ مدینہ میں تو نہیں رہ سکتا۔ پس وہ جہاں چاہے چلا جائے اللہ تعالیٰ اسے اپنی پناہ میں رکھے گا۔ وہ جہاں بھی عبادت کرے اللہ اسے اپنا قرب بخشے گا۔ حضرت ابو بصیر مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر روانہ ہوئے۔ دل مرجھایا ہوا تھا۔ آنکھوں میں اداسی چھائی تھی اور روح مضمحل تھی۔ حیران تھے کہ کیا کیا جائے۔ وہ ایسے لوگوں سے بھاگ کر آئے تھے جو ان کے خون کے پیاسے تھے اور مدینہ طیبہ کے مسلمان بھی کسی صورت ان کی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ اور یہی غم مسلمانان مدینہ کو گھائل کیے جا رہا تھا وہ ان کے زخموں کو تازہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

دن گزرتے گئے اور کئی مہینے بیت گئے۔ مسلمان جب بھی قریش کے ظلم و ستم کو یاد کرتے اور ابو جندل اور ابو بصیر کی کسمپرسی کا خیال آتا تو روحوں میں غم و الم کا سیلاب آجاتا اور دل پر حسرت و یاس کی تاریکیاں چھا جاتیں۔ آخر ایک دن ایک قریشی نوجوان مدینہ میں وارد ہوا۔

ایک مسلمان بولا: لگتا ہے مسلمان ہے اور کافروں سے بھاگ کر آرہا ہے۔ کوئی مؤمن ہے اور امان کا طالب ہے۔ یہ تو ہمارے غموں میں اضافہ کر دے گا۔ ہمارے زخموں پر نمک پاشی کر کے ہمیں پریشان کر دے گا۔ دوسرا مسلمان آگے بڑھا اور نووارد سے پوچھا: اے بھائی کیا مسلمان ہو کر آیا ہے؟ مدینہ طیبہ تیرا گھر نہیں بن سکتا۔ تیری منزل مقصود یہ نہیں۔ تجھے اس شہر میں کوئی شخص امان نہیں دے سکتا۔ شاید تجھے معلوم نہیں کہ قریشیوں اور رسولِ خدا ﷺ کے درمیان ایک معاہدہ ہو چکا ہے جس کی رو سے آپ ﷺ کسی قریشی مسلمان کو پناہ نہیں دے سکتے۔ اور نہ اس کی حمایت کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا رسول اپنے وعدے پر قائم ہے اور معاہدہ کی پوری پاسداری فرما رہا ہے۔ اگر تم زیادہ دیر یہاں ٹھہرے تو خدشہ ہے قریش کے آدمی پہنچ جائیں گے اور تجھے پابجولاں ان کے ساتھ واپس جانا پڑے گا۔ مدینہ طیبہ کے علاوہ کوئی اور ٹھکانہ تلاش کر۔ کسی اور شہر کو بھاگ جا۔ شاید رب کریم تیری بھلائی اور خلاصی کی کوئی صورت پیدا فرما دے۔ نووارد ہنسا اور اس گفتگو پر تعجب کا اظہار کرنے لگا۔ پھر کہنے لگا: تمہارا اندازہ صحیح

نہیں۔ تم غلط سوچ رہے ہو۔ میں مسلمان ہو کر نہیں آیا۔ نہ مجھے کسی کی پناہ چاہیے۔ میں اپنے دین سے زیادہ کسی دین کو پسند نہیں کرتا۔ میں اپنے اسلاف کے مذہب پر قائم ہوں۔ میں کسی اور مذہب میں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا میں تو محمد سے ایک اہم سلسلے میں بات کرنے آیا ہوں۔

مسلمانوں نے سوچا۔ ایسی کونسی بات ہے؟ قریش نے کس لیے اس شخص کو حضور ﷺ سے بات کرنے کو بھیجا ہے؟ ایک دوسرے سے کہنے لگے چلو دیکھیں کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں کیا کہتا ہے۔

جب مسلمان مسجد میں داخل ہوئے تو نووارد حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کے لہجے میں کوئی تلخی نہیں تھی۔ مسلمان خوش ہو گئے کہ کوئی بہتری کی صورت پیدا ہونے والی ہے۔ ذرا قریب ہوئے تو وہ کہہ رہا تھا: مجھے قریش نے آپ کے پاس ایک مسئلے کے حل کے لیے بھیجا ہے۔ وہ مسئلہ ابو بصیر سے متعلق ہے۔ ابو بصیر نے ہمارا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ اس نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ دھوکے سے ہمارا ایک جنگجو جوان قتل کر ڈالا بلکہ اس نے سیف البحر کو اپنا ٹھکانا بنا لیا ہے۔ اب جو بھی شخص اسلام قبول کرتا ہے ابو بصیر کے پاس پہنچ جاتا ہے اور جس مسلمان کو مکہ میں عبادت سے روکا جاتا ہے اور اس پر ذرا سختی کی جاتی ہے وہ بھاگ کر ابو بصیر کے پاس جا پہنچتا ہے۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ مکہ سے بھاگ رہے ہیں اور ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں لیکن انہوں نے ہمارے خلاف محاذ کھول رکھا ہے۔ ان کی تلواریں رات دن سونتی رہتی ہیں۔ انہیں جب بھی پتہ چلتا ہے کہ ہمارا کوئی قافلہ شام جا رہا ہے یا مکہ واپس آ رہا ہے تو وہ اس کا راستہ روک لیتے ہیں اور امن کو خوف میں بدل دیتے ہیں۔ انہوں نے اس راہ پر بڑا خوف وہراس پھیلا رکھا ہے۔ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور نہ ان کے شر سے اپنے قافلوں کو بچا سکتے ہیں۔ ہم نے جو یہ شرط عائد کی تھی کہ قریشی مسلمانوں کو آپ واپس کریں گے یہ ہمارے حق میں بہتر اور مفید ثابت نہیں ہوئی۔ ہم تو سوچ رہے تھے کہ شاید یہ شرط اشاعت اسلام کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر دے گی لیکن یہ تو الٹا ہمارے لیے مصیبت ثابت ہوئی ہے۔ اس نے ہماری مصیبتوں اور مشکلوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ اس شرط کو کالعدم قرار

دینے پر راضی ہو جائیں۔ جو شخص بھی مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے آپ اسے پناہ دے دیں۔ اسے اپنے پاس ٹھہرائیں۔ ابو بصیر اور اس کے تمام ساتھیوں کو بھی اپنے ہاں پناہ دے دیں ہم معاہدہ کی اس شق کو کالعدم قرار دینے پر رضامند ہیں۔ مسلمانوں نے جب یہ بات سنی تو ان کی روحوں کی بے چینیاں ختم ہو گئیں۔ حزن و ملال کے جھکڑ ناپید ا ہو گئے۔ اور دلوں میں اطمینان و سکون کی لہر دوڑ گئی۔

لیکن جوں جوں وقت گزر رہا تھا بیت اللہ شریف کی زیارت کا شوق شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ مکہ مکرمہ کی جدائی سوہان روح بنی ہوئی تھی۔ بجلی چمکتی تو ان کے شوق فراواں میں اور اضافہ ہو جاتا۔ نسیم صبح چلتی تو مکہ کی محبت میں دل کے غنچے چیخ چیخ جاتے۔ سوچتے عنقریب قریش اپنا وعدہ وفا کریں گے۔ اور اپنی قسموں کو نبھائیں گے۔ وہ مکہ کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے اور مسلمان تنہا اپنی شریعت اور ذوق کے مطابق عمرہ اور بیت اللہ شریف کی تعظیم و تکریم بجالائیں گے۔ لیکن لگتا یوں تھا کہ یہ محض خواب و خیال ہے اور اپنی ہی سوچوں کی ایک عارض ٹوٹی پھوٹی تصویر انہیں یہ خیال بھی آتا کہ وہ کعبتہ اللہ کا طواف کر رہے ہونگے اور چلتے چلتے پیچھے مڑ کر بھی دیکھیں گے کہ کہیں قریش عہد شکنی کر کے حملہ نہ کر دیں اور امن و سلامتی کے وعدوں کو پس پشت ڈال کر خونریزی پر نہ اتر آئیں۔ جوں جوں وقت زیادہ گزر رہا تھا شوق و ذوق کے ساتھ ساتھ وہم و گمان کے سائے بھی طویل ہوتے جا رہے تھے اور مسلمانوں کے اضطراب اور پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

ایک دن مسلمان عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو ایک بیٹھک میں بیٹھ گئے۔ ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ گزری بسری یادوں کو دھرایا جانے لگا۔ ہر موضوع زیر بحث آیا حتی کہ بنو بکر اور بنو خزاعہ کی دشمنی کی بات چل نکلی۔ کیسے ان کی جنگیں ہوئیں۔ کس قدر خون بہائے گئے۔ کتنے شہسوار موت کی گھاٹ اترے۔ تذکرہ ہونے لگا۔ اس مجلس میں ایک قصہ گو بھی موجود تھا۔ جو اکثر رات کو بادشاہوں کی کہانیاں بیان کر کے لوگوں کے دل لبھایا کرتا تھا۔ وہ بول اٹھا کہ میں بنو بکر اور بنو خزاعہ کے گزرے احوال کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر میں تمہیں ان کی کہانی سناؤں تو تم عش عش کر اٹھو اور تمہارے دل خوش ہو جائیں۔ لیکن تم اتنی لمبی کہانی کو سن نہیں

سکو گے۔ میں جانتا ہوں تم زیادہ دیر جاگ نہیں سکو گے اور تمہیں نیند آجائے گی۔ اور تم قصہ ادھورا چھوڑ کر سو جاؤ گے۔

حاضرین بیک زبان بولے ہم نہیں سوئیں گے۔ کہانی شروع کریں ہم سب پوری کہانی سنیں گے اور کوئی یہاں سے نہیں اٹھے گا۔ قصہ گو نے کہانی شروع کی: بنو بکر اور بنو خزاعہ شروع سے دشمن نہیں۔ پہلے یہ آپس میں گہرے دوست تھے۔ ان کے درمیان بہت گہرے تعلقات تھے ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے خاندان میں شادیاں کرتے تھے۔ انہیں جب بھی کوئی سفر درپیش ہوتا مل کر سفر کرتے ان کے تجارتی قافلے مل کر چلتے۔ یہ ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ کئی جنگوں میں انہوں نے مل کر دشمن کا مقابلہ کیا ہے۔ اگر کوئی قبیلہ ان میں سے کسی بھی قبیلہ پر حملہ کرتا تو دوسرا فوراً اس کی مدد کو پہنچتا۔ ایک لمبے عرصے تک یہ باہم شیر و شکر رہے۔ ان کے باہمی مراسم اور تعلقات بہت گہرے اور قابل تقلید تھے۔ آخر وہ دن بھی آگیا۔ جس نے مدتوں کی دوستی کو دشمنی میں تبدیل کر دیا۔ محبتوں کی جگہ نفرتوں نے لے لی۔ اور خونریزی کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلا۔ ہوا یوں کہ بنو بکر کا حلیف مالک بن عباد بنو خزاعہ کے علاقے میں تجارت کی غرض سے گیا۔ کسی احمق اور بے وقوف نے مالک بن عباد کو ظلماً قتل کر دیا۔ اسی دن سے فتنہ کی یہ آگ بھڑک اٹھی اور دشمنی کی چنگاریاں دلوں میں سلگنے لگیں دوستیاں دشمنیوں کی نذر ہو گئیں۔ اور محبتیں نفرتوں میں بدل گئیں۔ کئی دفعہ بوڑھے بزرگوں نے کوشش کی کہ ناراضگیاں ختم ہو جائیں اور دلوں کی کدورتیں چھٹ جائیں لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ کئی دوسرے بہی خواہوں نے بھی کوشش کی کہ یہ آگ بجھ جائے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ ڈٹے رہے اور فضا خوشگوار نہ ہو سکی۔ گویا ان کے دلوں کی مٹی سے زرخیزی کی امید عبث ٹھہری۔ حتیٰ کہ قتل و غارت کا یہ سلسلہ محمد ﷺ کی آمد پر اختتام پذیر ہوا۔ آپ کی آمد نے تمام لوگوں کی توجہ آپ کی طرف مبذول ہو گئی اور وہ باہمی عداوتوں کو بھول کر کفر کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

لیکن صلح حدیبیہ کے دن سے یہ دشمنی پھر تازہ ہو گئی ہے۔ اور پہلے کی طرح اس میں شدت آگئی ہے۔ کیونکہ بنو خزاعہ نے مسلمانوں کے عہد میں اور بنو بکر نے

قریش کے عہد میں شمولیت اختیار کرلی ہے۔اس معاہدہ نے ان کی عداوت کی چنگاری کو ہوا دی ہے اور کینہ و بغض کا شعلہ پھر سے بھڑک اٹھا ہے۔اب دیکھیے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

قصہ گو نے جونہی آخری الفاظ کہے تو کتے بھونکنے لگے۔ مجلس میں موجود لوگ سمجھے کہ شاید کوئی مسافر ہے اور رات گزارنا چاہتا ہے۔ابھی اسی سوچ میں تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟ یہ وقت کسی کے آنے کا تو نہیں۔ پھر یہ ہے کون؟ شاید کوئی راہ گیر راستہ بھول کر ادھر آنکلا ہے؟ بیچارہ شاید راستہ معلوم کرنا چاہتا ہے یا رات ٹھہرنے کا متمنی ہے۔

دروازہ کھولا گیا۔ دروازے پر دستک دینے والا عمرو بن سالم الخزاعی تھا۔ عمرو نے سلام کیا اور تھکاماندہ بیٹھ گیا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ اسے دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ کئی دن سفر کر کے یہاں پہنچا ہے۔ اس کے چہرے سے درماندگی ٹپک رہی تھی۔ اور کندھوں پر دردو غم کا بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ لگتا تھا کہ اس کے پہلو میں دل کسی بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اور اس کی روح بہت بری طرح گھائل ہے۔

عمرو کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟ اس وقت آنا کیسے ہوا؟ اتنے پریشان کیوں ہو۔ تمہاری آنکھوں میں یہ آنسو کیوں۔ کچھ کہو۔ کیوں چپ ہو۔ عجب اتفاق ہے۔ تھوڑی دیر پہلے ہم تمہارے خاندان کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ تمہارے اور بنو بکر کے درمیان جو دشمنی چلی آتی ہے اور عرصہ تک جو خونریزی ہوتی رہی ہے وہی ہمارا موضوع گفتگو تھا۔ ہم نے بات ختم کی اور ادھر سے آپ آگئے۔ کہیے خیریت تو ہے؟

عمرو نے بتایا: یہ رات جنگ و جدال کی رات سے کچھ زیادہ دور نہیں۔ کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا کہ ہماری دشمنی اور خونریزی کی داستان تازہ ہو گئی ہے۔ آج ہماری دشمنی میں ایک نیا موڑ آیا ہے۔ اس واقع نے ہمیں ایک نئے غم سے دوچار کر دیا ہے۔ کل صبح وتیر کے نزدیک بنو بکر نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ خالی ہاتھ ہونے کی وجہ سے انہوں نے ہماری خوب خونریزی کی ہے۔ انہوں نے ہمارا سارا خاندان تلوار کی گھاٹ اتار دیا ہے۔ ہم اپنے مقتولوں کا انتقام لیں گے۔ ہم بنو بکر کو ان کے کیئے کی سزا بہر صورت دیں گے۔ میں یہ بات بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ اس جنگ میں قریش برابر کے شریک ہیں۔ انہوں نے بنو بکر کو اسلحہ فراہم کیا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے اور انہیں مدد فراہم نہ کرتے تو

اس قدر خونریزی نہ ہوتی۔ قریشیوں نے عہد شکنی کی ہے۔ نہ صرف انہیں اسلحہ دیا ہے بلکہ خونریزی میں ان کے جوان بھی شریک تھے۔ اسی وجہ سے بنو بکر کی تعداد بڑھ گئی۔ اور انہوں نے ہم پر غلبہ حاصل کر لیا۔ انہوں نے جی بھر کر ہمارے آدمیوں کو قتل کیا۔ ہم نے حرم پاک میں پناہ لی اور اس کے جوار کو ملجا بنایا لیکن انہوں نے حرم مقدس کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی۔ انہوں خانہ خدا کے تقدس کو بھی پامال کر ڈالا۔ برابر خونریزی کرتے رہے۔ اگر بنو خزاعہ کے کچھ لوگ بدیل بن ورقہ کے گھر میں پناہ نہ لیتے تو مکہ میں بنو خزاعہ کا نام و نشان تک نہ ملتا۔

سورج طلوع ہوا۔ بنو خزاعہ کے قتل عام کی خبر ہر جگہ پہنچ گئی۔ گلی گلی تذکرہ ہونے لگا کہ قریش نے عہد شکنی کر دی انہوں نے اپنی قسم توڑ کر بنو بکر کی مدد کی اور بنو خزاعہ کا قتل عام کیا۔ انہوں نے اپنے حلیف کو مسلمانوں کے حلیف کے خلاف مدد فراہم کی۔ لوگ حضور ﷺ کی زیارت کے لیے جوق در جوق مسجد نبوی میں آنے شروع ہو گئے۔ وہ اس خبر کے متعلق آپ سے پوچھنا چاہتے تھے۔ وہ کیا دیکھتے ہیں کہ عمرو بن سالم کھڑا ہے اور حضور ﷺ کے سامنے دردناک آواز میں یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

يَارَبِّ اِنِّیْ نَاشِدٌ مُحَمَّدًا

حِلْفَ اَبِيْنَا وَاَبِيْهِ الْاَتْلَدَا

قَدْ كُنْتُمْ وَلَدًا وَكُنَّا وَالِدًا

ثُمَّتَ اَسْلَمْنَا فَلَمْ نَنْزَعْ يَدًا

فَانْصُرْ هَدَاكَ اللّٰهُ نَصْرًا اِعْتَدَا

وَدَعْ عِبَادَاللّٰهِ يَأْتُوا مَدَدَا

فِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَدْتَجَرَّدَا

اِنْ سِيْمَ خَسْفًا وَجْهُهٗ تَرَبَّدَا

فِیْ فَيْلَقٍ كَالْبَحْرِ يجری مُزْبِدًا

اِنَّ قُرَيْشًا اَخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا

وَنَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا

وَجَعَلُوْ الِیْ فِیْ كَدَاءٍ رَصَدًا

وَزَعَمُوا اَنْ لَسْتُ اَدْعُوا اَحَدَا

وَهُمْ اَذَلُّ وَ اَقَلُّ عَدَدَا

هُمْ بَيَّتُوْنَا بِلْوَتِيْرِ هُجَّدا

وَقَتَلُوْ نَا رُكَّعًا وَّ سُجَّدًا

فَانْصُرْ هَدَاكَ اللّٰهُ نَصْرًا اَيّدًا

۱۔ اے میرے رب میں محمد کو یاد دلاؤں گا وہ تعلقات جو ہمارے اور ان کے بزرگوں میں عرصے سے چلے آرہے ہیں۔

۲۔ تم ہماری اولاد ہو اور ہم تمہارے باپ جب سے ہم نے اطاعت قبول کی ہے آج تک ہاتھ نہیں جھٹکا۔

۳۔ اے مدینہ کے بادشاہ! آپ ہماری اسلحہ سے مدد فرمائیں۔ اللہ آپ کو ہدایت بخشے بندگانِ خدا کو بھی ہماری مدد کے لیے آواز دیں۔

۴۔ (اس لشکر میں) اللہ کے رسول بھی ہیں جن کا دامن ہر عیب سے پاک ہے اگر کسی پر ظلم وجور روا رکھا جا رہا ہو تو ان کے چہرہ مبارک کا رنگ غصے سے متغیر ہو جاتا ہے۔

۵۔ وہ لشکر جرار میں یوں چلتے ہیں جیسے سمندر جھاگ پیدا کرتے ہوئے چلتا ہے بیشک قریش نے تیرے ساتھ کیے گئے عہد کو توڑ ڈالا ہے۔

۶۔ تیرے ساتھ کیے گئے وعدہ کو انہوں نے کوئی وقعت نہیں دی اور کداد کے مقام پر میری گھات میں لوک بٹھا دیے ہیں۔

۷۔ شاید وہ سمجھ رہے تھے کہ میں کسی کو آواز نہیں دوں گا۔یا ان کا یہ گمان تھا کہ مسلمان کمزور ہیں اور تعداد میں بہت کم ہیں۔

۸۔ انہوں نے مقام "وتیر" میں ہم سوتے پر اچانک حملہ کر دیا۔اور ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں تہہ تیغ کر ڈالا۔

۹۔ اللہ آپ کو ہدایت نصیب کرے آپ ہماری مدد کریں خدا آپ کی مدد کرے گا۔

رسول خدا ﷺ نے یہ اشعار سنے تو فرمایا۔اے عمرو بن سالم تیری ضرور مدد کی جائے گی۔ پھر آپ نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی: اے اللہ! قریش کے جاسوسوں اور خبر رسانوں کو غافل کر دے حتی کہ تو اس خبر کو ان کے شہر مکہ میں جا ظاہر کرے۔

"فتح مبین"

جب تاریکی چھٹی اور صبح کی روشنی پھیلنی شروع ہوئی تو قریش کو احساس ہوا کہ انہوں نے بنو بکر کی مدد کر کے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ ایک حلیف کی دوسرے حلیف کے خلاف مدد کا مطلب وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اس کا نتیجہ کتنا بھیانک اور برا ہو سکتا ہے۔ انھیں یقین تھا کہ جو نہی صبح کا اجالا پھیلے گا تو یہ خبر ہوا کے دوش پر محمد تک پہنچ جائے گی اور انہیں عہد شکنی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ محمد اور اس کے ساتھیوں کو اس وعدہ خلافی کی وجہ سے موقع مل جائے گا اور وہ بنو خزاعہ کے قتل عام کو وجہ بنا کر حملہ آور ہوں گے اور مکہ والوں کو نیست و نابود کر دیں گے۔ مکہ کے قریشیوں میں ہر گز یہ دم خم نہیں کہ وہ اسلامی لشکر کا راستہ روک سکیں۔ اور ان کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔

قریشی ایک جگہ اکٹھے ہوئے، باہم مشورہ کرنے لگے اور مسلمانوں سے بچنے کی تدبیر کرنے لگے۔ اس مجلس میں مکہ کے سب سربر آوردہ لوگ شامل ہوئے۔ عہد شکنی کے انجام پر گفتگو ہونے لگی۔ مختلف آراء اور تجاویز سامنے آئیں۔ بدحواسی کی وجہ سے آوازیں بلند ہو گئیں۔ شور برپا ہو گیا اور خیالات میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ آخر کچھ سیانوں نے اس رائے کو پسند کیا کہ ابو سفیان مدینہ طیبہ جائے۔ اور اس سلسلے میں بات کرے۔ ابو سفیان قریشیوں کا بزرگ اور سردار تھا۔ سب اس کی طرف امید بھری نظروں سے

دیکھنے لگے اور سب کی انگلیاں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ حالات خراب ہونے اور خبر پھیل جانے سے پہلے ابو سفیان کو محمد ﷺ کے پاس پہنچنا چاہیے۔ تاکہ محمد حملہ نہ کر سکے اور نقض عہد کا کوئی سبب نہ ڈھونڈ سکے۔ ابو سفیان کو اس سلسلے میں بات چیت کر کے مدت معاہدہ بڑھا دینا چاہیے۔

ابو سفیان فوراً مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ قریش کی نظریں اس پر لگی ہوئی تھیں۔ انہیں امید تھی کہ ابو سفیان ناکام نہیں لوٹے گا۔ ابو سفیان کے کندھے پر قریش نے بہت بڑی ذمہ داری ڈال رکھی تھی۔ وہ احمقوں کے پھیلائے گئے فساد کا تدارک کرنا چاہتا تھا۔ وہ مدینہ طیبہ پہنچا تو پتہ چلا کہ بنو خزاعہ کے قتل کی خبر تو اس سے پہلے پہنچ چکی ہے۔ ہر شخص کی زبان پر اس کا تذکرہ ہے۔ اسے محسوس ہو گیا کہ مسلمانوں کا رویہ دوستانہ نہیں۔ ہر شخص غصے اور ناراضگی سے بات کرتا ہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ معاملہ بہت نازک صورت اختیار کر چکا ہے۔ وہ اپنے مقصد میں شاید کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ خونریزی کا انجام بڑا صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کے دل پر غم کی پرچھائیاں گہری ہوتی گئیں۔ تو کیا وہ کسی سے کچھ نہ کہے اور یونہی نامراد واپس لوٹ جائے؟ ابو سفیان نے سوچا لیکن نہیں۔ ایسا کرنا تو مناسب نہیں ہو گا۔ وہ قریشیوں کا سردار اور بزرگ ہے۔ اسے محمد سے ملنے کی کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکالنی چاہیے۔ اور اسے بتانا چاہیے کہ جنگ کیوں ہوئی اور قریشیوں سے یہ حماقت کیسے سرزد ہوئی۔ اس نے دل میں عہد کر لیا کہ نتیجہ کچھ بھی ہو وہ بات کیے بغیر واپس نہیں جائے گا۔ وہ کوشش کرے گا کہ بات بن جائے اور معاہدہ کی مدت بڑھ جائے۔ وہ عذر پیش کرے گا اور کسی نہ کسی صورت قریش کی طرف سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کرے گا۔

ابو سفیان رسولِ خدا ﷺ کے گھر گیا۔ وہ صحن میں جا کھڑا ہوا۔ حیران پریشان تھا۔ اس کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ دل غموں کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ اپنی بیٹی ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن ان کے لہجے میں بھی تلخی تھی۔ ابو سفیان کاشانہ رسول سے ذلت و خواری اور یاس و قنوط کی حالت میں خاموشی کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔ حضور ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ وہ حضور سے ملا لیکن آپ کو بھی ناراض پایا۔ کوئی بات نہ کی خاموش حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر گیا تاکہ صدیق حضور کی بارگاہ میں اس کی سفارش کریں لیکن یہاں بھی امید بر نہ آئی۔ سوچا شاید خطاب کے بیٹے عمر سے بھلائی حاصل ہو جائے لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں دشمنان اسلام کے لیئے کہاں جگہ تھی۔ ناکام و نامراد واپس پلٹا۔ سخت پریشان تھا۔ اب صرف ایک ہی صورت تھی کہ مکہ واپس لوٹ جائے اور قریش کو آگاہ کرے کہ حالات خطرناک صورت اختیار کر چکے ہیں اور حملے کے امکانات واضح ہیں۔

رسول خدا ﷺ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا اور اعلان فرمایا کہ جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ رمضان کا چاند مدینہ منورہ میں دیکھے"

گھوڑوں پر زینیں کس دی گئیں۔ تیر و تفنگ تیار ہو گئے۔ دوسرے قبائل مزینہ، غفار، اشجع اور سلم بھی مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ لشکر اسلام جب مرتب ہوا تو پتہ چلا کہ اتنا بڑا لشکر عرب کی سرزمین نے پہلے نہیں دیکھا۔ اور نہ اس لشکر کی طرح کسی لشکر میں پہلے کبھی دم خم پیدا ہو سکا۔ رسول کریم ﷺ نے لشکر کی تیاری میں رازداری کو بہت اہمیت دی تھی۔ تمام مسلمانوں کو یہ حکم دے دیا تھا کہ کسی کو کچھ خبر نہ ہونے پائے۔ وہ اچانک مکہ پہنچنا چاہتے تھے تاکہ حرم پاک میں خونریزی نہ ہونے پائے۔ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت زیادہ رازداری کا ثبوت باہم پہنچایا۔ دراصل حضور مکہ میں فساد کے حق میں نہیں تھے۔ آپ چاہتے تھے امن و امان پر کوئی حرف نہ آئے اور مکہ مکرمہ جو مقام توحید ہے کفر و شرک سے خالی ہو جائے۔

اسلامی لشکر حضور ﷺ کے حکم سے چل پڑا۔ آگے آگے عقاب (اسلامی جھنڈے کا نام) لہرا رہا تھا۔ اور نصرت خداوندی قدم قدم پر سایہ فگن تھی۔ لشکر چلتا رہا۔ راستے میں ایک شخص ملا۔ جو نہایت ہی بارعب شخصیت کا مالک تھا۔ طویل قامت، سڈول جسم، روشن پیشانی اور اتنا وجیہہ کہ دور سے پہچانا جائے۔ یہ عباس بن عبدالمطلب تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں عرصہ سے اسلام قبول کر چکا ہوں۔ لیکن ایمان کا اظہار نہیں کر سکا۔ مگر اب دلی کیفیتوں کو زیادہ دیر نہیں چھپا سکتا تھا۔ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلا ہوں۔ یہ ہیں میری بیوی اور بچہ۔ انہیں بھی میں ساتھ لے آیا ہوں۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: خوش آمدید چچا جان۔ دولت اسلام آپ کو اللہ نصیب کرے۔ میری طرف سے اس نعمت پر مبارک باد قبول فرمائیں۔ اللہ آپ کے ایمان کو بابرکت فرمائے۔ اپنی زوجہ اور بچے کو مدینہ طیبہ بھیج دیں۔ اور آپ خود میرے ساتھ مکہ تشریف لے آئیں اور دیکھیں کہ ہمارے اور قریش کے درمیان کیسے حالات پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے لشکر پر نگاہ ڈالی تو حد نگاہ تک آدمی ہی آدمی نظر آئے۔ کیا پہاڑ، کیا میدان ہر طرف اسلامی لشکر پھیلا ہوا تھا۔

فرمانے لگے۔ خدا قریش پر رحم کرے۔ اگر یہ لشکر زبردستی مکہ میں داخل ہوا تو قریش کا نہ کوئی چھوٹا بچے گا اور نہ کوئی بڑا۔ مرد و زن سب موت کی گھاٹ اُتر جائیں گے۔ ان کے انجام بد کا سوچ کر لرز گئے۔ نہایت ہی پریشانی کے عالم میں صحراء کی طرف چل دیے کہ کوئی لکڑہارا ملے، دودھ دوہنے والا یا کسی اور ضرورت سے شہر سے باہر آنے والا کوئی شخص ملے تو مکہ والوں کو آگاہ کر دے وہ آئیں اور حضور کی بارگاہ میں معذرت کریں اور معاہدہ کر لیں کہ وہ امن و امان سے حرم پاک ان کے حوالے کر دیں گے وہ عمرہ کریں اور بیت اللہ شریف کی تعظیم و توقیر بجا لائیں۔

اسی لمحے کہ حضرت عباس اندازہ لگا رہے تھے۔ فوج کو دیکھ رہے تھے اور قریش کو تباہی سے بچانے کی فکر کر رہے تھے کہ ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیں۔ کوئی شخص اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ ذرا اس آگ کو دیکھ۔ لشکر کی وسعت کا اندازہ کر۔ میں نے اتنا بڑا لشکر پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ ذرا آگ دیکھ کہ پوری وادی میں روشنی ہی روشنی پھیلتی محسوس ہوتی ہے۔

دوسرے نے کہا: بخدا یہ بنو خزاعہ ہیں۔ جنگ نے انہیں آتش زیرپا کر دیا ہے۔ وہ اپنے مقتولوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ وتیر کے واقعہ نے انہیں مرمٹنے پر آمادہ کر دیا ہے۔

پہلے نے کہا: خاموش رہو۔ خدا کی قسم یہ بنو خزاعہ نہیں ہو سکتے۔ بنو خزاعہ کے پاس اتنا بڑا لشکر کہاں۔ آگ بتا رہی ہے کہ یہ بنو خزاعہ نہیں کوئی اور ہے۔

دوسرا شخص کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ پاؤں کی آہٹ سن کر خاموش ہو گیا حضرت عباس چلتے چلتے دونوں کے قریب پہنچ گئے۔ آپ سمجھ رہے تھے کہ شاید چرواہے لشکر دیکھ رہے ہیں لیکن نہیں یہ چرواہے نہیں تھے یہ ابو سفیان تھا۔ اور اس کے ساتھ دوسرا شخص ابو حنظلہ تھا۔ حضرت عباس نے فرمایا تعجب ہے ابو سفیان تو یہاں ؟ اور ابو حنظلہ رات کی اس تاریکی میں تو اس بیاباں میں پہنچ گیا! ابو سفیان نے جواب دیا۔ بس قوم کا درد، قبیلے کا بوجھ اور وقت کی لائی ہوئیں مصیبتیں.......... میں آپ کے بھتیجے کی خبر لینے نکلا تھا۔ میں مسلمانوں کے لشکر کو دیکھنے آیا تھا کہ تجھ سے ملاقات ہو گئی۔ قریش کو اندازہ ہو چکا ہے کہ جنگ ہو گی۔ جس دن انہوں نے عہد شکنی کی اسی دن سے انہیں یقین ہو چکا ہے کہ مسلمان حملہ آور ہوں گے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابو سفیان تیرا ستیاناس ہو اللہ کا رسول محمد ﷺ یہاں سے بالکل قریب ہیں۔ ریت کے ذروں کی مانند ایک لشکر جرار کے قائد چند قدموں پر تشریف فرما ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تو پکڑا گیا تو مسلمان تیری گردن مار دیں گے۔ میں اس چیز کو برداشت نہیں کر سکتا کہ قریش کے بزرگ کا لاشہ زمین پر خاک و خون میں تڑپ رہا ہو اور اس کا سر تن سے جدا ہو چکا ہو۔ آ میرے ساتھ خچر پر سوار ہو جا۔ میں تجھے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے پاس لے چلتا ہوں۔ میں تیرے لیے امان طلب کروں گا اور تجھے بچاؤں گا۔

لوگوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے ابو سفیان کو خچر پر سوار دیکھا۔ حضرت عمر کو پتہ چلا تو جھپٹ پڑے اور فرمانے لگے: اللہ کا دشمن ابو سفیان! اللہ کریم کا شکر ہے کہ تو کسی عہد اور کسی عقد کے بغیر ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھاگتے ہوئے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور عرض کی۔

یارسول اللہ! یہ ہے ابو سفیان۔ اللہ نے کسی عہد و پیمان کے بغیر ہمیں اس پر قدرت دی ہے۔ حضور! اجازت دیجیئے تاکہ میں اس کافر کا سر تن سے جدا کر دوں۔ اس سے میرے دل میں غیض و غضب کے شعلے بجھ جائیں گے اور پہلو میں انتقام کی دہکتی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میں خود ابو سفیان کو

لیکر آیا ہوں۔ میں اس کو امان دے چکا ہوں۔ اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ کا رسول امن اور میرا حلیم و کریم آقا میرے پڑوس کا خیال نہ رکھے اور میری امان میں ایک شخص کو قتل کرا دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ قریش کا وہی بوڑھا تو ہے جس کی وجہ سے جنگ بدر ہوئی۔ یہی تو وہ شخص ہے جس نے احد میں لوگوں کو ہمارے خلاف ترغیب جنگ دی۔ حضور اسی سردار قریش نے خندق کے روز مختلف قبیلوں کی ہمارے خلاف قیادت کی۔ اب یہ ہمارے ہاتھ میں ہے اور کوئی معاہدہ بھی نہیں۔ صلح حدیبیہ کو خود انہوں نے توڑ دیا ہے۔ اس کے قتل سے مسلمانوں کے دل مطمئن ہو جائیں گے اور مظلوموں کو غم والم سے شفا نصیب ہوگی۔

حضرت عباس فوراً بولے: عمر چپ رہو۔ خدا کی قسم اگر یہ تیری قوم بنو عدی سے ہوتا تو یوں اس کے قتل پر اصرار نہ کرتا۔ یہ صرف اس لیے ہے کہ اس کا تعلق بنی عبد مناف سے ہے۔

حضرت عمر نے فرمایا: عباس! آپ زیادتی کر رہے ہیں۔ خدا جس دن آپ نے اسلام قبول کیا مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میرا باپ خطاب بھی اسلام قبول کرتا تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اللہ کے محبوب ﷺ کو تیرا اسلام لانا زیادہ پسندیدہ ہے بہ نسبت خطاب کے اسلام لانے سے۔ اگر اللہ کریم اسے بھی اسلام کی توفیق بخشے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بات کرنا چاہتے تھے لیکن رسول خدا ﷺ درمیان میں آگئے اور یہ دونوں صحابی احتراماً خاموش ہو گئے۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ چچا جان! آپ اسے اپنے خیمے میں لے جائیں۔ کل اسے لے کر آنا۔ رات یہ آپ کے ہاں گزارے گا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان کا ہاتھ پکڑا اور اسے خیمے میں لے گئے۔ دونوں صبح تک ایک ہی خیمے میں رہے۔ ساری رات باتیں ہوتی رہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ ابو سفیان اسلام قبول کر لے۔ اور بت پرستی کا جوا گلے سے اتار پھینکے لیکن ابو سفیان کا دل مطمئن ہونے کو نہیں آرہا تھا۔ رات گئے دونوں کی آنکھ لگ گئی لیکن زیادہ دیر نہیں ہوئی ہوگی کہ دونوں پھر بیدار ہو گئے

لوگ فجر کی نماز ادا کر رہے تھے۔ ابوسفیان نے دیکھا کہ لوگ کھڑے ہیں اور ان پر نہایت ہی خشوع کی کیفیت طاری ہے۔ وہ کچھ پڑھ رہے ہیں لیکن آواز پست ہونے کی وجہ سے کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ پھر رکوع کرتے ہیں اور رکوع کے بعد اپنی پیشانیاں مٹی پر رکھ کر نہایت ہی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ ابوسفیان یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ آخر اس نے عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھ لیا۔ عباس! لوگ کیا کر رہے ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ نماز ہے۔ لوگ نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے بندہ ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ ابوسفیان! اٹھ طہارت حاصل کر اور میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہو جا۔ ابوسفیان بادل نخواستہ اٹھا، غسل کیا اور طوعاً و کرھاً بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ابوسفیان! تیرا ستیاناس ہو کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ تو اس حقیقت سے واقف ہو جائے کہ اللہ کے سواء کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

ابوسفیان نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ کتنے حلیم، کتنے کریم اور کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگر کوئی اور خدا ہوتا تو وہ مجھے ضرور فائدہ دیتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ابوسفیان تیرا ستیاناس ہو۔ کیا ابھی تک تجھے یقین نہیں آیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ کتنے حلیم اور صلہ رحم ہیں۔ حضور! میں آپ کو اللہ کا نبی نہیں مانتا۔ کیونکہ اس سلسلے میں میرا دل ابھی مطمئن نہیں ہوا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابوسفیان! آنکھ والوں کے سامنے صبح روشن ہو چکی ہے۔ اب انکار کور باطنی اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے۔ آنکھوں سے تعصب کے پردے ہٹا دل سے ہٹ دھرمی اور حسد و کینہ کا غبار جھاڑ دے اور دل کی آنکھ وا کر کے حسن احمدی کا مشاہدہ کر۔ ابوسفیان! اسلام قبول کر لے۔ جان بخشی کے ساتھ ساتھ دنیا و آخرت کی ساری نعمتیں میسر آجائیں گی۔ ابوسفیان مضطرب تھا۔ وہ

حضور ﷺ کی نبوت کے بارے مطمئن نہیں تھا لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو قبولیت حق کی توفیق دے دی اور اس نے گواہی دے دی کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں۔ رسول محتشم بہت خوش ہوئے۔ عباس رضی اللہ عنہ کا چہرہ بھی خوشی سے کھل اٹھا۔ ابوسفیان کا ہاتھ پکڑا۔ انھیں وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا اور مبادیات اسلام کے بارے تعلیم دی۔

پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ ابوسفیان فخر پسند کرتا ہے۔ آپ جانتے ہیں بڑائی اسے مرغوب ہے۔ ابھی تک وہ اسلام کے بارے مطمئن نہیں ہوا۔ ابھی تک دین حنیف کے بارے اس کا ذہن پوری طرح صاف نہیں ہے۔ آپ اس کی دلجوئی کریں تاکہ وہ رحمت و خلق عظیم سے متاثر ہو کر بات سمجھنے کے قابل ہو جائے۔ عداوتوں اور دشمنیوں نے اس سے بصیرت کا نور چھین لیا ہے۔ ذرا کرم کریں تو تعصبات کے پردے میں سسکتا ضمیر جاگ اٹھے۔ اور اسلام اس کے دل میں گھر کر جائے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں اسے بتادو جو شخص مکہ میں ابوسفیان کے گھر میں پناہ گزین ہو جائے گا اس سے باز پرس نہیں ہو گی۔ اور جس نے گھر کا دروازہ بند کر لیا وہ بھی مامون ہے اور جو کعبۃ اللہ میں داخل ہو گیا اس کی بھی جان بخشی کا وعدہ ہے۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضور کا فرمان بخشش سن کر مکہ کے گلی کوچوں میں چیختے ہوئے پھرنے لگا: اے خاندان قریش! محمد ایک ایسا لشکر لیکر آیا ہے جس کے مقابلے کی تم میں تاب نہیں۔ لوگو! سن لو۔ جو ابوسفیان کے گھر داخل ہو گیا وہ مامون ہو گا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ اٹھی اور اعلان کرنے لگی۔ لوگو! اس موٹو، چربی والے بے فائدہ شخص کو قتل کر دو۔ یہ قوم کی پیشانی پر بدنما کلنک ہے۔ ابوسفیان نے کہا: اے میری قوم! یہ عورت تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔ میں تمہیں اس لیے نصیحت کر رہا ہوں کہ خونریزی نہ ہو اور تمہاری جان بچ جائے۔ محمد ایسا لشکر لیکر آیا ہے جس کا مقابلہ تم نہیں کر سکتے۔ لوگ ڈر گئے اور کہنے لگے۔ ابوسفیان تیرا ستیاناس ہو۔ کیا پورا مکہ تیرے گھر میں سما سکتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا۔ جس نے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس سے بھی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ جو حرم پاک میں داخل ہو گیا وہ بھی محفوظ رہے گا۔ لوگ

دوڑ پڑے۔ کچھ تو گھروں کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے اور کچھ لوگ مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔

رسول کریم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے۔ سر مبارک جھکا ہوا تھا اور زبان پر کلمات تشکر کا ورد تھا۔ آپ ﷺ نے سیاہ رنگ کا عمامہ باندھ رکھا تھا۔ جس پر سرخ رنگ کا رومال لپٹا ہوا تھا۔ کعبۃ اللہ کے تقدس اور اللہ کے فضل و احسان کے احساس سے نظریں اٹھتی ہی نہیں تھیں۔ تلواریں بے نیام نہیں تھیں۔ خون کے دشمنوں سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ زبان مبارک پر کلام ربانی کی آیات جاری تھیں۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيْنًا لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَ اطًا مُّسْتَقِيْماً۔ وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْراً عَزِيْزاً هُوَ الَّذِىْ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِى قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْماً حَكِيْماً۔ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَكَانَ ذَالِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْماً۔ وَيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَآءَ تْ مَصِيْراً وَلِلّٰهِ جُنُوْدُالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْماً۔

"یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے۔ تاکہ دور فرمادے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہے۔ وہی ہے جس نے اتارا اطمینان کو اہل ایمان کے دلوں میں تاکہ وہ اور بڑھ جائیں (قوتِ) ایمان میں اپنے (پہلے) ایمان کے ساتھ۔ اور اللہ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا،

بہت داناہے۔ تاکہ داخل کردے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو
باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور ہمیشہ اس میں رہیں
گے اور دور فرمادے ان سے ان کی برائیوں کو اور یہ اللہ کے
نزدیک بڑی کامیابی ہے۔ اور تاکہ عذاب میں مبتلا کردے منافق
مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں
کو جو اللہ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں۔ انہیں پر ہے بری
گردش اور ناراض ہوا اللہ تعالیٰ ان پر اور (اپنی رحمت سے) انہیں
دور کردیا ہے اور تیار کر رکھا ہے ان کے لیے جہنم اور وہ بہت برا
ٹھکانا ہے۔ اور اللہ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور
زمین کے۔ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بڑا دانا ہے" (الفتح: ۱تا۷)

حضور ﷺ نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔ رکن کو ہاتھوں سے چھوا۔ لوگ مسجد میں اکٹھے ہو گئے اور بھیڑ لگ گئی کہ دیکھیں محمد (ﷺ) کیا فرماتے ہیں۔

یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے گھروں سے نکالا۔ انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ اب سب مجرم آپ کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہیں اور آپ ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہو چکے ہیں۔ آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن کاش انہیں پتہ ہوتا کہ رحمۃ للعالمین کی زبان مبارک سے کیا الفاظ نکلیں گے۔ کاش وہ جانتے کہ الرؤف الرحیم دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔

حضور ایک اونچی جگہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: اے خاندان قریش! تمہارا کیا خیال ہے میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں۔ سب بیک زبان بولے۔ آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا" جاؤ تم سب آزاد ہو"

"غزوہ حنین"

مسلمان کامیابی اور ناکامی کی دہلیز پر

درید بن صمہ حرب وضرب کا ماہر اور جنگ کی باریکیوں سے خوب واقف تھا۔ وہ کئی بار میدان کارزار میں مٹک مٹک کر اور لہرالہرا کر چل چکا تھا۔ جنگوں میں وہ جوان ہوا تھا۔ اور انہیں میدانوں میں اس کی عمر بڑھاپے کو پہنچی تھی۔ آج اگرچہ وہ شیخ فانی اور بوڑھا کھوسٹ تھا لیکن پوری قوم میں اس کا ہم پلہ اور جگہ لینے والا کوئی نہ تھا۔ وہ اب بھی بنی جشم کے فیصلے کرتا اور مشکل مسائل کی رہنمائی کرتا تھا۔

بنی جشم کجاوے میں بٹھا کر اسے ساتھ لائے تھے اور اس کے اونٹ کی مہار پکڑ کر چل رہے تھے۔ درید نے پوچھا: تم کس وادی میں ہو؟ بتایا گیا کہ ہم وادی اوطاس میں ہیں۔ درید نے کہا: یہ وادی گھوڑوں کے لیے بہت مناسب ہے۔ نہ تو یہاں دائیں بائیں سے حملے کا خطرہ ہے اور نہ دوڑنے بھاگنے میں کوئی رکاوٹ وادی چونکہ زیادہ وسیع بھی نہیں اس لیے جنگ پھیلنے کے امکانات بھی نہیں ہیں۔ لیکن یہ آوازیں کیسی ہیں؟ لگتا ہے تم اونٹ، گدھے، بکریاں بھیڑیں اور بال بچوں کو ساتھ لے آئے ہو۔ اسے بتایا گیا کہ سردار قبیلہ مالک بن عوف کا یہی حکم تھا کہ مردوں کے ساتھ ساتھ ان کے اہل و

عیال اور مال مویشی بھی ہوں گے۔ درید نے کہا مجھے مالک کے پاس لے چلو۔ خدا کی قسم وہ پرلے درجے کا بے وقوف اور جاہل ہے۔ جنگ ایسے لڑی جاتی ہے؟ غلام نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور چل دیا۔ درید مالک کے پاس پہنچ گیا اور کہا۔

مالک! تو میرے بعد قوم کا سردار اور قائد ہے۔ مجھے بتا کہ تو نے یہ اکٹھ کیوں کر رکھا ہے۔ مالک نے کہا یہ تمام لوگ ہماری اپنی قوم سے تعلق رکھتے ہیں کوئی غیر تو نہیں۔ میں انہیں لے کر محمد کے خلاف جنگ کرنے نکلا ہوں۔ خبر ملی ہے کہ محمد اتنا بڑا لشکر لے کر مکہ آیا ہے کہ عربوں نے اتنا بڑا لشکر پہلے کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔ کسی نے بھی اس لشکر کا راستہ نہیں روکا۔ کوئی بھی اس کے مقابل آنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ نہ کسی نے پیچھے سے حملہ کیا اور نہ کسی نے سامنے سے روکا۔ قریش مطیع فرمان ہو گئے اور اب مکہ میں ان کا عمل دخل ختم ہو چکا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر ہم نے حملہ نہ کیا تو وہ ہم پر حملہ کر دے گا اور اگر ہم نے تیاری نہ کی تو قریش کی طرح ہمیں بھی سر جھکانا پڑے گا۔ بنو ہوازن، بنو نصر، بنو جشم سب کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اور ثقیف والے بھی اس کے دین کو قبول کرنے پر مجبور ہونگے۔ پھر محمد پورے عرب کا بادشاہ بن جائے گا۔ لیکن جیسا کہ تجھے بتایا گیا ہو گا میں نے اس کے تیار ہونے سے پہلے جنگ کی تیاری کر لی ہے اور اس سے پہلے کہ وہ ہماری طرف بڑھے ہم نے پہلے ہی اس کی راہ روکنے کی ٹھان لی ہے۔

درید نے کہا: جوان اور گھوڑ سوار کی حد تک تو بات ٹھیک ہے لیکن میں اونٹ، گدھے، بھیڑ بکری اور عورتوں بچوں کی آوازیں سن رہا ہوں یہ سب کچھ کس لیے ہے؟

مالک سمجھ رہا تھا کہ شاید یہ بوڑھا جنگجو اس کی رائے سے اتفاق کرے گا اور اس حسن رائے پر پیٹھ تھپتھپائے گا۔ بڑے فخر سے بتانے لگا: مجھے اندیشہ تھا کہ میرے ہم رکاب لوگ محمد کے لشکریوں سے تعداد میں کم ہیں۔ میں نے سوچا ان کے اہل و عیال اور مویشی ساتھ لے چلوں تاکہ یہ جم کر لڑیں اور کوئی شخص بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ درید نے سر کو جھٹکا دیا اور کہا۔ اے بھیڑوں کے گڈریا! کیا شکست خوردہ شخص کو بھی کوئی چیز واپس لا سکتی ہے۔ یہ تو کیا سوچ رہا ہے۔ مجھے اگر فائدہ دیں گے تو تلوار کے دھنی مرد اور بہادر نیزہ باز فائدہ دیں گے۔ یاد رکھ اگر شکست ہوئی تو تجھے اہل و عیال

اور مال دونوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ اس سے بہت زیادہ فضیحت ہو گی۔ مالک! تو نے بنی ھوازن کو جنگ کے لیے تیار کرنے میں کسی عقل مندی کا ثبوت نہیں دیا۔ تو بہت نا تجربہ کار اور بے وقوف نکلا ہے۔ تو انہیں کسی محفوظ مقام پر رکھتا اور مسلمانوں کے مقابلے کے لیے گھوڑ سواروں کو بھیجتا۔ اگر وہ فتح حاصل کر لیتے تو محفوظ مقام پر لوگ بھی ان کے ساتھ جا ملتے اور اگر انہیں شکست ہو جاتی تو محفوظ مقام پر موجود لوگ اس شکست کا تدارک کرتے اور گھر و مال محفوظ رہتا۔ مالک نے کہا: درید! تو بوڑھا ہو گیا ہے اور اس بڑھاپے نے تیری سوچ کو بھی بوڑھا کر دیا ہے۔ اب لڑائی اور اس سے متعلقہ معاملات مجھ جیسے تجربہ کار جوان کو حل کرنے دے۔ تیری آنکھوں میں بینائی کی روشنی نہیں رہی۔ اب تجھے کیا خبر کہ جنگ کیا ہے اور جنگی تدبیر کیا۔ درید خاموش ہو گیا۔ مالک اپنی قوم کے پاس گیا اور کہا۔ اے میری قوم! میں اپنی تلوار پر بھروسہ کروں یا تم سب میری اطاعت کرو گے؟

قو کے سرداروں اور رئیسوں نے کہا: مالک! آپ جو چاہتے ہیں کر گزریے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

حضور ﷺ جب مدینہ طیبہ کی طرف کوچ کا ارادہ کر رہے تھے کہ تو خبر ملی: مالک بن عوف بنو ھوازن پر مشتمل لشکر تیار کیے مسلمانوں پر حملے کے لیے تیار ہو چکا ہے۔ بنو ثقیف نصر اور جشم کے قبیلے بھی اس کی ہمرکابی کا اعلان کر رہے ہیں۔

رسول خدا ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہتھیار نہ کھولے جائیں اور اس وقت تک بدن کو آرام نہ دیا جائے جب تک یہ جنگ نہیں ہو جاتی۔ ہو سکتا ہے عربوں کے ساتھ یہ آخری جنگ ہو اور آئندہ عرب کے مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی جسارت نہ ہو۔ مسلمان فوراً اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضا کے لیے تیار ہو گئے۔ ایسا بڑا لشکر سرزمین عرب پر چشم فلک نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ دس ہزار جاں نثار تو مدینہ طیبہ سے حضور ﷺ کے ساتھ آئے تھے۔ دو ہزار نے فتح کے دن قبولیت اسلام کا شرف حاصل کیا تھا۔ بارہ ہزار کا یہ لشکر دیکھ کر بعض لوگوں کے دل میں عجب و غرور آ گیا اور وہ تکبر میں آ کر کہنے لگے: کہاں یہ وقت کہ حضور ﷺ ریگزار کی مانند کثیر صحابہ کے جلو میں دشمن کی طرف بڑھ رہے ہیں اور کہاں وہ دن کہ رات کی

تاریکی میں آپ مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور تھے۔ کہاں یہ کثرت اور کہاں وہ بدر احد اور خندق کے دن کی قلت۔ بعض غرور و تکبر میں آکر یہاں تک کہہ بیٹھے کہ آج کوئی بھی انھیں مغلوب نہیں کر سکتا۔

لیکن اس کثرت کا کیا فائدہ جس کو نصرت خداوندی نصیب نہ ہو۔ کہاں یہ لشکر جس میں صفوان بن امیہ جیسے مشرک، ابو سفیان اور کنانہ جیسے لوگ کلدہ بن حنبل اور حضور کو بے خبری میں شہید کرنے کا عزم رکھنے والے منافق اور کہاں وہ بدری صحابہ جن کا ایمان قوی تھا اور جو جہاد میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے والے اور سختیوں میں صبر کرنے والے تھے۔ یہ وہ کثرت تھی جس میں غرور و تکبر تھا اور جن کے بدن پر فخر و نازش کے ہتھیار سجے تھے اور وہ ایسی قلت تھی جن کا اپنے رب پر بھروسہ تھا اور عاجزی سے سر جھکے تھے۔

مسلمان صبح ہوتے ہی نکلے اور نشیب کی طرف بہنے والے تند و تیز سیلاب کی مانند وادی حنین کی طرف چل دیے۔ مشرکین نے پہلے پہنچ کر گھاٹیوں، کھوؤں اور دروں میں چھپ کر اچانک حملے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ جونہی اسلامی لشکر وادی حنین میں پہنچا کمین گاہوں میں چھپے دشمن نے یکبارگی تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ مال غنیمت کے لالچ میں نکلنے والے نو مسلم، متزلزل یقین کے حامل لوگ جن کے دلوں میں ابھی یقین کی جوت نہیں جاگی تھی اس اچانک حملے کا کہاں مقابلہ کر سکتے تھے۔ ان کی ہمتیں جواب دے گئیں، دل کانپ اٹھے اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر یوں دوڑے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ان کی بزدلی سے سارے لشکر میں کھلبلی سی مچ گئی اور مسلمانوں کے پاؤں بھی اکھڑ گئے اور وہ ثابت قدمی کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ حضور ﷺ نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو سب لوگ بھاگ چکے تھے۔ آپ سفید رنگ کے خچر پر سوار تھے۔ آپ نے بلند آواز سے پکارا: مسلمانو! کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ میرے پاس آؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ لیکن لوگ دوڑے جا رہے تھے اور شکست خوردہ الٹے پاؤں بھاگ رہے تھے۔ حضور ﷺ کے ہم رکاب صرف چند لوگ رہ گئے تھے ان میں حضرت ابوبکر تھے، عمر بن الخطاب تھے۔ علی تھے اور حضرت عباس کے علاوہ چند دوسرے صحابہ اور اہل بیت تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) ابو سفیان دل میں چھپے

حقد و کینہ کو ظاہر کرنے لگا اور دلی کدورتوں کو لفظوں کی زبان دینے لگا: مسلمانوں کی ہزیمت سمندر تک ختم نہیں ہو گی۔ کلدہ بن حنبل چلایا: لو یہ جادو باطل ہوا۔ حضور ﷺ نے حضرت عباس کو بلایا اور فرمایا کہ زور سے انصار کو آواز دو۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ دراز قد اور کشیدہ قامت تھے۔ ان کی آواز بھی بہت زوردار اور بلند تھی۔ انہوں نے بلند آواز سے انصار کو للکارا اور فرمایا۔ اے اصحاب شجرہ! اللہ کے رسول یہاں تشریف فرما ہیں۔ ادھر آیئے۔ وہ تمہیں بلا رہے ہیں اور دشمن کے خلاف تم سے مدد مانگ رہے ہیں۔ حضرت عباس کی آواز سے سینے شق ہو گئے اور روحوں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ انصار لبیک یا رسول اللہ لبیک کہتے ہوئے پلٹے اور حضور ﷺ کی خدمت میں مر مٹنے کے لیے حاضر ہو گئے۔ اب مسلمانوں کو عزور و تکبر کی سزا مل چکی تھی۔ انہیں اب یقین آ چکا تھا کہ کثرت پر نازش روا نہیں۔ اللہ کریم نے ان کی مدد فرمائی۔ نظر نہ آنے والے لشکر ان کی نصرت کے لئے اتارے اور ان کے دلوں میں قوت و بہادری پیدا کر دی۔ مسلمان میدان کارزار میں ڈٹ گئے۔ موت کے خوف سے کوسوں دور اللہ تعالیٰ کے رسول کی پکار پر میدان کارزار میں جمع ہو گئے۔ دشمن کی چالیں باطل قرار پائیں۔ شکست فتح میں بدل گئی۔ بنو ھوازن اور ان کے مددگار میدان سے بھاگ گئے اور اہل و عیال اور عزت و مال سب مسلمانوں کے لیے چھوڑ گئے۔

تین مسلمان جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا

مسلمان عسرت و تنگ دستی کی حالت میں تھے۔ کئی کئی روز تک گھروں میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ گرمی اتنی شدید پڑ رہی تھی کہ کسی کو سائے سے باہر آنے کی جسارت نہیں تھی۔ لیکن دلوں میں امید کی ایک کرن تھی کہ عنقریب باغات کے پھل پکنے جائیں گے اور فصلیں پک کر تیار ہو جائیں گی۔ تنگی اور عسرت کا زمانہ ختم ہو گا اور فراخی کا دور دورہ ہو گا۔ تمام لوگوں کی نظریں لہلہاتے کھیتوں اور پکتے پھلوں پر لگی ہوئی تھیں۔ ایسے دنوں میں کسے خیال کہ مدینہ طیبہ سے ایک لمحے کیلئے بھی جدا ہوں۔ ہر شخص گھر میں رہنے کا متمنی تھا۔ انہی حالات میں رسولِ خدا ﷺ نے مسلمانانِ مدینہ کو حکم جہاد دیا اور اعلان فرمایا:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

"(جہاد کے لیے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں........."

جو لوگ آسانی سے اور خوشی مالی معاونت کر سکتے ہیں وہ مالی معاونت کریں اور جو کوئی اور خدمت بجالانے کی استعداد رکھتے ہیں وہ کوئی اور خدمت انجام دیں۔ ہاں ہر شخص کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے پیش نظر رومیوں کے خلاف جہاد ہے۔ کوئی شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا اور اس ہر شخص کو جہاد میں جانا ہوگا جو جنگ کرنے کے قابل ہے۔

مسلمان ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ اتنی سخت گرمی میں اللہ تعالیٰ کے رسول جنگ کی دعوت کیوں دے رہے ہیں۔ ابھی تو پھل چنے جائیں گے اور فصلوں کو سمیٹنا ہوگا۔ آج حضور کیوں مالوف و مشہور طریقے سے ہٹ کر اچانک ایسے موسم میں جہاد کا حکم دے رہے ہیں؟ عجیب بات ہے۔ آپ نے خلافِ معمول یہ بھی بتادیا ہے کہ ہم رومیوں کے خلاف لڑنے جا رہے ہیں۔ ہاں یہ نہیں بتایا کہ کس دن لشکر کوچ کرے گا۔ یہ تصریح کیوں اور وقت کے بارے یہ اخفاء چہ معنی دارد؟

شاید صحابہ کرام حالات سے پوری طرح واقف نہیں تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ رومیوں کی یلغار کو روکنا مقصود ہے جو مسلمانوں کی سرحدوں کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے لشکر جرار ترتیب دے چکے ہیں۔ چونکہ رومی تعداد میں بھی زیادہ تھے اور جنگی تیاری میں بھی فائق تھے اس لیے حالات کا تقاضا تھا کہ مسلمان بھی حتی المقدور پوری تیاری کریں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا رسول جانی و مالی تیاری کا حکم دے رہا تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ان حالات سے شاید پوری طرح واقف نہ تھے اسی لیے ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ خلاف معمول یہ اقدامات بے وقت کیوں کیے جا رہے ہیں۔

جب قوم غربت و افلاس میں مبتلا ہو اور اس کے پاس جنگی ساز و سامان کی قلت بھی ہو اور اچانک لڑائی کا حکم مل جائے تو لوگوں کے تاثرات مختلف ہوتے ہیں۔ ہر شخص ہدایت، رہنمائی، توفیق اور ایمان و ایقان کے مطابق دوسرے شخص سے مختلف رد عمل کا اظہار کرتا ہے۔ وہ شخص جس کے پیش نظر اللہ کی رضا، جنت کا حصول اور دلوں

میں تقویٰ و پرہیز گاری کا نور ہوتا ہے وہ گرمی، سردی اور موسم کی سختیوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ ایسے شخص کے لیے بس اللہ کے نبی کا فرمان ہی کافی ہوتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ میرا مال اور میری جان اگر حضور کے قدموں پر نچھاور ہو جائے تو اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اگر فانی زندگی دیکر اللہ کی رضا حاصل ہو تو اس سے زیادہ فائدے کی بات کوئی اور ہو سکتی ہے؟ کیونکہ ان کے دلوں میں اس حقیقت کا ادراک ہو چکا ہوتا ہے کہ۔

لایُصِیبُہُمۡ ظَمَأٌ وَلَا نصب وَلَا مخمصة فی سبیل اللّٰہ ولا یطؤن موطئا یغیظ الکفار ولا ینالون من عدو نیلا الا کتب لھم به عمل صالح ولا ینفقون نفقة صغیرہ ولا کبیرۃ ولا یقطعون وادیا الا کتب لھم لیجزیھم اللّٰہ احسن ما کانوا یعملون

"نہیں پہنچتی انہیں کوئی پیاس اور نہ کوئی تکلیف اور نہ بھوک راہِ خدا میں اور نہ وہ چلتے ہیں کسی چلنے کی جگہ جس سے کافروں کو غصہ آئے اور نہیں حاصل کرتے وہ دشمن سے کچھ مگر یہ کہ لکھا جاتا ہے ان کے لیے ان (تمام تکلیفوں) کے عوض نیک عمل بیشک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا نیکوں کا اجر۔ اور وہ مجاہدین نہیں خرچ کرتے تھوڑا اور نہ زیادہ اور نہ طے کرتے ہیں کسی وادی کو مگر یہ کہ لکھ لیا جاتا ہے ان کے لیے تاکہ صلہ دے انہیں اللہ تعالیٰ بہترین۔ ان کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے" (التوبہ: ۱۲۰،۱۲۱)

لیکن وہ لوگ جن کے دل یقین کے نور سے خالی ہوتے ہیں اور وہ کفر و ایمان میں تردد و تشکک کا شکار ہوتے ہیں ایسے متذبذب اور گومگو کی کیفیت میں مبتلا لوگوں کے کانوں سے جونہی جہاد فی سبیل اللہ کی آواز ٹکراتی ہے اور وہ لوگوں کو جنگ کے لیے تیار ہوتے دیکھتے ہیں تو ان کا رنگ فق ہو جاتا ہے۔ اور جنگ سے پہلو تہی کرنے کے لیے حیلے بہانے تراشنا شروع کر دیتے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل الحق ان کی طبیعتوں پر گراں گزرتا ہے اور وہ اس کے انجام کے تصور سے کانپ اٹھتے ہیں۔

آپ ﷺ نے جونہی تبوک کی طرف کوچ کا حکم دیا اہل یقین تو اپنی جانوں

اور مالوں سے اطاعت پر کمر بستہ ہو گئے لیکن منافق کانپ اٹھے اور مسلمانوں کو ورغلانے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن اہل ایمان کے دلوں میں جذبہ جہاد کو سرد کرنا آسان کام نہیں تھا۔ ان کی سب کوششیں ناکام رہیں اور مسلمانوں کے عزم وہمت میں کوئی فرق نہ آیا۔

صحراء غازیوں اور مجاہدوں سے موجیں مارنے لگا۔ ان کے چہروں پر تبسم تھا اور دلوں میں فتح کی امید کے چراغ روشن تھے۔ لیکن چار شخص صفوں سے غائب تھے۔ حالانکہ وہ صاحب ثروت اور غنی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب ایمان اور سچے مجاہد تھے۔ ہر شخص سوچ رہا تھا ایسے جاں نثار اور اسلام کے لیے سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھنے والے آج کیوں غائب ہیں۔ کیوں وہ حسب عادت شریک لشکر نہیں۔ وہ تو کسی صورت پیچھے رہنے والے نہیں تھے۔ خدا جانے کیا ہوا۔ ان میں ایک حضرت ابو خیثمہ تھے جو بنی سالم بن عوف کے بھائی تھے دوسرے کعب بن مالک جو بنی سلم سے تعلق رکھتے تھے۔ تیسرے حضرت مرارہ بن الربیع جو بنی عمرو بن عوف سے تھے اور چوتھے حضرت ہلال بن حرہ تھے جن کا تعلق بنی واقف سے تھا۔

ان میں حضرت ابو خیثمہ کا ذکر کچھ یوں ہے کہ وہ گھر تشریف لے گئے۔ کئی دن گزر گئے۔ رسول خدا ﷺ کوچ کر چکے تھے۔ حضرت ابو خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی دونوں بیویاں باغ میں بنے عریش میں بیٹھی ان کا انتظار کر رہی ہیں۔ دونوں کے پاس حضرت ابو خیثمہ کے لیے میٹھا پانی اور بھونا ہوا گوشت موجود ہے۔ جب آپ عریش میں داخل ہوئے تو ٹھنڈا میٹھا پانی اور گوشت پیش کیا گیا۔ آپ نے اچانک کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ سائے بہت گھنے تھے اور ہوا روح میں نشاط وسرور پیدا کر رہی تھی۔ آپ سوچنے لگے یہاں میری خدمت کے لیے دو بیویاں کھڑی ہیں۔ میں ٹھنڈے سائے میں بیٹھا بھونا ہوا گوشت کھا رہا ہوں اور ٹھنڈا اور میٹھا پانی پی رہا ہوں۔ کیا یہ سب کچھ مجاہدین اسلام کو بھی میسر آتا ہوگا۔ نہیں انہیں مال کی کتنی ضرورت ہوگی۔ وہ کوشش بھی کریں تو نہیں پاسکتے ہوں گے۔ انہیں بھوک برداشت کرنا پڑتی ہوگی۔ انہیں پیاس ستاتی ہوگی لیکن صحراء میں کہیں پانی نہیں ملتا ہوگا۔ کہاں میں کہ ان لذتوں میں گھر ا بیٹھا ہوں اور کہاں وہ کہ سفر کی مصیبتوں کو گلے لگائے اللہ کی راہ میں چل رہے ہیں ان کی حالت میں اور میری حالت میں کتنا فرق ہے۔ فوراً دل میں یہ فیصلہ کر لیا کچھ

بھی ہو میں ٹھنڈے سائے اور میٹھے پانی کے مزے نہیں لوٹوں گا۔ اور خواہش پرستی کا مظاہرہ کرنے کے لیے یہاں ایک پل بھی نہیں رکوں گا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کا رسول تو چلچلاتی دھوپ اور قیامت خیز گرمی برداشت کرے اور میں یہاں بیٹھا عیش و نشاط کے مزے لوٹوں۔ یہ اب نہیں ہو گا۔ میرے پہلو میں یہ حسین بیویاں نہیں ہو نگی۔ مجھ پر ایک لقمہ بھی حرام ہے جب تک کہ لشکر سے نہ جاملوں۔ اب میں پانی پی چکا۔ کسی کنویں کا پانی اب میرے ہونٹوں کو تر نہیں کرے گا۔ میں وہی گدلا اور گرم پانی جا پیوں گا جو میرے دوسرے دینی بھائیوں کو پینا پڑ رہا ہے۔ فوراً اچل پڑے اور بارگاہ نبوی میں جا پہنچے۔

لیکن باقی تینوں صحابی رضی اللہ عنھم اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور بغیر کسی وجہ کے جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ اگرچہ وہ اس کمزوری پر شرمندہ تھے لیکن تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ سوچتے ہوں گے کہ اب گئے تو کس منہ سے حضور انور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سامنا کریں گے۔ آپ کو جہاد میں گئے بھی کئی دن ہو چکے تھے۔ اب اگر وہ جانا چاہتے بھی تو لشکر سے نہ مل سکتے اس لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے۔

غم واندوہ کی کئی طویل راتیں بیت گئیں۔ انہیں کئی منحوس ساعتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ دن کو چپکے سے نکلتے اور مدینہ طیبہ کی سنگلاخ زمین پر پھرتے رہتے۔ انہیں اگر کوئی شخص نظر آتا تو وہ منافق اور ریاء کار ہوتا یا پھر کوئی مسلمان جس پر جہاد فرض نہ ہو۔ یہ صورت حال دیکھ کر ان کے حزن و ملال میں اور اضافہ ہو جاتا اور دل پر غم واندوہ کی پرچھائیاں چھا جاتیں۔ کیونکہ وہ نہ تو منافق تھے، نہ ریاء کار اور نہ ہی معذور اور بوڑھے۔ بلکہ ان کے دلوں میں جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ دوسرے ساتھیوں کی نسبت کچھ کم نہ تھا۔ بس یہ سب مقدر کا کھیل تھا۔ وقت نے انہیں یہ دن بھی دکھا دیا تھا کہ وہ جذبہ جہاد رکھنے کے باوجود منافقوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے تھے۔ جوں جوں رسول خدا ﷺ کی واپسی کے دن قریب آرہے تھے وہ گھبرا رہے تھے اور ان کے فکر و غم میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ سوچتے تھے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کا کیا عذر پیش کریں گے۔ حالانکہ یہ تینوں صحت مند ہیں اور

اللہ نے انہیں رزق وافر سے نواز رکھا ہے۔ وہ پکے مؤمن اور جذبہ جہاد سے سرشار بھی ہیں۔

رسولِ خدا۔ تبوک سے واپس تشریف لائے اور حسب معمول مسجد میں تشریف لے گئے۔ دو رکعت نماز نفل ادا کیے اور پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ جو لوگ جنگ میں شریک نہیں ہو سکے تھے عذر پیش کرنے لگے بہانے بنانے لگے۔ اور جھوٹی قسمیں اٹھانے لگے۔ رسول کریم ﷺ ان کی معذرت کو قبول فرماتے رہے اور ان سے بیعت لیکر ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے رہے۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے اور خجالت اور شرمندگی سے سر جھکا ہوا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے انہیں دیکھا تو ناراضگی سے پھیکا سا تبسم فرمایا اور پوچھا: کعب! کیا وجہ ہے آپ جہاد میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟ کیا اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں بیچ نہیں چکے ہو؟

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی کیوں نہیں یا رسول اللہ! میں اپنی جان کا اللہ سے سودا کر چکا ہوں۔ بخدا اگر کسی دنیادار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو کوئی جھوٹا عذر کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا۔ مجھ میں عذر پیش کرنے کا سلیقہ بھی ہے لیکن نہیں۔ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ اگر میں آپ کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولوں گا تو اللہ کریم آپ کو مجھ پر ناراض کر دے گا اور اگر میں سچ کہہ دوں اور آپ کی وقتی ناراضگی مول لے لوں تو مجھے امید ہے کہ اللہ کریم مجھے معاف کر دے گا۔ خدا کی قسم مجھے کوئی عذر لاحق نہیں تھا۔ یا رسول اللہ! جس دن آپ جہاد کے لیے نکلے مجھ سے زیادہ قوت والا اور مال و دولت والا کوئی نہ تھا۔ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: کعب نے جو کہا وہ سچ ہے۔ اے کعب! جا اللہ کے فیصلے کا انتظار کر۔

مرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے، ھلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور انہوں نے بھی حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی طرح جھوٹا عذر نہ تراشا بلکہ سچی سچی بات پیش کر دی۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی حضرت کعب کی طرح اللہ کے حکم اور فیصلے کے انتظار کا حکم دیا۔

رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ کوئی شخص ان تینوں سے بات چیت نہ کرے اور نہ ان سے کوئی تعلق رکھے۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان

کے بارے کوئی فیصلہ نہ صادر کر دے۔ چاہے تو انہیں سزا دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کر لے۔

اس کے بعد غم واندوہ کے دن شروع ہوئے۔ وہ کرب واضطراب کی وادیوں میں بھٹکنے لگے۔ رسول کریم ﷺ کا اعراض اور صحابہ کرام کی بے رخی ان کے لیے آلام ومصائب کا پیغام ثابت ہوئی۔

مرارہ بن ربیع اور ھلال بن مرہ تو گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا اور دلوں میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ قضائے ربانی کا انتظار تھا کہ بارگاہ نبوی سے کیا فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ لیکن حضرت کعب رضی اللہ عنہ جوان تھے۔ دن کے وقت بازار تشریف لے جاتے اور دوسرے لوگوں کی طرح کام کاج میں مصروف رہتے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے حاضر ہوتے۔ راستوں میں مسلمان دکھائی دیتے لیکن کوئی بھی بات چیت نہ کرتا۔ نہ کوئی سلام کہتا نہ کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا۔ نماز ادا کرنے کے بعد رسول کریم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرتے لیکن آپ کسی رد عمل کا اظہار نہ فرماتے۔ نہ تو اعراض کا پتہ چلتا اور نہ ہی محسوس ہوتا کہ آپ نے توجہ فرمائی ہے۔ نہ جانے آپ سلام کا جواب دیتے بھی یا خاموش رہتے۔

معاملہ سنگین سے سنگین تر ہوتا گیا۔ لوگوں کی جفائیں بڑھتی گئیں۔ ایک دن حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جو ان کے چچازاد اور قریبی دوست تھے۔ ابو قتادہ باغ میں تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے باغ کی دیوار سے جھانکا اور سلام کیا لیکن انہوں نے جواب نہ دیا۔ حضرت کعبؓ نے فرمایا، ابو قتادہ! اللہ آپ کا بھلا کرے۔ کیا تو جانتا نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں؟ ابو قتادہ خاموش رہے۔ حضرت کعب نے پھر یہی کہا لیکن وہ پھر خاموش رہے اور صرف اتنا فرمایا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے؟ یہ سن کر ان کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور وہ واپس آ گئے۔

ایک دن آپ اداسی اور پریشانی کے عالم میں جا رہے تھے کہ شام کا ایک نبطی جو تجارت کی غرض سے مدینہ طیبہ آیا ہوا تھا ان کے بارے لوگوں سے پوچھ رہا تھا۔ لوگوں نے اشارے سے بتایا کہ کعب وہ آ رہا ہے۔ وہ جھٹ سے ان کے پاس پہنچا اور

غسان کے بادشاہ کا ایک خط ان کے ہاتھ تھما دیا۔ یہ خط ریشم میں لپٹا ہوا تھا۔ حضرت کعب نے خط کھولا تو لکھا تھا: "بعد ازیں۔ مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ تیرے دوست نے تجھ سے جفا کی ہے۔ مگر خدا نے تجھے ذلت اور رسوائی کے لیے پیدا نہیں کیا۔ ہمارے پاس آؤ ہم تجھے مطمئن کر دیں گے......"

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خط پڑھتے ہی بلبلا اٹھے۔ فرط غم سے ضبط کا یارا نہ رہا سر بازار آہ و بکا کرنے لگے اور فرمانے لگے: کعب ذلیل و خوار ہو گیا۔ اس کی ساری عزت و توقیر مٹی میں مل گئی۔ اب صورت یہاں تک بگڑ گئی ہے کہ اس کو دین سے برگشتہ کرنے کی امیدیں ہو رہی ہیں۔ دشمن سمجھ رہے ہیں کہ شاید یہ جاں نثار نصرانیت قبول کرے گا۔ خط تنور میں ڈال دیا۔

چالیس دن گزر گئے لیکن حضور ﷺ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی اور آپ ان صحابہ کرام کے بارے کوئی فیصلہ نہ دے سکے۔ آپ نے انہیں پیغام بھیجا کہ اپنی بیویوں سے الگ رہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ صادر نہیں فرماتا۔

حضرت ھلال رضی اللہ عنہ کی بیوی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئیں اور عرض کی۔ یارسول اللہ ھلال بہت عمر رسیدہ ہیں۔ ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں۔ کیا میں ان کی خدمت کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں تم ان کی خدمت کر سکتی ہو لیکن وہ آپ کے قریب نہیں آسکتے۔ عرض کرنے لگیں۔ حضور! ان میں تو بیوی کی قربت کی خواہش بھی نہیں رہی۔ جب سے آپ نے رخ انور پھیرا ہے انہیں تو آہ و بکا اور نالہ و شؤن سے ہی فرصت نہیں۔

جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو حکم نبوی پہنچایا گیا کہ بیوی سے علیحدہ رہیں تو پوچھا کیا اسے طلاق دے دوں۔ یا کچھ اور حکم ہے؟ قاصد نے بتایا کہ صرف ان سے الگ رہنے اور مقاربت نہ کرنے کا حکم ہے۔ گھر کے کچھ لوگوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ بھی جا کر حضور ﷺ سے بیوی کے بارے عرض کریں جس طرح حضرت ھلال کی بیوی نے عرض کی ہے تو بہتر رہے گا۔ آپ نے فرمایا: بخدا میں اللہ کے رسول گرامی ﷺ کی خدمت میں ہرگز یہ عرض نہیں کروں گا کہ بیوی میرے ساتھ رہے۔ کیا خبر آپ کیا جواب دیں۔ میں جوان ہوں۔ میرا علیحدہ رہنا ہی بہتر ہے۔ پھر آپ اپنی

زوجہ محترمہ سے الگ ہو گئے۔

عرصہ گزر گیا لیکن کوئی فیصلہ صادر نہ ہوا۔ ابھی تک بات چیت ممنوع تھی۔ حتی کہ پچاس راتیں گزر گئیں۔ ایک دن صبح کی نماز پڑھتے ہی حضور ﷺ نے سر اقدس جھکا لیا اور آپ پر سرمستی سی طاری ہو گئی۔ آپ ارد گرد کے ماحول سے بیگانہ تشریف فرما رہے۔ جب افاقہ ہوا اور اپنی پہلی کیفیت پر لوٹے تو چہرے مبارک پر خوشی و مسرت کھیل رہی تھی۔ لگتا تھا کہ آپ بہت خوش ہیں اور ضرور کوئی کرم نوازی ہوئی ہے۔ آپ نے سر محفل اعلان فرمایا کہ لوگو! خوشخبری ہو اللہ نے کعب، ھلال اور مرارہ کی توبہ قبول فرمائی ہے۔ جاؤ انہیں قبولیت توبہ کی خوشخبری دو اور مبارک باد کہو۔

صحابہ کرام یہ خبر سنتے ہی دوڑ پڑے۔ بعض احباب تو گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے کعب کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ بعض نے جلدی میں اونٹوں کو دوڑایا اور بعض دوست پیدل ہی بھاگتے ہوئے حضرت کعب کے گھر جا پہنچے۔ ایک صحابی رسول نے دور سے آپ کو دیکھا تو چلایا کعب! مبارک ہو تمہاری توبہ کی قبولیت کا مژدہ رب کریم نے سنا دیا ہے۔ حضرت کعب نے مارے خوشی کے بدن کے کپڑے اتار کر اس صحابی کے حوالے کر دیے حالانکہ آپ کے پاس صرف یہی ایک جوڑا تھا جو زیب تن کیے ہوئے تھے۔ پھر ایک دوست سے کپڑے عاریۃً لیے اور حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور مسجد میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام بھی حلقہ ارشاد میں تشریف فرما تھے۔ حضور نے کعبؓ کو دیکھتے ہی فرمایا: کعب! تمہیں بشارت ہو۔ جب سے تمہیں ماں نے جنا ہے اس سے بہتر دن تم نے نہیں دیکھا پھر حضرت ھلال رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ پھر حضرت مرارہ رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی مبارک باد دی اور پھر زبان رسالت سے اللہ کریم کی نازل کردہ ان آیات کی تلاوت فرمائی۔

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ

عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۔ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔

"یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں۔ اس کے بعد قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جائیں دل ایک گروہ کے۔ ان میں سے۔ پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر۔ بیشک وہ ان سے بہت شفقت کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اور ان تینوں پر بھی (نظر رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادگی کے اور بوجھ بن گئیں ان پر ان کی جانیں اور جان لیا انہوں نے کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ تعالیٰ سے مگر اس کی ذات تب اللہ ان پر مائل بہ کرم ہوا تاکہ وہ بھی رجوع کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا (اور) ہمیشہ رحم کرنے والا ہے" (توبہ: ۱۱۷،۱۱۸)

"مسجد ضرار"

مدینہ طیبہ کو رات کی سیاہ چادر نے لپیٹ رکھا تھا۔ ماحول بالکل پر سکون اور خاموش تھا۔ گلیاں اور راستے سنسان تھے اور گھروں میں مکمل سکوت چھایا تھا۔ شہر منور کے سارے باسی گہری نیند سو چکے تھے۔ لیکن ایک گھر ایسا بھی تھا جس کے باسی جاگ رہے تھے۔ وہ بہت پریشان تھے۔ انہیں کسی پہلو اطمینان نہیں تھا۔ انہیں اللہ کے رسول اور مؤمنین سے گلہ تھا۔ وہ غم و غصہ میں ڈوبے دانت پیس رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اس بند کمرے میں ان کو کوئی نہیں دیکھ رہا اور اس تنہائی میں ان کی سرگوشیاں اور مشورے سوائے ان کے کسی کے کان تک نہیں پہنچ رہے۔

مُعتِبُ بن قُشَیر کے لہجے میں شکایت اور درد تھا اور وہ اپنے منافق ساتھیوں سے اس درد کا اظہار کر رہا تھا۔ یعنی ان لوگوں سے اللہ کے رسول کی شکایت کر رہا تھا جنہوں نے مکر و فریب کو اپنا مذہب بنا رکھا تھا۔ جو اسلام کی روز افزوں ترقی سے خائف تھے اور حسرت و یاس سے ان کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔ چونکہ ان میں مقابلے کی سکت نہ تھی اس لیے انہوں نے مداہنت اور نفاق کی راہ اختیار کر کے خفیہ طریقے سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی ٹھان رکھی تھی۔ معتب کہہ رہا تھا: یہ کیسا غم ہے جو میری آنتوں کو کھائے جا رہا ہے؟ غضب کی یہ کیسی آگ ہے جو میرے دل و جگر میں شعلہ زن

ہے ؟ خدا کی قسم! میری نظر جب بھی راستے کے اس مکان پر پڑتی ہے جسے بنو عمرو بن عوف کے لیے تیار کیا گیا ہے جسے لوگ مسجد قبا کہتے ہیں اور جس کے متعلق لوگوں کا گمان ہے کہ حضور نے ان کے لیے اس کی بنیاد رکھی ہے تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ آج اسی وجہ سے مدینے کا ہر شخص بنی عمرو بن عوف کے گن گاتا ہے۔ ہر کوئی مسجد قباء کی مدح و ستائش کے ترانے الاپتا ہے۔ ہم آخر کس میدان میں بنو عمرو سے پیچھے ہیں۔ وہ ہمارے چچیرے ہیں۔ ہم اور وہ ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ اے دوستو! میں تم سے کچھ نہیں چھپاتا۔ میرے دل میں اسلام کے خلاف جو بغض و عناد ہے وہ تم سے مخفی نہیں۔ میرا دل حسد سے جلا جاتا ہے غصہ میری رگ رگ میں سرایت کر گیا ہے۔ یہ حسد ایک ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ میرے خیال میں اس مرض کا اگر کوئی علاج ہے تو صرف یہ کہ مسجد قبا کو گرا دیا جائے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔ بنو عمرو کی عزت اور تقدس خود بخود خاک میں مل جائے گی اور ان کا کوئی نام لینے والا نہیں رہے گا لیکن یہ ممکن نہیں۔ یہ کسی صورت نہیں ہو سکتا کہ ہم اس مسجد کو گرا دیں۔ ہماری تعداد بہت کم ہے، ہمارے ساتھی بزدل ہیں۔ کوئی ہمارا معاون اور مددگار بھی نہیں۔ اور اب تو مسلمانوں کی ناکامی کے تمام امکانات بھی ختم ہو چکے ہیں۔

ثعلبہ بن حاطب اٹھ کر سیدھا بیٹھ گیا اور پہلو بدل کر کہنے لگا: تیرے چچیروں کا معاملہ تو کوئی اتنا سنگین نہیں۔ تیرے حسد و کینہ کا علاج ہو سکتا ہے۔ اصل چیز جو حزن و ملال کا سبب بن رہی ہے اور آئے روز ہماری پریشانیوں میں اضافے کا باعث بن رہی ہے وہ اسلام کی روز افزوں اشاعت ہے۔ لوگ جوق در جوق اسے قبول کر رہے ہیں۔ تو دیکھتا نہیں کہ جب بلال دل دہلا دینے والی اور خارہ شگاف آواز میں اذان کہتا ہے تو تمام لوگ چھوٹے بڑے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ اور اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس سے ان کی اجتماعیت روز بروز مستحکم ہوتی جاتی ہے اور ان کے باہمی تعلقات مضبوط سے مضبوط تر بنتے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے دلوں میں پیار و محبت ہے اور ان کی صفوں میں کوئی رخنہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ آئے دن ان کی جمعیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے کیونکہ اسلام کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔ اگر محمد اور اس کے ساتھی اسی طرح اس مکان میں پانچ وقت جمع ہوتے رہے تو ہماری حسرتوں میں اضافہ ہوتا جائے گا اور قلق و اضطراب

کا یہ سلسلہ نہ ختم ہونے والی طوالت اختیار کر لے گا۔

ودیعہ بن عامر کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یاس و قنوط اور درد و غم کی ان باتوں کو جانے دو۔ آج میرے پاس ابو عامر راہب کا خط آیا ہے وہ جانتا ہے کہ ہم محمد کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور اس کے دین کے مخالف ہیں۔

اس نے لکھا ہے کہ جس دن سے میں نے مدینہ کو خیر باد کہا ہے اس دن سے برابر چل رہا ہوں۔ میں وادیوں سے گزرا ہوں چوٹیوں سے اترا ہوں۔ سفر کرتے کرتے آخر میں روم کے بادشاہ ہرقل کے دربار تک پہنچ گیا ہوں۔ بادشاہ ایک متعصب نصرانی ہے۔ جب سے اس نے محمد اور مسلمانوں کے متعلق سنا ہے وہ جل بھن گیا ہے۔ میں نے بھی اسے محمد کی فتوحات اور کامیابیوں کے متعلق خبر دی ہے۔ راہب نے اس خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے مسلمانوں کے خلاف مجھے مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ ایک لشکر جرار ہماری مدد کو بھیجے گا۔ لیکن راہب کو مدینہ میں ایک خفیہ جگہ کی ضرورت ہے جہاں وہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکے۔ یہ بات اس نے خط میں صراحت کے ساتھ تحریر کی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا چاہتا ہے اور ان کے زور کو کسی طریقے سے توڑ دینے کا متمنی ہے لیکن اسے ایک بہترین جگہ چاہیے جو اس کی سرگرمیوں کا مرکز بن سکے۔ معتب نے کہا۔ اب بتاؤ تمہارا اس خط کے بارے کیا مشورہ ہے۔

میں نے اس مسئلے پر بہت غور و خوص کیا ہے۔ اور اس معاملے کے تمام پہلوؤں کا بنظر غائر جائزہ لیا ہے اور اس کے بعد ایک رائے اور ایک تجویز قائم کی ہے۔ آپ میرے مشورے کو غور سے سنیں اگر وہ مشورہ بہتر ہو اور میری رائے صائب ہو تو ٹھیک ورنہ اسے رد کر دو اور پھر اس پر کسی دوسرے پہلو سے سوچو۔ تمام لوگ اس کی رائے سننے کے لیے بے تاب ہو گئے۔ اور کہنے لگے ودیعہ! بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ تم نے اس سلسلے میں کیا سوچا ہے؟

ودیعہ بن عامر نے بتایا! آپ سب جانتے ہیں کہ محمد ایک قوت بن چکا ہے ہم اس کی راہ نہیں روک سکتے اور ہم میں اس کے مقابلے کی طاقت نہیں۔ اگر ہم اسے نقصان دے سکتے ہیں تو صرف ایک ہی صورت ہے کہ ظاہراً تو اس کی خوشامد کریں اور اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں لیکن خفیہ طریقے سے دشمنوں سے ساز باز کر کے

انہیں اسلام کی بیخ کنی میں مدد دیں۔ تم سب جانتے ہو کہ وہ ہمارے معاملات پر کڑی نظر رکھتا ہے اور ہماری منافقت کو سمجھتا ہے۔ وہ بڑا دور اندیش شخص ہے وہ ہمارے اشاروں کو سمجھتا ہے اور ہماری سرگرمیوں کے بارے بڑی احتیاط برتتا ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ ہم کسی وسیع میدان میں ایک مسجد تعمیر کر دیں اور محمد کو یہ باور کرائیں کہ یہ عبادت گاہ ہے۔ پھر ایک شخص کو امام مقرر کریں اور محمد کے پاس جا کر درخواست کریں کہ وہ آئیں اور اس مسجد میں ہمیں نماز پڑھائیں۔ ہم جھوٹی قسمیں اٹھا کر اسے یقین دلانے کی کوشش کریں گے کہ ہم سچے مؤمن ہیں۔ اگر وہ مان گیا تو یہ مسجد ہمارے لیے ایک مرکز بن جائے گی ہم یہاں جمع ہوں گے۔ اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ تدابیر کیا کریں گے۔ یہ مسجد ابو عامر راہب کی خفیہ سرگرمیوں کا اڈا بھی ہو گی۔ وہ رات کے اندھیرے میں اسے استعمال کرے گا اور مسلمانوں کے خلاف کام کرنے کے لیے اسے ٹھکانے قرار دے گا۔ ہم مل کر مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کریں گے اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے کوئی لائحہ عمل طے کریں گے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ مجمع بن جاریہ ایک حافظ قرآن کو امام مقرر کرنے کی ٹھان لی۔ جو نہایت ہی متقی اور سادہ لوح مسلمان تھے۔

دوسرا دن ہوا تو بنیادوں کی کھدائی شروع ہو گئی اور تعمیر کا کام ہونے لگا۔ شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کی اور ان کے سامنے جھوٹی امیدوں کو خواب مزین کر دیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مسجد تعمیر ہو گئی۔ ستون بہت پختہ تھے اور عمارت حسن و زیبائش کا شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی وسیع و عریض تھی۔

جب مسجد کی تعمیر کا کام ختم ہو گیا تو وہ رسول خدا ﷺ کی خدمت میں بصد ادب حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ بقصد جہاد روم کی طرف کوچ کرنے کو تیار کھڑے تھے۔ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ہم نے ایک مسجد تعمیر کی ہے کیونکہ بارش اور گرمی میں حاضر ہوتے ہوئے مشکل پیش آتی تھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ آرام و سکون سے اس میں نماز ادا کریں۔ اور اللہ کی خوشنودی کے لیے دوسرے فرائض ادا کریں۔ ہم نے مجمع بن جاریہ کو امام منتخب کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کا حافظ اور فرائض کا جید عالم ہے۔ اللہ نے قران کریم میں اسے خاصی بصیرت عطا فرما رکھی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ آپ مسجد میں قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے ہمیں سعادتیں اور برکتیں حاصل ہوں گی۔

رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: میں سفر پر جا رہا ہوں۔ واپسی پر دیکھیں گے۔ جو خدا کو منظور ہو گا۔ حضور ﷺ جب غزوہ روم سے واپس تشریف لائے تو مدینہ طیبہ سے ابھی دو دن کی مسافت پر تھے کہ جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے اور اللہ کا یہ پیغام پہنچایا۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّکُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰی وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ۔ لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ۔ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ۔ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔

اور وہ لوگ جنھوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کے لیے، کفر کرنے کے لیے اور پھوٹ ڈالنے کے لیے مومنوں کے درمیان اور (اسے) کمین گاہ بنایا ہے اس کے لیے جو لڑتا رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے اب تک اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف جھوٹے ہیں۔ آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا رہنے کو اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے۔ تو کیا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ کے تقویٰ پر اور (اسکی) رضاجوئی پر بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے کھوکھلے دہانے کے

کنارے پر جو گرنے والا ہے۔ پس وہ گر پڑا اسے لے کر دوزخ کی
آگ میں۔ اور اللہ تعالیٰ راہ حق پر نہیں چلاتا ظالم قوم کو۔ ہمیشہ ان
کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے کھٹکتی رہے گی ان کے دلوں
میں مگر یہ کہ پارہ پارہ ہو جائیں ان کے دل اور اللہ تعالیٰ سب کچھ
جاننے والا حکمت والا ہے"(توبہ: ۱۰۷تا۱۱۰)

اب رسول خدا ﷺ ان کے مکرو فریب کو سمجھ گئے اور ان کی میٹھی میٹھی گفتگو کے پیچھے جو عداوت اور شرارت پنہاں تھی اس سے واقف ہو گئے۔ آپ مدینہ طیبہ پہنچے تو دو مسلمانوں کو بھیجا کہ مسجد کو آگ لگادیں اور اسے گرا کر پیوند خاک کر دیں۔

معتب بن قشیر اور اس کے ساتھی صبح اٹھے تو وہ مسجد گر چکی تھی اور عمارت ملبے کا ڈھیر ہو چکی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ اللہ کریم نے ان کا پردہ فاش کر دیا ہے۔ پس وہ حسد و کینہ کی آگ میں جلتے رہے۔

"وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللهُ وَ اللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ"

وہ بھی خفیہ تدبیر کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور
اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے"(انفال: ۳۰)

"مباہلہ"

نجران کے اسقف ابوالحارث نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اسی وقت شر حبیل کو بلایا جائے۔ مجھے اس سے ایک نہایت ہی ضروری بات کرنی ہے۔ اسقف ہر معاملے میں شر حبیل سے مشورہ لیتا تھا اور اسے اپنی ہر بات بتادیا کرتا تھا کیونکہ وہ اس کا محرم راز اور بہت معتمد علیہ ساتھی تھا۔ غلام شر حبیل کو لیکر تھوڑی ہی دیر میں حاضر ہو گیا۔

شر حبیل! آج میں تم سے بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں بہت پریشان اور مضطرب ہوں۔ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آرہا کہ کیا کروں۔ اس لیے تجھ سے مشورہ لینا چاہتا ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ مدینہ سے آج محمد بن عبداللہ کا خط آیا ہے۔ خط میں انہوں نے مجھے اسلام کی دعوت دی ہے۔ اور اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں جذیہ دینے کی بات کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ اگر میں اسلام قبول نہ کروں نہ جذیہ دوں تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤں۔ شر حبیل! میں تم سے کچھ نہیں چھپاتا۔ تم میرے قابل اعتماد ساتھی ہو۔ یہ خط پڑھ کر مجھ پر دہشت طاری ہو گئی ہے اور اس دھمکی نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیے ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔ میں نے اس مسئلے پر بہت غور و خوض کیا لیکن کسی فیصلے پر نہیں پہنچا۔ جواب بنتا نظر نہیں آتا۔ کچھ سوچ کہ اس سلسلے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ذرا سوچ وچار کرو اور مسئلے کی نوعیت محسوس کرتے

ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرو۔

اے میرے آقا! میں اس مسئلے میں اپنی رائے کا اظہار نہیں کر سکتا کوئی دنیوی معاملہ ہوتا یا کوئی ایسا واقعہ ہوتا جو عموماً لوگوں کو پیش آتا رہتا ہے تو میں ضرور کوئی تجویز پیش کرتا لیکن یہ مسئلہ خالصتاً دینی نوعیت کا ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد سے ایک جلیل القدر نبی کی بعثت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں نبوت کے بارے کچھ عرض نہیں کر سکتا۔

ٹھیک ہے آپ دوسرے لوگوں سے بھی اس سلسلے میں گفتگو کریں۔ پھر بتائیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ اسقف نے شرحبیل کو باہر بھیج دیا۔

ابو الحارث اسقف نے اہل نجران میں سے ایک اور آدمی کو بلایا اور اس سے بھی نامہ مبارک کے بارے گفتگو کی۔ مگر اس نے بھی شرحبیل کی طرح کوئی تجویز پیش نہ کی اور معذرت کی کہ نبوت کے معاملے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اسقف نے پھر تیسرے شخص کو بلایا اور اس سے بھی اس مسئلے پر رائے لی لیکن اس تیسرے شخص نے بھی پہلے دونوں جیسا جواب دیا۔ جب اسقف نے دیکھا کہ تمام لوگ رائے دینے سے قاصر ہیں تو اس نے حکم دیا کہ ناقوس بجائے جائیں اور نرسنگے پھونکے جائیں اور رات کو آگ روشن کی جائے اور کلیسا کے میناروں پر چراغ روشن کیے جائیں۔ تاکہ لوگ سمجھ جائیں کہ کوئی اہم مسئلہ درپیش ہے جس کے فیصلے کے لیے تمام کلیسا کو بلایا جا رہا ہے۔ عیسائیوں کو جب بھی کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ ناقوس بجاتے اور اسی طرح آگ روشن کر کے لوگوں سے رائے لیتے تھے۔

لوگ نرسنگوں کی آواز سن کر اور چراغ روشن دیکھ کر ادھر ادھر سے بھاگتے چلے آئے یہاں تک کہ مرد وزن چھوٹے بڑے سب لوگ بڑے کلیسا میں جمع ہو گئے۔ اسقف اٹھا اور نامہ مبارک لے کر مجمع عام کے سامنے پڑھا۔ اور پوچھا کہ کلیسا کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔ لوگ مشورہ دینے لگے۔ اور باری باری اپنی رائے کا اظہار کرنے لگے۔ آخر کار یہ طے پایا کہ ایک وفد محمد کی ملاقات کو جائے اور اس سے مناظرہ اور مباحثہ کرے اور پھر صورت حال کے بارے نجران کے لوگوں کو آگاہ کرے۔

وفد نجران سے روانہ ہوا۔ اس کی قیادت شرحبیل کر رہا تھا۔ جب یہ وفد مدینہ طیبہ پہنچا تو سفر کے کپڑے اتارے، یمنی چادریں اور ریشمی جبے زیب تن کیے۔ انگلیوں میں انگھوٹھیاں پہنیں اور حضور سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے چل دیے۔

بارگاہ نبوی میں پہنچ کر قیمتی تحفے پیش کیے۔ اور اطمینان سے بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ نے یہ ھدیے قبول فرما لیے۔ نماز کا وقت ہو گیا۔ حضور ﷺ نے انہیں مسجد نبوی میں عیسائی نماز کی اجازت دے دی۔ نماز سے فارغ ہو کر شرحبیل جو وفد کا قائد اور بزرگ تھا حضور ﷺ سے بات چیت کرنے لگا: اے محمد! آپ جانتے ہیں کہ ہمارا تعلق مسیحی مذہب سے ہے۔ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم سننا چاہتے ہیں کہ آپ حضرت خداوند مسیح کے بارے کیا نظریہ رکھتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابھی تک ان کے بارے کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اس لیے میں ان کے بارے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ ٹھہریں تاکہ اللہ کریم ان کے بارے مجھے آگاہ فرما دے۔

جب دوسرا دن ہوا تو رسولِ کریم ﷺ پر قرآن کریم کی یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔

> اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَاللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ۔ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ۔ فَمَنۡ حَآجَّکَ فِیۡہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَکُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَکُمۡ ثُمَّ نَبۡتَہِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ (آل عمران: ۵۹ تا ۶۱)
>
> "بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے، بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا۔ (اے سننے والے) یہ حقیقت (کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے (بیان کی گئی) ہے۔ تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے۔ پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے

میں اس کے بعد کہ آگیا آپ کے پاس (یقینی) علم تو آپ کہہ دیجیے
کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی، اپنی
عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی۔ اپنے آپ کو بھی اور تم
کو بھی پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں پھر بھیجیں
اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر"

حضور علیہ ﷺ نے انہیں بلایا اور بتایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے اللہ کریم کا فیصلہ آچکا ہے۔ اگر تم اس نظریے پر یقین نہیں رکھتے تو مسلمان اور اہل کتاب میں سے چند لوگ جو نظریے سے اختلاف رکھتے ہوں ایک جگہ اکٹھے ہوں، ان میں عورتیں بھی ہوں، مرد بھی اور چھوٹے بچے بھی۔ پھر وہ مباہلہ کریں اور جھوٹے پر خدا کی لعنت کی دعا کریں۔

عیسائیوں نے کہا ہم پہلے اس سلسلے میں مشورہ کرتے ہیں۔ پھر آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کریں گے۔ شرکاءِ وفد علیحدگی میں اکٹھے ہوئے اور مشورہ کرنے لگے شرجیل نے کہا: تم جانتے ہو کہ میری رائے کبھی غلط نہیں ہوئی۔ اور میں دور اندیش اور تجربہ کار انسان ہوں۔ اگر وادی کے اوپر اور نیچے کے تمام لوگ اکٹھے ہو جائیں تو بھی میرے علم کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں جس رائے کو پسند کروں ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ غلط نکلے۔ خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ مسئلہ بہت سنگین صورت اختیار کر گیا ہے۔ اگر یہ شخص بادشاہ اور کشور کشا ہے تو ہم اہل نجران اس کے بالکل پڑوس میں ہیں۔ اور ہماری سرحدیں اس کی مار سے دور نہیں ہیں اور اگر یہ اللہ کا سچا نبی ہے تو مباہلہ اور ملاعنہ کی صورت میں ہمارا زمین پر نام و نشان بھی نہیں رہے گا اور ہم سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ وفد کے شرکاء نے پوچھا: ابو مریم! پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ ہم اس شرط پر اس سے صلح کر لیں۔ اس کے چہرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بڑا کریم اور انسان پرور ہے۔ اس کا فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی ہو گا۔ وفد کے شرکاء نے شرحبیل کو فیصلے کے اختیارات دے دیے کہ وہ جو بھی فیصلہ کرے گا وفد کے شرکاء کو تسلیم ہو گا۔ شرحبیل بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی: محمد! میرے پاس مباہلہ سے بہتر ایک چیز ہے: حضور علیہ ﷺ کے استفسار پر اس نے بتایا کہ آپ صبح تک جو فیصلہ فرمائیں

گے ہمیں منظور ہو گا۔ ہم فیصلہ آپ پر چھوڑتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا! شرحبیل سوچ لو۔ ایسا نہ ہو کہ نجران کے لوگ تمہیں اس فیصلے پر ملامت کریں۔ شرحبیل نے کہا: محمد! میں کوئی ایسا ویسا آدمی نہیں ہوں۔ شرکاء وفد سے پوچھیے۔ میں جو بھی فیصلہ کرتا ہوں نجران کا بچہ بچہ اس کی تائید کرتا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے تم جاکر آرام کرو۔ اگلے دن وہ لوگ حاضر خدمت ہوئے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا تم سب اسلام کی دولت سے جھولیاں بھر لو کیونکہ یہ فیصلہ تمہاری دنیوی اور اخروی ہر دو بھلائیوں کا ضامن ہے۔ مگر وفد نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر جنگ کر لو۔ میدان میں سچ اور جھوٹ سامنے آجائے گا۔ وفد نے کہا کہ ہم میں جنگ کی طاقت نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر جذیہ دو۔ انہوں نے کہا آپ کو کتنا جذیہ چاہیے؟ آپ نے فرمایا: کہ دو ہزار خلعتیں، ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں۔ اس کے علاوہ تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ تمہاری ملکیت میں رہے گا۔ ان خلعتوں کے علاوہ تجھ سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔ تمہیں اللہ کے رسول کے پڑوس ہونے کا حق حاصل ہو گا۔ کسی اسقف کو اپنے عہدے سے معزول نہیں کیا جائے گا اور کسی راہب سے اس کی رھبانیت کا حق نہ چھینا جائے گا۔ کاہن اپنی کہانت کے فرائض بدستور ادا کرتے رہیں گے۔ ان کے معاملات میں کوئی شخص مداخلت نہیں کرے گا۔ مذہبی رہنماؤں کے حقوق بدستور باقی رہیں گے اور ان کی مذہبی اجارہ داری میں کوئی مسلمان دخل اندازی کا مجاز نہیں ہو گا۔ سب لوگوں کو مذہبی آزادی ہو گی۔ نہ کسی پر ظلم کیا جائے گا اور نہ زیادتی مذہبی رہنماؤں کو تقریر و تحریر اور اصلاح کے کاموں کی مکمل آزادی ہو گی عیسائیوں نے جب دیکھا کہ فیصلہ تو عدل و انصاف کے عین مطابق ہے اور نہایت ہی معمولی جذیے کا مطالبہ کیا گیا ہے تو وہ حضور ﷺ کی تعریف کرنے لگے اور واپس اپنے وطن نجران کو چلے گئے۔

حضور ﷺ سے بحث و تکرار کرنے والی ایک صحابیہ رضی اللہ عنھا کا واقعہ

خولہ بنت ثعلب رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت اوس بن صامت سے ہوئی تھی۔ شادی کہ وقت حضرت خولہ کی عمر مبارک جوانی کی دہلیز کو چھو رہی تھی ظاہر ہے اوائل جوانی میں حسن و شباب

زوروں پر ہوتا ہے۔ حضرت خولہ تھیں بھی بہت خوش اندام اور سرخ وسفید رنگت کی۔ حضرت اوس اپنی بیوی کو بہت چاہتے تھے۔ خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنے خاوند سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھیں۔ دونوں میاں بیوی بہت خوش تھے اور ان کی ازدواجی زندگی دوسرے لوگوں کے لیئے مشعل راہ تھی۔ وہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہنا بہت بڑی برکت اور سعادت محسوس کرتے تھے کیونکہ دونوں میں حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسین سیرت کا نور بھی موجود تھا۔ بچیاں بچے ہوئے جوانی ڈھل گئی۔ ایک لمبا عرصہ بیت گیا۔ لیکن دونوں کی محبت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حضرت خولہ اگرچہ جوانی کا عرصہ گزار چکی تھیں اور بڑھاپے کی چادر اوڑھنے والی تھیں لیکن ان کے حسن وجمال میں اتنا زیادہ فرق نہیں تھا۔ ایک دن وہ مصلے پر کھڑی نماز ادا کر رہی تھیں۔ حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی تو دیکھا کہ آپ نہایت خضوع وخشوع کا اظہار کر رہی ہیں۔ محویت اور للہیت کی ایک عجیب کیفیت طاری ہے لیکن رکوع اور سجدے میں جاتے ہوئے ذرا بھی کمر میں جھکاؤ نہیں۔ ان کی قامت مبارک اسی طرح کشیدہ اور سیدھی ہے جس طرح عالم شباب میں تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا دل ان کی طرف مائل ہو گیا۔ آپ نماز سے فارغ ہوئیں تو اب تک ایک محویت کی کیفیت طاری تھی۔ حضرت اوس بن صامت اپنی زوجہ کے پاس گئے اور ان سے ہنسی مذاق اور ملاعبت شروع کر دی (جو میاں اور بیوی کا ایک دوسرے پر حق ہے) حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے اس چیز کو ناپسند فرمایا۔ ان کا یہ رویہ دیکھ کر حضرت اوس پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ میری محبت کا اس سرد مہری سے جواب چہرہ غصے سے لال پیلا ہو گیا اور جذبات قابو سے باہر ہو گئے۔ آپ نے اپنی محبوب بیوی خولہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور کہہ دیا "آپ میرے لیے اسی طرح ہیں جس طرح میری ماں کی پیٹھ"

حضرت خولہ نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ حضرت اوس نے بتایا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے۔

ظہار زمانہ جاہلیت میں عورت کے لیے سخت ترین سزا اور بہت بری طلاق تھی۔ کیونکہ ظہار کے بعد میاں بیوی کسی صورت میں اکٹھے نہیں رہ سکتے تھے۔ گویا حضرت اوس نے حضرت خولہ کو ہمیشہ کے لیے الگ کر دیا تھا۔ یہ بات سن کر ان کے

قدموں سے زمین نکل گئی۔ وہ حیران و ششدر ظہار کے برے انجام کا سوچ کر کانپ اٹھیں۔ زندگی بھر کے ساتھی سے جدائی کوئی آسان کام تو نہیں۔ حضرت اوس ان کے بچوں کا والد تھا۔ وہ ان کی زندگی کا بہترین ساتھی۔ ان کی وحشتوں کا مونس اور تنہائیوں کا ساتھی تھا۔ وہ ان کا ایسا شریک سفر تھا جس نے انہیں زندگی کی خوشیاں دی تھیں۔ یہ چار دن کی نہیں سالوں پر محیط تھیں۔

حضرت خولہ بھیگی آنکھوں سے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئیں اپنے غم والم کا شکوہ کیا اور بارگاہ رسالت میں اپنا مقدمہ پیش کر کے نجات کا سوال کیا۔ بصد ادب و احترام عرض کی: اے رسول رحمت! جب اوس نے مجھ سے شادی کی تھی تو میں جوان تھی۔ وہ میرے حسن کا والا و شیدا تھا۔ اور آج جب کہ میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور میرے بہت سارے بچے بچیاں پیدا ہو چکے ہیں تو اس نے مجھے ماں کی طرح اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ اے رحمت کائنات! میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر انہیں اوس کے سپرد کرتی ہوں تو ضائع ہونے کا خدشہ ہے اپنے پاس رکھتی ہوں تو بھوک و افلاس سے مرتے ہیں۔ حضور کرم فرمائیں اس معاملے کو سلجھا دیں۔ اے رحمت تمام! میری بگڑی بنا دیں اور میری حالت زار پر نظر کرم فرمائیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کا دل بھر آیا۔ لیکن آپ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند تھے۔ اپنی مرضی تو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ تو اپنی خواہش سے بولتے بھی نہیں تھے جو ارشاد فرماتے وحی خداوندی ہوتا تھا۔ وہ تو اللہ کے رسول تھے۔ اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتے تھے اور اللہ کے فیصلوں کو دنیا پر نافذ کرتے تھے۔

ابھی تک قرآن کریم میں ظہار کے بارے کوئی آیت نہیں اتری تھی۔ ابھی خولہ رضی اللہ عنہا کے سوال کا جواب پردہ خفا میں تھا۔ اس لیے آپ نے فرمایا: خولہ! تیرے سوال کا ابھی تک میرے پاس کوئی جواب نہیں۔

خولہؓ کی حسرتیں بڑھ گئیں۔ آنکھوں سے اشکوں کی لڑیاں لگ گئیں۔ اگر یہاں سے بھی خیر نہ ملی تو کیا ہو گا۔ عرض کرنے لگی: یا رسول اللہ! انہوں نے طلاق کا لفظ منہ سے نہیں نکالا۔ وہ میرے بچوں کے باپ ہیں۔ اور میرے محبوب سرتاج .... خولہ رضی اللہ عنہا چاہتی تھیں کہ اللہ کا رسول ﷺ ان کی حالت زار پر نظر

کرم فرمائیں اور بچوں کو باپ کا پیار لوٹا دیں۔

رسول کریم ﷺ اس کے جذبات سے بے خبر نہیں تھے۔ آپ خوب سمجھتے تھے کہ اس بے چاری کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ لیکن کیا کرتے ابھی تک ظہار کے بارے حکم خداوندی نازل نہیں ہوا تھا۔ جب کوئی مشکل پیش آتی۔ معاملات الجھ جاتے اور راہیں مسدود ہو جاتیں تو اللہ کا حکم ہی قول فیصل ہوتا۔ اس لیے آپ نے پھر وہی جواب دہرایا کہ میرے پاس اس مسئلے کے بارے کوئی حکم نہیں پہنچا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنھا نے لب اس بارگاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا جس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہے اور اس ذات سے مشکل کشائی کی التجا کی جو وحی بھیجنے والی اور زمین و آسمان کی ہر چیز کو وجود بخشنے والی ہے۔

انہیں امید تھی کہ میں اب خالی دامن نہیں لوٹوں گی۔ اب غم و اندوہ کے بادل ضرور چھٹ جائیں گے۔ اور کرب و بلا کی یہ طویل سیاہ رات ضرور سحر آشنا ہو گی۔ ان کی زبان پر اچانک یہ الفاظ جاری ہو گئے۔ میں اپنے درد و الم کا شکوہ حضور باری تعالیٰ میں کرتی ہوں۔

خولہ بارگاہ نبوی سے ایک لمحے کے لیے بھی جدا نہ ہوئیں۔ آہ و بکا میں شدت آگئی۔ بار بار بارگاہ نبوی میں سوال کرتی لیکن یہی جواب ملتا کہ خدا کا فیصلہ نہیں پہنچا۔ اور جب بھی حضور ﷺ یہ ارشاد فرماتے تو حضرت خولہ بارگاہ رب العزت میں التجا کرتیں مولا میری مشکل حل کر دے۔ آخر ان کی دعا سے آسمان کے دروازے کھل گئے اور اللہ کریم نے ان کی شکایت کو سن لیا۔

حضرت خولہ حیرت و اضطراب میں بیٹھی دعا کر رہی تھیں۔ کبھی آسمان کی طرف دیکھتیں اور کبھی اللہ کے رسول کی طرف۔ اچانک حضور ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو آپ قرآن کریم کی یہ آیات تلاوت فرما رہے تھے۔

> قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِىْ تُجَادِلُكَ فِىْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِىْ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ۔ اَلَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَائِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰئِىْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ“ ......

بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ
سے اپنے خاوند کے بارے میں اور (ساتھ ہی) شکوہ کیے جاتی تھی
اللہ سے (اپنے رنج و غم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔
بے شک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے۔
جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں
نہیں ہیں۔ نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا
ہے بیشک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بری بات اور جھوٹ اور بلاشبہ اللہ
تعالیٰ بہت درگزر کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے............

اس بشارت کے ساتھ ساتھ ظہار کی تلافی کا طریقہ بھی نازل فرمادیا کہ اگر کوئی شخص ظہار کر بیٹھے تو کفارہ میں ایک غلام آزاد کرے۔ اگر غلام نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور اگر روزوں کی ہمت بھی نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے۔

حضرت خولہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ دل میں سکون واطمینان نے گھر کر لیا۔ چہرہ خوشی سے کھل اٹھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمنا پوری کر دی تھی اور ان کی دعا کو شرف قبولیت مل گیا تھا۔ ان کی بگڑی بن گئی تھی۔ ان کی مشکلیں حل ہو گئی تھیں۔ عنقریب وہ گھر لوٹ جائیں گی۔ اپنے معصوم بچوں کو کھلائیں پلائیں گی۔ اپنے گھر کے کام کاج نمٹائیں گی اپنے خاوند کے ساتھ اپنے گھر میں رہیں گی۔ اور پہلے کی طرح یمن وسعادت کی زندگی گزارنے کی ابتداء کریں گی۔

حضور ﷺ نے حضرت اوس رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو پوچھا۔ اوس تو نے یہ کیا کیا؟

عرض کی: میرے ماں باپ قربان شیطان نے مجھے دھوکہ دیا۔ میں پاگل ہو گیا اور کچھ سمجھ نہیں سکا۔ میں طیش میں آکر یہ گھناؤنا جرم کر بیٹھا۔ حضور! میں بہت نادم ہوں۔ کیا تلافی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ میں اپنی شریکہ حیات کو واپس لانا چاہتا ہوں۔ میں اپنی آرزوؤں کی تکمیل چاہتا ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا ہاں تم اپنی خوشیاں لوٹا سکتے ہو پھر ان آیات کریمہ کی تلاوت فرمائی: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ............

حضور نے پوچھا: کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو۔ عرض کی: واللہ نہیں پوچھا: کیا تم روزے رکھ سکتے ہو۔ عرض کی: نہیں حضور مجھ میں روزے رکھنے کی ہمت نہیں۔ میں جب تک روزانہ دو مرتبہ نہ کھاؤں مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ لگتا ہے میں بھوک سے مرا جاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا: تو کیا تم صدقہ دے سکتے ہو یعنی ساٹھ مسکینوں کا کھانا۔ عرض کی حضور! اگر آپ میری صدقہ کے مال سے اعانت فرمائیں تو ممکن ہے۔ حضور ﷺ نے ان کی مدد فرمائی حتیٰ کہ انہوں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا۔ اس طرح ان کی بیوی ان پر حلال ہو گئی اور اللہ کریم نے مسلمانوں کو زمانہ جاہلیت کی اس برائی اور ظلم سے بچنے کا ایک وسیلہ عطا کر دیا۔ حضرت خولہ کی وساطت سے زندگی کے ان گوشوں تک بھی اسلام کی روشنی پہنچ گئی جو ابھی تک تاریکی کی لپیٹ میں چلے آتے تھے۔ ازدواجی زندگی کا ایک گوشہ منور ہو گیا۔ گمراہی کا ایک بادل چھٹ گیا اور جاہلیت کی ایک بری اور ظالمانہ رسم کا خاتمہ ہو گیا۔ قرآن کریم کی ان بنیادی تعلیمات نے ساری نجاستوں کو صاف کر کے رکھ دیا۔ اور انسانی زندگی کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کر دی۔ یہ واقعہ اسلام کی وسعت نظری اور آسانی میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے. کہ اسلام نے انسانی زندگی کو کتنی صعوبتوں سے چھٹکارا دیا ہے۔ اور ایسے سہل اور آسان احکامات دیے ہیں جو فطرت کے عین مطابق اور انسانی زندگی کی خوشیوں کو دیرپا بنانے میں بہت معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ اللہ کریم نے کلام مجید کی ان آیات کو خاندان کے لیے بہترین نمونہ اور قابل تقلید اصول بنا دیا ہے۔ بیشک وہ انسانوں پر بہت شفقت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

"واقعہ تحریم"

رسول کریم ﷺ بڑی عظمتوں کے مالک تھے۔ ادھر اللہ کی بارگاہ میں کمال قرب حاصل تھا تو ادھر دنیا میں بھی کمال عزت و توقیر حاصل تھی۔ آپ محبوب خدا ہونے کے ساتھ ساتھ مرجع خلائق بھی تھے۔ ساری مخلوق کی نظریں آپ کے رخ زیبا پر لگی ہوئی تھیں۔ لوگ آپ کی خوشبو سے مشام دل و جان کو معطر کرتے تھے اور آپ کے گلشن حکمت و دانائی سے کلیاں چنتے تھے۔ آپ سماعتوں اور بصارتوں کے لیے خزانہ اور قلب و نظر کے لیے مطمع و منزل تھے۔

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو آپ کی ذات گرامی سے کمال محبت تھی وہ پوری کائنات سے بڑھ کر انہیں چاہتی تھیں۔ ہر ایک اللہ کے محبوب کی خدمت اور مدارت میں سبقت لے جانے کے لئے کوشاں دکھائی دیتی تھی۔ سب کی یہ کوشش ہوتی کہ حضور کی نظر التفات زیادہ سے زیادہ حاصل کریں۔ اسی محبت اور شیفتگی کی وجہ سے ان کے دلوں میں جذبہ مسابقت بھی پیدا ہو جاتا۔ وہ حضور کی نظر عنایت کو حاصل کرنے کے لیے بعض اوقات رقابت کا شکار ہو جاتیں۔ بعض اوقات ان کے دلوں میں شیفتگی کی آگ تیز ہوتی اس کے ساتھ اور محبوب کی قربت کی کوششیں بھی تیز تر ہو جاتیں۔ آخر امہات المؤمنین انسان ہی تو تھیں۔ اور انسان محبت و عشق میں

رقابت اور غیرت کا شکار ہو ہی جاتا ہے۔ کتنی عورتیں ہیں جو اپنے خاوند کی توجہ حاصل کرنے کے لیے دوسری سوکنوں کو نیچا دکھانے کے لیے کوشاں رہتی ہیں۔ امھات المؤمنین تو حضور کو اپنی جان سے بھی بڑھ کر چاہتی تھیں۔ ان کی تو سب سے بڑی سعادت ہی حضور کی زیارت کرتے رہنا تھی۔ رخ زیبا کی زیارت کے لیے اور محبوب رب العالمین کی صحبت میں زیادہ وقت بیٹھنے کی خاطر اگر کبھی رقابت وغیرت کا جذبہ جاگ اٹھتا اور آداب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

رسول کریم ﷺ کا جذبہ پدری موجیں مار رہا تھا۔ آپ اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنھا سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ جب ان پر نظر پڑتی تو جذبہ پدری کو قرار نصیب ہوتا۔ دل کو تسلی ہو جاتی اور سینہ مبارک کھل اٹھتا۔ کیونکہ وہ آپ کی روح کا ثمر اور دل کا ٹکڑا تھیں۔ حتیٰ کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا اور وہ حریم قدس میں تشریف لے گئیں۔ رسول خدا ﷺ تنہائی محسوس کرنے لگے۔ دل میں یہ تمنا کروٹیں لینے لگی کہ ان کے ہاں بھی بیٹا ہوتا۔ تاکہ دل سے تنہائی کا احساس جاتا رہتا اور زینب کی جدائی کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

حضور ﷺ عرصے تک تنہائی اور وحشت کی سختیاں جھیلتے رہے۔ بچے کی تمنا دل میں گھر کر گئی۔ باربار سوچتے کہ بچہ ہوتا اسے دیکھتے تو جذبہ پدری کو قرار نصیب ہوتا اور آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی۔ یہ جذبہ بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ ایک حسرت کی شکل اختیار کر گیا۔ کیونکہ عمر مبارک ساٹھ سال ہو چکی تھی۔ اور قریب تھا کہ آپ اس دنیا فانی سے دار بقا کو تشریف لے جاتے۔ اس عمر کو بھی بچے کا منہ نہیں دیکھ سکے تھے۔ اور اس بڑھاپے میں بھی نور نظر کی تمنا صرف دل میں ایک تمنا ہی تھی۔

نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں والی مصر مقوقس نے تحائف بھیجے۔ ان میں ایک لڑکی بھی تھی جن کا اسم گرامی ماریہ قبطیہ تھا۔ وہ اسلام کی دولت سے بھی مالا مال ہو چکی تھیں۔ رسول خدا ﷺ نے ان تحفوں کو قبول فرمالیا تھا۔ آپ نے حضرت ماریہ کو نہایت عزت و توقیر کا مقام مرحمت فرمادیا تھا۔ انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت میں قبول فرمالیا تھا۔ انہیں بھی وہی مقام حاصل تھا جو دوسری ازواج مطہرات کو حاصل تھا۔ لیکن ان کے لیے گھر مخصوص نہیں کیا تھا۔ جس طرح کہ باقی ازواج مطہرات کے لئے

مسجد نبوی کے ساتھ حجرے تعمیر کروا دیے تھے۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ کے باہر ایک باغ میں تشریف رکھتی تھیں۔ اس باغ میں انگور اور کھجور کے درخت اور کئی دوسری اجناس تھیں۔ حضور وقتاً فوقتاً ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا بھی حضور کی زوجہ محترمہ تھیں اس لیے آپ ان کو وہی محبت دیتے تھے جو دوسری بیویوں کو عطا فرماتے۔ ان کے بطن مبارک سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ حضور کو جب بچے کی پیدائش کی خبر ملی تو آپ بہت خوش ہوئے۔ چہرہ مبارک کھل اٹھا اور روئیں روئیں میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اسی وجہ سے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے پاس قدرے زیادہ وقت صرف ہو جاتا۔ حضرت ماریہ اس پر بہت خوش تھیں۔ اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرتیں اور حمد و ستائش کے گیت گاتیں۔

حضور کو ابراہیم سے بہت محبت تھی۔ وہ انہیں بے حد چاہتے تھے۔ گویا وہ ان کی آنکھوں کا نور اور دل کے لیے سکون تھا۔ آپ ﷺ انہیں دیکھ کر سب غم بھول جاتے۔ بعض اوقات تو دن میں کئی بار بچے کو دیکھنے حضرت ماریہ کے ہاں تشریف لے جاتے۔ بچے کی پاکیزہ اور معصوم مسکراہٹ سے خوش ہوتے۔ اور جذبہ پدری اور طہارت نبوت کا فیض لٹاتے۔ ابراہیم اپنے والد گرامی کی وساطت سے اللہ کریم کی خصوصی رحمت و شفقت کو حاصل کرتے اور حضور ان پر خصوصی فیضان الٰہی لٹاتے۔

ایک دن حضور بچے کو اٹھائے حضرت عائشہ کے سامنے سے گزرے۔ حضرت عائشہ کا جذبہ مسابقت جاگ اٹھا۔ اور رشک و رقابت کے جذبات قابو سے باہر ہو گئے۔ محبوب خدا ابراہیم کی وجہ سے ماریہ کے اتنے قریب چلے گئے اور اب دن میں کئی بار اسے زیارت نصیب ہونے لگی۔ کاش ہماری گود بھی آباد ہوتی تو اللہ کا رسول اس بہانے ہمیں بھی زیادہ سے زیادہ وقت دیتے اسی طرح دوسری ازواج مطہرات بھی جذبہ رشک میں بے تاب ہو گئیں۔

رسول کریم ﷺ نے جہاں جاہلیت کے دوسرے ظالمانہ قوانین کی بیخ کنی کی وہاں ازدواجی پہلو میں بھی اصلاحات فرمائیں۔ آپ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ بہت شفقت اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔ انہیں آپ کی نظر میں بڑی قدر و منزلت اور بڑا احترام اور وقار حاصل تھا۔ حضور جب بھی انہیں دیکھتے نہایت محبت اور شفقت برتتے

اور بندہ پروری کا مظاہرہ کرتے۔ ازواج مطہرات بھی آپ سے بہت محبت کرتیں اور آپ کا بے حد احترام بجا لاتیں۔ لیکن محبت میں کچھ بے تکلف ہو گئی تھیں۔ اسی بے تکلفی میں بعض اوقات کچھ ایسی باتیں بھی کر بیٹھتیں جو دربار نبوت کی نزاکت کے پیش نظر پسندیدہ نہ ہوتیں اور حضور ﷺ کبیدہ خاطر ہو جاتے۔

ایک دن حضور ﷺ حضرت حفصہ کے حجرے میں تھے۔ انہوں نے میکے جانے کی اجازت مانگی۔ حضور ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی۔ ان کی عدم موجودگی میں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا تشریف لے آئیں اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں کچھ وقت تک رسول رحمت ﷺ کے ساتھ رہیں۔ جب حفصہ واپس آئیں تو ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حجرے میں دیکھا۔ آپ دروازے پر رک گئیں اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگیں۔ ان کا دل جذبہ رقابت اور غیرت سے جل کر راکھ ہو گیا۔ میری باری میں اور میرے حجرے کے اندر ماریہ! جب حضرت ماریہ تشریف لے گئیں تو حضرت حفصہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کی: میں نے دیکھ لیا کہ آپ کے ساتھ اندر کون تھا۔ خدا کی قسم یہ میرے لیے گالی سے کم نہیں ہے۔ اگر آپ کے دل میں میرے لیے ذرا بھی محبت اور چاہت کا جذبہ ہوتا تو آپ ماریہ کو ہرگز نہ بلاتے۔

حضور ﷺ سمجھ گئے کہ حفصہ جذبہ رقابت میں جل رہی ہے۔ اور وہ اسی جذبہ کے تحت حضرت ماریہ کی موجودگی کا ذکر کر بیٹھیں گی اور دوسری ازواج اور حفصہ کے والدین کو بھی شاید دکھ ہو اس لیے فرمایا کہ ٹھیک ہے میں قسم اٹھاتا ہوں کہ ماریہ کے ساتھ آئندہ تعلقات ازدواج نہیں رکھوں گا لیکن یہ کسی کو نہ بتانا کہ میں نے آپ کے حجرے میں ان کے ساتھ وقت گزارا ہے۔ کیونکہ یہ چیز نبوت کی نزاکتوں کے ظاہر اخلاف ہو گی اور لوگ اصل حقائق کو نہیں سمجھ سکیں گے۔ حفصہ نے وعدہ کیا کہ حضور میں اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کروں گی اور کسی زوجہ محترمہ کو دلی اذیت نہیں دوں گی۔

لیکن بتقاضاء بشریت وہ یہ راز افشاء کر بیٹھیں۔ اور حضرت عائشہ سے باتوں باتوں میں کہہ بیٹھیں۔ بات تمام ازواج مطہرات تک پہنچ گئی انہوں نے رسول محترم ﷺ کی خدمت میں جسارت کرنی شروع کر دی۔ اور آپ سے بحث و تکرار کر

بیٹھیں۔ حضور کے پاس اتنا وقت کہاں کہ سوکنوں کے جذبہ رقابت کو ٹھنڈا کرتے پھرتے۔ آپ نے ان کی تادیب کا ارادہ فرمالیا۔

آپ نے عزم صمیم کیا کہ ایک ماہ تک وہ ازواج مطہرات سے الگ تھلگ رہیں گے۔ تاکہ وہ آداب بارگاہ نبوت کو سمجھ لیں ضرورت سے زیادہ بے تکلفی نہ کریں۔ اور جس جذبہ رقابت نے انہیں خودسر کردیا ہے وہ ماند پڑ جائے۔

آپ بالا خانہ میں تشریف لے گئے۔ کھجور کے درخت کی سیڑھی سے چڑھ کر اوپر بیٹھ گئے۔ بالا خانہ پر صرف ایک کھردری چٹائی تھی۔ کھانے کے لیے کچھ جو تھے جنہیں تناول فرما کر تقویت حاصل کرتے۔ آپ کے غلام حضرت رباح بھی بالا خانہ پر آپ کے ساتھ تھے۔ وہ دروازے پر بیٹھ گئے۔ اور کسی کو اندر نہ آنے دیا۔

حضور ﷺ خلوت کی ان گھڑیوں میں اپنے رب کی قدرتوں میں غور و فکر کرتے رہے اور جزیرہ عرب کے مسلمانوں کے امور کے متعلق غور و خوض میں لگے رہے۔ کیونکہ ان دنوں مسلمان سخت رنج والم میں مبتلا تھے۔ حضور ﷺ کی طرف سے کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔ لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہ کو طلاق دے دی ہے۔ کیونکہ انہوں نے حضور کے ایک راز کو افشاء کر دیا ہے حالانکہ حضور نے اخفاء کی تاکید فرمائی تھی۔ اور حضور نے ناراض ہو کر باقی عورتوں سے بھی علیحدگی اختیار فرمالی ہے۔ صحابہ میں یہ بات پھیل گئی چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ حضور ﷺ کی تکلیف کی وجہ سے صحابہ کرام کی آنکھیں بھی پرنم ہو گئیں۔ سب بے تاب تھے کہ اللہ کے محبوب کو دلی صدمہ پہنچا ہے۔ ان کے دل حسرتوں کی آماجگاہ بن گئے۔ آرام و سکون رخصت ہو گیا۔ مسجد میں ایک عجیب سماں تھا۔ سب مسلمان حیرت و استعجاب میں بیٹھے کنکریوں کو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ کبھی ایک دوسرے کو دیکھتے اور کبھی بالا خانہ کی طرف نگاہ اٹھاتے کہ حسن سرمدی کی ایک جھلک دیکھنا نصیب ہو جائے۔ لیکن حضور بالا خانہ میں تشریف فرما تھے۔ اسی قلق واضطراب کی کیفیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور آکر بلند آواز سے حضرت رباح کو کہا میں اللہ تعالیٰ کے محبوب کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت رباح اندر گئے اور باہر آکر خاموش کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمر نے پھر بلند آواز سے اذن باری چاہا اور اصرار

کیا تو آپ کو اجازت مل گئی۔ آپ اوپر تشریف لے گئے اور بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ کمرے میں نظر دوڑائی تو رو دیے۔ حضور ﷺ نے پوچھا۔ عمر کیوں روتے ہو۔ عرض کی۔ میرے والدین حضور پر قربان ہوں: قیصر و کسریٰ عیش و عشرت میں ہوں اور للہ کا محبوب اس فقر و تنگ دستی میں۔ حضور کی عسرت و تنگ دستی کا خیال کر کے رونا آگیا ہے۔ حضور نے انہیں "اے کریم دوست" کہہ کر مخاطب فرمایا تو وہ خوش ہو گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔ حضور! آپ پر عورتوں کا معاملہ شاق گزرا ہے۔ اگر آپ انہیں طلاق دے دیں تو اللہ کریم آپ کے ساتھ ہے آپ کو ملائکہ خصوصًا جبرائیل امین کی معیت حاصل ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق، میں خطاب کا بیٹا عمر، علی اور عثمان اور تمام مؤمن حضور کے ساتھ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور کو خوش کرنے کے لیے کچھ مزاح فرمایا تو آپ ہنس پڑے۔ حضرت عمر تھوڑے سے بے تکلف ہوئے اور جب سمجھے کہ اب موقع مناسب ہے تو عرض کی: حضور لوگ مسجد میں باتیں کر رہے ہیں۔ میں تو اس سے بہت رنجیدہ خاطر ہوا ہوں حضور سب بہت پریشان ہیں۔ زار و قطار رو رہے ہیں۔ ذرا آپ مہربانی فرمائیں انہیں تسلی دیں اور اصل صورت حال سے پردہ ہٹائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ لوگ یہ نوید سن کر خوش ہو گئے۔ مدینہ طیبہ کے ہر مسلم گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب صحابہ فرحت و انبساط سے جھوم اٹھے۔ اب انہیں یقین ہو گیا کہ آپ زیادہ دیر بالاخانہ پر نہیں رہیں گے۔ حضور ضرور اپنے حجروں میں تشریف لے جائیں گے اور امہات المؤمنین کو تمام مسلمانوں کو زیادہ دیر فرقت کے صدمے نہیں اٹھانا پڑیں گے۔

اسی دوران حضرت جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے اور اللہ کا یہ پیغام سنایا۔

يَآيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۔ تَبْتَغِىْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ قَدْفَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلَاكُمْ ۔ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِىُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۔ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ

اَنۡبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَ نِىَ الۡعَلِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ۔ اِنۡ تَتُوۡبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡصَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا وَاِنۡ تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰهُ وَجِبۡرِيۡلُ وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ ‘‘۔ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنۡ طَلَّقَكُنَّ اَنۡ يُّبۡدِلَهٗۤ اَزۡوَاجًا خَيۡرًا مِّنۡكُنَّ مُسۡلِمٰتٍ مُّؤۡمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبۡكَارًا۔

اے نبی (مکرم) آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے۔ (کیا یوں) آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لیے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ (یعنی کفارہ) اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے۔ اور وہی سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔ اور (یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے) جب نبی کریم نے رازداری سے اپنی ایک بیوی کو ایک بات بتائی پھر جب اس نے (دوسری کو) راز بتا دیا (تو) اللہ نے آپ کو اس پر آگاہ کر دیا۔ آپ نے (اس بیوی کو) کچھ بتا دیا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی۔ پس جب آپ نے اس کو اس پر آگاہ کیا تو اس نے پوچھا آپ کو اس کی خبر کس نے دی ہے۔ فرمایا مجھے اس نے آگاہ کیا ہے جو علیم و خبیر ہے۔ اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرو اور تمہارے دل بھی (توبہ کی طرف) مائل ہو چکے ہیں (توبہ تمہارے لیے بہتر ہے) اور اگر تم نے ایکا کر لیا آپ کے مقابلہ میں تو (خوب جان لو) کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے جبرائیل اور نیک بخت مؤمنین بھی آپ کے مددگار ہیں۔ اور ان کے علاوہ سارے فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں۔ کچھ بعید نہیں اگر نبی کریم تم سب کو طلاق دے دیں تو آپ کا رب تمہارے عوض آپ کو ایسی بیویاں عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں گی۔ پکی مسلمان، ایمان والیاں، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ دار، کچھ پہلے بیاہیاں اور کچھ کنواریاں۔ (سورۃ تحریم: ۱ تا ۵)

"حضرت زینب بنت جحش"

حضور اس بچے کا نام زید بن حارثہ ہے۔ میرے آقا میں یہ غلام حضور کو ھبہ کرتی ہوں۔ آج سے یہ آپ کا غلام ہے۔ اس کی وفاداریاں آپ کے نام اور امانت داری آپ کے لیے ہو گی۔ حضور ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا شکریہ ادا کیا اور یہ قیمتی تحفہ قبول فرمالیا۔ حضرت زید بصد فرحت و مسرت محبوب خدا ﷺ کی خدمت میں لگ گئے اور دارین کی سعادتیں سمیٹنا شروع کر دیں۔

زید کے والد حارثہ کو پتہ چلا کہ میرا عرصے سے گمشدہ لخت جگر مکہ میں کسی شخص کے پاس غلام ہے۔ اس نے بھاری رقم دیکر اپنے بیٹے کو آزاد کرانے کے لیے ایک وفد بھیجا۔ وفد نے حضور کی بارگاہ میں عرض کی کہ زید ان کا بیٹا ہے اور ایک بہت بڑے قبیلے کے سردار کا لخت جگر بچپن سے گم ہوا ہے اور غلامی کی منڈیوں میں بکتا ہوا یہاں تک آپہنچا ہے۔ اب اس کے قبیلے کو اور والدین کو اس کی موجودگی کی اطلاع ملی ہے۔ آپ جتنی رقم چاہیں لے لیں اور زید کو آزاد کر دیں۔

شہنشاہ کونین ﷺ نے فرمایا: اگر زید تمہارے ساتھ جانا چاہے تو آزاد ہے۔ مجھے کسی معاوضے کی ضرورت نہیں۔ حضرت زید کو خاندان کے لوگوں سے ملاقات کا موقعہ دیا گیا۔ انہوں نے آپ کو بتایا کہ تم ایک قبیلے کے رئیس زادہ ہو۔ ہم تمہیں لینے

آئے ہیں۔ اور تیرے کریم آقا نے اجازت بھی دے دی ہے۔ آؤ! آزادی کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو جاؤ اور غلامی کی زندگی کی کلفتوں سے چھٹکارا حاصل کر لو۔ حضرت زید نے فرمایا: نہیں مجھے حضور سرور کائنات کی غلامی پر ناز ہے۔ میں اس سعادت کو خیرباد کہہ کر تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا بلکہ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تم بھی کائنات کے اس بادشاہ کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال لو اور آزادی کو قربان کر کے اس کریم کی غلامی کے مزے لوٹو۔

اس فدائیت خود سپردگی اور وفاداری کی وجہ سے لوگ حضرت زید کو زید بن حارثہ کی بجائے زید بن محمد کہنے لگے۔

زید عنفوان شباب کو پہنچے۔ جسم میں طاقت کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ بچے جب جوان ہو جاتے ہیں تو والدین کو شادی کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ حضور نے جب دیکھا کہ زید جوان ہو گیا ہے تو آپ نے ان کی شادی کا پروگرام بنایا۔ بیوی کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو مکہ میں نظر دوڑائی۔ سب معزز گھرانوں کی بیٹیوں کو ایک نظر دیکھا کیونکہ والدین اچھے گھرانے کی اچھی بیٹیوں کا انتخاب کرتے ہیں۔

بندہ پروری کی انتہاء ملاحظہ ہو کہ حضور کی نگاہ انتخاب حضرت زینب پر جا کر رکی جو آپ کی پھوپھی امیہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔

رشتے کی بات کرنے کے لیے حضور ﷺ خود تشریف لے گئے۔ حضرت زینب سے اس رشتے کی بات کی۔ حضور حضرت زید کو ان کی وفاؤں کا صلہ دینا چاہتے تھے اور انھیں باور کرانا چاہتے تھے کہ تم نے ہماری غلامی کو اختیار کر کے کوئی گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔

حضرت زینب کے بھائی عبداللہ بن جحش نے انکار کر دیا۔ کیونکہ زید حضرت زینب کا ہم کف نہیں ہے۔ اس انکار میں حضرت زینب کا بھی ہاتھ تھا۔ انہیں بھی یہی اعتراض تھا کہ زید کا خاندان بنو ہاشم کا ہم پلہ نہیں۔ لیکن

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

"نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب فیصلہ فرما دے اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا تو پھر

انہیں کوئی اختیار ہو اپنے اس معاملے میں"(الاحزاب :۳۶)

کسی بھی شخص مرد ہو یا عورت اس کے لیے یہ صحیح نہیں کہ وہ کسی ایسے امر کو اختیار کریں جو اللہ کے فیصلے کے خلاف ہو۔ رسول خدا ﷺ نے اصرار فرمایا تو حضرت عبداللہ بن جحش مان گئے اور حضرت زینب نے بھی اللہ اور اس کے سول کے فیصلے کے سامنے سر جھکا لیا۔ اور انہیں ایسا کرنا ہی چاہیئے تھا کیونکہ ان کے ذریعے کتاب کریم نے جاہلیت کی ایک باطل رسم کی بیخ کنی کرنا تھی۔

حضرت زید اور حضرت زینب رضی اللہ عنھما میاں بیوی کی حیثیت سے خوشی خوشی زندگی بسر کرتے رہے۔ اور اللہ نے انہیں توفیق دی کہ اس عرصہ تک ان کے درمیان کوئی تلخی نہ آئی۔ دونوں بہت خوش تھے۔ اللہ کی عطا کردہ سعادتوں سے بہرہ مند امید ورجاء کے سب اسباب انہیں حاصل تھے۔ کافی عرصہ گزرنے کے بعد مشیت ایزدی سے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو لوگوں کے لیے ایک شریعت اور قانون قرار پایا۔ یہ واقعہ امور دین میں مینارہ نور ثابت ہوا اور کائنات بھر کے لوگوں کے لیے مشعل راہ اور بہت سارے باطل اور فرسودہ وضعی قوانین اور رسوم کی اصلاح ہو گئی۔ عرب کے دستور کی مخالفت اور ان کی خود ساختہ پابندیوں اور خرافات کے خلاف صرف وہی شخص آواز بلند کر سکتا تھا جس کا ایمان مضبوط ہو اور جس کا دل اللہ کی معرفت سے بھرا ہوا ہو، اور ان اوصاف حمیدہ کے ساتھ ساتھ اسے قومی اور نسلی عصبیت اور عزت و وقار بھی حاصل ہو۔ کوئی بزدل اور مصلحت پسند شخص بھی یہ جرأت نہیں کر سکتا۔ بلکہ ضروری ہے کہ وہ بہادر ہو اور کمال درجے کا عقل مند اور ذہین ہو۔ کیا ان صفات میں دنیا کا کوئی شخص رسول محتشم ﷺ کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ ہر گز نہیں۔

ایک عرصہ گزرنے کے بعد زینب اور زید کے تعلقات میں تلخیاں اور کمزوریاں آجاتی ہیں۔ میاں بیوی کا تعلق جو ایک عرصہ سے مضبوط چلا آتا تھا اچانک کمزور پڑ جاتا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ شکایت کی غرض سے کاشانہ نبوی میں تشریف لاتے ہیں اور طلاق دینے کا مشورہ کرتے ہیں۔ حضور جیسا کریم اور رحیم شخص بھلا جدائی کی اجازت کب دے سکتا تھا۔ آپ حضرت زید کو نصیحت کرتے ہیں اور تاکید فرماتے ہیں: زید! اللہ تعالیٰ نے عسرت کے باوجود زینب جیسی بلند اخلاق خاتون کے

ساتھ تمہیں نکاح کی توفیق بخشی ہے زینب کے انکار کے باوجود اللہ کریم نے اس کے دل میں آمادگی پیدا کی ہے۔ ممکن ہے کچھ دنوں تک تمہارے تعلقات میں خوشگوار تبدیلی آجائے۔ انہیں طلاق مت دو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ زینب تمہاری بیوی ہے اسے طلاق دے کر عیب نہ لگاؤ اس عیب کی تلافی پھر ممکن نہیں۔ غصہ جانے دو اور تعلقات کو ختم نہ کرو۔ سمجھ سے کام لو۔ جس تعلق کو خدا نے جوڑا ہے اسے توڑنے کی کوشش نہ کرو۔ یاد رکھو تمہارا نکاح قرآن کریم کی آیات کے نزول کے بعد ہوا ہے ورنہ زینب تو پہلے روز سے اس نکاح کو ناپسند کر رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کر دیا ہے اس کے سامنے گردن جھکا دو۔

حضور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو تاکید فرماتے رہے کہ زینب کو طلاق نہ دو لیکن جب مشیت ایزدی پر نظر کرتے اور جو کچھ ہونے والا تھا اس کا خیال کرتے تو کانپ جاتے۔ میرے مولا! زینب کو طلاق۔ میرے وفادار غلام زید رضی اللہ عنہ کی دل شکنی حضور قضاء و قدر کے فیصلے کو چھپا بھی رہے تھے اور بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کر رہے تھے کہ مولا زید اور زینب رضی اللہ عنہما میں جدائی اور فرقت نہ ہو۔ آپ بار بار دعا کرتے کہ ہو سکتا ہے اللہ کریم اپنے فیصلے کو بدل دے اور میاں بیوی کے درمیان صلح ہو جائے لیکن اس طرح وہ معاملہ ختم ہو جاتا جسے دست قضا ثبت کرنے والا تھا اور جس سے اسباب شریعت نے مکمل ہونا تھا۔

حضور ﷺ حضرت زید کو بار بار نصیحت کرتے رہے اور اللہ کریم سے رو رو کر دعائیں بھی کرتے رہے کہ تقدیر کا لکھا ٹل جائے اور قضاو قدر کا یہ فیصلہ محو ہو جائے لیکن رب قدوس کا فیصلہ صادر ہو چکا تھا۔ وحی میں آپ کو بتایا گیا۔

وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰاهُ

"اور آپ مخفی رکھے ہوئے ہیں اپنے جی میں وہ بات جسے اللہ ظاہر فرمانے والا ہے۔ اور آپ کو اندیشہ ہے لوگوں (کے طعن و تشنیع) کا حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں"

(الاحزاب : ۳۷)

رسول کریم ﷺ حضرت زید سے خدائی فیصلے کو چھپا رہے تھے کہ ہو سکتا ہے میری شفاعت سے زید اور زینب میں جدائی نہ ہو لیکن جسے اللہ ہدایت دے اسے کون گمراہ کر سکتا ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کون ہدایت کی راہ پر لا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کی رضا کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ کیونکہ انسانوں کے رسم و رواج تشریع کی بنیاد نہیں بن سکتے اور نہ کسی قانون کی انہیں اساس قرار دیا جا سکتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ان رسوم فاسدہ کی بیخ کنی کا بیڑا اٹھایا تھا لہذا متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کے متعلق عربوں کے فاسد اور باطل نظریے کو بھی آپ ﷺ کے ذریعے کالعدم کرنا مقصود تھا تاکہ حضور کی سیرت طیبہ جہاں دوسرے معاملات میں مشعل راہ ہے اس سلسلے میں بھی منارہ نور ثابت ہو۔

خدائی فیصلہ صادر ہوا۔ حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی۔ رضی اللہ عنہما۔

جب عدت گزر گئی تو رب قدوس کے حکم سے رسول خدا ﷺ نے حضرت زینب سے نکاح فرما لیا۔ حضرت زینب کو اس نکاح پر بڑا ناز تھا۔ وہ اس سعادت پر پھولے نہ سماتی تھیں اور ازواج مطہرات سے کہا کرتی تھیں کہ میرے نکاح میں ولی خود رب قدوس تھا۔ مگر تمہارے ولی تمہارے جیسے انسان تھے۔ یہ واقع عرب کے دستور اور رسم و رواج کے مخالف تھا۔ عرب کے اعتقادات اور نظریات ایسے نکاح کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ وہ متبنیٰ کو حقیقی بیٹے کی طرح تمام حقوق دینے کے قائل تھے۔ خواہ ان حقوق کا تعلق نسب سے ہوتا یا وراثت سے۔ یہ اعتقاد ان کے ذہنوں میں رچ بس گیا تھا اور اس معاشرے کا حصہ بن گیا تھا۔ ان کے اندر اس جوئے کو اتار پھینکنے کی طاقت نہیں تھی۔ وہ ان اوہام باطلہ کو اتنا تقدس دیتے تھے کہ ان کے خلاف سوچنا بھی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ رسول خدا ﷺ کے پاس واضح حکم اور قاطع حجت آچکی تھی۔ آپ نے معاشرتی پابندیوں کے باوجود خدائی حکم کو نافذ فرما دیا اور لوگوں کو یہ باور کرا لیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کے حقوق حاصل نہیں کر سکتا۔ اس تبدیلی اور اس قانون کو رواج دینے کے لیے حضرت رسول اکرم ﷺ سے زیادہ موزوں اور کون ہو سکتا تھا۔ آپ ہی تو وہ

شخصیت تھے جنہوں نے جاہلیت کے ربوٰ کو ختم کر دیا تھا۔ اور سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ربوٰ معاف فرمایا تھا۔ تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اس اقدام میں لوگوں کے لیے بہتری ہے اور ان کے دلوں سے شیطانی وسوسوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

حضرت زید اور حضرت زینب کے واقعہ پر لوگوں نے بہت اعتراض کیے اور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی ان تھک کوشش کی۔ لیکن بے سود۔ دراصل یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں کجی تھی۔ جن کے من میں گمراہی اور برائی کی غلاظت کے سواء کچھ نہ تھا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت زینب کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے (نعوذ باللہ من ذالك) محبوب خدا ﷺ کی شان اقدس اس سے بہت بلند ہے۔ کہ آپ خواہشات نفسانی اور ہوائے طبعی سے مغلوب ہو کر اللہ کے حکم سے سر تابی کریں۔ حضرت زینب کوئی اجنبی تو تھی نہیں کہ اچانک نظر آئیں اور آپ فریفتہ ہو گئے۔ وہ آپ کی پھوپھی زاد تھیں وہ حضور کے سامنے جوان ہوئیں۔ حضور ﷺ بھی جوان تھے اور آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی تیرہ سال بعد جب کہ زینب رضی اللہ عنہا شوہر دیدہ ہو گئیں اور ان کی جوانی کی جولانیوں میں پہلی سی تروتازگی نہ رہی تو آپ کو اچانک ان سے شادی کا خیال آگیا۔ حضور تو مصروف ترین شخصیت تھے۔ آپ کو مصروفیات اور سلسلہ غزوات سے فرصت ہی کب تھی کہ وہ عورتوں کے ہو کر رہ جاتے۔ پھر آپ کوئی معمولی شخصیت ہی کب تھے۔ وہ ایک ایسے خاندان کے چشم وچراغ تھے جن کی سرداری کرامت اور صفوت قلبی کے چرچے زبان زد عوام تھے۔

قوم اذا حاربوا شددوا مآزرهم

دون النساء ولو باتت باطهار

وہ ایسی قوم کے فرد ہیں کہ جب وہ جنگ کرتے ہیں تو اپنے تہبند کس لیتے ہیں اور عوتوں کے پاس نہیں جاتے اگرچہ وہ طہارت کی حالت میں ہی رات گزار رہی ہوں۔

آپ تو وہ شخصیت تھے جن کا دامن ہر کمزوری سے پاک تھا۔ جن کو اللہ کریم نے دنیا کی زیب وزینت کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے سے بھی روک دیا تھا۔ بلکہ آپ کی فطرت تو

اتنی پاک تھی کہ قبل از نبوت بھی لوگ ان کے محاسن اور بلندی کردار کی شہادت دیتے تھے۔ قبل از بعثت کی زندگی گواہ ہے آپ نے جوانی کے عالم میں کسی عورت کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ عنترہ نے گویا آپ ہی کے اخلاق کریمانہ کی تصویر کشی کی ہو۔ وہ کہتا ہے۔

وَاَغضُ طَرفِیْ اِنْ بَدَتْ لِیْ جَارَتِیْ
حَتّٰی یُوَارِیْ جَارَتِیْ مَاوَاهَا

اگر میری پڑوسن میرے سامنے آجائے تو میں نظریں جھکالیتا ہوں حتی کہ وہ گھر چلی جاتی ہے اور میری نظروں سے غائب ہو جاتی ہے۔

بلکہ آپ تو وہ ذات قدسی صفات ہیں جن کے بارے خود رب قدوس گواہی دیتے ہوئے فرماتا ہے

(وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيمٍ)
"اور بیشک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں"

مولای صل وسلم دائما ابداً
علی حبیبك خیر الخلق كلهم

اختتمت هذه الترجمة بعون الله تعالى و ببركة سيدالانام ﷺ
يوم السبت بعد صلوة العشاء حسب التاريخ ٣-١٠-١٩٩٨ الميلادى
فى الربع رمضان المبارك فى صحبة رفيقى و محبى محمد اسلم الاستاذ فى
الجيش الاسلامى المعسكر چهور سنده